اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

کتاب مستطاب

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

یعنی

سوانح اقدس حضرت سرور عالم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حصۂ اوّل

از ولادت تا ختم سلسلۂ غزوات مع مقدمہ مشتمل بر نقد فن سیر و تاریخ عرب قبل ظہور بعثت

((تالیف))

حجۃ الملۃ والدین علامہ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المتوفی ۲۸ ذیحجہ سنہ ۱۳۳۲ھ

باہتمام: مولوی مسعود علی ندوی

در مطبع معارف شہر اعظم گڈھ مطبوع گردید

طبع ششم

فہرست مضامین

سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم حصہ اول

مقدمہ
(فن روایت)
۱ — ۱۰۳

سنہ ۶ھ

صلح حدیبیہ بیعت رضوان

۴۴۷ – ۴۶۱

سنہ ۶ھ (آخر)

سلاطین کو دعوت اسلام

۴۶۲ – ۴۷۴

سنہ ۹ ھ
ایلاء اور تخییر غزوۂ تبوک
مسجد ضرار حج الاسلام
۵۴۷ - ۵۷۲

غزوات پر دوبارہ نظر
۵۷۳ - ۶۲۲

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع چہارم سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم جلد اول

سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سلسلہ کو اللہ تعالیٰ نے جو مقبولیت بخشی وہ مصنف اور جامع دونون کے لئے بڑی نعمت ہی، جس پر اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے،

نومبر ۱۹۱۴ء مین مصنف کی وفات کے بعد جب سیرۃ کا مسودہ مصنف کی وصیت کے مطابق اس ہیچمدان کے ہاتھ مین آیا، تو اُس عقیدت کی بنا پر جو ایک شاگرد کو اپنے استاد سے ہونی چاہئے، استاد کے مسودہ پر انگلی رکھتے ہوئے بھی ڈر معلوم ہوتا تھا، اگر کبھی بہ ضرورت ایسی گستاخی کرنی پڑتی تھی تو خواب مین بھی ڈرجاتا تھا، مسودہ کا مبیضہ مصنف کے سامنے ہو چکا تھا، اس لئے اس مبیضہ کا مقابلہ مسودہ سے اور نہ مسودہ کا مقابلہ اصل ماخذون سے مین نے کیا، بلکہ مصنف کی امانت جون کی تون ناظرین کے سپرد کردی، بجز اس کے کہ بعض مقامات پر مصنف کے اشارون کے مطابق بعض چیزون کا اضافہ ہلالین مین کردیا، جس کی تصریح دیباچہ مین موجود ہے،

اس کے بعد اس نسخہ کی نقل در نقل چھپتی رہی، اور مقابلہ اور تصحیح ماخذ کی ضرورت نہین سمجھی،

لیکن اس اثنا مین کبھی کبھی مراجعت کے وقت بعض مقامون پر تصحیح اور اضافہ کی نئی ضرورت محسوس ہوتی رہی، اور اس کے مطابق ایک نسخہ پر یہ تصحیحات اور اضافے وقتاً فوقتاً کرتا رہا،

اس دفعہ جب نئے نسخہ کے چھاپنے کی ضرورت ہوئی تو خیال آیا کہ اس کتاب کے مسودہ کو اصل ماخذون سے ملا کر دیکھا جائے اور مقابلہ اور مطابقت کی جائے، یہ بڑا مشکل کام تھا، بیسیون کتابون کو پھر سے دیکھنا، اور ہزارون صفحون کو الٹنا، متعدد و مختلف روایتون کو پرکھنا، اور ضرورت کے مقام پر حاشیے لکھنا، خود ایک مستقل تصنیف کے برابر محنت تھی، مجھے یہ لکھنے مین بڑی خوشی ہے کہ لائق عزیز مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی اس کام مین میرے دست و بازو ثابت ہوئے، واقعات کی تلاش اور جانچ، روایتون کی چھان بین، اصل عبارتون سے مسودہ کی تطبیق اور حدیث اور سیرت کی کتابون کی طرف از سر نو مراجعت مین اون سے بڑی مدد ملی،

کچھ مقام ایسے بھی تھے جہان اس ہیچمدان جامع کو مصنف کے نظریہ سے اختلاف تھا، اس دفعہ وہان حاشیے بڑھا کر اختلاف کو ظاہر کر دیا، کہین کسی واقعہ کے اجمال کی تفصیل یا دفع شبہہ کی ضرورت تھی، وہاں اس ضرورت کو پورا کیا گیا، بعض مسامحات پر تنبیہ مناسب تھی وہ کی گئی، کہین فروتر ماخذ کا حوالہ تھا، اور اثناے مطالعہ مین اس سے بالاتر ماخذ ملا تو اس کا حوالہ دے دیا گیا،

یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ دو چار مقام مین عدد کی غلطی جو اردو ہندسون مین اکثر ہو جاتی ہے، اصل مبیضہ مین بھی موجود تھی، مراجعت کے وقت اُن کی غلطی معلوم ہوئی، اور اب اُن کی تصحیح

کر دی گئی، مثلاً حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی کے سلسلہ مین حضرت علی رضی اللہ عنہ کی زرہ کی قیمت سوا روپیے چھپ گئی تھی، حالانکہ وہ سوا سو ہے، اسی طرح غزوۂ احزاب مین کفار کے لشکر کی تعداد ۲۴ ہزار درج ہوئی تھی، حالانکہ وہ بعض روایت مین ۱۴ ہزار لیکن صحیح روایات مین دس ہزار ہے،

مولانا کی زندگی مین اس کی تصنیف کے وقت اُن کو بعض کتابین قلمی ملی تھین جیسے روض الانف جس سے پورا استفادہ وقت طلب تھا، اب وہ چھپ گئی ہے، بعض کتابون کی اُن کو تلاش ہی رہی، مگر اُن کو نہ مل سکی، جیسے کتاب البدایہ والنہایہ ابن کثیر، مصنف سے اکثر حسرت کے ساتھ سنا کہ افسوس کہ تاریخ ابن کثیر نہین ملتی، وہ مل جاتی تو ساری مشکلین حل ہو جاتین، اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب وہ چھپ کر عام ہو گئی، مستدرک حاکم اُس وقت تک ناپید تھی، اب طبع ہو کر گھر گھر پھیل گئی، غرض ان کتابون کے ہاتھ آجانے سے بہت سے نئے معلومات بڑھ گئے، چنانچہ اس نسخہ کی تصحیح و اضافہ مین اُن سے کام لیا گیا،

اس نسخہ کی تیاری مین جن خاص باتون کا لحاظ رکھا گیا ہے وہ یہ ہین:-

۱۔ پوری کتاب کے واقعات کو از سر نو حدیث و سیر کی کتابون سے ملا کر دیکھا گیا ہے، اور اس مین جہان نقص نظر آیا دور کیا گیا ہے،

۲۔ تصحیح بیان، دفع شبہہ، رفع ابہام اور تشریح کے لئے بہت سی توضیحی حواشی بڑھائے گئے ہین،

۳۔ مصنف کا کوئی بیان اگر نقد اور تنبیہ کے قابل معلوم ہوا تو اُس پر نقد اور تنبیہ کی گئی ہے،

۴۔ کہین کہین حوالے چھوٹ گئے تھے، اس نسخہ مین اُن کو بڑھا دیا گیا ہے، کہین صرف کتابون

کے نام تھے، اس دفعہ اُن کے صفحے یا باب بھی لکھ دیئے گئے،

۵۔ جہان صرف صفحون کے حوالے تھے، ابواب اور فصول کے حوالے بھی دیدیئے گئے، تاکہ جس کے پاس ماخذ کی کتاب کا جو اڈیشن ہو اس مین نکال کر دیکھ لیا جا سکے،

۶۔ طبع اوّل کے بعد سے سیرت یا حدیث کی جو نئی کتابین چھپی تھین، اُن سے استفادہ کرکے اگر کوئی نئی بات اُن مین ملی ہے، تو اُس کا اضافہ کیا گیا،

۷۔ اگر کوئی حوالہ پہلے کسی نیچے درجہ کا تھا، اور بعد کو اُس سے اعلیٰ درجہ کا حوالہ ملا تو اُس کو بڑھا یا گیا،

۸۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے نام مبارک کے ساتھ صلعم کے اختصار کے بجائے پورا صلی اللہ علیہ وسلم لکھنے کا اہتمام کیا گیا، تاکہ اس تساہل سے درود پڑھنے کی برکت سے ناظرین کو محرومی نہ ہو،

غزوۂ بدر کی روایتون کی تنقید کے سلسلہ مین ایک مقام پر اس نافہم ہیچمدان کے خطا کار قلم سے حضرت کعب رضؓ بن مالک صحابی کی روایت پر نامناسب تنقید نکل گئی تھی جس سے ایک گونہ ایک جلیل القدر صحابی کی شان مین سوء ظن کا پہلو پیدا ہوتا تھا، جس پر مجھے شرمندگی ہے، اور اب مین اپنی اس غلطی و نادانی کو مان کر اس عبارت کو قلم زد کرکے صحابیِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برأت کرتا ہون اور اللہ تعالیٰ سے عفو کا خواستگار ہون،

بندہ ہمان بہ کہ ز تقصیر خویش | عذر بہ درگاہِ خدا آورد

جن لوگون کے پاس اس سے پہلے کے نسخے ہون وہ اپنے نسخہ[لہ] سے ان سطرون کو کاٹ دین،

لہ یہ عبارت سیرۃ النبی جلد اوّل طبع اوّل کے صفحہ ۲۵۵ کی سطر ۹، ۱۰، ۱۱، و ۱۲، اور طبع مابعد کے ۳۲۳ کی سطر ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۱۷ مین ہے،

توبڑی مہربانی ہو، اب یہ موجودہ نسخہ طبعِ اوّل سے بہت سی باتون مین بہتر ہو گیا ہی، اس موجودہ نسخہ مین انسانی استطاعت کے مطابق پوری طرح تصحیح کی بھی کوشش کی گئی ہی تاہم انسان انسان ہے، خطا و نسیان اس کا خمیر ہے، اگر کسی ناظرِ کتاب کو اب بھی کوئی غلطی معلوم ہو تو وہ ضرور مطلع فرما کر ممنونِ کرم کرین،

آخر مین پاک پروردگار کی بارگاہ عالی مین دعا ہے کہ وہ میری خطا و نسیان سے درگذر فرما کر اس خدمت کو قبول کا شرف بخشے اور مسلمانون کو اس سے بیش از بیش مستفید فرما کر اس گنہگار کیلئے بخشایش کا ذریعہ بنائے، وَاٰخرُ دعوانا اَنِ الحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلمین ٥

ہیچمدان

سید سلیمان ندوی

یکم جمادی الثانیہ ۱۳۶۴ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ طبع دوم

سیرۃ نبویؐ جلد اوّل طبعِ اوّل کو شائع ہوئے آج چار برس ہوئے اس اثنا میں خداوند تبارک و تعالیٰ نے اُس کو جو مقبولیت عطا فرمائی وہ ہم خاکسارانِ دار المصنفین کے لئے فخر و نازش کا سرمایہ ہے، نہ صرف یہ کہ عام قدردانون نے اس کو جان و دل سے خریدا، اور امرا اور والیانِ ملک نے اس کی خدمت کو سعادتِ دارین سمجھا، بلکہ خواص اور علماء کے طبقہ نے بھی اس کی قدرشناسی کی، ہندوستان مین اہلِ علم کا کوئی طبقہ ایسا نہ تھا جس نے اپنے اپنے فن کی میزان نقد مین سیرت کے مضامین و تحقیقات کو نہ تولا، حفاظ نے اس کی آیاتِ قرآنی کو پڑھا، محدثین نے اُس کی حدیثین جانچین، ادیبون نے اُس کے عربی اشعار اور ترجمون پر نقد کیا، علماے انساب نے اسمار کی تنقیح کی، منجمون اور حساب دانون نے اس کے زائچون اور تاریخون پر نظرِ ثانی کی، اہلِ تاریخ و سیر نے واقعات کی جانچ پڑتال کی، اور ہم ممنون ہین کہ نہایت خلوص و محبت سے انھون نے اپنے نتائجِ افکار سے ہم کو مطلع کیا، اور ہم نے اُن سے فائدہ اٹھایا،

طبعِ اوّل مین جیسا کہ خاتمہ مین ہم نے اقرار کیا تھا چھاپہ کے اغلاط اور سہو کے چند مسامحات

رہ گئے تھے اس طبع مین جہان تک امکانِ انسانی ہے تصحیح کی انتہائی کوشش کی گئی ہے، اور یقین ہے کہ انشاء اللہ یہ اغلاط اور مسامحات سے پاک ہوگا، جو لوگ سیرۃ پر نقد کرنا چاہتے ہون، اُن کو یہی نسخہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے

طبع اول بڑی تقطیع پر شائع ہوئی تھی، لوگون کا اصرار تھا کہ طبعِ ثانی کتابی تقطیع پر شائع ہو، تاکہ وہ بآسانی ہر وقت استعمال مین آسکے، یہ اُن کی تعمیل ہے، انشاء اللہ ہر جلد کے طبعِ اوّل کی بڑی تقطیع کے بعد طبعِ ثانی چھوٹی تقطیع پر شائع ہوتی رہے گی،

"سید سلیمان ندوی"

۲۰ر ذی قعدہ ۱۳۳۹ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچۂ طبعِ اوّل

سیرۃ نبوی جس کے غلغلہ سے ہندوستان کا گوشہ گوشہ گونج رہا ہے آج ۸ سال کے بعد اُسکی پہلی جلد شائقین کے ہاتھ مین جاتی ہے مین اپنا دل اس وقت مسرت آمیز اطمینان سے لبریز پاتا ہون کہ استادِ مرحوم نے اپنی زندگی کے آخری لمحہ مین جو فرض میرے سپرد کیا تھا، الحمدللہ کہ اُس کے ایک حصہ سے آج سبکدوش ہوتا ہون ع

شادم از زندگیِ خویش کہ کارے کردم

لیکن اس مسرت اور اطمینان کے ساتھ یہ حسرتناک منظر بھی سامنے ہے کہ مصنف اپنی چار سال کی جانکاہ محنت کا ثمرہ خود اپنے ہاتھ سے قوم کی نذر نہ کرسکا، اور حسنِ عقیدت کے جو پھول سیکڑون چمن کدون سے چن کر اُس کے ہاتھ آئے تھے اُن کو آستانۂ نبوّت پر وہ خود نہ چڑھا سکا،

مصنف مرحوم کو سیرۃ نبوی کے لکھنے کا خیال الفاروق کے بعد ہی پیدا ہوگیا تھا، چنانچہ سنہ ۱۳۲۳ھ مین اس کا ایک مختصر سا حصہ یعنی غزوۂ اُحد تک وہ لکھ بھی چکے[1] تھے کہ بعض مشکلات

---

[1] یہ مسودہ اب تک موجود ہے،

کی بنا پر رُک گئے، لیکن ملک کا تقاضاے شوق برابر جاری رہا، بالآخر انھون نے سنہ ۱۳۳۰ھ
مین اس بارِ امانت کے اٹھانے کا آخری فیصلہ کر لیا، چنانچہ پچاس ہزار روپیے کے سرمایہ کے لئے
انھون نے قوم مین مرافعہ پیش کیا، سیکڑون مسلمان اس خدمت کے لئے آگے بڑھے ان مین فقراے
امت بھی تھے، اور امراے ملت بھی، لیکن یہ سعادتِ اُخروی ازل ہی سے خادمة الملة النبویة
مخدومة الامة المحمدیة **نواب سلطان جہان بیگم** تاج الہند فرمان رواے بھوپال
متع اللہ المسلمین بطول بقائہا ودوام ملکہا کے لئے مقدر تھی، اس لئے وہ سب کے آگے بڑھین
اور سوانح نگارِ نبوت کو دوسرے آستانون سے بے نیاز کر کے اس سرمایۂ سعادت کو اپنے خزانۂ عامرہ
مین شامل کر لیا، فرمانروا خواتینِ اسلام نے جو مذہبی کارنامے اب تک انجام دیے ہین، آیندہ مورخ
غالبًا اس کارنامہ کو ان مین سب سے بڑا قرار دیگا، کہ اس کا تعلق اس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ہی،
جو اسلام کی تاریخ مین کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہی،

مصنف مرحوم کی وفات کے بعد شاید دوبارہ اس خدمت گذاری کے لئے مسلمانون مین
قرعہ اندازی ہوتی لیکن فرمانرواے بھوپال نے مصنف کے جانشینون کے لئے بھی سلسلۂ فیض کو برابر
جاری رکھا، مصنف مرحوم کے منشا کے مطابق اس موقع پر منشی محمد امین صاحب مہتمم تاریخِ بھوپال کا
نام لینا بھی ضروری ہی جن کی مروحہ جنبانی سے نسیمِ سعادت کے یہ جھونکے اس باغِ قدس مین دوبارہ آئے

مصنف مرحوم نے جو مسودہ چھوڑا تھا، اس مین اس حصہ تک مبیضہ صاف تھا، البتہ تین
چار مقامات پر اضافہ کی علامت بنی تھی، اور مطالب کا اشارہ تھا، ان کو بڑھا دیا گیا ہی علوم

سلہ مکاتیب شبلی جلد اول ص ۲۶،

ہوتا ہی کہ اس حصہ کی تکمیل کے بعد اُن کو خیال آیا کہ قدیم مورخین کی طرح سنہ وار واقعات کی ترتیب لکھکر ہر سنہ کے آخر مین جزئی حالات" واقعاتِ متفرقہ" کے عنوان سے لکھدیئے جائین، چنانچہ مبتیضہ پر سنہ ۲ھ تک اپنے قلم سے وہ لکھ سکے، یہ امانت جب میرے سپرد ہوئی تو مین نے بقیہ سنین کے آخر مین اسی قسم کے جزئیات متفرقہ کا اضافہ کر دیا، حواشی یا حوالے کہین کہین چھوٹ گئے تھے، وہ ڈھونڈ کر لکھے لیکن اس کی کامل احتیاط کی گئی کہ جامع کا کوئی لفظ بلکہ کوئی حرف مصنف کی عبارت مین نہ ملنے پائے، چنانچہ ان تمام جزئی اضافون کو قوسین کے اندر جگہ دی گئی ہی، اس بنا پر لفظ "صلعم" یا جملہ ہاے معترضہ کے سوا جو چند فقرے اور عبارتین قوسین مین ہین وہ اضافہ ہین،

یہ پہلے خیال تھا کہ جلد اول کو وفات تک وسعت دی جائے لیکن جب کتابت شروع ہوئی تو معلوم ہوا کہ ضخامت ۰۰۰ صفحے تک پہنچ جائے گی، اور اس سے جلد کی نفاست کو صدمہ پہنچے گا، سامانِ طبع کی گرانی سے جو تعویق پیدا ہو رہی تھی، اُس نے مجبور کیا کہ اس کو دو جلدون مین تقسیم کر دیا جائے چنانچہ پہلی جلد سلسلۂ جنگ و غزوات پر ختم کر دی گئی، اور دوسری جلد اسلام کی امن کی زندگی، تنظیم و تنسیق، اشاعتِ اسلام، وفات اور اخلاق کی، الگ کر دی گئی، خداوند تعالیٰ سے دعا ہی کہ اس کی طبع و اشاعت کی توفیق عطا فرمائے، حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْل،

مصنف مرحوم کتاب کا سرنامہ لکھنے نہ پائے تھے، اُن کے مسودات مین اتفاقاً یہ تحریر قلمزدہ مل گئی اسی کو غنیمت سمجھ کر تبرکاً داخلِ کتاب کیا جاتا ہی،

جامع

سید سلیمان ندوی

دار المصنفین اعظم گڈھ ۲۰ ربیع الثانی سنہ ۱۳۳۶ھ

سرنامہ

ایک گدائے بے نوا شہنشاہِ کونین کے دربا
ین، اخلاص و عقیدت کی نذر لے کر آیا ہے

زچشم آستین بردار و گوہر را تماشا کن

شبلی

شوال سنہ ۱۳۳۰ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد
وآلہ واصحابہ اجمعین

سیرتِ نبوی کی تالیف کی ضرورت

عالم کائنات کا سب سے بڑا مقدم فرض، اور سب سے زیادہ مقدس خدمت یہ ہے کہ نفوسِ انسانی کے اخلاق و تربیت کی اصلاح و تکمیل کی جائے، یعنی پہلے ہر قسم کے فضائلِ اخلاق، زہد و تقویٰ، عصمت و عفاف، احسان و کرم، حلم و عفو، عزم و ثبات، ایثار و لطف، غیرت و استغنا کے اصول و فروع نہایت صحیح طریقہ سے قائم کئے جائین اور پھر تمام عالم مین اُن کی عملی تعلیم رائج کی جائے،

اس مقصد کے حصول کا عام طریقہ وعظ و پند ہے، اس سے زیادہ متمدن طریقہ یہ ہے کہ فنِ اخلاق مین اعلیٰ درجہ کی کتابین لکھی جاکر تمام ملک مین پھیلائی جائین، اور لوگون کو اُن کی تعلیم دی جائے، ایک طریقہ یہ ہے کہ لوگون سے بہ جبر، محاسنِ اخلاق کی تعمیل کرائی جائے اور رذائل سے رُوکے جائین،

یہی طریقے ہین جو ابتدا سے آج تک تمام دنیا مین جاری ہین، اور آج اس انتہائی ترقی یافتہ دور مین بھی اس سے زیادہ کچھ نہین کیا جا سکتا لیکن سب سے زیادہ صحیح، سب سے زیادہ کامل، سب سے زیادہ

عملی طریقہ یہ ہے کہ نہ زبان سے کچھ کہا جائے، نہ تحریری نقوش پیش کئے جائین، نہ جبر وزور سے کام لیا جائے، بلکہ فضائلِ اخلاق کا ایک پیکرِ مجسم سامنے آجائے، جو خود ہمہ تن آئینۂ عمل ہو جس کی جنبشِ لب ہزارون تصنیفات کا کام دے، اور جس کا ایک ایک اشارہ اوامرِ سلطانی بن جائے، دنیا مین آج اخلاق کا جو سرمایہ ہے سب انہی نفوسِ قدسیہ کا پرتو ہے دیگر اور اسباب صرف ایوانِ تمدن کے نقش ونگار ہین،

لیکن اس وقت تک دنیا کی جس قدر تاریخ معلوم ہے اُس نے اس قسم کے نفوسِ قدسیہ جو پیش کئے ہین، وہ فضائلِ اخلاق کی کسی خاص صنف کے نمونے تھے، مثلاً جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ کے مکتبِ درس مین صرف حلم وتحمل، صلح وعفو، قناعت وتواضع کی تعلیم ہوتی تھی، حکومت وفرمانروائی کے لئے جو فضائلِ اخلاق درکار ہین، مسیحی تعلیم کی بیاض مین ان سطرون کی جگہ سادی ہے، حضرت موسیٰ اور نوح علیہما السلام کے اوراقِ تعلیم مین عفوِ عام کے صفحے خالی ہین، اس بنا پر ہر قدم پر نئے رہنما کی ضرورت پیش آئی اور اس لئے عالمِ انسانی اپنی تکمیل کے لئے ہمیشہ ایسے جامعِ کامل کا محتاج رہا جو صاحبِ شمشیر وتمکین بھی ہو اور گوشہ نشین بھی بادشاہ کشور کشا بھی، اور گدا بھی، فرمانروائے جہان بھی ہو، اور سبحہ گردان بھی، مفلس قانع بھی ہو، اور غنی دریا دل بھی، یہ برزخِ کامل

(۱) یہان پر کتاب کی اس عبارتِ بالا کے مخاطب اہلِ کتاب ہین جن کے موجودہ صحیفون مین ان انبیاء کے جو احوال مذکور ہین، وہ اسی صورت مین ہین، اس لئے مصنف نے اُن کے بیان کردہ تمام احوال کو مان کر ایک باکمال اور ہمہ کمال ہستی کی ضرورت پر ان کے سامنے حجت قائم کی ہے،

لیکن چونکہ از روئے اسلام یک طرف تمام انبیاء علیہم السلام کی صداقت پر یکسان ایمان لانا، اور اُن کو تمام پیغمبرانہ کمالات سے متصف جاننا ضروری ہے جیسا کہ ارشادِ الٰہی ہے،

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (بقرہ ۔ ۴۰) ہم اس کے رسولون مین سے کسی کے درمیان تفرقہ نہین کرتے،

یہ ہستیِ جامع، یہ صحیفۂ یزدانی، عالمِ کون کی آخری معراج ہے، اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ، عالمِ فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں، اس لئے یہ ہستیِ جامع، دنیا میں آکر ہمیشہ نہیں رہ سکتی، اس لئے ضرور ہے کہ اُس کی زبان کا ایک ایک حرف، اُس کی حرکات و سکنات کی ایک ایک ادا اُس کے حلیۂ وجود کے ایک ایک خط و خال کا عکس لے لیا جائے کہ مراحلِ زندگی میں جہاں ضرورت پیش آئے،

(بقیہ حاشیہ ص ۲) اس لئے یہ ضروری ہے کہ تمام انبیاء علیہم السّلام کو یکساں صادق اور کمالاتِ نبوت سے متصف مانا جائے، دوسری طرف ارشاد ہے،

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِّنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ،

(بقرہ - ۳۳)

یہ حضرات مرسلین ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے، (مثلاً) بعضے ان میں وہ ہیں جو اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوئے ہیں (یعنی موسیٰ علیہ السّلام) اور بعضوں کو ان میں سے بہت سے درجوں پر سرفراز کیا اور ہم نے حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السّلام کو کھلے کھلے دلائل عطا فرمائے اور ہم نے اُن کی تائید روح القدس (یعنی جبرئیل سے فرمائی)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السّلام کے مراتبِ کمالیہ میں جزئی تفاوت بھی ہے، ان دونوں صداقتوں کے درمیان تطبیق کے لئے تھوڑی سی تشریح کی ضرورت ہے،

حضرات انبیائے کرام علیہم السّلام تمام کمالات نبوّت و فضائلِ اخلاق سے یکساں سرفراز تھے، مگر زمانہ اور ماحول کے ضروریات اور مصالحِ الٰہی کی بنا پر ان تمام کمالات کا عملی ظہور، تمام انبیاءؑ میں یکساں نہیں ہوا، بلکہ بعض کے بعض کمالات، اور دوسروں کے دوسرے کمالات زیادہ نمایاں ہوئے، یعنی جس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے جس کمال کے اظہار کی ضرورت ہوئی، وہ پوری شدت سے ظاہر ہوا، اور دوسرے کمال کا جس کی اُس وقت ضرورت پیش نہیں آئی بہ مصلحت بہ کمال ظہور نہیں ہوا،

حاصل یہ ہے کہ ہر کمال کے ظہور کے لئے مناسب موقع و محل کی ضرورت ہوتی ہے، اگر کسی عارض کی وجہ سے کسی کمال کا ظہور نہ ہو، تو اس سے نفسِ کمال کے وجود کی نفی نہیں ہوتی ہے، اس لئے اگر بوجہ عدم ضرورتِ حال ان انبیائے کرامؑ کے بعض کمالات کا عملی ظہور کسی وقت میں نہیں ہوا، تو اس کے یہ معنی ہرگز نہیں ہیں کہ یہ حضرات (نعوذ باللہ) ان کمالات و فضائل سے متصف نہ تھے،

رہنمائی کے کام آئے، لیکن یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح دیگر تمام داعیانِ مذہب جامعیتِ کبریٰ کے وصف سے خالی تھے، اُن کے کارنامۂ زندگی کی تصویرین بھی ناتمام لی گئین، جنابِ مسیحؑ کی ۳۳ سالہ زندگی مین سے صرف ۳ برس کے حالات معلوم ہین، فارس کے مصلحانِ دین صرف شاہنامہ کے ذریعہ سے روشناس ہین، ہندوستان کے پیغمبر، افسانون کے حجاب مین گم ہین، حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نسبت آج جو کچھ معلوم ہے اس کا ذریعہ صرف موجودہ توراۃ ہے، جو حضرت موسیٰؑ کے ۸۰۰ برس بعد عالمِ وجود مین آئی، یہ قدرت کی طرف سے اشارہ تھا کہ اُن کے کارنامے اور اصولِ تعلیم ابدی نہ تھے، اس لئے نقل وروایت کے آئینہ مین جس قدر اُن کا ناتمام عکس اُترا، اس سے زیادہ ضروری بھی نہ تھا، قدرت خود ضرورت کی اندازہ دان ہے، اور جب

(بقیہ حاشیہ ص ۳) غزوۂ بدر کے قیدیون کے باب مین حضرت ابو بکر صدیقؓ نے جب فدیہ لے کر اُن کو چھوڑ دینے کا اور حضرت عمرؓ نے اُن کے قتل کر دینے کا مشورہ دیا، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شدت ورحمت میں لوگون کے قلوب مختلف بنائے ہین، اے ابو بکر تمھاری مثال ابراہیمؑ و عیسیٰؑ کی، اور اے عمر تمھاری مثال نوحؑ اور موسیٰؑ کی ہے، یعنی ایک فریق سے رحم وکرم کا، اور دوسرے سے شدت کا اظہار ہوا (دیکھئے مستدرک حاکم غزوۂ بدر)

اس حدیث مین اسی نقطۂ اختلاف کی طرف اشارہ ہے، جو انبیاء علیہم السلام کے مختلف احوال مبارکہ مین ردنما رہا ہے لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت چونکہ آخری اور عمومی تھی، اس لئے یہ ضرورت احوال آپ کے تمام کمالاتِ نبوت آپؐ کی زندگی۔ مین عملاً پوری طرح جلوہ گر ہوئے، اور آپؐ کی نبوت کے آفتاب عالمتاب کی ہر کرن دنیا کے لئے مشعلِ ہدایت بنی، اور ظلمت کدۂ عالم کا ہر گوشہ آپ کے ہر قسم کے کمالات کے ظہور سے پرنور ہوا، صلی اللہ علیہ وسلم، اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ان جزئی کمالات کے اظہار مین ایسا پہلو نعوذ باللہ پیدا نہ ہونے پائے، جس سے دوسرے انبیاء علیہم السلام کی توہین یا کسرِ شان پیدا ہو کہ اس سے ایمان کے ضائع جانے کا خطرہ ہے،

مزید تفصیل کے لئے دیکھئے معارف محرم وصفر ۱۳۵۶ھ مین مضمون "خلیل کی بشریت") "س"

جس چیز کی ضرورت ہوتی ہے، وہ خود مہیا کر دیتی ہے،

تمام ارباب مذاہب مین سے ہر ایک کو اپنا مذہب اُسی قدر عزیز ہے، جس قدر دوسرے کو ہے، اس لئے اگر بے پردہ یہ سوال کیا جائے کہ دنیا مین کون ہستی تھی جس میں جامعیت کبریٰ کا وصف نمایان تھا؟ تو ہر طرف سے مختلف صدائین آئین گی لیکن اگر یہی سوال اس پیرایہ مین بدل دیا جائے کہ دنیا مین وہ کون شخص گذرا ہے جس کا کارنامۂ زندگی اس طرح قلمبند ہوا کہ ایک طرف تو صحت کا یہ انتظام تھا کہ کسی صحیفۂ آسمانی کے لئے بھی نہ ہو سکا، اور دوسری طرف وسعت اور تفصیل کے لحاظ سے یہ حالت ہو کہ اقوال و افعال، وضع و قطع، شکل و شباہت، رفتار و گفتار، مذاق طبیعت، انداز گفتگو، طرز زندگی، طریق معاشرت، کھانے پینے، چلنے پھرنے، اُٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، ہنسنے بولنے کی ایک ایک ادا محفوظ رہ گئی، تو اس سوال کے جواب مین صرف ایک صدا بلند ہو سکتی ہی، (محمد عربی فداہ ابی و امی)

یہ جو کچھ کہا گیا مقصد تصنیف کا مذہبی پہلو تھا، اسی مسئلہ کو علمی حیثیت سے دیکھو، علوم و فنون کی صف مین سیرت (بیاگرفی) کا ایک خاص درجہ ہے، ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی کے حالات زندگی بھی حقیقت شناسی اور عبرت پذیری کے لئے دلیل راہ ہین، چھوٹے سے چھوٹا انسان بھی کیسی عجیب خواہشین رکھتا ہے، کیا کیا منصوبے باندھتا ہے، اپنے چھوٹے سے دائرۂ عمل مین کس طرح آگے بڑھتا ہے، کیونکر ترقی کے زینون پر چڑھتا ہے، کہان کہان ٹھوکرین کھاتا ہے، کیا کیا مزاحمتیں اٹھاتا ہے، تھک کر بیٹھ جاتا ہے، ستاتا ہے، اور پھر آگے بڑھتا ہے، غرض سعی و عمل، جد و جہد ہمت و غیرت کی جو عجیب و غریب نیرنگیان سکندر اعظم کے کارنامۂ زندگی مین موجود ہین بعینہ

یہی منظر ایک غریب مزدور کے عرصۂ حیات میں بھی نظر آتا ہے،

اس بنا پر اگر سیرت اور سوانح کا فن عبرت پذیری اور نتیجہ رسی کی غرض سے درکار ہے تو "شخص" کا سوال نظر انداز ہو جاتا ہے، صرف یہ دیکھنا رہ جاتا ہے کہ حالات اور واقعات جو ہاتھ آتے ہیں، وہ کس وسعت اور استقصا و تفصیل کے ساتھ ہاتھ آتے ہیں، تاکہ مراحلِ زندگی کی تمام راہیں اور اُن کے پیچ و خم ایک ایک کرکے نظر کے سامنے آجائیں، لیکن اگر خوش قسمتی سے فردِ کامل اور استقصائے واقعات دونوں باتیں جمع ہو جائیں، تو اس سے بڑھ کر اس فن کی کیا خوش قسمتی ہو سکتی ہے،

وجوہ مذکورۂ بالا کی بنا پر کون شخص انکار کر سکتا ہے کہ صرف ہم مسلمانوں کو نہیں، بلکہ تمام عالم کو اس وجودِ مقدس کی سوانح عمری کی ضرورت ہے جس کا نام مبارک "محمد" (رسول اللہ ہے، اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ صَلٰوةً كَثِيْرًا كَثِيْرًا) یہ صرف اسلامی یا مذہبی ضرورت نہیں ہے بلکہ ایک علمی ضرورت ہے، ایک اخلاقی ضرورت ہے، ایک تمدنی ضرورت ہے، ایک ادبی ضرورت ہے، اور مختصر یہ ہے کہ مجموعۂ ضروریاتِ دینی و دنیوی ہے،

میں اس بات سے ناواقف نہ تھا کہ اسلام کی حیثیت سے میرا فرضِ اولین یہی تھا کہ تمام تصنیفات سے پہلے میں سیرۃ نبوی ﷺ کی خدمت انجام دیتا، لیکن یہ ایک ایسا اہم اور نازک فرض تھا کہ میں مدت تک اس کے ادا کرنے کی جرأت نہ کر سکا، تاہم میں دیکھ رہا تھا کہ اس فرض کے ادا کرنے کی ضرورتیں بڑھتی جاتی ہیں،

علم کلام کی حیثیت سے سیرت کی ضرورت

اگلے زمانہ میں سیرۃ کی ضرورت صرف تاریخ اور واقعہ نگاری کی حیثیت سے تھی، علم کلام

سے اس کو واسطہ نہ تھا، لیکن معترضینِ حال کہتے ہین کہ اگر مذہب صرف خدا کے اعتراف کا نام ہے تو بحث یہین تک رہ جاتی ہے، لیکن جب اقرارِ نبوت بھی جزوِ مذہب ہے تو یہ بحث پیش آتی ہے کہ جو شخص حاملِ وحی اور سفیر الٰہی تھا، اس کے حالات، اخلاق اور عادات کیا تھے؟ یورپ کے مؤرخین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو اخلاقی تصویر کھینچتے ہین، وہ (نعوذ باللہ) ہر قسم کے معائب کا مرقع ہوتی ہے، آج کل مسلمانون کو جدید ضرورتون نے عربی علوم سے بالکل محروم کر دیا ہے، اس لئے اس گروہ کو اگر کبھی پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور سوانح کے دریافت کرنے کا شوق ہوتا ہے تو انہی یورپ کی تصنیفات کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے، اس طرح یہ زہر آلود معلومات آہستہ آہستہ اثر کرتی جاتی ہین، اور لوگون کو خبر تک نہین ہوتی، یہان تک کہ ملک میں ایک ایسا گروہ پیدا ہو گیا ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محض ایک مصلح سمجھتا ہے، جس نے اگر مجمعِ انسانی مین کوئی اصلاح کر دی تو اس کا فرض ادا ہو گیا، اس بات سے اُس کے منصبِ نبوت مین فرق نہین آتا، کہ اُس کے دامنِ اخلاق پر معصیت کے دھبے بھی ہین،

یہ واقعات تھے جنھون نے مجھ کو بالآخر مجبور کیا، اور مین نے سیرۃ نبوی پر ایک مبسوط کتاب لکھنے کا ارادہ کر لیا، یہ کام بظاہر نہایت آسان تھا، عربی زبان مین سینکڑون کتابین موجود ہین، اُن کو سامنے رکھ کر ایک ضخیم اور دلچسپ کتاب لکھ دینا زیادہ سے زیادہ چند مہینون کا کام تھا، لیکن واقعہ یہ ہے کہ کوئی تصنیف اس تصنیف سے زیادہ دیر طلب، اور جامعِ مشکلات نہین ہو سکتی،

آگے چل کر ہم تفصیل سے بیان کرین گے کہ خاص سیرتؐ پر آج تک کوئی ایسی کتاب نہین لکھی گئی جس مین صرف صحیح روایتون کا التزام کیا جاتا، حافظ زین الدین عراقی جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، سیرۃ نبویؐ مین لکھتے ہین،

اس موقع پر ایک نہایت ضروری بحث طے کر دینے کے قابل ہی، جو آج کل کی قلتِ علم اور ناآشنائی فن نے پیدا کر دی ہے، بہت سے لوگ یہ خیال کرتے ہین کہ سیرت فنِ حدیث ہی کی ایک خاص قسم کا نام ہے، یعنی احادیث میں سے وہ واقعات الگ لکھ دیئے گئے، جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات سے متعلق ہین، تو یہ سیرت بن گئی، اور چونکہ حدیث مین متعدد کتابین ایسی موجود ہین، جن مین ایک حدیث بھی ضعیف نہین مثلاً صحیح بخاری، مسلم، تو یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہی کہ "سیرت مین کوئی کتاب آج تک صحت کے التزام کے ساتھ نہین لکھی گئی"، اس بحث کے ذہن نشین کرنے کے لئے امور ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں،

(۱) پہلی بحث یہ ہے کہ سیرت کا اطلاق کس چیز پر ہوتا ہے، محدثین اور ارباب رجال کی اصطلاح قدیم یہ ہی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاص غزوات کو مغازی اور سیرت کہتے تھے، چنانچہ ابن اسحاق کی کتاب کو مغازی بھی کہتے ہین، اور سیرت بھی، حافظ ابن حجر فتح الباری کتاب المغازی مین یہ دونون نام ایک ہی کتاب کے لئے استعمال کرتے ہین، فقہ کی بھی یہی اصطلاح ہی، فقہ مین جو باب کتاب الجہاد والسیر باندھتے ہین اُس مین سیرت کے لفظ سے غزوات اور جہاد کے احکام مراد ہوتے ہین،

کئی صدی تک یہی طریقہ رہا، چنانچہ تیسری صدی تک جو کتابین سیرت کے نام سے مشہور ہین، مثلاً سیرت ابن ہشام، سیرت ابن عائذ، سیرت اموی وغیرہ ان مین زیادہ تر غزوات ہی کے حالات ہین، البتہ زمانہ مابعد مین مغازی کے سوا، اور اور چیزین بھی داخل کر لی گئیں، مثلاً مواہب لدنیہ مین غزوات کے علاوہ سب کچھ ہے،

اس بنا پر محدثین کی اصطلاح مین مغازی اور سیرت عام فن حدیث سے ایک الگ چیز ہے یہانتک

ولیعلم الطالب ان السِّیَرا　　تجمعُ ماصحّ وماقد اُنکِرا

یعنی طالبِ فن کو جاننا چاہئے کہ سیرۃ مین ہر قسم کی روایتین نقل کی جاتی ہین صحیح بھی اور قابلِ انکار بھی

یہی سبب ہے کہ مستند اور مسلّم الثبوت تصنیفات میں بھی بہت سی ضعیف روایتین شامل ہو گئین،

(بقیہ حاشیہ ص ۹) کہ بعض موقعون پر اربابِ سیر اور محدثین دو مقابل کے گروہ سمجھے جاتے ہین، بعض واقعات کے متعلق یہ صورت پیدا ہوتی ہے کہ تمام اربابِ سیر ایک طرف ہوتے ہین، اور امام بخاری ومسلم ایک طرف، ایسے موقع پر بعض لوگ امام بخاری کی روایت کو اس بنا پر تسلیم نہین کرتے، کہ تمام اربابِ سیر کے خلاف ہے لیکن محققین کہتے ہین کہ حدیث صحیح تمام اربابِ سیر کی متفقہ روایت کے مقابلہ مین بھی قابلِ ترجیح ہے، ہم اس موقع پر ایک دو واقعہ مثال کے طور پر لکھتے ہین :-

غزوات مین ایک غزوہ ذو قرد کے نام سے مشہور ہے اس کی نسبت اربابِ سیر متفق ہین کہ صلح حدیبیہ سے قبل واقع ہوا تھا لیکن صحیح مسلم مین سلمہ بن الاکوع سے جو روایت ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہو کہ صلح حدیبیہ کے بعد اور خیبر سے تین دن قبل کا واقعہ ہے کس حدیث کی شرح مین علامہ قرطبی نے لکھا ہے؛

لا یختلف اهل السیران غزوۃ ذی قرد کانت قبل الحدیبیۃ فیکون ما وقع فی حدیث سلمۃ من وهم بعض الرواۃ،

اہلِ سیر مین سے کسی کو اس امر مین اختلاف نہین ہو کہ غزوہ ذی قرد حدیبیہ سے پہلے واقع ہوا تھا، تو سلمہ کی حدیث مین جو مذکور ہے، وہ کسی راوی کا وہم ہوگا،

حافظ ابن حجر فتح الباری (ذکر غزوہ ذی قرد) مین قرطبی کے اس قول پر بحث کرکے لکھتے ہین :-

فعلیٰ هذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد اصح مما ذکرہ اهل السیر،

تو اس بنا پر (صحیح مسلم) مین غزوہ ذی قرد کی جو تاریخ مذکور ہی وہ اس سے زیادہ صحیح ہی، جو مصنفینِ سیرت نے بیان کی ہی؛

دمیاطی ایک مشہور محدث ہین، انھون نے سیرت مین ایک کتاب لکھی ہے جو آج بھی موجود ہی اس مین انھون نے اکثر موقعون پر اربابِ سیر کی روایت کو ترجیح دی تھی، لیکن جب زیادہ تتبع کیا تو ان کو معلوم ہوا کہ احادیثِ صحیحہ

اس بنا پر ضرور تھا کہ نہایت کثرت سے حدیث و رجال کی کتابیں بہم پہنچائی جائیں، اور پھر نہایت تحقیق اور تنقید سے ایک مستند تصنیف تیار کی جائے لیکن سینکڑوں کتابوں کا استقصا کے ساتھ دیکھنا اور اُن سے معلومات کا اقتباس کرنا ایک شخص کا کام نہ تھا، اس کے ساتھ

(بقیہ حاشیہ ص ۹) کو سیرت کی روایتوں پر ترجیح ہے، چنانچہ اپنی کتاب میں ترمیم کرنی چاہی لیکن اس کے نسخے کثرت سے شائع ہو گئے تھے، اس لئے نہ کر سکے،

حافظ ابن حجر خود دمیاطی کا قول نقل کر کے لکھتے ہیں :-

ودل ھذا علیٰ انہ کان یعتقد الرجوع عن کثیر مما وافق فیہ اھل السیر وخالف الاحادیث الصحیحۃ وان ذلک کان بہ قبل تضلعہ منھا ولخروج نسخ کتابہ وانتشارہ لم یتمکن من تغییرہ،
(زرقانی برمواہب جلد ۳ صفحہ ۱۱)

اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ (یعنی دمیاطی) قصد کر چکے تھے کہ جن موقعوں پر انھوں نے ارباب سیر سے اتفاق کر کے احادیث صحیحہ کی مخالفت کی ہو ان سے رجوع کریں گے، اور یہ کہ یامر اُن سے مہارت فن کے قبل صادر ہوا، لیکن چونکہ کتاب کے نسخے شائع ہو چکے تھے، اس لئے وہ اپنی کتاب کی اصلاح نہ کر سکے،

۲- ایک غزوہ ذات الرقاع کے نام سے مشہور ہے، اس کی نسبت اکثر ارباب سیر کا اتفاق ہے کہ جنگ خیبر کے قبل واقع ہوا تھا لیکن امام بخاری نے تصریح کی ہے، کہ خیبر کے بعد واقع ہوا، اس پر علامہ دمیاطی نے بخاری کی روایت سے اختلاف کیا، حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں :-

واما شیخہ الدمیاطی فادعی غلط الحدیث الصحیح وان جمیع اھل السیر علیٰ خلافہ
(فتح الباری جزو ہفتم صفحہ ۳۲۲)

باقی اُن کے شیخ دمیاطی تو انھوں نے حدیث کی نسبت غلطی کا دعویٰ کیا ہے، اور یہ کہ تمام اہل سیر بالاتفاق اس کے خلاف ہیں،

حافظ ابن حجر نے اس قول کو نقل کر کے اس کا دعویٰ رد بھی کیا ہے،

ایک ضرورت یہ بھی تھی کہ یورپ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ) کے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے اس سے واقفیت حاصل کی جائے، مین بدقسمتی سے یورپ کی کوئی زبان نہین جانتا، اس لئے ایک مکمل تصنیف کی ضرورت تھی جس میں قابل عربی دان اور مغربی زبانون کے جاننے والے شامل ہون، خدا نے جب یہ سامان پیدا کر دیئے تو اب مجھ کو کیا عذر ہو سکتا تھا، اب بھی اگر اس فرض کے ادا کرنے سے قاصر رہتا، تو اس سے بڑھ کر کیا بدقسمتی ہو سکتی تھی،

مسلمانون کے اس فخر کا قیامت تک کوئی حریف نہین ہو سکتا کہ انھون نے اپنے پیغمبر کے حالات اور واقعاتِ کا ایک ایک حرف اس استقصا کے ساتھ محفوظ رکھا کہ کسی شخص کے حالات آج تک اس جامعیت اور احتیاط کے ساتھ قلمبند نہین ہو سکے، اور نہ آیندہ توقع کی جا سکتی ہے، اس سے زیادہ کیا عجیب بات ہو سکتی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے افعال اور اقوال کی تحقیق کی غرض سے آپ کے دیکھنے والون اور ملنے والون مین سے تقریباً تیرہ ہزار شخصون کے نام اور حالات قلمبند کئے گئے، اور اس زمانہ مین کئے گئے جب تصنیف و تالیف کا آغاز تھا، طبقات ابن سعد، کتاب الصحابۃ

(بقیہ حاشیہ ص ۱۰) اس تقریر کا ماحصل یہ ہے کہ سیرت ایک جداگانہ فن ہے اور بعینہٖ فن حدیث نہین ہے اور اس بنا پر اسکی روایتون مین اس درجہ کی شدتِ احتیاط ملحوظ نہیں رکھی جاتی جو فن صحاح ستہ کے ساتھ مخصوص ہے اسکی مثال یہ ہے کہ فقہ کا فن قرآن اور حدیث ہی سے ماخوذ ہے لیکن یہ نہین کہہ سکتے کہ یہ بعینہٖ قرآن یا حدیث ہے یا ان دونون کے ہم پلہ ہے،

۳- مغازی اور سیرت مین جس قسم کی جزئی تفصیلین مقصود ہوتی ہین، وہ فن حدیث کے اصلی بلند معیار کے موافق نہین مل سکتیں اس سے ارباب سیر کو تنقید اور تحقیق کا معیار کم کرنا پڑتا ہے اس بنا پر سیرت و مغازی کا رتبہ حدیث سے کم ہے،

۴- جس طرح امام بخاری و مسلم نے یہ التزام کیا کہ کوئی ضعیف حدیث بھی اپنی کتاب مین درج نہ کرین گے، اس طرح سیرۃ کی تصنیفات مین کسی نے یہ التزام نہیں کیا آج جیسیون کتابین قدما سے لیکر متاخرین تک کی موجود ہین، مثلاً سیرت ابن اسحاق، سیرت ابن ہشام، سیرت ابن سید الناس، سیرت دمیاطی، حلبی، مواہب لدنیہ کسی مین یہ التزام نہین، تفصیل مذکورۂ بالا سے ظاہر ہوا ہوگا، کہ ہماری اس عبارت کا کہ "سیرت مین آج تک کوئی کتاب صحت کے

لابن السکن، کتاب لعبداللہ بن علی بن جارود، کتاب العقیلی فی الصحابۃ، کتاب ابن ابی حاتم الرازی،
کتاب الازرق، کتاب الدولابی، کتاب بغوی،[۱] طبقات ابن ماکولا، اسد الغابۃ، استیعاب،
اصابہ فی احوال الصحابۃ صرف انہی بزرگون کے حالات مین ہین، کیا دنیا مین کسی شخص کے رفقا
مین سے اتنے لوگون کے نام اور حالات درج تحریر ہوسکے ہین ؟

سیرۃ نبوی کے متعلق قدمائے جو ذخیرہ مہیا کیا، اس کی مختصر تاریخ اور کیفیت ہم اس
غرض سے اس موقع پر درج کردیتے ہین کہ ایک کامل اور مستند کتاب کے مرتب کرنے کے لئے
اس ذخیرہ سے کیونکر کام لیا جاسکتا ہے اور کہان تک تحقیق و تنقید کی ضرورت ہی،

فن سیرت کی ابتدا اور تحریری سرمایہ

عام طور پر یہ خیال ہے کہ چونکہ عرب میں لکھنے پڑھنے کا رواج نہ تھا،
اور اسلام مین تدوین و تالیف کا آغاز خلیفہ منصور عباسی کے زمانہ
سے (تقریباً ۱۴۳ھ مین) ہوا، اس لئے اس زمانہ تک سیرت اور روایات کا جو کچھ ذخیرہ
تھا، زبانی تھا، تحریری نہ تھا، لیکن یہ خیال صحیح نہین، عرب مین لکھنے پڑھنے کا رواج (گو
کم سہی) مدت سے چلا آتا ہے، بہت قدیم زمانہ مین حمیری اور نابتی خط تھا جس کے کتبے

(بقیہ حاشیہ ص ۱۱) التزام کے ساتھ نہین لکھی گئی" اس کا کیا مطلب ہے اور کہان تک صحیح ہی،

[۱] ان کتابون کا ذکر، استیعاب کے دیباچہ مین ہے ۔ یہ ملحوظ رکھنا چاہئے کہ حدیث کی کتابون مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اخلاق و عادات کے متعلق نہایت کثرت سے واقعات مذکور ہین، جو سیرت مین کافی مدد دے سکتے ہین، تاہم تنہا ان سے ایک تاریخی تصنیف تیار نہین ہوسکتی، اس کے علاوہ ان مین تاریخی ترتیب نہین ہے، یہان ہم نے جن کتابون کا ذکر کیا ہے، حدیث کی کتابین ان کے علاوہ ہین،

آج نہایت کثرت سے یورپ کی بدولت مہیا ہوگئے ہین، اسلام سے کچھ پہلے وہ خط ایجاد ہوا جو عربی خط کہلاتا ہے، اور جس نے بہت سی صورتین بدل کر آج یہ صورت اختیار کر لی ہی،

اس خط کی تاریخ اور اس کی ابتدا کے متعلق جو قدیم روایتین کتابون مین مذکور ہین اکثر افسانہ ہین، مثلاً ابن الندیم نے کلبی سے نقل کیا ہے کہ اوّل اوّل جن لوگون نے عربی خط ایجاد کیا، ان کے یہ نام تھے، ابوجاد، ہواز، حطی، کلمون، سعفص، قرشیات (یہی نام ہین جن کو ہم آج ابجد، ہوز، حطی، کلمن، سعفص، قرشت کہتے ہین) اسی طرح کعب کا یہ قول کہ تمام خطوط حضرت آدمؑ نے ایجاد کئے تھے، ابن الندیم نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس نے عربی خط لکھا وہ تین شخص قبیلہ بولان (قبیلہ طے کی ایک شاخ) کے تھے، جو انبار مین آباد تھے ان کے نام مرامر بن مرۃ، اسلم بن سدرۃ، عامر بن جدرہ تھے،

ان تمام روایتون مین جو قرین قیاس ہے، وہ روایت ہی جو ابن الندیم نے عمر بن شبہ کی کتاب مکہ سے نقل کی ہے یعنی سب سے پہلے عربی خط ایک شخص نے ایجاد کیا جو بنو مخلد ابن نضر بن ابن کنانہ کے خاندان سے تھا، اور غالباً یہ وہ زمانہ ہے جب قریش نے عروج حاصل کر لیا تھا، اور اور تجارت کے ذریعہ سے بیرونی ممالک مین آمد و رفت رکھتے تھے، ابن الندیم نے لکھا ہی کہ مین نے مامون الرشید کے کتب خانہ مین ایک دستاویز دیکھی تھی جو عبد المطلب ابن ہاشم (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد) کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تھی، اس کے یہ الفاظ تھے،

حق عبد المطلب بن ھاشم من	یہ عبد المطلب بن ہاشم (جو مکہ کا باشندہ ہی) کا قرض
اھل مکۃ علی فلان ابن فلان الحمیری	فلان شخص پر ہے، جو صنعاء کا رہنے والا ہے،

من اهل ورزل صنعا علیہ الف	یہ چاندی کے ہزار درہم ہیں، جب طلب کیا
درهم فضۃ کیلاً بالحدید ومتی	جائے گا وہ ادا کرے گا، خدا اور دو فرشتے اسکے
دعا بها اجابۃ شهد اللہ والملکان	گواہ ہیں،

اس دستاویز سے ظاہر ہوتا ہے کہ عبد المطلب نے کسی حمیری شخص کو ہزار درہم قرض دیئے تھے، خاتمہ میں دو فرشتون کی گواہی لکھی ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس زمانہ مین فرشتون کا (اور شاید کرام کاتبین کا) اعتقاد موجود تھا،

ابن الندیم نے لکھا ہے کہ اس دستاویز کا خط ایسا تھا جیسا عورتون کا خط ہوتا ہے،

علامہ بلاذری نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ کی جب بعثت ہوئی تو قریش مین ۱۷ شخص لکھنا پڑھنا جانتے تھے یعنی حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت ابو عبیدہؓ، طلحہؓ، یزیدؓ، ابو حذیفہؓ، ابو سفیانؓ، شفاؓ بنت عبد اللہ وغیرہ،

بدر کی لڑائی جو ۲ھ مین ہوئی، اس مین قریش کے جو لوگ گرفتار ہوئے، اُن سے فدیہ لیا گیا، لیکن بعض ایسے بھی تھے، جو ناداری کی وجہ سے فدیہ نہیں ادا کر سکے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کو حکم دیا کہ ہر شخص دس دس بچون کو اپنے ذمہ لیکر اُن کو لکھنا سکھا دے، چنانچہ حضرت زید ابن ثابتؓ نے جو کاتب وحی ہین، اسی طرح لکھنا سیکھا تھا،

ان واقعات سے معلوم ہوگا کہ عرب اور خصوصاً مکہ و مدینہ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

[1] ابن ندیم ص ۱۰ (طبع مصر) [2] فتوح البلدان ذکر خط ص ۴۷۱ مطبوعہ یورپ [3] طبقات ابن سعد غزوۂ بدر ص ۱۴ صفحہ ۱۴،

کے زمانہ ہی مین لکھنے پڑھنے کا کافی رواج ہو چکا تھا، البتہ یہ تحقیق طلب ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین روایتین اور حدیثین بھی قلمبند ہوئی تھین یا نہین، اور اس بنا پر سیرت کا کوئی تحریری سرمایہ بھی موجود تھا یا نہین، بعض حدیثون مین جن مین سے بعض صحیح مسلم مین مذکور ہین تصریح ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیثون کے قلمبند کرنے سے منع فرمایا تھا، مسلم کے یہ الفاظ ہین،

لَا تَكْتُبُوا عَنِّي وَمَنْ كَتَبَ عَنِّي	مجھ سے جو سنو اس کو قلمبند نہ کرو (بجز قرآن کے)
غَيْرَ الْقُرْآنِ فَلْيَمْحُهُ،	اور کسی نے قلمبند کیا ہو تو اُس کو مٹا ڈالنا چاہیئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی تحریرین

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ یہ ابتدائی زمانہ کا ارشاد ہو، کیونکہ متعدد صحیح حدیثون سے ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے زمانہ مین بعض صحابہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے آپ کے ارشادات قلمبند کر لیا کرتے تھے، صحیح بخاری (باب العلم) مین حضرت ابوہریرہؓ کا قول ہے کہ "صحابہؓ مین مجھ سے زیادہ کسی کو حدیثین محفوظ نہین، البتہ عبد اللہ بن عمروؓ مستثنیٰ ہین، کیونکہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین لکھ لیا کرتے تھے، اور مین لکھتا نہ تھا"

ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمروؓ کی عادت تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو سنتے تھے، لکھ لیا کرتے تھے، قریش نے اُن کو منع کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غیظ کی حالت مین ہوتے ہین کبھی خوشی مین، اور تم سب کچھ لکھتے جاتے ہو، عبد اللہ بن عمروؓ نے اس بنا پر لکھنا چھوڑ دیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا، آپ نے دہانِ مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ "تم لکھ لیا کرو، اس سے جو کچھ نکلتا ہے، حق نکلتا ہے"[1] خطیب بغدادی نے اپنے

---

[1] ابو داؤد ج ۲ ص ۷۷،

رسالہ تقیید العلم میں روایت کی ہے کہ اس بیاض کا نام جس مین عبداللہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیثین قلمبند کر لیا کرتے تھے، صادقہ[1] تھا،

ایک دفعہ آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ اس وقت تک اسلام لا چکے ہین، اُن کے نام قلمبند کئے جائین چنانچہ پندرہ سو صحابہؓ کے نام دفتر مین درج کئے گئے،[2]

خطیب بغدادی نے تقیید العلم مین روایت کی ہے کہ جب لوگ کثرت سے حضرت انسؓ کے پاس حدیثون کے سننے کے لئے جمع ہو جاتے تھے، تو وہ ایک جنگ نکال لاتے تھے کہ یہ وہ حدیثین ہین جو مین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سن کر لکھ لی تھین"

متعدد قبائل کو آپ نے جو صدقات اور زکواۃ وغیرہ کے احکام بھیجے، وہ تحریری تھے، اور کتب احادیث مین بعینہا منقول ہین، اسی طرح سلاطین کو دعوت اسلام کے جو پیغام بھیجے گئے وہ بھی تحریری تھے،

صحیح بخاری (باب کتابۃ العلم) مین ہے کہ فتح مکہ کے سال جب ایک خزاعی نے حرم مین ایک شخص کو قتل کر دیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ناقہ پر سوار ہو کر خطبہ دیا، یمن کے ایک شخص نے آکر درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھ کو تحریر کرا دیا جائے، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس شخص کیلئے وہ خطبہ قلمبند کرا دیا جائے،

غرض اس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک حسب ذیل تحریری سرمایہ مہیا ہو گیا تھا،

(۱) جو حدیثین حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ یا حضرت علیؓ وحضرت انسؓ وغیرہ[3] نے قلمبند کین،

[1] جامع بیان العلم للقاضی ابن عبدالبر مطبوعہ مصر ص ۳۶ مین صادقہ کا ذکر ہے [2] صحیح بخاری باب الجہاد [3] بخاری جلد (۱) ص ۲۱ و ۲۲ صحیفہ علی و کتابتہ لرجل من الیمن ۱۲،

(٢) تحریری احکام اور معاہدات (حدیبیہ وغیرہ) اور فرامین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبائل کے نام بھیجے[١]،

(٣) خطوط جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سلاطین[٢] اور امرا[٣] کے نام ارسال فرمائے،

(٤) پندرہ سو صحابہؓ کے نام،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس تحریری ذخیرہ کو اس قدر ترقی ہوتی گئی کہ بنو العباس سے پہلے، ولید بن یزید کے قتل کے بعد جب احادیث و روایت کا دفتر ولید کے کتب خانہ سے منتقل ہوا تو صرف امام زہری کی مرویات اور تالیفات گھوڑوں اور گدھوں پر لاد کر لائی گئیں[٤]،

مغازی عرب میں علوم و فنون نہ تھے صرف خاندانی معرکے اور لڑائیوں کے واقعات محفوظ رکھتے تھے، اس لحاظ سے قیاس یہ تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واقعات اور افعال و اقوال میں سب سے پہلے مغازی کی روایتیں پھیلتیں، اور سب سے پہلے اسی فن کی بنیاد پڑتی، لیکن روایات کے تمام انواع میں مغازی کا درجہ سب سے متاخر رہا، خلفائے راشدینؓ اور اکابر صحابہؓ نے زیادہ تر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُن اقوال و افعال پر توجہ کی، جن کو شریعت سے تعلق تھا، اور جن سے فقہی احکام مستنبط ہوتے تھے،

امام بخاری نے غزوۂ اُحد کے ذکر میں سائب بن یزید سے یہ روایت نقل کی ہے،

صحبت عبد الرحمن بن عوف ... میں عبد الرحمن بن عوفؓ اور طلحہ بن عبید اللہؓ

---

[١] سنن ابن ماجہ ص ١٢٠ و ابو داؤد جلد ١ ص ١٥٥، ١٥٦ [٢] بخاری جلد ١ ص ٥ و ایضاً ص ٥ [٣] بخاری جلد ١ ص ١٥

[٤] تذکرة الحفاظ علامہ ذہبی تذکرہ امام زہری،

وطلحۃ بن عبید اللہ والمقداد	مقداد اور سعدؓ کی صحبت میں رہا، لیکن میں نے
وسعد الا انما سمعت احدا منھم	اُن کو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیث
یحدث عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	بیان کرتے نہیں سنا، بجز اس کے کہ طلحہؓ
الا انی سمعت طلحۃ یحدث عن یوم احد	غزوۂ اُحد کا واقعہ بیان کرتے تھے،

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور طلحہؓ و مقدادؓ و سعدؓ وقاص، اکابر صحابہؓ میں ہیں، اور اُن سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں، اس لئے اس عبارت کے یہی معنی ہو سکتے ہیں کہ یہ لوگ غزوات کے واقعات نہیں بیان کرتے تھے، بجز اس کے کہ طلحہؓ جنگِ اُحد کے واقعات بیان کیا کرتے تھے،

یہی وجہ تھی کہ علما، میں جن لوگوں نے مغازی کو اپنا فن بنالیا تھا، وہ عوام میں جس قدر مقبول ہوتے تھے، خواص میں اُس قدر مستند نہیں خیال کئے جاتے تھے، اس فن کے اساطین اور ارکان ابن اسحاق اور واقدی ہیں، واقدی کو تو محدثین علانیہ کذاب کہتے ہیں، ابن اسحاق کو ایک گروہ ثقہ کہتا ہے لیکن اُسی درجہ کا دوسرا گروہ اُن کو بے اعتبار سمجھتا ہے تفصیل آگے آئیگی،

امام احمد بن حنبل کا قول ہے،

ثلاثۃ کتب لیس لھا اصول	تین قسم کی کتابیں ہیں جن کی کوئی اصل نہیں،
المغازی والملاحم والتفسیر[1]	مغازی اور ملاحم اور تفسیر،

خطیب بغدادی نے اس قول کو نقل کرکے لکھا ہے کہ امام ابن حنبل کی مراد اُن خاص کتابوں سے ہوگی جو بے اصل ہیں، پھر لکھا ہے،

[1] موضوعات ملا علی قاری، مطبع مجتبائی، ص ۵۰،

اما کتب التفسیر فمن اشہرھا	باقی تفسیر کی کتابیں تو اُن میں سے کلبی اور
کتابا الکلبی و مقاتل بن سلیمان	مقاتل کی کتابیں بہت مشہور ہیں، امام
وقد قال احمد فی تفسیر الکلبی	احمد بن حنبل نے کہا ہے کہ کلبی کی تفسیر اول
من اوّلہ الی اٰخرہ کذب،	سے اخیر تک جھوٹ ہے،

پھر لکھتے ہیں :-

واما المغازی فمن اشہرھا	باقی مغازی تو اس فن کی مشہور کتاب محمد
کتاب محمد بن اسحاق وکان	ابن اسحاق کی کتاب ہے، اور وہ عیسائیوں
یاخذ من اھل الکتاب وقد قال	اور یہودیوں سے روایت کرتے تھے اور
الشافعی کتب الواقدی کذب،	امام شافعی نے کہا ہے کہ واقدی کی کتابیں

باوجود ان باتوں کے یہ ناممکن تھا کہ یہ حصہ نظرانداز کر دیا جاتا، اس لئے اکابر صحابہؓ اور محدثین نہایت احتیاط کے ساتھ جو واقعات جہان تک خوب محفوظ ہوتے تھے، روایت کرتے تھے،

تصنیف و تالیف کی ابتدا سلطنت کی وجہ سے ہوئی،

صحابہؓ اور خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں اگرچہ فقہ و حدیث کی نہایت کثرت سے اشاعت ہوئی، بہت سے درس کے حلقے قائم ہوئے لیکن جو کچھ تھا، زیادہ تر زبانی تھا، لیکن بنی اُمیہ نے حکماً علماء سے تصنیفیں لکھوائیں، قاضی ابن عبدالبر نے جامع بیان العلم میں امام زہری کا قول نقل کیا ہے،

کنا نکرہ کتاب العلم حتی اکرھنا	ہم لوگ علم کا قلمبند کرنا پسند نہیں کرتے
علیہ ھٰؤلاء الامراء[1]،	تھے، یہان تک کہ امراء نے ہم کو مجبور کیا،

[1] مطبوعہ مصر ص ۱۳۶،

سب سے پہلے امیر معاویہؓ نے عبید بن شریہ کو یمن سے بلا کر قدما کی تاریخ مرتب کرائی جس کا نام اخبار الماضیین ہی،[1]

امیر معاویہؓ کے بعد عبدالملک بن مروان نے جو سنہ ۶۵ھ میں تخت نشین ہوا، ہر فن میں علماء سے تصنیفیں لکھوائیں، سعید بن جبیر جو اعلم العلماء تھے، ان کو حکم بھیجا کہ قرآن مجید کی تفسیر لکھیں، چنانچہ امام موصوف نے تفسیر لکھ کر بھیجی جو کتب خانہ شاہی میں رکھی گئی، عطاء بن دینار کے نام سے جو تفسیر مشہور ہے، اُن ہی کی تفسیر ہی، عطاء کو خزانہ شاہی سے یہ نسخہ ہاتھ آگیا تھا،[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا زمانہ آیا تو انھوں نے تصنیف و تالیف کو زیادہ ترقی دی، تمام ممالک میں حکم بھیجا کہ احادیث نبویؐ مدوّن اور قلمبند کی جائیں، سعد بن ابراہیم جو بہت بڑے محدث اور مدینہ منورہ کے قاضی تھے، ان سے دفتر کے دفتر حدیثوں کے قلمبند کرائے، اور تمام ممالک مقبوضہ میں بھیجے، علامہ ابن عبدالبر جامع بیان العلم میں لکھتے ہیں:-

عن سعد بن ابراهيم قال امرنا عمر بن عبد العزيز بجمع السنن فكتبناها دفترا دفترا فبعث الى كل ارض له عليها سلطان دفترا۔[3]	سعد بن ابراہیم کہتے ہیں کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے ہم کو احادیث کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے دفتر کے دفتر لکھے، عمرؓ نے جہاں جہاں اُن کی حکومت تھی، ایک ایک دفتر بھیج دیا،

ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم انصاری جو اس زمانہ کے بہت بڑے محدث اور امام زہری کے استاذ اور مدینہ کے قاضی تھے، ان کو بھی خاص طور پر احادیث کے جمع کرنے کا حکم بھیجا،[4]

[1] فہرست ابن الندیم ص ۱۳۲، [2] میزان الاعتدال ترجمہ عطاء بن دینار [3] مطبوعہ مصر ص ۳۶ [4] طبقات ابن سعد جزء ثانی قسم ثانی ص ۱۳۴

حضرت عائشہؓ کی روایتین

حدیث مین حضرت عائشہؓ کی مرویات کی ایک خاص حیثیت ہے، یعنی ان سے اکثر وہ حدیثین مروی ہین جو عقائد یا فقہ کے مہمات مسائل ہین، اس لئے عمرؓ بن عبدالعزیز نے اُن کی روایتون کے ساتھ زیادہ اعتنا کیا، عمرۃ بنت عبدالرحمٰن ایک خاتون تھین، ان کو حضرت عائشہؓ نے خاص اپنے آغوشِ تربیت مین پالا تھا، وہ بڑی محدثہ اور عالمہ تھین، تمام علما کا اتفاق ہے کہ حضرت عائشہؓ کی مرویات کا اُن سے بڑھ کر کوئی عالم نہ تھا، عمرؓ بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن محمد کو خط لکھا کہ عمرۃ کے مسائل اور روایات قلمبند کر کے بھیجدین[1]،

مغازی پر خاص توجہ

اب تک مغازی وسیر کے ساتھ اعتنا نہین کیا گیا تھا حضرت عمرؓ بن عبدالعزیز نے اس فن کی طرف خاص توجہ کی، اور حکم دیا کہ غزوات نبویؐ کا خاص حلقۂ درس قائم کیا جائے، عاصم بن عمر بن قتادہ انصاری المتوفی سنہ ۱۲۱ھ اس فن مین خاص کمال رکھتے تھے، اُن کو حکم دیا کہ جامع مسجد دمشق مین بیٹھکر لوگون کو مغازی اور مناقب کا درس دین[2]،

اسی زمانہ مین امام زہری نے مغازی پر ایک مستقل کتاب لکھی، اور جیسا کہ امام سہیلی نے روض الانف مین تصریح کی ہے، یہ اس فن کی پہلی تصنیف تھی، امام زہری اس زمانہ کے اعلم العلما تھے، فقہ اور حدیث مین اُن کا کوئی ہمسر نہ تھا، امام بخاری کے شیخ الشیوخ ہین، انھون نے حدیث وروایت کے حاصل کرنے مین یہ محنتین اٹھائین کہ مدینہ منورہ مین ایک ایک انصاری کے گھر پر جاتے جوان، بڈھے، عورت، مرد جو مل جاتا، یہان تک کہ پردہ نشین عورتون سے جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال اور حالات پوچھتے، اور قلمبند کرتے، وہ نسباً قریشی تھے، سنہ ۵۰ھ مین پیدا ہوئے

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ ابوبکر بن محمد وعمرۃ بنت عبدالرحمٰن وطبقات ابن سعد جزء دوم حصہ دوم ص ۱۳۴ [2] تہذیب التہذیب ترجمہ عاصم بن عمر بن قتادہ [3] تہذیب التہذیب ترجمہ امام زہری (محمد بن مسلم)

بہت سے صحابہؓ کو دیکھا تھا، سنہ ۸۲ھ مین عبدالملک بن مروان کے دربار مین گئے، اُس نے بہت قدر و منزلت کی، کتاب المغازی غالباً حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ کی ہدایت کے موافق لکھی، یہ بات خاص طور پر لحاظ کے قابل ہے کہ امام موصوف سلاطین کے دربار سے تعلق رکھتے تھے، اور مقربین خاص مین داخل تھے، ہشام بن عبدالملک نے اپنے بچون کی تعلیم اُن کے سپرد کی تھی، سنہ ۱۲۴ھ مین وفات پائی،

امام زہری کے تلامذہ

امام زہری کی وجہ سے مغازی و سیرت کا عام مذاق پیدا ہو گیا، اُن کے حلقۂ درس سے اکثر ایسے لوگ نکلے جو خاص اس فن مین کمال رکھتے تھے، اُن مین سے یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح تمار، عبدالرحمن بن عبدالعزیز، فن مغازی مین خاص شہرت رکھتے تھے، چنانچہ تہذیب التہذیب وغیرہ مین اُن لوگون کا امتیازی وصف صاحب المغازی لکھا جاتا ہے،

زہری کے تلامذہ مین سے دو شخصون نے اس فن مین نہایت شہرت حاصل کی، اور یہی دو شخص ہین، جن پر اس فن کا سلسلہ ختم ہوتا ہے، موسیٰ بن عقبہ اور محمد بن اسحاق،

موسیٰ بن عقبہ

موسیٰ بن عقبہ خاندانِ زبیر کے غلام تھے، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو دیکھا تھا، فنِ حدیث مین امام مالک اُن کے شاگرد ہین، امام مالک اُن کے نہایت مداح تھے، اور لوگون کو ترغیب دیتے تھے کہ فنِ مغازی سیکھنا ہو تو موسیٰ سے سیکھو، اُن کے مغازی کے خصوصیات ہین یہ ہین:-

(۱) مصنّفین اب تک روایات مین صحت کا التزام نہین کرتے تھے انھون نے زیادہ تر اس کا التزام کیا،

(۲) عام مصنّفین کا یہ مذاق تھا کہ کثرت سے واقعات نقل کئے جائین اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ ہر قسم کی رطب و یابس روایتین آجاتی تھین، موسیٰ نے احتیاط کی، اور صرف وہی روایتین لین جو اُن کے نزدیک صحیح ثابت ہوئین، یہی وجہ ہے کہ اُن کی کتاب بہ نسبت اور کتبِ مغازی

کے مختصر ہے،

(۳) چونکہ روایتِ حدیث کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی، اس لئے اکثر لوگ بچپن اور آغازِ شباب ہی سے حلقۂ درس مین شامل ہوجاتے تھے، اور حدیثین سُن کر لوگون سے روایت کرتے تھے، لیکن چونکہ اس عمر تک واقعات کا صحیح طور سے سمجھنا اور محفوظ رکھنا ممکن نہ تھا، اس لئے اکثر روایتون مین تغیر اور اختلاط ہوجاتا تھا، موسیٰ نے بخلاف اور لوگون کے کبر سن مین اس فن کو سیکھا تھا[۱] ۱۴۱ھ مین وفات پائی،

موسیٰ کی کتاب آج موجود نہین لیکن ایک مدت تک شائع و ذائع رہی، اور سیرت کی تمام قدیم کتابون مین کثرت سے اس کے حوالے آتے ہین،

محمد بن اسحاق

محمد بن اسحاق نے فنِ مغازی مین سب سے زیادہ شہرت حاصل کی، وہ امامِ فنِ مغازی کے نام سے مشہور ہین، شہرتِ عام مین اگرچہ **واقدی** اُن سے کم نہین لیکن واقدی کی نقوبیانی مسلمۂ عام ہے، اور اس لئے اُن کی شہرت بدنامی کی شہرت ہے محمد بن اسحاق تابعی ہین، ایک صحابی (حضرت انس رضی) کو دیکھا تھا، علم حدیث مین کمال تھا، امام زہری کے دروازہ پر دربان مقرر تھا کہ کوئی شخص بغیر اطلاع کے نہ آئے، لیکن محمد بن اسحاق کو عام اجازت تھی کہ جب چاہین چلے آئین، اُن کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے کی نسبت محدثین مین اختلاف ہے امام مالک اُن کے سخت مخالف ہین لیکن محدثین کا عام فیصلہ یہ ہے کہ مغازی اور سیر مین اُن کی روایتین استناد کے قابل ہین، امام بخاری نے صحیح بخاری مین اُن کی روایت نہین لی لیکن جزء القراۃ مین اُن سے روایت کی ہے، تاریخ مین تو اکثر واقعات ان ہی سے لیتے ہین،

[۱] تہذیب التہذیب ترجمہ موسیٰ ابن عقبہ

فنِ مغازی کو انھون نے اس قدر ترقی دی، اور اس قدر دلچسپ بنا دیا کہ خلفاے عباسیہ جو زیادہ تر اور قسم کی تصنیفات کا مذاق رکھتے تھے، اُن مین مغازی کا مذاق پیدا ہو گیا، چنانچہ ابن عدی نے اس احسان کا خاص طرح پر ذکر کیا ہے، ابنِ عدی نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس فن مین کوئی تصنیف اُن کی تصنیف کے رتبہ کو نہین پہنچی[1]،

ابن حبان نے کتاب الثقات مین لکھا ہو کہ محدثین کو محمد بن اسحاق کی کتاب پر اعتراض تھا تو یہ تھا کہ خیبر وغیرہ کے واقعات وہ اُن یہودیون سے دریافت کر کے داخل کتاب کرتے تھے، جو مسلمان ہو گئے تھے، اور چونکہ یہ واقعات انھون نے یہودیون سے سنے ہون گے اسلئے ان پر پورا اعتماد نہیں ہو سکتا، علامہ ذہبی کی تصریح سے ثابت ہوتا ہو کہ محمد بن اسحاق یہود و نصاری سے روایت کرتے تھے، اور اُن کو ثقہ سمجھتے تھے، ۱۵۱ھ مین وفات پائی،

محمد بن اسحاق کی کتاب المغازی کا ترجمہ شیخ سعدیؒ کے زمانہ مین ابو بکر سعد زنگی کے حکم سے فارسی مین ہوا، اسی کا قلمی نسخہ الٰہ آباد مین ہماری نظر سے گذرا ہے،

محمد بن اسحاق کی کتاب کثرت سے پھیلی، اور بڑے بڑے مشہور محدثون نے اس کے نسخے مرتب کیے، اسی کتاب کو ابنِ ہشام نے زیادہ تنقیح اور اضافہ کر کے مرتب کیا، جو سیرت ابن ہشام کے نام سے مشہور ہے چونکہ اصل کتاب آج کم ملتی ہے، اس لئے آج اس کی جو یادگار موجود ہے وہ یہی ابنِ ہشام کی کتاب ہے،

ابن ہشام — ابن ہشام کا نام عبد الملک ہے، وہ نہایت ثقہ اور نامور مورخ تھے، حمیر کے قبیلہ سے تھے،

[1] تہذیب التہذیب،

اور غالباً اسی تعلق سے سلاطینِ حمیر کی تاریخ لکھی، جو آج بھی موجود ہے، انھوں نے سیرت میں یہ اضافہ کیا کہ سیرت میں جو مشکل الفاظ آتے ہیں، اُن کی تفسیر بھی لکھی ہے، سنہ ۲۱۳ یا ۲۱۸ھ میں وفات پائی،

سیرت ابنِ اسحاق کی مقبولیت کی بنا پر لوگوں نے اس کو نظم کیا، چنانچہ ابو نصر فتح بن موسیٰ خضراوی المتوفی سنہ ۶۶۳ھ و عبدالعزیز احمد المعروف بہ سعد دیری المتوفی فی حدود سنہ ۶۰۷ھ و ابو اسحاق انصاری تلمسانی، و فتح الدین محمد بن ابراہیم معروف بہ ابن الشہید المتوفی سنہ ۷۹۳ھ نے منظوم کیا، اخیر کتاب میں قریباً دس ہزار شعر ہیں، اور اس کا نام فتح القریب فی سیرۃ الحبیب ہے،

ابن سعد واقدی خود قابلِ ذکر نہیں لیکن اُن کے تلامذہ خاص میں سے ابنِ سعد نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہؓ کے حالات میں ایسی جامع اور مفصل کتاب لکھی کہ آج تک اس کا جواب ہو سکا، ابن سعد مشہور محدث ہیں، محدثین نے عموماً لکھا ہے کہ گو اُن کے استاد (واقدی) قابلِ اعتبار نہیں لیکن وہ خود قابلِ سند ہیں، خطیب بغدادی نے اُن کی نسبت یہ الفاظ لکھے ہیں،

کان من اھل العلم والفضل والفھم والعدالۃ صنف کتاباً کبیراً فی طبقات الصحابۃ والتابعین الی وقتہ فاجاد فیہ واحسن[1]،

یہ موالی بنی ہاشم سے تھے، بصرہ میں پیدا ہوئے، لیکن بغداد میں سکونت اختیار کر لی تھی، بلاذری جو مشہور مورخ ہیں، انہی کے شاگرد ہیں، سنہ ۲۳۰ھ میں ۶۲ برس کی عمر میں وفات پائی، اُن کی کتاب کا نام طبقات ہے، ۱۲ جلدوں میں ہے، دو جلدیں خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات میں ہیں، اور یہ حصہ دراصل سیرۃ نبوی ہے، باقی جلدیں صحابہؓ و تابعین کے حالات میں ہیں

---

[1] تہذیب التہذیب ترجمہ محمد بن سعد،

اور چونکہ صحابہؓ کے حالات مین ہر جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر آتا ہے اس لئے ان حصون مین بھی سیرت کا بڑا سرمایہ موجود ہے،

یہ کتاب قریباً ناپید ہو چکی تھی یعنی دنیا کے کسی کتب خانہ مین اس کا پورا نسخہ موجود نہ تھا، شہنشاہ جرمن کو اس کی طبع و اشاعت کا خیال ہوا چنانچہ لاکھ روپئے جیبِ خاص سے دیئے، اور پروفیسر ساخو کو اس کام پر مامور کیا کہ ہر جگہ سے اس کے اجزاء فراہم کر کے لائین، پروفیسر موصوف نے قسطنطنیہ، مصر، اور یورپ جا کر جابجا سے تمام جلدین بہم پہنچائین، یورپ کے بارہ پروفیسرون نے الگ الگ جلدون کی تصحیح اپنے ذمہ لی، چنانچہ نہایت اہتمام اور صحت کے ساتھ یہ نسخہ لیڈن (ہالنڈ) مین چھپ کر شائع ہوا،

اس کتاب کا بڑا حصہ واقدی سے ماخوذ ہے لیکن چونکہ تمام روایتین بہ سند مذکور ہین، اس لئے واقدی کی روایتین بہ آسانی الگ کر لی جا سکتی ہین،

اس زمانہ مین سیرت پر اور بھی بہت سی کتابین لکھی گئین، چنانچہ کشف الظنون وغیرہ مین ان کے نام مذکور ہین لیکن چونکہ نام کے سوا اُن کے متعلق اور کچھ معلوم نہین، نہ اُن کا آج وجود ہے، اس لئے ہم اُن کے نام نظر انداز کرتے ہین،

تاریخ صغیر و کبیر امام بخاری

سیرت کے سلسلہ سے الگ ... تاریخی تصنیفات ہین، اُن مین سے جو محدثانہ طرز پر لکھی گئین، یعنی جن مین روایتین بہ سند مذکور ہین، اُن مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور واقعات کا جو حصہ ہے وہ بھی در اصل سیرت نبوی ہے، ان مین سب سے مقدم اور قابل استناد امام بخاری کی دونون تاریخین ہین لیکن دونون نہایت مختصر ہین، تاریخِ صغیر چھپ گئی ہے،

اس میں سیرت نبوی کا حصّہ کتاب کا دسوان حصّہ بھی نہین یعنی صرف ۱۵ صفحے ہین، اور اُن مین بھی کوئی ترتیب نہین، کبیر البتہ بڑی ہے، مین نے اس کا نسخہ جامع ایا صوفیہ مین دیکھا تھا لیکن سوانح نبویؐ اس مین بہت کم ہین، اور جستہ جستہ واقعات بلا ترتیب مذکور ہین،

امام طبری

تاریخی سلسلہ مین سب سے جامع اور مفصّل کتاب امام طبری کی تاریخ کبیر ہے، طبری اس درجہ کے شخص ہین کہ تمام محدّثین اُن کے فضل و کمال، وثوق اور وسعت علم کے معترف ہین، اُن کی تفسیر احسن التفاسیر خیال کی جاتی ہی، محدّث ابن خزیمہ کا قول ہے کہ دنیا مین کسی کو اُن سے بڑھکر عالم نہین جانتا، ۳۱۰ھ مین وفات پائی،

بعض محدّثین (سلیمانی) نے اُن کی نسبت لکھا ہے کہ "شیعون کے لئے حدیثین وضع کیا کرتے تھے" لیکن علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین لکھا ہے،

ھذا رجم بالظن الکاذب بل ابن	یہ جھوٹی بدگمانی ہی، بلکہ واقعہ یہ ہی کہ ابن جریر
جریر من کبار ائمۃ الاسلام المعتمدین	اسلام کے معتمد اماموں مین ایک بڑے امام ہین،

علامۂ ذہبی نے اسی موقع پر لکھا ہی کہ ان مین فی الجملہ تشیّع تھا لیکن مضر نہین، تمام مستند اور مفصّل تاریخین مثلاً تاریخ کامل ابن الاثیر، ابن خلدون، ابو الفدا، وغیرہ ان ہی کی کتاب سے ماخوذ اور اسی کتاب کے مختصرات ہین، یہ کتاب بھی ناپید تھی، اور یورپ کی بدولت شائع ہوئی،

جو لوگ خاص فن سیرت کے ارکان اور معتمد ہین، ان کا اور اُن کی تصنیفات کا ایک مختصر نقشہ ہم اس مقام پر درج کرتے ہین[1]،

---

[1] ان مصنفین کی تصنیفات اکثر ناپید ہین، (یہ فہرست تہذیب التہذیب وغیرہ سے مرتب کی گئی ہی،) ان کے نام لکھنے سے یہ

نام مصنف	سنہ وفات	حالات
عروہ بن زبیر	سنہ ۹۴ھ	حضرت زبیرؓ کے بیٹے، اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نواسے تھے حضرت عائشہؓ کے آغوشِ تربیت مین پلے تھے، سیرت و مغازی مین کثرت سے اُن کی روایتین ہین، ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ مین اُن کے متعلق لکھا ہو کان عالمًا بالسیرۃ، صاحب کشف الظنون نے مغازی کے بیان مین لکھا ہو کہ بعضون کی رائے ہے کہ فنِ مغازی کی سب پہلی کتاب ان ہی نے تدوین کی،
شعبی	سنہ ۱۰۹ھ	مشہور محدّث ہین، اکثر فنون مین کمال رکھتے تھے، خلافتِ دمشق کی طرف سے سفیر بنکر قسطنطنیہ گئے تھے، فنِ مغازی و سیر مین اُنکو اس درجہ واقفیت تھی کہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ فرماتے تھے کہ "گو مین ان غزوات مین بذاتِ خود شریک تھا، مگر یہ مجھ سے زیادہ ان حالات کو جانتے ہین"
وہب بن منبہ	سنہ ۱۱۴ھ	یمن کے عجمی خاندان سے تھے، حضرت ابوہریرہؓ سے کچھ حدیثین سُنی تھین، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق کتبِ عہدِ قدیم کی بشارت اور پیشینگوئیان کثرت سے انہی سے مروی ہین،
عاصم بن عمر بن	سنہ ۱۲۱ھ	مشہور تابعی ہین، حضرت انسؓ اور اپنے باپ اور اپنی دادی رمیثہ

(بقیہ حاشیہ ص ۲) غرض یہ کہ آج جو تصنیفین ملتی ہین ان مین اکثر اُن کے حوالے آتے ہین، اس لئے ناظرین کو ان حوالون کی صحت و عدم صحت یا قوت و ضعف کے فیصلہ کرنے کا کچھ موقع حاصل ہوگا،

قتادہ الانصاری		سے روایت کرتے ہین ، مغازی اور سیر مین نہایت وسیع المعلومات تھے ، خلیفہ عمر بن عبدالعزیز کے حکم سے مسجدِ دمشق مین بیٹھ کر اس فن کی تعلیم دیتے تھے ،
محمد بن مسلم بن شہاب زہری	سنہ ۱۲۴ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہی ،
یعقوب بن عتبہ بن مغیرہ بن الاخنس بن شریق الثقفی	سنہ ۱۲۸ھ	نہایت ثقہ تھے ، عمال اور گورنر انتظام ملکی مین اُن سے مدد لیتے تھے ، فقہاے مدینہ مین ان کا شمار تھا ، سیرتِ نبوی کے عالم تھے ، اُن کا دادا اخنس بن شریق وہی شخص ہی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا دشمن تھا ،
موسیٰ بن عقبۃ الاسدی	سنہ ۱۴۱ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے ،
ہشام بن عروۃ ابن زبیر	سنہ ۱۴۶ھ	زیادہ تر اپنے باپ سے روایت کرتے ہین ، زہری کے بھی شاگرد ہین ، علماے مدینہ مین اُن کا شمار ہے ، بغداد مین جو روایتین انھون نے لین ، محدثین کا بیان ہے کہ ان مین تساہل سے کام لیا ہے ، سیرت کے ذخیرۂ روایات مین ان کا بہت بڑا حصہ شامل ہے ، جن کو وہ اپنے باپ کے واسطہ سے حضرت عائشہ رضی سے روایت کرتے ہین ، فنِ سیرت مین اُن کے متعدد نامور تلامذہ ہین ؛
محمد بن اسحاق بن یسار المطلبی	سنہ ۱۵۰ھ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا ہے ،
معمر بن راشد الازدی	سنہ ۱۵۲ھ	امام زہری کے تلامذہ مین امام مالک کے بعد ان کا دوسرا درجہ ہی ،

		اساطینِ علمِ حدیث مین تھے، مغازی مین ایک کتاب اُن کی تصنیف ہی جسکا نام ابنِ ندیم نے کتاب المغازی لکھا ہی،
عبدالرحمن بن عبدالعزیز الاوسی	سنہ ۱۶۲ھ	زہری کے شاگرد تھے، مسلم نے اُن سے ایک روایت کی ہی محدثین کے نزدیک ضعیف الروایت ہین، فنِ سیرت کے عالم تھے، ابنِ سعد نے اُن کے متعلق لکھا ہی، کان عالمًا بالسیرۃ وغیرھا،
محمد بن صالح بن دینار التمار	سنہ ۱۶۸ھ	زہری کے شاگرد اور واقدی کے استاذ ہین، ابن سعد کا بیان ہی کہ وہ سیرت و مغازی کے عالم تھے، اکثر محدثین نے اُن کی توثیق کی ہی، ابوالزناد جو بڑے پایہ کے محدث ہین، وہ کہتے ہین کہ اگر صحیح مغازی سیکھنا ہو تو محمد بن صالح سے سیکھو،
ابو معشر نجیح المدنی	سنہ ۱۷۰ھ	ہشام بن عروہ کے شاگرد تھے، ثوری اور واقدی نے اُن سے روایت کی ہے، گو محدثین نے روایتِ حدیث مین اُن کی تضعیف کی ہے لیکن سیرت و مغازی مین اُن کی جلالتِ شان کا اعتراف کیا ہی، امام ابن حنبل کہتے ہین کہ وہ اس فن مین صاحبِ نظر ہین، ابن ندیم نے اُن کی کتاب المغازی کا ذکر کیا ہی، کتبِ سیرت مین اُن کا نام کثرت سے آتا ہے،
عبداللہ بن جعفر بن عبدالرحمن المخزومی	سنہ ۱۷۰ھ	مشہور صحابی مسور بن مخرمہؓ کے پڑپوتے تھے، فنِ حدیث مین خاص پایہ رکھتے تھے، سیرت نبویؐ کے اکابر علما مین تھے، ابن سعد نے

		اُن کی شان مین یہ الفاظ لکھے ہین من رجال اہل المدینۃ عالمًا بالمغازی،
عبد الملک بن محمد بن ابی بکر ابن عمرو بن حزم الانصاری،	سنہ ١٧٦ھ	فنِ حدیث وسیر مین ان کا خاندان ہمیشہ نامور رہا، ان کے دادا وہ شخص ہین جنھون نے خلیفہ عمر بن عبد العزیز کے حکم سے سب سے پہلے فنِ حدیث کی تدوین کی، اُن کے رشتہ کی دادی عمرۃ حضرت عائشہ کی تربیت یافتہ تھین، یہ خود سیر و مغازی کے عالم تھے، اپنے باپ اور چچا سے تعلیم پائی تھی، خلیفہ ہارون الرشید نے اُن کو قاضی مقرر کیا تھا، لوگ اُن سے مغازی سیکھتے تھے، اس فن مین اُن کی ایک تصنیف کتاب المغازی بھی ہے،
علی بن مجاہد الرازی الکندی	سنہ ١٨٠ھ	ابو معشر نجیح کے تلامذہ مین تھے، امام ابن حنبل نے اُن سے روایت کی ہے، مغازی کے جامع اور مصنف ہین لیکن ارباب نقد کے نزدیک اُن کی تصنیف اعتبار کے قابل نہین،
زیاد بن عبد اللہ ابن الطفیل البکائی	سنہ ١٨٣ھ	ابن اسحاق کے شاگرد اور ابن ہشام کے استاد تھے، ان دونون بزرگوارون کے واسطۃ العقد یہی ہین، سیرت کے عشق مین گھر بار بیچ کر استاد کے ساتھ نکل کھڑے ہوے تھے، اور مدت تک سفر و حضر مین اُن کے شریک رہے، محدثین کی بارگاہ مین گو اُن کا اعزاز کم ہے لیکن کتاب السیرۃ کے سب سے معتبر راوی یہی سمجھے جاتے ہین،

سلمۃ بن الفضل الابرش الانصاری	سنہ ۱۹۱ھ	ابن اسحاق کے شاگرد، اور اُن کی سیرت کے راوی ہین رَے کے قاضی تھے، اہلِ نقد کے نزدیک قابلِ احتجاج نہین لیکن ابن معین جو اسماے رجال کے بڑے ماہر ہین، مغازی مین اُن کی توثیق کرتے ہین اور اُن کی سیرت کو بہترین سیر تمامے نبوی کہتے ہین، طبری مین اُن کے واسطہ سے اکثر روایتین مروی ہین،
ابو محمد یحییٰ بن سعید ابن ابان الاموی	سنہ ۱۹۴ھ	ہشام بن عروہ اور ابن جریج سے تلمذ تھا، ابن سعد نے لکھا ہے کہ گو قلیل الروایت ہین لیکن ثقہ ہین، صاحب کشف الظنون نے مصنفینِ مغازی مین ان کا نام بھی لیا ہی،
ولید بن مسلم القرشی	سنہ ۱۹۵ھ	شام کے مشہور محدث اور نہایت قوی الحافظہ تھے، شام مین ان کے زمانہ مین اُن سے بڑا کوئی عالم نہ تھا، تاریخ و مغازی مین دیکھے اُن کا درجہ بڑا سمجھا جاتا تھا، اُن کی تصنیفات کی تعداد ستر ہی جن مین ایک کتاب المغازی ہی کتاب الفہرست مین اس کا ذکر موجود ہی،
یونس بن بکیر	سنہ ۱۹۹ھ	ہشام بن عروہ اور ابن اسحاق کے شاگرد ہین، فنِ روایت حدیث مین اُن کا متوسط درجہ ہے، اکثر محدثین نے اُن کی توثیق کی ہے، علامہ ذہبی نے تذکرہ مین اُن کا نام بلقب صاحب المغازی لیا ہے، انھون نے مغازی ابن اسحاق کا ذیل لکھا ہی، (زرقانی مواہب جلد ۳ ص ۱۰)

محمد بن عمر الواقدی الاسلمی	۲۰۷ھ	سیرت نبوی کے متعلق اُن کی دو کتابین ہین کتاب السیرۃ اور کتاب التاریخ والمغازی والمبعث، امام شافعی فرماتے ہین کہ واقدی کی تمام تصانیف جھوٹ کا انبار ہے، کتب سیرت کی کی اکثر بیہودہ روایتون کا سرچشمہ ان ہی کی تصانیف ہین، ایک ظریف محدث نے خوب کہا ہے کہ اگر واقدی سچا ہے تو دنیا مین کوئی اس کا ثانی نہین، اور اگر جھوٹا ہے تب بھی دنیا مین اس کا جواب نہین"
یعقوب بن ابراہیم الزہری	۲۰۸ھ	حضرت عبدالرحمن بن عوف کی اولاد مین تھے، زہری اور ان کے تلامذہ کے شاگرد ہین، مغازی مین ان کا یہ رتبہ تھا کہ ابن معین جیسا ناقد رجال اُن سے اس فن کی تحصیل کرتا تھا،
عبدالرزاق بن ہمام بن رافع الحمیری	۲۱۱ھ	ثقات محدثین مین اُن کا شمار ہے، مزاج مین کسی قدر تشیع تھا، ابن معین کہتے ہین کہ اگر عبدالرزاق مرتد بھی ہو جائین تب بھی ہم اُن سے روایت حدیث ترک نہین کر سکتے، آخر عمر مین بصارت جاتی رہی تھی، اس لیے اس زمانہ کی حدیثین ناقابل سند ہین، فن مغازی مین اُن کی ایک تالیف ہے،
عبدالملک بن ہشام الحمیری	۲۱۳ یا ۱۸ھ	اُن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے
علی بن محمد المدائنی	۳۲۵ھ	ابو معشر نجیح، اور سلمۃ بن الفضل وغیرہ کے شاگرد تھے، تاریخ و انساب عرب

		مین نہایت وسیع المعلومات تھے، محدثین مین ان کا شمار نہین، لیکن مورخین کے امام ہین، اغانی کے دفتر بے پایان کا مخزن یہی ہین تاریخ و انساب مین اُن کی کثرت سے تصنیفات ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات مین اُن کی کتاب نہایت مبسوط ہے، اور ابن الندیم کے بیان کے مطابق ہر قسم کے متعدد، اور متنوع عنوان قائم کئے ہین،
عمر بن شبّہ البصری	سنہ ۲۶۲ھ	حدیث، تاریخ، ادب، لغت، شاعری، اور نحو کے امام ہین، مکہ مبارکہ، مدینہ طیبہ اور بصرہ کی تاریخین لکھی ہین، علم سیر مین نہایت بلند پایہ تھے، حدیث مین ابن ماجہ، اور تاریخ مین بلاذری، اور ابونعیم اُن کے شاگرد تھے،
محمد بن عیسیٰ ترمذی	سنہ ۲۷۹ھ	مشہور محدث ہین جن کی کتاب صحاح ستہ مین تیسرا درجہ رکھتی ہے، سیرت نبوی مین اُن کا خاص رسالہ ہے، جس کا موضوع گذشتہ تصانیف سے الگ ہی، اس رسالہ کا نام کتاب الشمائل ہے، جس مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی حالات وعادات واخلاق کا ذکر ہے، اس بات کا التزام کیا ہے کہ تمام روایتیں معتبر اور صحیح ہون، اس رسالہ پر متعدد علمار نے شروح وحواشی لکھے،
ابراہیم بن اسحاق بن ابراہیم	سنہ ۲۸۵ھ	محدثین کبار مین شمار ہے، مسند صحابہ رض اُن کی تالیف ہے، جس کے

		آخر مین کتاب المغازی شامل ہی،
ابوبکر احمد بن ابی خیثمۃ البغدادی	۲۹۹ھ	حدیث مین ابن حنبل اور ابن معین کے شاگرد، اور تاریخ و سیر کے جلیل القدر عالم تھے، تاریخ کبیر اُن کی تصنیف ہی جس مین سیرت نبوی کا حصّہ بھی شامل ہی،
محمد بن عائذ دمشقی	:	اُن کی مغازی معتبر خیال کی جاتی ہے، حافظ ابن حجر وغیرہ اکثر اس کے حوالے دیتے ہین،

یہ قدما کی تصنیفات تھین، مابعد کی تصنیفات کا ہم ایک مختصر نقشہ ذیل مین درج کرتے ہین، یہ تصنیفات قدیم تصنیفات اور احادیث کی کتابون سے ماخوذ ہین، اس نقشہ مین ان کتابون کا ذکر بھی ہے، جو قدما، کی تصنیفات کے متعلق شرح کے طور پر لکھی گئی ہین، اُن کا ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ یہ فی نفسہٖ مستقل تصنیفات ہین، اور اُن مین جس قدر ذخیرہ معلومات ہی خود اصل کتابون مین نہین،

روض الانف، سیرتِ ابن اسحاق کی شرح ہے، مصنف کا نام عبدالرحمن سہیلی ہے جنھون نے ۵۸۱ھ مین وفات پائی، یہ اکابر محدثین مین سے ہین، اور تمام مصنفین مابعد سیرت نبوی کی تحقیقات اور معلومات کے متعلق اُن کے خوشہ چین ہین، مصنف نے دیباچہ مین لکھا ہی کہ مین نے یہ کتاب ۱۲۰ کتابون کی مدد سے لکھی، اس کا قلمی نسخہ ہمارے استعمال مین ہے،

سیرتِ دمیاطی حافظ عبدالمومن دمیاطی المتوفی ۷۰۵ھ کی تصنیف ہے، اکثر کتابون مین اس کے حوالے آتے ہین، اس کتاب کا نام المختصر فی سیرۃ سید البشر ہو، قریباً سو صفحون

ین ہی، پٹنہ کے کتب خانہ مین اس کا ایک نسخہ موجود ہی،

سیرتِ خلاطی علاؤ الدین علی بن محمد خلاطی حنفی کی تصنیف ہی، ۷۰۸ھ مین وفات پائی،

سیرتِ گازرونی شیخ ظہیر الدین علی بن محمد گازرونی المتوفی ۶۹۴ھ کی تصنیف ہی،

سیرتِ ابنِ ابی طے مصنف کا نام یحیٰی بن حمیدۃ المتوفی ۶۳۰ھ ہے، یہ کتاب تین جلدون مین ہی،

سیرت مغلطائی مشہور کتاب ہی، اور مصر مین چھپ گئی ہے علامہ عینی نے اس کے ایک حصہ کی شرح لکھی ہے، جس کا نام کشف اللثام ہی،

شرف المصطفی حافظ ابو سعید عبد الملک نیشاپوری کی تصنیف ہے، آٹھ جلدون مین ہی، حافظ ابن حجر اصابہ مین اکثر اس کا حوالہ دیتے ہین لیکن جو روایتین حافظ موصوف نے نقل کی ہین، ان مین بعض نہایت مہمل اور لغو روایتین ہین، جس سے قیاس ہوتا ہے کہ مصنف نے رطب و یابس کی کوئی تمیز نہین رکھی ہی،

شرف المصطفی للحافظ ابن الجوزی،

اکتفاء فی مغازی المصطفی والخلفاء الثلاثہ، حافظ ابو الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی المتوفی ۶۳۴ھ کی تصنیف ہی، اکثر کتابون میں اس کے حوالے آتے ہین،

سیرت ابن عبد البر، ابن عبد البر مشہور محدث اور امام ہین اس کتاب کے حوالے اکثر آتے ہین،

(۱) بمبئی کے کتب خانہ جامع مسجد مین اس کا قلمی نسخہ موجود ہے) (۲) ان تمام کتابون کا ذکر کشف الظنون مین سیرت کے عنوان مین ہی،

عیون الاثر ابن سید الناس کی تصنیف ہی، ابن سید الناس اندلس کے مشہور عالم ہین ۷۳۴ھ مین وفات پائی، یہ کتاب نہایت متین اور جامع ہے، معتبر کتابون کو ماخذ قرار دیا ہے، اور جس سے جو کچھ نقل کیا ہے، سند بھی نقل کی ہے، اس کا قلمی نسخہ (جلد دوم) کلکتہ کے کتب خانہ مین ہی اور ہمارے پیش نظر ہے،

نور النبراس فی سیرۃ ابن سید الناس، عیون الاثر کی شرح ہے، مصنف کا نام ابراہیم بن محمد ہی، یہ کتاب نہایت محققانہ لکھی گئی ہے، اور بے شمار معلومات کا گنجینہ ہے، دو ضخیم جلدون مین ہی اور ندوہ کے کتب خانہ مین اس کا نہایت عمدہ نسخہ موجود ہے،

سیرت منظوم، حافظ زین الدین عراقی نے جو حافظ ابن حجر کے استاد تھے، نظم مین لکھی ہی لیکن دیباچہ مین خود لکھ دیا ہے کہ اس مین رطب و یابس سب کچھ ہے،

مواہب لدنیہ، مشہور کتاب ہی اور متاخرین کا یہی ماخذ ہے، اس کے مصنف قسطلانی ہین جو بخاری کے مشہور شارح ہین، حافظ ابن حجر کے ہمرتبہ تھے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مفصل ہے، لیکن ہزارون موضوع اور غلط روایتین بھی موجود ہین،

زرقانی علی المواہب، یہ مواہب لدنیہ کی شرح ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ سہیلی کے بعد کوئی کتاب اس جامعیت اور تحقیق سے نہین لکھی گئی، آٹھ ضخیم جلدون مین ہے، اور مصر مین چھپ گئی ہے،

سیرت حلبی مشہور اور متداول ہی،

صحت ماخذ

سیرت نبوی کے واقعات جو قلمبند کئے گئے، وہ تقریباً نبوت کے سَو برس کے

بعد قلمبند ہوئے، اس لئے مصنفین کا ماخذ کوئی کتاب نہ تھی، بلکہ اکثر زبانی روایتین تھین،

اس قسم کا موقع جب دوسری قومون کو پیش آتا ہے یعنی کسی زمانہ کے حالات مدت کے بعد قلمبند کئے جاتے ہین، تو یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ ہر قسم کی بازاری افواہین قلمبند کر لی جاتی ہین جن کے راویون کا نام و نشان تک معلوم نہین ہوتا، ان افواہون مین سے وہ واقعات انتخاب کرلئے جاتے ہین، جو قرائن اور قیاسات کے مطابق ہوتے ہین، تھوڑی دیر کے بعد یہی خرافات ایک دلچسپ تاریخی کتاب بن جاتے ہین، یورپ کی تاریخی تصنیفات اسی اصول پر لکھی گئی ہین،

اسلامی فن تاریخ کا پہلا اصول فن روایت

لیکن مسلمانون نے اس فن سیرت کا جو معیار قائم کیا، وہ اس سے بہت زیادہ بلند تھا، اس کا پہلا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جائے، اُس شخص کی زبان سے بیان کیا جائے جو خود شریک واقعہ تھا، اور اگر خود نہ تھا، تو شریک واقعہ تک تمام راویون کا نام بہ ترتیب بتایا جائے، اس کے ساتھ یہ بھی تحقیق کیا جائے کہ جو اشخاص سلسلۂ روایت مین آئے، کون لوگ تھے، کیسے تھے؟ کیا مشاغل تھے؟ چال چلن کیسا تھا؟ حافظہ کیسا تھا؟ سمجھ کیسی تھی؟ ثقہ تھے یا غیر ثقہ؟ سطحی الذہن تھے؟ یا دقیقہ بین؟ عالم تھے، یا جاہل؟ اُن جزئی باتون کا پتہ لگانا سخت مشکل، بلکہ ناممکن تھا، سیکڑون ہزارون محدثین نے اپنی عمرین اسی کام مین صرف کردین، ایک ایک شہر مین گئے، راویون سے ملے، اُن کے متعلق ہر قسم کے معلومات بہم پہنچائے، جو لوگ اُن کے زمانہ مین موجود نہ تھے، اُن کے دیکھنے والون سے حالات دریافت کئے، ان

اسماء الرجال کی تدوین

تحقیقات کے ذریعہ سے اسماء الرجال (بیوگرافی) کا وہ عظیم الشان فن تیار ہوگیا جس کی

بدولت آج کم از کم لاکھ شخصون کے حالات معلوم ہو سکتے ہین، اور اگر ڈاکٹر اسپرنگر[۱] کے حسن ظن کا اعتبار کیا جائے، تو یہ تعداد پانچ لاکھ تک پہنچ جاتی ہے،

محدثین نے حالات کے بہم پہنچانے مین کسی شخص کے رتبہ اور حیثیت کی پروا نہ کی، بادشاہون سے لے کر بڑے بڑے مقتداؤن تک کی اخلاقی سُراغ رسانیان کین، اور ایک ایک کی پردہ دری کی،

اس سلسلہ مین سینکڑون تصنیفات تیار ہوئین جن کی اجمالی کیفیت یہ ہے،

سب سے پہلے اس فن یعنی راویون کی جرح وتعدیل مین یحییٰ بن سعید القطان نے ایک کتاب لکھی، وہ اس رتبہ کے شخص تھے کہ امام احمد بن حنبل نے اُن کی نسبت لکھا ہے کہ میری آنکھون نے اُن کا نظیر نہین دیکھا، ان کے بعد اس فن کو زیادہ رواج ہوا، اور کثرت سے کتابین لکھی گئین جن مین سے چند ممتاز تصنیفات حسب ذیل ہین،

نام مصنف	کیفیت
رجال عقیلی	خاص ضعیف الروایۃ لوگون کے حال مین ہی،
رجال احمد بن عبد العجلی المتوفی سنہ ۲۶۱ھ	اس کتاب کا نام کتاب الجرح والتعدیل ہے،
رجال امام عبد الرحمن بن حاتم الرازی المتوفی سنہ ۳۲۷ھ	بہت ضخیم کتاب ہی،

[۱] ڈاکٹر اسپرنگر جرمن کے مشہور عربی دان فاضل ہین، مدت تک ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ مین کام کیا، اصابہ کا نسخہ انہی کی تصحیح سے کلکتہ مین چھپا، اسی کتاب کے دیباچہ مین صاحب موصوف نے لکھا ہے کہ نہ کوئی قوم دنیا مین ایسی گذری، نہ آج موجود ہے، جس نے مسلمانون کی طرح اسماء الرجال سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی

کیفیت	نام مصنف
مشہور محدث ہین، یہ کتاب خاص ضعیف الرواۃ اشخاص کے حال مین ہے،	رجال امام دارقطنی،
اس فن کی سب سے مشہور کتاب ہو اور تمام محدثین متاخرین نے اس کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے،	کامل ابن عدی

یہ کتابین قریبًا آج ناپید ہین، لیکن بعد کی تصنیفات جو انہی سے ماخوذ ہین، آج بھی موجود ہین،

اس سلسلہ مین سب سے زیادہ جامع اور مستند کتاب تہذیب الکمال ہو، جو علامہ مزی (یوسف بن الزکی) کی تصنیف ہے جنھون نے ۷۴۲ھ مین وفات پائی، علاؤ الدین مغلطائی المتوفی ۷۶۲ھ نے تیرہ جلدون مین اس کا تکملہ لکھا،

علامہ ذہبی المتوفی ۷۴۸ھ نے اس کا اختصار کیا، اور بہت سے محدثین نے اس کے خلاصے اور ذیل لکھے، اور بالآخر حافظ ابن حجر نے ان تمام تصنیفات سے ایک نہایت ضخیم کتاب تہذیب التہذیب لکھی جو بارہ جلدون مین ہو اور آجکل حیدرآباد سے شائع ہوئی ہے مصنف نے کتاب کے خاتمہ مین لکھا ہو کہ اس کی تصنیف مین آٹھ برس صرف ہوئے ہین، اس سلسلہ کی ایک اور سب سے زیادہ متداول اور مستند کتاب میزان الاعتدال ہو جو علامہ ذہبی کی تصنیف ہو، حافظ ابن حجر نے اس کتاب پر اضافہ کیا جس کا نام لسان المیزان ہو،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹) بدولت آج پانچ لاکھ شخصون کا حال معلوم ہو سکتا ہو،

اسماء الرجال کی کتابین جو ہمارے پیش نظر ہین،

اسماء الرجال کی کتابون مین سے تہذیب الکمال، تہذیب التہذیب، لسان المیزان تقریب، تاریخ کبیر بخاری، تاریخ صغیر بخاری، ثقات ابن حبان، تذکرۃ الحفاظ علامہ ذہبی، مشتبہ النسبۃ ذہبی، انساب سمعانی، تہذیب الاسماء ہماری نظر سے گذری ہین،

اس اصول تحقیق کی بنیاد خود قرآن مجید نے قائم کردی تھی،

یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَکُمْ	مسلمانو! اگر تمھارے پاس کوئی فاسق
فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا، (حجرات-۱)	خبر لائے تو تم اچھی طرح اس کی تحقیق کرلو،

حدیث ذیل بھی اسی کی موید ہی:-

کفٰی بالمرءِ کذبًا ان یحدّث بکلّ	آدمی کے جھوٹے ہونے کی یہ کافی دلیل ہو
ما سمع	کہ جو کچھ سنے روایت کردے،

دوسرا اصول درایت

تحقیق واقعات کا دوسرا اصول یہ تھا کہ جو واقعہ بیان کیا جاتا ہے، عقلی شہادت کے مطابق بھی ہی یا نہین؟

درایت کی ابتدا

یہ اصول بھی درحقیقت قرآن مجید ہی نے قائم کردیا تھا حضرت عائشہؓ پر جب منافقین نے تہمت لگائی تو اس طرح اس خبر کو مشہور کیا کہ بعض صحابہؓ تک مغالطہ مین آگئے چنانچہ صحیح بخاری اور مسلم مین ہے کہ حضرت حسانؓ بھی قاذفین مین شریک تھے، اور اسی بنا پر حد قذف جاری کیگئی قرآن مجید مین بھی اس کی تصریح ہی،

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ	جن لوگون نے تہمت لگائی وہ تمھارے
عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ (نور-۲)	گروہ مین سے ہین،

تفسیر جلالین مین مِنکُمۡ کی تفسیر حسبِ ذیل کی ہی،

جَمَاعَۃٌ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ،	یعنی تہمت لگانیوالے مسلمانون کا ایک گروہ،

قرآن مجید کی آیتین حضرت عائشہ رضؓ کی برارت اور طہارت کے متعلق جو نازل ہوئین، اُن مین سے ایک یہ ہی :-

وَلَوْلَآ اِذْ سَمِعْتُمُوْهُ قُلْتُمْ مَّا يَكُوْنُ	اور جب تم نے سُنا تو کیون نہین کہدیا کہ
لَنَآ اَنْ نَّتَكَلَّمَ بِهٰذَا ۖ سُبْحٰنَكَ هٰذَا	ہم کو ایسی بات بولنا مناسب نہین سبحان اللہ
بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ ۝ (نور-۲)	یہ بڑا بہتان ہی،

عام اصول کی بنا پر اس خبر کی تحقیق کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے راویون کے نام دریافت کئے جاتے، پھر دیکھا جاتا کہ وہ ثقہ اور صحیح الروایۃ ہین یا نہین؟ پھر انکی شہادت لی جاتی، لیکن خدا نے اس آیت مین فرمایا کہ سننے کے ساتھ تم نے کیون نہین کہہ دیا کہ یہ بہتان ہی،

اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ اس قسم کا خلافِ قیاس جو واقعہ بیان کیا جائے قطعاً سمجھ لینا چاہئے کہ غلط ہی،

اسی طرز تحقیق یعنی درایت کی ابتدا خود صحابہؓ کے عہد مین ہو چکی تھی،

فقہا مین بعض اس بات کے قائل ہین کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، حضرت ابو ہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے جب اس مسئلہ کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف منسوب کیا تو حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ نے کہا اگر یہ صحیح ہو تو اُس پانی کے پینے سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا جو آگ پر گرم کیا گیا ہو، حضرت عبداللہ بن عباسؓ حضرت

ؔ صحیح الترمذی باب الوضوء ۱۳

ابو ہریرہ رضؓ کو ضعیف الروایۃ نہین سمجھتے تھے لیکن چونکہ اُن کے نزدیک یہ روایت درایت کے خلاف تھی، اس لئے انھون نے تسلیم نہین کی، اور یہ خیال کیا کہ سمجھنے مین غلطی ہو گئی ہو گی،

جب حدیثون کی تدوین شروع ہوئی تو محدثین نے درایت کے اصول بھی منضبط کئے، جن مین سے بعض یہ ہین،

قال[۱] ابن الجوزی وکلّ حدیث رأیته
یخالف العقول او یناقض الاصول
فاعلم انّه موضوع فلا یتکلف اعتباره
ای لا تعتبر رواته ولا تنظر فی
جرحهم او یکون ممّا یدفعه الحسّ
والمشاهدة او مباینا لنص الکتاب
والسنة المتواترة او الاجماع القطعی
حیث لا یقبل شیئٌ من ذلك التاویل
او یتضمن الافراط بالوعید الشدید
علی الامر الیسیر او بالوعد العظیم
علی الفعل الیسیر وهذا الاخیر کثیر موجود
فی حدیث القصاص والطرقیة ومن

ابنِ جوزی نے کہا ہے کہ جس حدیث کو دیکھو کہ عقل یا
اصولِ مسلمہ کے خلاف ہے تو جان لو کہ وہ مصنوعی ہے اسکی
نسبت اس بحث کی ضرورت نہین کہ اس کے راوی معتبر
ہین یا غیر معتبر، اسی طرح سے وہ حدیث قابلِ اعتبار
نہین جو محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو، اور
تاویل کی گنجایش نہ رکھتی ہو، یا وہ حدیث جس مین ذرا سی
بات پر عذاب کی دھمکی ہو، یا معمولی کام پر بہت بڑے ثواب
کا وعدہ ہو (اس قسم کی حدیثیں واعظون اور صوفیون
کے ہان بہت پائی جاتی ہین) یا وہ حدیث جس مین
لغویت پائی جائے مثلاً یہ حدیث کہ کدو کو بغیر ذبح
کئے نہ کھاؤ اس لئے بعض محدثین نے لغویت کو
راوی کے کذب کی دلیل قرار دیا ہے، یہ تمام قرینے خود

[۱] فتح المغیث مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۱۴، افسوس یہ ہے کہ یہ کتاب نہایت غلط چھپی ہے اس لئے بعض عبارتین ہم نے اسی نسخہ کے

رکۃ المعنی لاتا کلوا القرعۃ حتی تذبحوھا
ولذا اجعل بعضھم ذٰلک دلیلاً علی کذب
راویہ وکل ھٰذا من القرائن فی المروی
وقد تکون فی الراوی کقصۃ غیاث مع
المھدی..... او انفرادہ عمن لم
یدرکہ بما لم یوجد عند غیرھا او
انفرادہ بشیئٍ مع کونہ مما یلزم المکلفین
علمہ وقطع العذر فیہ کما قررہ الخطیب
فی اول الکفایۃ او بامر جسیم یتوفر
الدواعی علی نقلہ کحصر عدو الحاج
عن البیت،

روایت سے متعلق ہیں، اور کبھی یہ قرائن راوی کے
متعلق ہوتے ہیں، مثلاً غیاث کا واقعہ خلیفہ مہدی کے
ساتھ..... یا جب کہ راوی کوئی ایسی حدیث بیان کرے،
جو اور کسی نے نہ بیان کی ہو، اور خود راوی جس سے روایت
کرتا ہے، اس سے ملاقات نہ ہو، یا وہ حدیث جس کو ایک
ایک ہی راوی بیان کرتا ہے حالانکہ بات ایسی ہے کہ
اس سے اوروں کو بھی مطلع ہونا ضرور تھا جیسا کہ خطیب
بغدادی نے کتاب الکفایہ کے شروع میں اس کی
تصریح کی ہے، یا وہ روایت جس میں کسی عظیم الشان
واقعہ کا ذکر ہے، کہ اگر وہ واقع ہوا ہوتا تو سیکڑوں
آدمی اس کو بیان کرتے، مثلاً یہ واقعہ کہ کسی دشمن نے حاجیوں کو کعبہ سے روک دیا تھا،

اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ حسب ذیل صورتوں میں روایت اعتبار کے قابل نہ ہوگی، اور
اس کے متعلق اس تحقیق کی ضرورت نہیں کہ اس کے راوی معتبر ہیں یا نہیں،

۱۔ جو روایت عقل کے مخالف ہو،

۲۔ جو روایت اصول مسلّمہ کے خلاف ہو،

۳۔ محسوسات اور مشاہدہ کے خلاف ہو،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳) موافق غلط نقل کی ہیں، یہ اصول خود ابن جوزی کے قائم کردہ نہیں ہیں بلکہ ابن جوزی نے محدثین کے اصول کو نقل کر دیا ہے،

۴۔ قرآن مجید یا حدیثِ متواتر یا اجماعِ قطعی کے خلاف ہو، اور اس مین تاویل کی کچھ گنجایش نہ ہو،

۵۔ جس حدیث مین معمولی بات پر سخت عذاب کی دھمکی ہو،

۶۔ معمولی کام پر بہت بڑے انعام کا وعدہ ہو،

۷۔ وہ روایت رکیک المعنی ہو، مثلاً کدو کو بغیر ذبح کئے نہ کھاؤ،

۸۔ جو راوی کسی شخص سے ایسی روایت کرتا ہے کہ کسی اور نے نہین کی، اور یہ راوی اس شخص سے نہ ملا ہو،

۹۔ جو روایت ایسی ہو کہ تمام لوگون کو اس سے واقف ہونے کی ضرورت ہو، باایں ہمہ راوی کے سوا کسی اور نے اس کی روایت نہ کی ہو،

۱۰۔ جس روایت مین ایسا قابلِ اعتنا واقعہ بیان کیا گیا ہو کہ اگر وقوع میں آتا تو سیکڑون آدمی اس کو روایت کرتے، باوجود اس کے صرف ایک ہی راوی نے اس کی روایت کی ہو،

ملا علی قاری نے موضوعات[۱] کے خاتمہ مین حدیثون کے نامعتبر ہونے کے چند اصول تفصیل سے لکھے ہین، اور اُن کی مثالین نقل کی ہین ہم اس کا خلاصہ اس موقع پر نقل کرتے ہین،

۱۔ جس حدیث مین فضول باتین ہون، جو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبان سے نہین نکل سکتین، مثلاً یہ کہ "جو شخص لا الہ الا اللہ کہتا ہے خدا اس کلمہ سے ایک پرند پیدا کرتا ہے جس کے ستر زبانین ہوتی ہین، ہر زبان مین ستر ہزار لغت ہوتے ہین" الخ

۲۔ وہ حدیث جو مشاہدہ کے خلاف ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "بیگن کھانا ہر مرض کی دوا ہے"

---

[۱] نسخہ مطبوعہ مجتبائی دہلی صفحہ ۹۲ تا خاتمہ کتاب،

۳- وہ حدیث جو صریح حدیثوں کے مخالف ہو،

۴- جو حدیث واقع کے خلاف ہو، مثلاً یہ کہ "دھوپ میں رکھے ہوئے پانی سے غسل نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ اس سے برص پیدا ہوتا ہے"

۵- وہ حدیث جو انبیاء علیہ السلام کے کلام سے مشابہت نہ رکھتی ہو، مثلاً یہ حدیث کہ "تین چیزیں نظر کو ترقی دیتی ہیں، سبزہ زار، آب رواں، خوبصورت چہرہ کا دیکھنا"

۶- وہ حدیثیں جن میں آیندہ واقعات کی پیشین گوئی بقید تاریخ مذکور ہوتی ہے مثلاً یہ کہ فلاں سنہ اور فلاں تاریخ میں یہ واقعہ پیش آئے گا،

۷- وہ حدیثیں جو طبیبوں کے کلام سے مشابہ ہیں، مثلاً یہ کہ "ہریسہ کے کھانے سے قوت آتی ہے، یا یہ کہ مسلمان شیریں ہوتا ہے اور شیرینی پسند کرتا ہے"

۸- وہ حدیث جس کے غلط ہونے کے دلائل موجود ہیں، مثلاً عوج بن عنق کا قد تین ہزار گز کا تھا،

۹- وہ حدیث جو صریح قرآن کے خلاف ہو، مثلاً دنیا کی عمر سات ہزار برس کی ہے، کیونکہ اگر یہ روایت صحیح ہو تو ہر شخص بتادے گا کہ قیامت کے آنے میں اس قدر دیر ہے، حالانکہ قرآن سے ثابت ہے کہ قیامت کا وقت کسی کو معلوم نہیں،

۱۰- وہ حدیثیں جو خضر علیہ السلام کے متعلق ہیں،

۱۱- جس حدیث کے الفاظ رکیک ہوں،

۱۲- وہ حدیثیں جو قرآن مجید کی الگ الگ سورتوں کے فضائل میں وارد ہیں حالانکہ

یہ حدیثین تفسیر بیضاوی اور کشاف وغیرہ مین منقول ہین،

ان اصول سے محدثین نے اکثر جگہ کام لیا، اور ان کی بنا پر بہت سی روایتین رد کردین مثلاً

ایک واقعہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خیبر کے یہودیون کو جزیہ سے معاف کردیا تھا، اور معافی کی دستاویز لکھوادی تھی" ملا علی قاری اس روایت کے متعلق لکھتے ہین کہ یہ روایت مختلف وجوہ سے باطل ہی،

۱- اس معاہدہ پر سعد بن معاذ کی گواہی بیان کی جاتی ہے، حالانکہ وہ غزوۂ خندق مین وفات پاچکے تھے،

۲- دستاویز مین کاتب کا نام معاویہ ہے، حالانکہ وہ فتح مکہ مین اسلام لائے،

۳- اس وقت تک جزیہ کا حکم ہی نہین آیا تھا، جزیہ کا حکم قرآن مجید مین جنگ تبوک کے بعد نازل ہوا ہے،

۴- دستاویز مین تحریر ہے کہ "یہودیون سے بیگار نہین لی جائے گی" حالانکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے زمانہ مین بیگار کا رواج ہی نہ تھا،

۵- خیبر والون نے اسلام کی سخت مخالفت کی تھی، ان سے جزیہ کیون معاف کیا جاتا؟

۶- عرب کے دور دراز حصون مین جب جزیہ معاف نہین ہوا، حالانکہ اُن لوگون نے چندان مخالفت اور دشمنی نہین کی تھی، تو خیبر والے کیونکہ معاف ہو سکتے تھے،

۷- اگر جزیہ ان کو معاف کردیا گیا، ہوتا تو یہ اس بات کی دلیل تھی کہ وہ اسلام کے ہوا خواہ اور دوست اور واجب الرعایۃ ہین، حالانکہ چند روز کے بعد خارج البلد کردیے گئے،

تبصرہ

سیرت کی یہ ایک اجمالی اور سادہ تاریخ تھی، اب ہم اس پر مختلف پہلوؤن سے نظر ڈالنا چاہتے ہین،

۱- سیرت پر اگرچہ آج بھی سینکڑون تصنیفین موجود ہین لیکن نسب کا سلسلہ جا کر صرف تین چار کتابون پر منتہی ہوتا ہے سیرت ابن اسحاق، واقدی، ابن سعد، طبری، ان کے علاوہ جو کتابین ہین وہ اُن سے متاخر ہین، اور اُن مین جو واقعات مذکور ہین، زیادہ تر انہی کتابون سے لئے گئے ہین، (کتب حدیث کا جو ٹکڑا ہے اُس سے اس مقام پر بحث نہین) اس بنا پر ہم کو مذکورۂ بالا کتابون پر زیادہ تفصیل اور تدقیق سے نظر ڈالنی چاہیے،

ان مین سے **واقدی** تو بالکل نظر انداز کر دینے کے قابل ہے محدثین بالاتفاق لکھتے ہین کہ وہ خود اپنے جی سے روایتیں گھڑتا ہے اور حقیقت مین واقدی کی تصنیف خود اس بات کی شہادت ہے، ایک ایک جزئی واقعہ کے متعلق جس قسم کی گوناگون اور دلچسپ تفصیلیں وہ بیان کرتا ہے آج کوئی بڑا سے بڑا واقعہ نگار چشم دید واقعات اس طرح قلمبند نہین کر سکتا،

واقدی کے سوا باقی اور تینون مصنفین اعتبار کے قابل ہین، ابن اسحاق کی نسبت اگرچہ امام مالک اور بعض محدثین نے جرح کی ہے تاہم اُن کا یہ رتبہ ہے کہ امام بخاری اپنے رسالہ "جزء القراۃ" مین اُن کی سند سے روایتین نقل کرتے ہین، اور اُن کو صحیح سمجھتے ہین، ابن سعد اور

طبری میں کسی کو کلام نہیں، لیکن افسوس ہے کہ ان لوگوں کا مستند ہونا، اُن کی تصنیفات کے مستند ہونے پر چنداں اثر نہیں ڈالتا، یہ لوگ خود شریکِ واقعہ نہیں، اس لیے جو کچھ بیان کرتے ہیں اور راویوں کے ذریعہ سے بیان کرتے ہیں، لیکن ان کے بہت سے رواۃ ضعیف الروایۃ اور غیر مستند ہیں، اس کے علاوہ ابن اسحاق کی اصلی کتاب (ہندوستان میں) موجود نہیں۔ ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو ترتیب اور تہذیب کے بعد جس صورت میں بدل دیا وہی آج موجود ہے، لیکن ابن ہشام نے ابن اسحاق کی کتاب کو زیاد بکّائی کے واسطہ سے روایت کیا ہے، بکّائی اگرچہ رتبہ کے شخص ہیں تاہم محدثین کے اعلیٰ معیار سے فروتر ہیں، ابن مدینی (امام بخاری کے استاد) کہتے ہیں کہ "وہ ضعیف ہے، اور میں نے اس کو ترک کر دیا"، ابو حاتم کہتے ہیں "وہ استناد کے قابل نہیں"۔ نسائی کہتے ہیں "وہ ضعیف ہے"۔

ابن سعد کی نصف سے زیادہ روایتیں واقدی کے ذریعہ سے ہیں، اس لیے ان روایتوں کا وہی رتبہ ہے جو خود واقدی کی روایتوں کا ہے، باقی رواۃ میں سے بعض ثقہ ہیں اور بعض غیر ثقہ،

طبری کے بڑے بڑے شیوخِ روایت مثلاً سلمۃ ابرش، ابن سلمۃ وغیرہ ضعیف الروایۃ ہیں،

اس بنا پر مجموعی حیثیت سے سیرت کا ذخیرہ، کتبِ حدیث کا ہم پایہ نہیں، البتہ ان میں سے تحقیق و تنقید کے معیار پر جو اتر جائے وہ حجت اور استناد کے قابل ہے،

کتبِ حدیث و سیرۃ میں فرقِ مراتب

سیرت کی کتابوں کی کم پایگی کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تحقیق اور تنقید کی ضرورت احادیثِ احکام کے ساتھ مخصوص کر دی گئی یعنی وہ روایتیں تنقید کی زیادہ محتاج ہیں، جن سے

شرعی احکام ثابت ہوتے ہیں، باقی جو روایتیں سیرت اور فضائل وغیرہ سے متعلق ہیں، ان میں تشدد اور احتیاط کی چنداں حاجت نہیں، حافظ زین الدین عراقی جو بہت بڑے پایہ کے محدث ہیں، سیرتِ منظوم کے دیباچہ میں لکھتے ہیں،

ولیعلم الطالب ان السیرا	طالب کو جاننا چاہیے کہ سیرت میں سبھی طرح
تجمع ما صح وما قد انکرا	کی روایتیں ہوتی ہیں، صحیح بھی اور غلط بھی،

یہی وجہ ہے کہ مناقب اور فضائلِ اعمال میں کثرت سے ضعیف روایتیں شائع ہو گئیں، اور بڑے بڑے علماء نے اپنی کتابوں میں ان روایتوں کا درج کرنا جائز رکھا، علامہ ابن تیمیہ کتاب التوسل[1] میں لکھتے ہیں:-

قد رواہ من صنف فی عمل	اس حدیث کو ان لوگوں نے روایت کیا ہے
یوم ولیلۃ کابن السنی وابی نعیم	جنھوں نے رات دن کے اعمال میں کتابیں
وفی مثل ھذہ الکتب احادیث	تصنیف کی ہیں، مثلاً ابن السنی اور ابونعیم اور
کثیرۃ موضوعۃ لایجوز الاعتماد	اس قسم کی کتابوں میں کثرت سے جھوٹی حدیثیں
علیھا فی الشریعۃ باتفاق العلماء	موجود ہیں جن پر اعتماد کرنا جائز ہے، اور

[illegible]

حاکم نے مستدرک میں یہ حدیث روایت کی ہے کہ جب حضرت آدمؑ سے خطا سرزد ہوئی تو انھوں نے کہا "اے خدا! میں تجھ کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا واسطہ دیتا ہوں کہ میری خطا معاف کر دے"۔ خدا نے کہا "تم نے محمدؐ کو کیونکر جانا"۔ حضرت آدمؑ نے کہا "میں نے سر

[1] مطبوعہ مطبعۃ المنار صفحہ ۱۹۹

اٹھا کر عرش کے پایوں پر نظر ڈالی تو یہ الفاظ لکھے ہوئے دیکھے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس سے میں نے قیاس کیا کہ تو نے اپنے نام کے ساتھ جس شخص کا نام لیا ہے وہ ضرور تجھکو محبوب ترین خلق ہوگا۔" خدا نے کہا" آدم! تم نے سچ کہا، اور محمدؐ نہ ہوتے تو میں تم کو پیدا بھی نہ کرتا۔" حاکم نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، علامہ ابن تیمیہ حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں:-

واما تصحیح الحاکم لمثل هذا الحديث وامثاله فهذا مما انكره عليه ائمة العلم بالحديث وقالوا ان الحاكم يصحح احاديث وهي موضوعة مكذوبة عند اهل المعرفة بالحديث... وكذلك احاديث كثيرة في مستدركه يصححها وهي عند ائمة اهل العلم بالحديث موضوعة[1]	حاکم کا اس قسم کی حدیثوں کو صحیح کہنا ائمۂ حدیث نے اس پر انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ حاکم بہت سی جھوٹی اور موضوع حدیثوں کو صحیح کہتے ہیں، اسی طرح حاکم کی مستدرک میں بہت سی حدیثیں ہیں جن کو حاکم نے صحیح کہا ہے حالانکہ وہ ائمۂ حدیث کے نزدیک موضوع ہیں،

علامۂ موصوف ایک اور موقع پر ابو الشیخ اصفہانی کی کتاب کا تذکرہ کر کے لکھتے ہیں، (ص ۱۰۵ و ۱۰۶)

وفيها احاديث كثيرة قوية صحيحة وحسنة واحاديث كثيرة ضعيفة موضوعة واهية وكذلك ما	اور اس میں بہت سی حدیثیں ہیں جو قوی ہیں اور حسن ہیں، اور بہت سی ضعیف اور موضوع اور مہمل ہیں اور اسی طرح وہ حدیثیں جو

[1] کتاب التوسل مطبوعۂ المنار، صفحہ ۱۰۱ (نیز تذکرۃ الحفاظ ذہبی ترجمۂ حاکم)

يرويه خيثمة بن سليمان في فضائل الصحابة ومايرويه ابو نعيم الاصبهاني في فضائل الخلفاء في كتاب مفرد وفي اول حلية الاولياء ..... ومايرويه ابوبكر الخطيب و ابوالفضل بن ناصر وابوموسى المديني وابوالقاسم بن عساكر والحافظ عبدالغني وامثالهم ممن له معرفة بالحديث۔

خیثمہ بن سلیمان صحابہؓ کے فضائل میں روایت کرتے ہیں، اور وہ حدیثیں جو ابونعیم اصفہانی نے ایک مستقل کتاب میں اور حلیۃ الاولیا کی ابتدا میں خلفا کے فضائل میں روایت کی ہیں ..... اور اسی طرح وہ روایتیں جو ابوبکر خطیب اور ابوالفضل اور ابوموسیٰ مدینی اور ابن عساکر اور حافظ عبدالغنی وغیرہ اور ان کے پایہ کے لوگ روایت کرتے ہیں،

غور کرو، ابونعیم، خطیب بغدادی، ابن عساکر، حافظ عبدالغنی وغیرہ حدیث اور روایت کے امام تھے، باوجود اس کے یہ لوگ خلفا، اور صحابہؓ کے فضائل میں ضعیف حدیثیں بے تکلف روایت کرتے تھے، اس کی وجہ یہی تھی کہ یہ خیال عام طور پر پھیل گیا تھا کہ صرف حلال وحرام کی حدیثوں میں احتیاط اور تشدد کی ضرورت ہے، ان کے سوا اور روایتوں میں سلسلۂ سند نقل کر دینا کافی ہے، تنقید اور تحقیق کی ضرورت نہیں،

موضوعات مُلّا علی قاری میں لکھا ہے کہ بغداد میں ایک واعظ نے یہ حدیث بیان کی کہ "قیامت میں خدا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا"۔ امام ابن جریر طبری نے سنا تو بہت برہم ہوئے اور اپنے دروازہ پر یہ فقرہ لکھ کر لگا دیا کہ "خدا کا کوئی ہم نشین نہیں"۔ اس پر بغداد کے عوام سخت برافروختہ ہوئے، اور امام موصوف کے

گھر پر اس قدر پتھر برسائے کہ دیواریں ڈھک گئیں،[۱]

اس موقع پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہے، یہ مسلّم ہے کہ حدیث و روایت میں امام بخاری اور مسلم سے بڑھ کر کوئی شخص کامل فن نہیں پیدا ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ان کو عقیدت اور خلوص اور شیفتگی تھی، اس لحاظ سے بھی وہ تمام محدثین پر ممتاز تھے، باوجود اس کے فضائل و مناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتیں بیہقی، ابونعیم، بزار، طبرانی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، بخاری اور مسلم میں ان کا پتہ نہیں لگتا، بلکہ اس قسم کی حدیثیں جو نسائی، ابن ماجہ، ترمذی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں، صحیحین میں وہ بھی مذکور نہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر تحقیق و تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے، مبالغہ آمیز روایتیں گھٹتی جاتی ہیں، مثلاً یہ روایت کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم وجود میں آئے تو ایوان کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر پڑے، آتش فارس بجھ گئی، بحیرۂ طبریہ خشک ہو گیا، بیہقی، ابونعیم، خرائطی، ابن عساکر اور ابن جریر نے روایت کی ہے، لیکن صحیح البخاری اور مسلم بلکہ صحاح ستہ کی کتاب میں اس کا پتہ نہیں،

سیرت پر جو کتابیں لکھی گئیں وہ زیادہ تر اسی قسم کی کتابوں (طبرانی، بیہقی، ابونعیم وغیرہ) سے ماخوذ ہیں، اس لیے ان میں کثرت سے کمزور روایتیں درج ہو گئیں، اور اسی بنا پر محدثین کو کہنا پڑا کہ سیر میں ہر قسم کی روایتیں ہوتی ہیں،

محدثین نے جو اصول قرار دیے تھے، سیرت کی روایتوں میں لوگوں نے اکثر نظر انداز کر دیے، محدثین کا سب سے پہلا اصول یہ ہے کہ روایت کا سلسلہ اصل واقعہ تک کہیں منقطع نہ ہونے پائے، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات ولادت کے متعلق جس قدر روایتیں

[۱] موضوعات ملا علی قاری ص ۱۰۳ مطبوعہ مصر

نقل کیں، ان ہی کے نام سے کیں، ان کے مستند ہونے کی بنا پر لوگوں نے ان تمام روایتوں کو معتبر سمجھ لیا، اور چونکہ اصل کتابیں ہر شخص کو ہاتھ نہیں آ سکتی تھیں، اس لیے لوگ راویوں کا پتہ نہ لگا سکے، اور رفتہ رفتہ یہ روایتیں تمام کتابوں میں داخل ہو گئیں، اس تدلیس کا نتیجہ ہوا کہ مثلاً جو روایتیں واقدی کی کتاب میں مذکور ہیں، ان کو لوگ عموماً غلط سمجھتے ہیں لیکن ان ہی روایتوں کو جب ابن سعد کے نام سے نقل کر دیا جاتا ہے تو لوگ ان کو معتبر سمجھتے ہیں، حالانکہ ابن سعد کی اصلی کتاب ہاتھ آئی تو پتہ لگا کہ ابن سعد نے اکثر روایتیں واقدی ہی سے لی ہیں،

اصول روایت سے ہر جگہ کام نہیں لیا گیا

۴۔ روایت کے متعلق جو اصول منضبط ہوئے صحابہؓ کے متعلق ان سے بعض بعض موقعوں پر کام نہیں لیا گیا، مثلاً اصولِ روایت کی رو سے رواۃ کے مختلف مدارج ہیں، کوئی راوی نہایت ضابط، نہایت معنی فہم، نہایت دقیقہ رس ہوتا ہے، کسی میں یہ اوصاف کم ہوتے ہیں، کسی میں اور بھی کم ہوتے ہیں، یہ فرقِ مراتب جس طرح فطرۃً عام راویوں میں پایا جاتا ہے، صحابہؓ بھی اس سے مستثنیٰ نہیں، حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ ابن عمرؓ اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت پر جو تنقیدیں کیں، اور جن کا ذکر اوپر گذر چکا، اسی بنا پر کیں،

اختلافِ مراتب کی بنیاد بڑے بڑے معرکۃ الآرا مسائل کی بنیاد قائم ہے، مثلاً دو روایتوں میں تعارض پیش آ جائے تو اس بحث کے فیصلہ میں صحیح طریقہ یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ایک روایت کے راویوں کا دوسری روایت کے راویوں سے عالی رتبہ

ہو ثابت کر دیا جائے (گو دونوں راوی ثقہ ہیں) اور یہ اُس روایت کی ترجیح کا قطعی ذریعہ ہوگا، لیکن صحابہؓ میں آکر یہ اصول بیکار ہو جاتا ہے، فرض کرو ایک روایت صرف حضرت عمرؓ ہی سے مروی ہے اور دوسری کسی بدوی عرب سے مروی ہے جس نے عمر بھر میں صرف ایک دفعہ اتفاقاً آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھ لیا تھا، تو اب دونوں روایتوں کا رتبہ برابر ہو جاتا ہے،

علامۂ مازری مشہور محدث ہیں، علامۂ نووی شرح صحیح مسلم میں اکثر ان سے استناد کرتے ہیں، انھوں نے اس تعمیم کی مخالفت کی تھی، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ کے دیباچہ (صفحہ ۱۰ و ۱۱) میں ان کا یہ قول نقل کیا ہے،

لسنا نعني بقولنا الصحابة عدول كل من رآه صلى الله عليه وسلم يوماً ما أو زاره لماماً أو اجتمع لغرض وانصرف عن كثب انما نعني به الذين لازموه وعزروه ونصروه واتبعوا النور الذي انزل معه اولئك هم المفلحون

یہ قول کہ صحابہ سب عادل ہیں، ہم اس سے ہر ایسے شخص کو مراد نہیں لیتے جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اتفاقاً دیکھ لیا ہو، یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی غرض کیلئے ملا، اور پھر فوراً واپس چلا گیا، بلکہ ہم ان لوگوں کو مراد لیتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بالتزام رہے اور آپ کی اعانت و مدد کی اور اس نور کی پیروی کی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا، یہی لوگ کامیاب ہیں،

لیکن محدثین نے مازری کے اس قول سے عام مخالفت کی، علامۂ مازری نے بے شبہہ یہ غلطی کی کہ عدالت کے وصف کو مطلقاً مقربین صحابہؓ سے مخصوص کر دیا، اس بنا پر محدثین کی مخالفت اُن سے

بیجا نہیں، لیکن اس میں کیا شبہہ ہوسکتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و علیؓ کی روایتیں ایک عام
بدوی کی روایت کے برابر نہیں ہوسکتیں، خصوصاً ان روایتوں کے متعلق یہ فرق ضرور لحاظ رکھنا چاہیے
جو فقہی مسائل یا دقیق مطالب سے تعلق رکھتی ہیں،

۵- ارباب سیر اکثر واقعات کے اسباب و علل سے بحث نہیں کرتے، نہ ان کی تلاش و
تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے، اگرچہ اس میں شبہہ نہیں کہ اس باب میں یورپ کا طریقہ نہایت غیر
معتدل ہے، یورپین مورخ ہر واقعہ کی علت تلاش کرتا ہے، اور نہایت دور دراز قیاسات اور
احتمالات سے سلسلۂ معلولات پیدا کرتا ہے، اس میں بہت کچھ اس کی خود غرضی اور خاص
مطمحِ نظر کو دخل ہوتا ہے، وہ اپنے مخور کو ایک محور بنا لیتا ہے، تمام واقعات اسی کے گرد گردش
کرتے ہیں، بخلاف اس کے اسلامی مورخ نہایت سچائی اور انصاف اور خاص بے طرفداری
سے واقعات کو ڈھونڈھتا ہے، اس کو اس سے کچھ غرض نہیں ہوتی کہ واقعات کا اثر اس کے
مذہب پر، معتقدات پر اور تاریخ پر کیا پڑے گا، اس کا قبلۂ مقصد صرف واقعیت ہوتی ہے
وہ اس پر اپنے معتقدات اور قومیت کو بھی قربان کر دیتا ہے،

(واقعات میں سلسلۂ علت و معلول نہیں قائم کیا گیا)

لیکن اس میں حد سے زیادہ تفریط ہوگئی، اس بات سے بچنے کے لیے کہ واقعات رائے
سے مخلوط نہ ہوجائیں، وہ پاس پاس کے ظاہری اسباب پر بھی نظر نہیں ڈالتا، اور ہر واقعہ کو
خشک اور ادھورا چھوڑ دیتا ہے، مثلاً اکثر لڑائیوں کو اس طرح شروع کرتے ہیں کہ آنحضرت
(صلی اللہ علیہ وسلم) نے فلاں قبیلہ پر فلاں وقت فوجیں بھیجدیں، لیکن اس کے اسباب کا ذکر مطلق
نہیں کرتے جس سے عام ناظرین پر یہ اثر پڑتا ہے کہ کفار پر حملہ کرنے اور ان کو تباہ و برباد

کرنے کے لیے کسی سبب اور وجہ کی ضرورت نہیں، صرف یہ عام وجہ کافی ہے کہ وہ کافر ہیں! اسی سے مخالفین یہ استدلال کرتے ہیں کہ اسلام تلوار سے پھیلا ہے، حالانکہ زیادہ چھان بین سے ثابت ہوتا ہے کہ جن قبائل پر فوجیں گئیں، وہ پہلے سے آمادۂ جنگ اور مسلمانوں پر حملہ کی تیاریاں کر چکے تھے،

نوعیت واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار نہیں قائم کیا گیا،

۶- یہ لحاظ رکھنا ضرور ہے کہ واقعہ کی نوعیت کے بدلنے سے شہادت اور روایت کی حیثیت کہاں تک بدلی جاتی ہے، مثلاً ایک راوی جو ثقہ ہے ایک ایسا معمولی واقعہ بیان کرتا ہے جو عموماً پیش آتا ہے، اور پیش آسکتا ہے، تو بے تکلف یہ روایت تسلیم کر لی جائیگی، لیکن فرض کرو، وہی راوی ایسا واقعہ بیان کرتا ہے جو غیر معمولی ہے، تجربۂ عام کے خلاف ہے، گرد و پیش کے واقعات سے مناسبت نہیں رکھتا، تو واقعہ چونکہ زیادہ محتاجِ ثبوت ہے، اس لیے اب راوی کا معمولی درجۂ وثوق کافی نہیں ہو سکتا، بلکہ اس کو معمولی درجہ سے زیادہ عادل، زیادہ محتاط، زیادہ نکتہ دان ہونا چاہیے،

مثلاً ایک بحث یہ ہے کہ روایت کرنے کے لیے کسی عمر کی قید ہے یا نہیں؟ اکثر محدثین کا مذہب ہے کہ ۵ برس کا لڑکا حدیث کی روایت کر سکتا ہے، یا مثلاً اگر کسی صحابی نے ۵ برس کی عمر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی قول یا فعل کی روایت کی تو قابلِ اعتبار ہوگی، محدثین کا اس پر استدلال ہے کہ محمود بن الربیع ایک صحابی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے وفات فرمانے کے وقت وہ ۵ برس کے بچے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ اظہارِ محبت کے طور پر ان کے منہ پر کلی کا پانی ڈال دیا تھا، اس واقعہ کو انھوں نے جوان ہو کر لوگوں سے بیان کیا اور سب نے یہ

روایت قبول کی، اس سے ثابت ہوا کہ ۵ برس کی عمر کی روایت قبول ہو سکتی ہے[1]،

اس کے برخلاف بعض محدثین کی رائے ہے کہ کم سن کی روایت قابلِ حجت نہیں، فتح المغیث میں ہے:

ولکن قد منع قوم القبول هنا ای فی مسئلة الصبی خاصة فلم یقبلوا من تحمل قبل البلوغ لان الصبی مظنة عدم الضبط وهو وجه للشافعیة ...... وکذا کان ابن المبارکؒ یتوقف فی تحدیث الصبی (کتاب مذکور ص ۱۶۴)

لیکن ایک جماعت یہاں قبولِ روایت سے منع کرتی ہے خصوصاً بچوں کی روایت کے مسئلہ میں، بلوغ سے پہلے جو روایت بھی بچے نے سنی ہو، اسکو وہ قبول نہیں کرتی، شوافع کی یہی رائے ہے اسی طرح عبداللہ بن مبارکؒ بھی بچہ کی روایت حدیث کرنے میں توقف کرتے ہیں

لیکن اثبات ونفی، دونوں پہلو بحث طلب ہیں، بے شبہ ۵ برس کا بچہ اگر یہ واقعہ بیان کرے کہ میں نے فلاں شخص کو دیکھا تھا، اس کے سر پر بال تھے، یا وہ بوڑھا تھا، یا اس نے مجھکو گود میں کھلایا تھا، تو اس روایت میں شبہہ کرنے کی وجہ نہیں، لیکن فرض کرو وہی بچہ یہ بیان کرتا ہو کہ فلاں شخص نے فقہ کا یہ دقیق مسئلہ بتایا تھا تو شبہہ ہوگا کہ بچے نے صحیح طور سے مسئلہ کو سمجھا بھی تھا یا نہیں؟

فقہا نے اس نکتہ کو ملحوظ رکھا ہے، فتح المغیث میں شرح مہذب سے نقل کیا ہے:

قبول اخبار الصبی الممیز فیما طریقة المشاهدة بخلاف ما طریقة

باتمیز لڑکے کی روایت ان واقعات کے متعلق مقبول ہے جو دیکھنے سے تعلق رکھتے ہوں لیکن جو

---

[1] یہ پوری بحث فتح المغیث صفحہ ۱۶۶ تا صفحہ ۱۶۸ میں ہے،

النقل كالافتاء ورواية الاخبار ونحوها (نسخه مطبوعه لکھنؤ ص ۲۳)

باتیں نقلیات میں داخل ہیں، مثلاً فتوی یا حدیث کی روایت ان میں ان کی روایت مقبول نہیں،

لیکن عام طور سے یہ اصول تسلیم نہیں کیا گیا، فتح المغیث میں ہے،

ثم الضبط نوعان ظاهر وباطن فالظاهر ضبط معناه من حيث اللغة، والباطن ضبط معناه من حيث تعلق الحكم الشرعي به وهو الفقه ومطلق الضبط الذي هو شرط في الراوي هو الضبط ظاهرا عند الاكثر لانه يجوز نقل الخبر بالمعنى فيلحقه تهمة تبديل المعنى بروايته قبل الحفظ او قبل العلم حين سمع ولهذا المعنى قلت الرواية عن اكثر الصحابة لتعذر هذا المعنى قال وهذا الشرط وان كان على ما بينا فان اصحاب

پھر ضبط[1] کی دو قسمیں ہیں، ظاہری اور باطنی ظاہری کے یہ معنی ہیں کہ لفظ کے لغوی معنی کا لحاظ رکھا جائے، باطنی کے یہ معنی کہ شرعی حکم جس بنا پر متعلق ہے اسکا لحاظ رکھا جائے، اس کو فقہ کہتے ہیں لیکن مطلقاً جو ضبط راوی کے لیے شروط ہے اکثروں کے نزدیک وہ صرف ظاہری ضبط ہے کیونکہ ان لوگوں کے نزدیک روایت بالمعنی جائز ہے، اسی بنا پر سنتے وقت قلت حفظ یا قلتِ علم کے سبب سے روایت کے ادا کرنے میں راوی پر مفہوم کے بدل دینے کا شبہہ ہو سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اکثر صحابہ نے بہت کم حدیثیں روایت کیں کیونکہ مفہوم کا بعینہ روایت میں قائم رکھنا مشکل ہے لیکن محدثین بچے کے حق میں (بے عقل کے حق میں نہیں) اسکا اعتبار

[1] ضبط کا لفظ محدثین کی اصطلاح ہے جس کے معنی ہیں کسی روایت کے الفاظ اور مطلب کو اچھی طرح سمجھنا اور ادا کرنا،

الحديث قل ما يعتبرونه في	نہیں کرتے، بلکہ بچہ ان کے نزدیک جب
حق الطفل دون المفضل فانه	سننے اور مجلس میں شریک ہونے کے
متی صح عندهم سماع الطفل	قابل ہوگیا تو اس کی روایت کو جائز
او حضوره اجازوا روايته، (ص۲۱)	سمجھتے ہیں۔

ایک یہ بحث ہے کہ جو صحابہؓ فقیہ نہ تھے ان کی روایت اگر قیاسِ شرعی کے خلاف ہو تو واجب العمل ہوگی یا نہیں؟ اس کے متعلق بحر العلوم، امام فخر الاسلام کا مذہب نقل کر کے لکھتے ہیں:

ووجه قول الامام فخر الاسلام	امام فخر الاسلام کے قول کی وجہ یہ ہے کہ روایت
ان النقل بالمعنی شائع وقلما	بالمعنی عام طور پر شائع ہے اور ایسا بہت کم
يوجد النقل باللفظ فان حادثة	ہوتا ہے کہ روایت باللفظ کیجائے، کیونکہ ایک
واحدة قد رویت بعبارات	ہی واقعہ مختلف الفاظ میں ادا کیا گیا ہے
مختلفة ثم ان تلك العبارات	اور یہ الفاظ باہم مرادف بھی نہیں، بلکہ اکثر
ليست مترادفة بل قد روی	مجازی عبارتوں میں مطالب ادا کیے گئے
ذلك المعنى بعبارات مجازية	ہیں، اس بنا پر جب راوی فقیہ نہ ہوگا، تو
فاذا كان الراوی غير فقيه احتمل	احتمال ہوگا کہ اس نے مطلب مقصود شرعی
الخطاء في فهم المعنی المراد الشرعی	کے سمجھنے میں غلطی کی ہو، اس سے معاذ اللہ
ولا يلزم منه نسبة الكذب بمتعمدا	یہ لازم نہیں آتا کہ صحابی کی طرف جھوٹ کی
الى الصحابی معاذ الله عن ذلك	نسبت کی جائے۔

(شرح مسلم مطبوعہ لکھنؤ ص۲۳۳)

محدثین اس اصول سے کہ ”واقعہ جس درجہ کا اہم ہو، شہادت بھی اسی درجہ کی اہم ہونی چاہیے“ بے خبر نہ تھے۔ امام بیہقی کتاب المدخل میں ابن مہدی کا قول نقل کرتے ہیں:

اذا روینا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی الحلال والحرام والاحکام شددنا فی الاسانید وانتقدنا فی الرجال واذا روینا فی الفضائل والثواب والعقاب سہلنا فی الاسانید وتسامحنا فی الرجال (فتح المغیث ص)	جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حلال حرام اور احکام کے متعلق حدیث روایت کرتے ہیں تو سند میں نہایت تشدد کرتے ہیں اور راویوں کو پرکھ لیتے ہیں لیکن جب فضائل اور ثواب و عقاب کی حدیثیں آتی ہیں تو ہم سندوں میں سہل انگاری کرتے اور راویوں کے متعلق چشم پوشی کرتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل کا قول ہے:

ابن اسحاق رجل تکتب عنہ ہذہ الاحادیث یعنی المغازی ونحوہا واذا جاء الحلال والحرام اردنا قوما ہکذا وقبض اصابع یدیہ الاربع (فتح المغیث ص)	ابن اسحاق اس درجہ کے آدمی ہیں کہ مغازی وغیرہ کی حدیثیں ان سے روایت کیجا سکتی ہیں لیکن جب حلال و حرام کے مسائل آئیں تو ہم کو ایسے لوگ درکار ہیں، یہ کہکر انھوں نے چاروں انگلیاں بند کرکے دبالیں۔

اس سے ثابت ہوا کہ محدثین واقعہ کی اہمیت کی بنا پر راوی کے درجہ کا لحاظ رکھتے تھے، اسی بنا پر ابن اسحاق کی نسبت امام ابن حنبل نے یہ تفریق کی کہ ”حلال و حرام میں ان کی شہادت معتبر نہیں، لیکن مغازی میں ان کا اعتبار ہے“ یہ وہی اصول ہے کہ جس درجہ کا واقعہ ہو اسی درجہ کی شہادت ہونی چاہیے، اور یہ کہ واقعہ کے بدلنے سے شہادت کی اہمیت بدل جاتی ہے، لیکن واقعہ کی اہمیت احکام

فقہیہ کے ساتھ مخصوص نہیں،

نوعیت واقعہ کی اہمیت کا خیال فقہائے حنفیہ نے ملحوظ رکھا، اسی بنا پر ان کا مذہب ہے کہ جو روایت قیاس کے خلاف ہو اس کی نسبت یہ دیکھنا چاہیے کہ راوی فقیہ اور مجتہد بھی ہے یا نہیں!

منار میں ہے:

والراوی ان عرف بالفقه والتقدم	راوی اگر تفقہ اور اجتہاد میں مشہور ہے جیسے کہ
فی الاجتهاد کالخلفاء الراشدین	خلفائے راشدین یا عبادلہ تھے تو اس کی حدیث حجت
والعبادلة کان حدیثه حجة یترك	ہوگی اور اس کے مقابلہ میں قیاس چھوڑ دیا جائیگا،
به القیاس خلافا لمالك وان	(بخلاف امام مالک کے) اور اگر راوی ثقہ اور عادل
عرف بالعدالة والضبط دون	ہے لیکن فقیہ نہیں جیسے کہ حضرت انس اور حضرت
الفقه کانس وابی هریرة ان وافق	ابوہریرہ ہیں تو اگر وہ روایت قیاس کے
حدیثه القیاس عمل به وان	موافق ہوگی تو اس پر عمل ہوگا ورنہ قیاس
خالفه لم یترك الا بالضرورة (نور الانوار صفحہ ۱۷۶)	کو بغیر ضرورت ترک نہ کیا جائے گا۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مثال اگرچہ قابل بحث ہے کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک حضرت ابوہریرہؓ فقیہ اور مجتہد تھے لیکن یہ جزوی بحث ہے، گفتگو اصل مسئلہ میں ہے،

۷۔ سب سے اہم اور سب سے زیادہ قابلِ بحث یہ بات ہے کہ راوی جو واقعہ بیان کرتا ہے، اس میں کس قدر حصہ اصل واقعہ ہے اور کس قدر راوی کا قیاس ہے، تفحص اور استقراء سے بعض جگہ یہ نظر آتا ہے کہ راوی جس چیز کو واقعہ کی حیثیت سے بیان کرتا ہے وہ اس کا قیاس ہے، روایت میں قیاس کا کس قدر حصہ شامل ہے

واقعہ نہیں، اس کی بہت سی مثالیں سیرت میں موجود ہیں، یہاں ہم صرف ایک دو واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جب ازواجِ مطہراتؓ سے ناراض ہو کر تنہا نشین ہو گئے تھے تو یہ مشہور ہوا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ازواج کو طلاق دے دی، حضرت عمرؓ نے یہ خبر سنی، تو مسجد نبویؐ میں آئے، یہاں لوگ کہہ رہے تھے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ازواج کو طلاق دیدی، حضرت عمرؓ نے خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں میں نے طلاق نہیں دی،[1]

یہ حدیث بخاری میں کئی جگہ باختلافِ الفاظ مذکور ہے، کتاب النکاح میں جو روایت ہے اس کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وان الاخبار التی تشاع ولو کثر	جو خبریں شائع ہو جاتی ہیں گو اُن کے راوی
ناقلوھا ان لم یکن مرجعھا الی	کثرت سے ہوں لیکن اگر ان خبروں کی بنیاد
امرٍ حسی من مشاھدۃ اوسماع	امر حسی یعنی مشاہدہ یا استماع نہ ہو تو ان کا
لا تستلزم الصدق فان جزم	سچا ہونا ضرور نہیں، چنانچہ انصاری نے
الانصاری فی روایتہ بوقوع	اور ان صحابہؓ نے جنکو حضرت عمرؓ نے منبر کے پاس
التطلیق وکذا جزم الناس الذی	دیکھا تھا، طلاق کا جو یقین کر لیا وہ یوں ہوا
راھم عمر عند المنبر بذالک	ہو گا کہ کسی شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ

[1] صحیح مسلم فی الایلاء،

محمول على انه شاع بينهم ذلك من شخص بناه على التوهم الذى توهمه من اعتزال النبى صلى الله عليه وسلم نساءه فظن لكونه لم تجر عادته بذلك انه طلقهن فاشاع انه طلقهن فشاع ذلك فتحدث الناس به واخلق بهذا الذى ابتداء باشاعة ذلك ان يكون من المنافقين

کما تقدم (فتح الباری شرح بخاری طبع اول مصر جلد ۹ ص ۲۵۰)

...آپ نے ازواج مطہراتؓ سے علیحدگی اختیار کرلی ہے، اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت نہ تھی اس لیے اس نے یہ قیاس کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق دیدی، اس نے یہ خبر پھیلادی اور ایک دوسرے سے اس کو بیان کرنے لگے، اور قیاس یہ ہے کہ اول جس شخص نے یہ خبر پھیلائی وہ منافق ہوگا،......

....

غور کرو، مسجد نبویؐ میں تمام صحابہؓ جمع ہیں اور سب بیان کر رہے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے طلاق دیدی صحابہؓ عموماً ثقہ اور عادل ہیں، اور ان کی تعداد کثیر اس واقعہ کو بیان کر رہی ہے، باوجود اس کے جب تحقیق کیجاتی ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ واقعہ نہیں بلکہ قیاس تھا، حافظ ابن حجر نے بڑی جرأت کرکے یہ خیال ظاہر کیا کہ راویِ اول منافقین میں سے ہوگا، حضرت عائشہؓ صدیقہ کی نسبت بہت سے ایسے واقعات روایتوں میں مذکور ہیں جن میں سے ایک واقعۂ افک ہے، اُن کی نسبت بھی وہی قیاس ہونا چاہیے، جو حافظ ابن حجر نے یہاں ظاہر کیا، یعنی یہ کہ منافقین نے اُنکی طرف منسوب کردیے ہوں گے، پھر تمام مسلمانوں میں پھیل گئے،

فن تاریخ پر خارجی اسباب کا اثر

۸- فن تاریخ و روایت پر جو خارجی اسباب اثر کرتے ہیں، ان میں سب سے بڑا قوی اثر حکومت کا ہوتا ہے، لیکن مسلمانوں کو ہمیشہ اس پر فخر کا موقع حاصل رہے گا کہ اُن کا قلم تلوار سے نہیں دبا،

حدیثوں کی تدوین بنو امیہ کے زمانہ میں ہوئی جنھوں نے پورے ۹۰ برس تک سندھ سے ایشائے کوچک اور اندلس تک مساجد جامع میں آلِ فاطمہ کی توہین کی اور جمعہ میں سرِ منبر علیؑ پر لعن کہلوایا، سیکڑوں ہزاروں حدیثیں امیر معاویہؓ وغیرہ کے فضائل میں بنوائیں، عباسیوں کے زمانہ میں ایک ایک خلیفہ کے نام بنام پیشین گوئیاں حدیثوں میں داخل ہوئیں، لیکن نتیجہ کیا ہوا، عین اُسی زمانہ میں محدثین نے علانیہ منادی کر دی کہ یہ سب جھوٹی روایتیں ہیں، آج حدیث کا فن اس خس و خاشاک سے پاک ہے، اور بنو امیہ اور عباسیہ جو ظل اللہ اور جانشین پیغمبر تھے، اُسی مقام پر نظر آتے ہیں جہاں ان کو ہونا چاہیے تھا،

ایک دفعہ ایک شاعر نے مامون الرشید کے دربار میں قصیدہ پڑھا کہ "امیر المومنین! اگر تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے انتقال کے وقت موجود ہوتا تو خلافت کا جھگڑا سرے سے نہ پیدا ہوتا، دونوں فریق تیرے ہاتھ پر بیعت کر لیتے۔" وہیں سرِ دربار ایک شخص نے اٹھکر کہا تو جھوٹ کہتا ہے، امیر المومنین کا باپ (حضرت عباسؓ جو عباسیوں کے مورثِ اعلیٰ ہیں) وہاں موجود تھا، اس کو کس نے پوچھا"؟ مامون الرشید کو بھی اس گستاخانہ لیکن سچ جواب کی تحسین کرنی پڑی،

تاہم یہ عالمگیر مؤثر بالکل بے اثر نہیں رہ سکتا تھا، اس لیے مغازی میں اس کے نشانات پائے جاتے ہیں، تاریخ نگاری کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ فتوحات اور رزمیہ کارناموں کو نہایت تفصیل سے لکھتے تھے، ملکی نظم و نسق اور تمدن و معاشرت کے واقعات یا تو بالکل قلم انداز کر جاتے تھے یا اس طرح پراگندہ اور بے اثر لکھتے تھے کہ اُن پر نگاہ نہیں پڑتی تھی،

اسلام میں جب تالیف و تصنیف کی ابتدا ہوئی تو یہی نمونے پیش نظر تھے، اس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ سیرت کا نام مغازی رکھا گیا جس طرح سلاطین کی تاریخیں جنگ نامہ و شاہنامہ کے نام سے لکھی جاتی ہیں، چنانچہ سیرت کی ابتدائی تصنیف مثلاً سیرت موسیٰ بن عقبہ اور سیرت ابن اسحاق مغازی ہی کے نام سے مشہور رہیں، ان کتابوں کی ترتیب یہ ہے کہ سلاطین کی تاریخ کی طرح سنین کو عنوان بناتے ہیں، اور اسی ترتیب سے حالات لکھتے ہیں، یہ حالات تمام تر جنگی معرکے ہوتے ہیں، اور غزوات ہی کے عنوان سے داستانیں شروع کی جاتی ہیں،

یہ طریقہ اگرچہ سلطنت و حکومت کی تاریخ کے لیے بھی صحیح نہ تھا، لیکن نبوت کی سوانح نگاری کے لیے تو ناموزوں ہے، پیغمبر کو ناگزیر طور پر جنگی واقعات پیش آتے ہیں، اس خاص حالت میں وہ بظاہر ایک فاتح یا سپہ سالار کے رنگ میں نظر آتا ہے، لیکن یہ پیغمبر کی اصلی صورت نہیں ہے، پیغمبری کی زندگی کا ایک ایک خط و خال، تقدس، نزاہت، حلم و کرم، ہمدردی عام اور ایثار ہوتا ہے، بلکہ عین اس وقت جبکہ اس پر سکندر اعظم کا دھوکا ہوتا ہے ژرف بیں نگاہ، فوراً پہچان لیتی ہے کہ سکندر نہیں بلکہ فرشتۂ رحمت غیر تھا نی ہے،

یہی وجہ ہے کہ مغازی کا انداز حدیث کی کتابوں میں سیرت کی تصنیفات سے بالکل الگ ہے،

تمام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے جب بنو نضیر کا محاصرہ کیا تو حکم دیا کہ اُن کے نخلستان کاٹ ڈالے جائیں (قرآن مجید میں بھی اس کا اجمالی ذکر ہے) ارباب سیر یہ بھی لکھتے ہیں کہ یہودیوں نے اس حکم کی نسبت یہ اعتراض کیا کہ یہ انصاف اور انسانیت کے خلاف ہے، لیکن مورخین یہ اعتراض نقل کر کے اسکا جواب نہیں دیتے اور یونہی گذر جاتے ہیں۔

قیاس و درایت

۹- نہایت مہتم بالشان بحث یہ ہے کہ کوئی روایت اگر عقل، یا مسلمات یا دیگر قرائن صحیحہ کے خلاف ہو تو آیا صرف اس بنا پر واجب التسلیم ہوگی یا نہیں کہ رواۃ ثقہ ہیں اور سلسلۂ سند متصل ہے؟ علامہ ابن جوزی نے اگرچہ لکھا ہے (جیسا کہ اوپر گذر چکا) کہ جو حدیث عقل کے خلاف ہو اس کے رواۃ کی جرح و تعدیل کی ضرورت نہیں لیکن اس سے اصل بحث کا فیصلہ نہیں ہوتا، عقل کا لفظ ایک غیر مشخص لفظ ہے، حامیان روایت لکھتے ہیں کہ اگر اس لفظ کو وسعت دیدی گئی تو ہر شخص جس روایت سے چاہے گا انکار کر دیگا کہ یہ میرے نزدیک عقل کے خلاف ہے،

حقیقت یہ ہے کہ اس بحث کا قطعی فیصلہ کرنا مشکل ہے، عام خیال یہ ہے کہ جس روایت کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوں اور سلسلۂ روایت کہیں سے منقطع نہ ہو وہ باوجود خلافِ عقل ہونے کے انکار کے قابل نہیں، ذیل کی مثالوں سے اس کا اندازہ ہوگا۔

(۱) تلك الغرانیق العلیٰ کی حدیث کو جس میں بیان ہے کہ شیطان نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زبانِ مبارک سے وہ الفاظ نکلوا دیے جن میں بتوں کی تعریف ہے، بعض محدثین نے ضعیف اور ناقابلِ اعتبار کہا تھا، اس کے باطل ہونے کی ایک عقلی دلیل یہ بیان کی تھی:

لو وقع لارتد کثیر ممن اسلم	اگر ایسا ہوتا تو بہت سے مسلمان اسلام
ولم ینقل ذلك	سے پھر جاتے حالانکہ ایسا ہونا مذکور نہیں،

حافظ ابن حجر فتح الباری میں اس قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں:

اردو	عربی
یہ تمام اعتراضات اصول کے موافق چل نہیں	وجمیع ذلک لایتمشی علی القواعد
سکتے، اسلیے کہ روایت کے طریقے جب متعدد ہوتے	فان الطرق اذا کثرت وتباینت
ہیں اور ان کے ماخذ مختلف ہوتے ہیں تو یہ اس	مخارجہا دل ذلک علی ان لہا
بات کی دلیل ہوتی ہے کہ روایت کی کچھ اصل ہے،	اصلاً[۱]

(۳) صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تین دفعہ جھوٹ بولے تھے، امام رازی نے اس حدیث سے اس بنا پر انکار کیا کہ "اس سے حضرت ابراہیمؑ کا جھوٹ بولنا لازم آتا ہے"، اس لیے زیادہ آسان صورت یہ ہے کہ ہم حدیث کے کسی راوی کا جھوٹا ہونا مان لیں، علامہ قسطلانی امام رازی کا یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں:

اردو	عربی
امام رازی کا قول بالکل ہیچ ہے، اسلیے کہ	فلیس بشئی اذ الحدیث صحیح ثابت
حدیث ثابت ہے اور اس میں محض کذب کی نسبت	ولیس فیہ نسبۃ محض الکذب
حضرت خلیلؑ کی طرف نہیں ہے اور راوی کا تخطیہ	الی الخلیل وکیف السبیل الی تخطیۃ
کیونکر ہو سکتا ہے جب کہ حضرت ابراہیمؑ کا	الراوی مع قولہ انی سقیمٌ و
یہ قول موجود ہے، انی سقیم اور بل فعلہ	بل فعلہ کبیرھم ھذا وعن
کبیرھم ھذا اور سارۃ اختی، کیونکہ ان	سارۃ اختی اذ ظاہر ھذہ
تینوں جملوں میں ظاہر لفظ قطعاً مراد نہیں،	الثلاثۃ بلا ریب غیر مراد[۲]

اس قسم کی بہت سی مثالیں مل سکتی ہیں، ہم نے اختصار کے لحاظ سے صرف دو مثالیں

[۱] فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۳۳۳ مطبوعہ مصر [۲] قسطلانی جلد ۵ صفحہ ۳۸۹

نقل کیں،

صحابہ میں دو گروہ

ان کے مقابلہ میں ایک دوسرا گروہ ہے جو دلائل عقلی اور قرائن حالی کی بنا پر بعض حدیث کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا ہے، اور یہ طریقہ خود صحابہ کرامؓ کے عہد میں شروع ہوگیا تھا، اور محدثین کے اخیر دور تک قائم رہا، چونکہ یہ رائے عام خیال کے خلاف ہے، اس لیے ہم اسکی متعدد مثالیں نقل کرتے ہیں۔

(۱) حضرت ابوہریرہؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث بیان کی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ارشاد فرمایا ہے کہ "جس چیز کو آگ چھوئے اس کے کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے"۔ حضرت ابن عباسؓ نے کہا "اس کی بنا پر تو لازم آتا ہے کہ ہم گرم پانی (کے استعمال) سے بھی وضو کریں"۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا بھتیجے جب تم آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کوئی حدیث سنو تو کہاوتیں نہ کہا کرو۔[1]

(۲) صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عباسؓ کے سامنے حضرت علیؓ کے قضایا (یعنی مقدمات کے فیصلے) پیش کیے گئے، حضرت ابن عباسؓ اس کی نقل لیتے جاتے تھے، اور بعض بعض فیصلے چھوڑتے جاتے تھے اور فرماتے تھے کہ

واللہ ماقضیٰ بھذا علی الا — خدا کی قسم علی نے یہ فیصلہ کیا ہو تو گمراہ ہو کر کیا ہے،

ان یکون ضل — (لیکن چونکہ وہ گمراہ نہ تھے اس لیے یہ فیصلہ بھی نہ کیا ہوگا)

اسی روایت کے بعد صحیح مسلم میں یہ روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس لوگ ایک

[1] ابن ماجہ و ترمذی حدیث الوضوء مست النار،

کتاب لائے جس میں حضرت علیؓ کے فیصلے قلمبند تھے، حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے ایک گز کے بقدر چھوڑ کر باقی کتاب مٹا دی[1]"۔ اس سے ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے صرف ان فیصلوں کے مضمون سے یہ قیاس کر لیا کہ وہ صحیح نہیں ہو سکتے، اس بات کی ضرورت نہیں سمجھی کہ رواۃ اور سند کا پتہ لگائیں۔

(۳) صحیح بخاری (باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ) میں ہے کہ محمود بنؓ ربیع نے ایک جلسہ میں یہ حدیث بیان کی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے کہ "جو شخص خالصاً خدا کے لیے لا الٰہ الا اللہ کہے گا، خدا اس پر آگ حرام کر دے گا"۔ اس جلسہ میں حضرت ابوایوب انصاریؓ بھی موجود تھے، جن کے مکان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے، مہینہ تک قیام فرمایا تھا، حضرت ابوایوبؓ نے یہ حدیث سن کر کہا:

واللہ ما اظن رسول اللہ صلے اللہ	خدا کی قسم میں کبھی یہ خیال نہیں کر سکتا کہ جو
علیہ وسلم قال ما قلت قط	تم کہتے ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہو گا'

محمود بنؓ الربیع صحابی تھے، اور حضرت ابوایوبؓ کو ان کے ثقہ ہونے میں کلام نہ تھا، تاہم چونکہ یہ حدیث اُن کے نزدیک قرائن کے خلاف تھی، حضرت ابوایوبؓ اس پر یقین نہ لاسکے اور کہا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا نہ فرمایا ہو گا"۔ اگرچہ صحیح بخاری میں ہے کہ محمود بنؓ الربیع نے مدینہ آکر اس حدیث کی تصدیق اپنے راوی (عتبان) سے کر لی لیکن اس سے اصل مسئلہ پر

[1] نووی شرح صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کتاب طومار کی شکل میں لکھی تھی، (جس طرح اگلے زمانہ میں خطوط کو لمبان میں جوڑ کر جمع کرتے تھے، اور لپیٹ کر رکھتے تھے)

اثر نہیں پڑتا، حضرت ابو ایوبؓ کو جن اسباب کی بنا پر محمودؓ بن الربیع کی روایت میں شبہہ پیدا ہوا، عتبان پر بھی وہی شبہہ پیدا ہو سکتا تھا، حضرت ابو ایوبؓ خدانخواستہ محمودؓ کو غلط گو نہیں سمجھتے تھے، بلکہ سمجھتے تھے کہ انھوں نے روایت کے مفہوم سمجھنے میں غلطی کی ہوگی، یہ احتمال بعینہٖ راویِ اول کی نسبت بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے بعض صحابہ سے کہا تھا کہ "تم لوگ سچے لوگوں سے روایت کرتے ہو، لیکن سامعہ غلطی کر جاتا ہے[۱]"

(۴) حضرت عمارؓ بن یاسر نے جب حضرت عمرؓ کے سامنے تیمم کی روایت بیان کی تو حضرت عمرؓ کو یقین نہیں آیا، بلکہ جیسا کہ صحیح مسلم باب التیمم میں ہے، یہ الفاظ کہے اِتَّقِ اللّٰہ یا عمار (یعنی اے عمار! خدا سے ڈرو، چنانچہ اسی بنا پر جب حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ کے سامنے حضرت ابو موسیٰؓ نے اس روایت سے استدلال کیا تو حضرت عبداللہؓ نے کہا ہاں، لیکن عمرؓ کو عمار کی روایت سے تسکین نہیں ہوئی،[۲]

(۵) حضرت عائشہؓ کے سامنے جب یہ حدیث بیان کی گئی کہ لوگوں کے نوحہ کرنے سے مردہ پر عذاب ہوتا ہے، تو انھوں نے اس بنا پر انکار کیا کہ یہ قرآن مجید کی اس آیت کے خلاف ہے،

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (بنی اسرائیل ۲) — اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا

(۶) اسی طرح جب ان کے سامنے یہ حدیث بیان کی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کشتگانِ بدر کی نسبت فرمایا کہ میں جو کہتا ہوں یہ سنتے ہیں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ابن عمرؓ

---

۱ صحیح مسلم کتاب الجنائز "س" ۲ صحیح بخاری، باب التیمم،

نے غلطی کی[1]، اس روایت کے راوی اگرچہ حضرت عبد اللہ بن عمرؓ تھے، جو مشہور صحابی ہیں لیکن حضرت عائشہؓ نے اس بنا پر روایت کی صحت سے انکار کیا کہ ان کے نزدیک وہ روایت قرآن مجید کے خلاف تھی،

اکثر محدثین نے ان مباحث میں ثابت کیا ہے کہ روایت صحیح ہے، اور حضرت عائشہؓ کا اجتہاد جس کی بنا پر انھوں نے روایت سے انکار کیا، صحیح نہیں، ہم کو اس سے بحث نہیں اس موقع پر صرف یہ بحث ہے کہ اکابر صحابہؓ میں ایسے لوگ بھی تھے جو روایت کو باوجود راوی کے ثقہ ہونے کے اس بنا پر تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ دلائل عقلی یا نقلی کے خلاف ہے،

(۷) ایک مختلف فیہ مسئلہ یہ ہے کہ عورت کو جب طلاق دیدی جائے تو عدت کے زمانہ تک شوہر پر اس کے کھانے پینے اور رہنے کا انتظام واجب ہے یا نہیں، فاطمہؓ بنت قیس ایک صحابیہ تھیں، جن کو ان کے شوہر نے طلاق دیدی تھی، ان کا بیان ہے کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئیں، تو آپؐ نے ان کو نفقہ اور مکان نہیں دلوایا، انھوں نے یہ حدیث حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہم خدا کی کتاب اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سنت کو ایک عورت کے بیان پر چھوڑ نہیں سکتے جس کی نسبت ہم کو معلوم نہیں کہ اس نے یاد رکھا یا بھول گئی، امام شعبی نے ایک مجلس میں فاطمہؓ کی یہ روایت بیان کی تو اسود بن یزید نے ان کو کنکریاں ماریں کہ تم ایسی حدیث بیان کرتے ہو، پھر حضرت عمرؓ کا مذکورۂ بالا قول نقل کیا،[2]

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز میں یہ روایتیں متعدد طریقوں سے مذکور ہیں [2] صحیح مسلم کتاب الطلاق،

صحابہؓ کے بعد بھی محدثین میں ایک ایسا گروہ موجود رہا جو عقلی یا نقلی وجوہ کی بنا پر بعض روایات کے تسلیم کرنے میں تامل کرتا تھا، گو ان کے رواۃ ثقہ اور مستند ہوتے تھے،

(۱) ایک ضعیف حدیث ہے کہ "جس شخص نے عشق کیا اور پاک دامن رہا اور وفات پائی، وہ شہید ہوا" حافظ ابن قیم زاد المعاد میں اس حدیث کو دلائلِ عقلی سے باطل ثابت کر کے لکھتے ہیں:

فلو کان اسنادُ هذا الحدیث	اگر اس حدیث کی سند آفتاب کی طرح بھی ہوتی
کالشمسِ کان غلطا و وهما[۱]	تب بھی وہ غلط اور وہم ہوتی،

(۲) صحیح مسلم کتاب الجہاد، باب الفئ میں روایت ہے کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ

اقض بینی وبین هذا الکاذب	میرے اور اس جھوٹے مجرم، دھوکہ باز
الآثم الغادر الخائن	خائن کے درمیان فیصلہ کیجئے،

چونکہ حضرت علیؓ کی شان میں یہ الفاظ کسی مسلمان کی زبان سے نہیں نکل سکتے، اس لیے بعض محدثین نے اپنے نسخہ سے یہ الفاظ نکال دیئے[۲]، علامہ مازری اس حدیث کی نسبت لکھتے ہیں:

اذا انسدّت طُرق تاویلها	جب اس حدیث کی تاویل کے سب رستے
نسبنا الکذب الی رواتها[۳]،	رک جائیں گے تو ہم راویوں کو جھوٹا کہیں گے،

[۱] زاد المعاد (جزو ثانی) مطبوعہ کانپور صفحہ ۹۶ [۲] نووی شرح صحیح مسلم ذکر حدیث مذکور [۳] نووی شرح مسلم کتاب الجہاد باب الفئ،

(۳) بخاری میں روایت ہے کہ خدا نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو ان کا قد ساٹھ گز کا تھا، حافظ ابن حجر اس کی شرح میں لکھتے ہیں:

ویشکل علی هذا ما یوجد الآن	اور اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قدیم
من آثار الامم السالفة کدیار	قوموں کے جو آثار اس وقت موجود ہیں مثلاً
ثمود، فان مساکنهم تدل	قوم ثمود کے مکانات، ان سے ثابت ہوتا ہے
علی ان قاماتهم لم تکن مفرطة	کہ ان کے قد اس قدر بڑے نہ تھے جیسا کہ
الطول علی حسب ما یقتضیه الترتیب	ترتیب سابق سے ثابت ہوتا ہے.....اور
السابق.....ولم یظهر الی الآن	اس وقت تک مجھ کو اس اشکال کا حال
ما یزیل هذا الاشکال[1]	نہیں معلوم ہوا،

(۴) صحیح بخاری میں روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام خدا سے کہیں گے کہ اے خدا تو نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ قیامت میں مجھ کو رسوا نہ کرے گا، اس حدیث کی شرح میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وقد استشکل الاسماعیلی هذا	اور اسماعیلی نے اس حدیث پر اشکال وارد
الحدیث من اصله وطعن فی صحته[2]	کیا ہے اور اس کی صحت پر طعن کیا ہے،

اسماعیلی کے اعتراض کا حافظ ابن حجر نے جواب دیا ہے، لیکن اسماعیلی کا درجہ فن حدیث میں حافظ ابن حجر سے زیادہ ہے، اس لیے گو اسمٰعیلی کا اعتراض غلط ہو لیکن قابلِ لحاظ ہو سکتا ہے۔

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد ۶ صفحہ ۲۶۰ بدء الخلق [2] فتح الباری مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸۴ جلد ۸،

کہ ان کے نزدیک یہ حدیث استدلال کے خلاف ہے،

(۵) عمرو بن میمون سے روایت ہے کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں ایک بندر کو دیکھا جس نے زنا کیا تھا، اس پر اور بندروں نے جمع ہو کر اس کو سنگسار کیا، حافظ ابن عبد البر نے جو مشہور محدث ہیں، اس بنا پر اس حدیث کی صحت میں تامل کیا کہ جانور مکلف نہیں، اس لیے ان کے فعل پر نہ زنا کا اطلاق ہو سکتا ہے، نہ اس بنا پر ان کو سزا دی جا سکتی ہے، حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

وقد استنکر ابن عبد البر قصة عمرو بن میمون ھذہ و قال فیھا اضافة الزنا الی غیر مکلف واقامة الحد علی البھائم[1]	ابن عبد البر نے عمرو بن میمون کے اس قصے سے انکار کیا ہے اور کہا ہے کہ اس غیر مکلف کی طرف زنا کی نسبت ہے، اور جانوروں پر حد قائم کرنا بیان کیا گیا ہے،

حافظ ابن حجر نے یہ قول نقل کر کے لکھا ہے کہ "اعتراض کا یہ طریقہ پسندیدہ نہیں ہے، اگر سند صحیح ہے تو غالباً یہ بندر جن رہے ہوں گے"

(۶) صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک[2] دفعہ عبد اللہ بن ابی کے طرفداروں اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صحابہؓ میں جھگڑا ہو گیا، اس پر یہ آیت اتری،

وَاِنْ طَآئِفَتَانِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا (حجرات۔۱)	اگر مسلمانوں کے دو گروہ آپس میں لڑ جائیں تو ان میں صلح کرا دو،

روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس وقت تک عبد اللہ بن ابی اور اس کا گروہ ظاہر میں بھی

[1] فتح الباری مطبوعہ مصر جلد، صفحہ ۱۲۲ [2] صحیح بخاری کتاب العلم، روایت میں جھگڑے کی تفصیل ہے، ہم نے محض خلاصہ ذکر کر دیا ہے

اسلام نہیں لایا تھا، اس بنا پر ابن بطال نے اس حدیث پہ اعتراض کیا ہے کہ آیتِ قرآنی اس واقعہ کے متعلق نہیں ہوسکتی، اس لیے کہ اس آیت میں تصریح ہے کہ جب دونوں گروہ مومن ہوں، اور یہاں عبد اللہ بن ابی کا گروہ علانیہ کافر تھا،

حافظ ابن حجر نے اس کا جواب دیا ہے کہ تغلیباً ایسا کہا گیا،

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ بہت سے محدثین سلسلۂ سند کے ساتھ یہ بھی دیکھتے تھے کہ دوسرے شواہد اور قرائن بھی اس کے موافق ہیں یا نہیں،

روایت بالمعنی

(۱۰) ایک بڑا مرحلہ روایت بالمعنی کا ہے، یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یا صحابہؓ نے جو الفاظ فرمائے تھے، بعینہٖ وہی ادا کرنے چاہئیں، یا ان کا مطلب ادا کر دینا کافی ہے؟ محدثین اس باب میں مختلف الرائے ہیں، اور اکثروں نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر راوی اپنے الفاظ میں اس طرح مطلب ادا کرتا ہے کہ حقیقت میں فرق پیدا نہیں ہوتا، تو الفاظ کی پابندی ضرور نہیں، لیکن اس کا فیصلہ کرنا کہ اصل مطلب ادا ہوا یا بدل گیا، ایک اجتہادی بات ہے، اسی بنا پر بعض محدثین، مثلاً عبد الملک بن عمر، ابو زرعہ، سالم بن جعد، قتادہ، امام مالک، ایک ایک لفظ کی پابندی کرتے تھے[۱]، لیکن یہ ظاہر ہے کہ سیکڑوں راویوں میں صرف دو چار اشخاص ایسی پابندی کر سکتے تھے، اور وہ بھی اس زمانہ میں کہ تحریر کا رواج ہو چکا تھا، عام حالت یہی تھی کہ راوی حدیث کے مطلب کو اپنے الفاظ میں بیان کرتے تھے، جامع ترمذی، کتاب العلل میں سفیان ثوری کا قول نقل ہے،

[۱] صحیح ترمذی کتاب العلل میں ان لوگوں کے متعلق یہ تصریح مذکور ہے،

ان قلت لکم انی احدثکم کما سمعت فلا تصدقونی، انما هو المعنی

اگر میں تم سے یہ کہوں کہ میں جو سنتا ہوں بعینہٖ وہی ادا کرتا ہوں تو تم میری بات نہ مانو، میں صرف مطلب ادا کرتا ہوں،

ترمذی نے اسی مضمون کے اور اقوال واثلۃ بن الاسقع، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، حسن بصری، امام شعبی وغیرہ سے نقل کیے ہیں،

جو صحابہؓ بہت محتاط تھے، حدیث کی روایت کے وقت اُن کی حالت متغیر ہو جاتی تھی،

سنن ابن ماجہ کے دیباچہ میں عمرو بن میمون کا قول نقل کیا ہے کہ میں عبداللہ بن مسعود کی خدمت میں ہمیشہ جمعرات کی رات کو حاضر ہوتا، میں نے کبھی ان کو یہ کہتے نہیں سنا کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا" ایک دن ان کی زبان سے یہ لفظ نکل گیا، تو دفعۃً سر جھکا لیا، پھر میری نظر اُن پر پڑی تو دیکھا کہ کھڑے ہیں، قمیص کی گھنڈیاں کھلی ہیں، آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہیں، گلے کی رگیں پھول گئی ہیں، اور کہہ رہے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں کہا، یا یوں، یا اس سے کچھ زیادہ، یا اس سے کچھ کم، یا اس کے مشابہ

امام مالک کا یہ حال تھا کہ جب حدیث روایت کرتے تھے تو خوف زدہ ہو جاتے، اور کہتے کہ "آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہ فرمایا تھا، یا یوں فرمایا تھا" امام شعبی کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں سال بھر حاضر رہا، لیکن میں نے ان کو کبھی حدیث روایت کرتے نہیں دیکھا" سائب بن یزید کہتے ہیں کہ "میں نے سعد بن مالک کے ساتھ مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ تک سفر کیا، لیکن اس تمام راہ میں انھوں نے ایک حدیث بھی آنحضرت

(صلی اللہ علیہ وسلم) سے روایت نہیں کی۔" (حالانکہ وہ صحابی تھے) حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ نے اپنے والد سے پوچھا کہ "میں نے آپ کو اور صحابہؓ کی طرح حدیث روایت کرتے نہیں دیکھا، انھوں نے کہا "میں جب سے اسلام لایا میں نے کبھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ساتھ نہیں چھوڑا، لیکن میں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ جو شخص میری نسبت کوئی جھوٹی روایت بیان کرے تو چاہیے کہ اپنا گھر آگ میں بنائے[1]۔"

ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے منبر پر یہ ارشاد فرمایا تھا،

ایاکم وکثرۃ الحدیث عنی[2] — خبردار! مجھ سے زیادہ حدیثیں نہ روایت کیا کرو،

اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ اس قسم کی حدیثوں کے قبول کرنے میں جو تامل کیا جاتا ہے اس کو راوی کے ثقہ اور غیر ثقہ ہونے سے تعلق نہیں، مستند اور ثقہ راویوں کی دروغ گوئی کا خیال نہیں ہو سکتا لیکن ثقہ راوی سے بھی مطلب روایت کے سمجھنے یا ادا کرنے میں غلطی کا ہو جانا ممکن ہے، اور ثقات کی روایت سے جب کسی موقع پر انکار کیا جاتا ہے تو اسی بنا پر انکار کیا جاتا ہے، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے سامنے جب حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کی یہ روایت بیان کی گئی،

---

[1] یہ تمام اقوال صحیح ابن ماجہ دیباچۂ کتاب میں مذکور ہیں، دیکھو صفحہ ۴ و ۵ مطبوعۂ اصح المطابع لکھنؤ،

[2] ابن ماجہ صفحہ ۵،

ان المیت لیعذب ببکاء الحی — مردوں پر نوحہ کیا جائے تو ان پر عذاب کیا جاتا ہے

توحضرت عائشہؓ نے فرمایا

انکم تحدثون عن غیر کاذبین ولا مکذبین ولکن السمع یخطئ[1] — تم لوگ نہ خود جھوٹے ہو، نہ تمہارے راوی جھوٹے ہیں، لیکن کان غلطی کرجاتا ہے،

ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے عبداللہ بن عمرؓ کے متعلق فرمایا،

اما انہ لم یکذب ولکنہ نسی اواخطأ[2] — ہاں وہ جھوٹ نہیں بولے لیکن بھول گئے یا خطا کی،

روایت احاد

(۱۱) ایک اور بحث روایتِ احاد کی ہے، روایتِ احاد وہ ہے جس کے سلسلۂ اسناد میں کہیں صرف ایک راوی پر مدار روایت ہو، یعنی کوئی دوسرا راوی اس کا موید نہ ہو، اس قسم کی روایت کے تسلیم وانکار اور یقینی وظنی ہونے کے متعلق اہلِ فن کا اختلاف ہے، معتزلہ روایات احاد کے تسلیم سے قطعاً منکر ہیں، لیکن درحقیقت انکار بداہت ہے، ہم روزمرہ واقعاتِ زندگی میں اس قسم کی روایات پر اکثر بلاحجت واصرار فوراً یقین کرلیتے ہیں، ہم سے ایک شخص آکر کہتا ہے کہ "زید تم کو بلاتا ہے"، اور ہم فوراً اٹھ کر چلے جاتے ہیں، یہ نہیں کہتے کہ یہ خبرِ احاد ہے، اور ہم اسے تسلیم نہیں کرتے، معتزلہ کے مقابلہ میں اکثر محدثین اس کی صحت اور قطعیت کے قائل ہیں، لیکن یہ درحقیقت تفریط ہے، خود صحابۂ کرام کا طرزِ عمل اس کے مخالف ہے،

[1] صحیح مسلم کتاب الجنائز [2] مسلم کتاب الجنائز،

ایک دفعہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عمرؓ کی خدمت میں گئے اور تین دفعہ اجازت طلبی کی، چونکہ حضرت عمرؓ کسی کام میں مشغول تھے، کچھ جواب نہ ملا، وہ واپس چلے گئے، حضرت عمرؓ نے کام سے فارغ ہوکر ان کو بلوا بھیجا، اور واپسی کا سبب پوچھا، انھوں نے کہا "میں نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سنا ہے کہ تین دفعہ اجازت طلبی کے بعد جواب نہ ملے تو واپس جاؤ۔" حضرت عمرؓ نے کہا "اس روایت پر گواہ لاؤ، ورنہ میں تم کو سزا دوں گا۔" حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے اس پر شہادت پیش کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، حضرت عمرؓ خدانخواستہ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کو غلط گو نہیں جانتے تھے، لیکن چونکہ حضرت عمرؓ بارگاہ نبوت میں برسوں رہے تھے، اور انھوں نے یہ حدیث آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہیں سنی تھی، حالانکہ حدیث ایسے امر کی متعلق تھی جو عموماً پیش آتا ہے، اس لیے حضرت عمرؓ نے واقعہ کی اہمیت کے لحاظ سے صرف ایک شخص کی شہادت کافی نہیں سمجھی۔

حضرت ابوبکرؓ کے سامنے ایک عورت نے جو میت کی دادی ہوتی تھی، میراث کا دعویٰ کیا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا "قرآن میں دادی کی میراث مذکور نہیں، اور نہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اس باب میں کوئی روایت مجھ کو معلوم ہے۔" مغیرہؓ بن شعبہ نے شہادت دی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) دادی کو چھٹا حصہ دلایا کرتے تھے، حضرت ابوبکرؓ نے انکی تنہا شہادت ایسے واقعہ کے متعلق کافی نہیں سمجھی، اور جب ایک اور صحابی محمد بن مسلمہؓ نے شہادت دی، تب حضرت ابوبکرؓ نے اس عورت کو میراث دلائی،

اسی طرح جنین کی دیت کے متعلق حضرت عمرؓ نے مغیرہؓ کی تنہا شہادت کافی نہیں سمجھی،

اس قسم کی اور بیسیوں مثالیں ہیں،

(اسی بنا پر روایتِ احاد کے متعلق فقہائے احناف کا اصول ایک حد تک صحیح ہے کہ یہ ظنی الثبوت ہیں، ان سے قطعیت نہیں ثابت ہوتی ہے، اصل یہ ہے کہ روایاتِ احاد کی صحت اور عدمِ صحت یا ظن و قطعیت رواۃ کے ثقہ اور معتبر ہونے کے بعد خود اصل روایت کی اہمیت اور عدم اہمیت پر مبنی ہے، ایک شخص جب ہم سے کہتا ہے کہ "زید نے تم کو بلایا ہے" تو راوی کی ثقاہت و اعتبار کے مسلّم ہونے کے بعد ہم کو کبھی اس واقعہ کی تسلیم سے انکار نہیں ہوتا، لیکن اگر یہی شخص کہتا ہے کہ "تم کو بادشاہ نے آج دربار میں بلایا ہے" تو ہم اس واقعہ کی تسلیم میں پس و پیش کرتے ہیں، اور اس کے ثبوت کے لیے دوسروں کی شہادت تلاش کرتے ہیں،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اگر کوئی تنہا راوی بیان کرتا ہے کہ "آپ ایک بار سپید کرتہ پہن کر باہر تشریف لائے" تو ہم کو اس کی تسلیم میں عذر نہیں، لیکن وہی راوی اگر یہ کہتا ہے کہ "ایک بار آپ برہنہ تن باہر نکل آئے" (اس قسم کی ایک روایت ہی) تو قطعاً ہم تنہا شہادت اس کے ثبوت کے لیے کافی نہیں سمجھیں گے۔

نتائج مباحثِ مذکورہ گذشتہ صفحات میں ہم نے روایت و حدیث کے متعلق صحابۂ کبارؓ کا جو طرزِ عمل پیش کیا ہے، اور علمائے نقد و حدیث کے جن قواعد و اصول کی تفصیل کی ہے، ذیل میں بہ ترتیب نتائج کے طور پر ہم ان کا اعادہ کرتے ہیں،

(۱) سب سے پہلے واقعہ کی تلاش قرآن مجید میں، پھر احادیثِ صحیحہ میں، پھر عام احادیث

یں کرنی چاہیے، اگر نہ ملے تو روایتِ سیرت کی طرف توجہ کی جائے،

(۲) کتبِ سیرت محتاجِ تنقیح ہیں، اور اُن کے روایات واسناد کی تنقید لازم ہے،

(۳) سیرت کی روایتیں باعتبارِ پایۂ صحت، احادیث کی روایتوں سے فروتر ہیں، اسلیے بصورتِ اختلاف، احادیث کی روایات کو ہمیشہ ترجیح دی جائے گی،

(۴) بصورتِ اختلافِ روایاتِ احادیث، رواۃِ اربابِ فقہ وہوش کی روایات کو دوسروں پر ترجیح ہوگی،

(۵) سیرت کے واقعات میں سلسلۂ علت ومعلول کی تلاش نہایت ضروری ہے،

(۶) نوعیتِ واقعہ کے لحاظ سے شہادت کا معیار قائم کرنا چاہیے،

(۷) روایت میں اصل واقعہ کس قدر ہے؟ اور راوی کی ذاتی رائے وفہم کا کس قدر جزو شامل ہے،

(۸) اسبابِ خارجی کا کس قدر اثر ہے؟

(۹) جو روایت عام وجوہِ عقلی، مشاہدۂ عام، اصولِ مسلّمہ اور قرائنِ حال کے خلاف ہوگی، لائقِ حجت نہ ہوگی،

(۱۰) اہم موضوع پر مختلف روایات کی تطبیق وجمع سے اس کی تسلی کرلینی چاہیے کہ راوی سے اداے مفہوم میں تو غلطی نہیں ہوئی ہے،

(۱۱) روایاتِ احاد کو موضوع کی اہمیت اور قرائنِ حال کی مطابقت کے لحاظ سے قبول کرنا چاہیے،

ان اصول کے تقرر و تفصیل کے بعد نظر آسکتا ہے کہ اسلامی فن روایت عقل و درایت کی نگاہ سے کس قدر بلند پایہ ہے؟ علمائے حدیث نے تصحیح روایت کے لیے کتنی جانفشانی، کتنی دیدہ ریزی، کتنی دقت رسی صرف کی ہے، کیا اس اہتمام و اعتنا کا دنیا کی دیگر قوموں کے سرمایۂ تاریخ و روایت میں ایک ذرہ نشان بھی موجود ہے؟ کیا یورپ کے سیرت نگاران پیغمبر اسلام میں سے کسی نے بھی اس جانکاہی اور نکتہ سنجی کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی لائف کے لیے قلم اٹھایا ہے؟ اور کیا ایک غیر مسلم ان قواعد و اصول کی مراعات کے ساتھ قلم اٹھا بھی سکتا ہے؟[1]

---

[1] زیادت، از صفحہ ۷۷ تا ۹۱، "س"

یورپین تصنیفات

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سیرتِ مبارک پر جو یورپین تصنیفات ہیں، ان پر پوری بحث تو کسی اور حصہ میں آئے گی جس میں نہایت تفصیل سے بتایا جائے گا کہ یورپ میں اسلام کے متعلق سب سے پہلے یورپین مصنف ہلدی برٹ سے لیکر جو ۱۱۳۹ء میں موجود تھا، آج تک کیا سرمایہ مہیا ہوا ہے؟ ان کا کیا عام انداز ہے؟ ان کی مشترک اور عامہ ورود غلطیاں کیا ہیں؟ ان کے وسائلِ معلومات کس درجہ کے ہیں؟ اغلاط کے مشترک اسباب کیا ہیں؟ تعصب اور سوءِ ظن کا کہاں تک اثر ہے؟ یہاں ہم ان تصنیفات پر صرف ایک اجمالی گفتگو کرتے ہیں، کیونکہ اس حصہ میں بھی ہم کو جابجا ان تصنیفات سے کام لینا یا ان سے تعرض کرنا پڑا ہے،

یورپ ایک مدت تک اسلام کے متعلق مطلق کچھ نہیں جانتا تھا جب اس نے جاننا چاہا تو مدت دراز تک عجب حیرت انگیز مفتریانہ خیالات اور توہمات میں مبتلا رہا، ایک یورپین مصنف لکھتا ہے:

"عیسائیت، اسلام کی چند ابتدائی صدیوں تک اسلام پر نہ تو نکتہ چینی کر سکی اور نہ سمجھ سکی، وہ صرف تھراتی اور حکم بجالاتی تھی لیکن جب قلب فرانس میں عرب پہلے پہل

روکے گئے تو ان قوموں نے جو ان کے سامنے سے بھاگ رہی تھیں، منھ پھیر کر دیکھا جس طرح کہ مویشیوں کا گلہ جب کہ اس کا بھگا دینے والا کتا دور نکل جاتا ہے"۔[1]

یورپ نے مسلمانوں کو جس طرح جانا، اس کو فرانس کا مشہور مصنف ہنری دی کاستری جس کی تصنیف کا عربی زبان میں ترجمہ ہوگیا ہے، یوں بیان کرتا ہے:

"وہ تمام قصص اور گیت جو اسلام کے متعلق یورپ میں قرونِ وسطیٰ میں رائج تھے، ہم نہیں سمجھتے کہ مسلمان ان کو سنکر کیا کہیں گے؟ یہ تمام داستانیں اور نظمیں مسلمانوں کے مذہب کی ناواقفیت کی وجہ سے بغض و عداوت سے بھری ہوئی ہیں، جو غلطیاں اور بدگمانیاں اسلام کے متعلق آج تک قائم ہیں، ان کا باعث وہی قدیم معلومات ہیں، ہر مسیحی شاعر، مسلمانوں کو مشرک اور بت پرست سمجھتا تھا، اور حسب ترتیب درجات انکے تین خدا تسلیم کیے جاتے تھے، ماہوم، یا ماہون، یا مافومیڈ (یعنی محامٹ) اور اُپلین اور تیسرا ٹرماگان، ان کا خیال تھا کہ محمدؐ نے اپنے مذہب کی بنیاد، دعوائے الوہیت پر قائم کی اور سب سے عجیب تر یہ ہے کہ محمدؐ (وہ محمد جو بت شکن اور دشمنِ اصنام تھا) لوگوں کو اپنے طلائی بت کی پرستش کی دعوت دیتا تھا،

اسپین میں جب عیسائی مسلمانوں پر غالب آئے اور ان کو سرقوسطہ کی دیواروں تک ہٹا دیا تو مسلمان لوٹ کر آئے اور اپنے بتوں کو انھوں نے توڑ ڈالا، اس عہد کا

---

[1] محمد اینڈ محمد نزم۔ از باسورتھ اسمتھ صاحب ایم اے صفحہ ۶۳ (Bosworth Smith (Mohamed & Mohammedanism p. 63

ایک شاعر کہتا ہے "اپلین مسلمانوں کا دیوتا وہاں ایک غار میں تھا، اس پر وہ پل پڑے اور اس کو نہایت سخت سست کہا اور گالیاں دیں، اور اس کے دونوں ہاتھ باندھ کر ایک ستون پر اس کو سولی دی، اور اس کو پاؤں سے روندا اور لاٹھیوں سے مار مار کر اس کے ٹکڑے کر ڈالے، اور ماہوم کو (جو ان کا دوسرا دیوتا تھا) ایک گڑھے میں ڈالدیا، اس کو سؤر اور کتوں نے نوچ ڈالا، اس سے زیادہ اس سے پہلے کسی دیوتا کی تحقیر نہیں ہوئی، اس کے بعد ہی مسلمانوں نے اپنے گناہوں سے توبہ کی اور اپنے دیوتاؤں سے معافی مانگی، اور از سر نو تلف شدہ بتوں کو بنایا، اسی بنا پر جب شہنشاہ چارلس سرقوسط میں داخل ہوا تو اس نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیدیا کہ تمام شہر کا چکر لگائیں، وہ مسجدوں میں گھس گئے اور لوہے کے ہتھوڑوں سے ماہومیڈ اور تمام بتوں کو توڑ ڈالا"

ایک دوسرا شاعر پھر خدا سے دعا کرتا ہے کہ "وہ ماہوم کے بت کے پجاریوں کو شکست نصیب کرے" اس کے بعد وہ امرا کو جنگ صلیبی کے لیے ان الفاظ میں آمادہ کرتا ہے: "اٹھو اور ماہومیڈ اور ٹرماگان کے بتوں کو اوندھا کر دو، اور ان کو آگ میں ڈال دو، اور ان کو اپنے خداوند کی نذر کر دو"[1]

اس قسم کے خیالات ایک مدت تک قائم رہے، (کسی اور حصہ میں ہم اس کو مفصل لکھیں گے)

ستر ہویں اور اٹھار ہویں صدی | ستر ہویں صدی کے سنین وسطی یورپ کے عصر جدید کا مطلع

[1] ترجمہ کتاب ہنری دی کاستری بزبان عربی مطبوعہ مصر از صفحہ ۸ تا ۱۰۔

ہے، یورپ کی جد و جہد، سعی و کوشش اور حریت و آزادی کا دور اسی عہد سے شروع ہوتا ہے، ہمارے مقصد کی جو چیز اس دور میں پیدا ہوئی، وہ مستشرقین یورپ کا وجود ہے جن کی کوشش سے نادر الوجود عربی کتابیں ترجمہ اور شائع ہوئیں، عربی زبان کے مدارس علمی و سیاسی اغراض سے جابجا ملک میں قائم ہوئے، اور اس طرح وہ زمانہ قریب آتا گیا کہ یورپ اسلام کے متعلق خود اسلام کی زبان سے کچھ سن سکا،

اس دور کی خصوصیت اول یہ ہے کہ سنے سنائے عامیانہ خیالات کے بجائے کسی قدر تاریخ اسلام و سیرت پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بنیاد عربی زبان کی تصانیف پر قائم کی گئی، گو موقع بہ موقع معلوماتِ سابقہ کے مصالح کے استعمال سے بھی احتراز نہیں کیا گیا۔

اس دور سے چونکہ یورپ نے مذہبی اشخاص کے شکنجے سے نجات پائی اور اس کے مذہبی اور سیاسی امور الگ الگ ہو گئے، اس بنا پر اسلام کے متعلق مصنفین کی دو جماعتیں الگ ہو گئیں، عوام اور مذہبی اشخاص اور محقق وغیرہ متعصب گروہ، اسلام کے متعلق ان دونوں جماعتوں نے جو کوششیں کیں، وہ آج ہمارے سامنے ہیں،

اس عہد میں عربی زبان کی تاریخی تصنیفات کا ترجمہ ہو گیا تھا، اس سلسلہ میں سب سے پہلے اربی نیوس (Arp) مارگولیوس (Margoliouth) ایڈورڈ پوکاک (Pococke) اور ہاٹنجر (Hattinger) ذکر کے قابل ہیں، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ اتفاقاً یا قصداً ان مستشرقین نے ابتداءً جن عربی تاریخوں کا ترجمہ کیا، وہ اکثر ان مسیحی مصنفین کی تصنیفات تھیں جو قرونِ ماضیہ میں اسلامی ممالک کے باشندے تھے، یعنی

سعید بن بطریق اوٹیکوس المتوفی ۹۳۹ء جو اسکندریہ کا پیٹریارک تھا، اور ابن العمید المکین المتوفی ۱۲۷۳ء جو سلاطینِ مصر کا ایک درباری تھا، اور ابوالفرج ابن العبری الملطی المتوفی ۱۲۸۶ء مصنف تاریخ الدول

ابن العمید المکین کی تاریخ، طبری اور ذیل طبری کا خلاصہ ہے، اربی نیوس نے جو ہولنیڈ کا ایک مستشرق تھا، لاطینی ترجمہ کے ساتھ، لیڈن سے اس کا ایک ٹکڑا شائع کیا، جو ابتدائے رسالت سے دولتِ اتابکیہ تک کے واقعات پر مشتمل ہے، المکین کے نام سے اس کتاب کے حوالے، یورپ کی ابتدائی اسلامی تصنیفات میں نہایت کثرت سے آتے ہیں۔

اخیر اٹھارہویں صدی

یہ وہ زمانہ ہے جب یورپ کی قوتِ سیاسی، اسلامی ممالک میں پھیلنی شروع ہوگئی، جس نے "اورنٹیلسٹ" کی ایک کثیر التعداد جماعت پیدا کردی جنھوں نے حکومت کے اشارہ سے السنۂ مشرقیہ کے مدارس کھولے، مشرقی کتب خانوں کی بنیادیں ڈالیں، ایشیاٹک سوسائٹیاں قائم کیں، مشرقی تصنیفات کی طبع و اشاعت کے سامان پیدا کیے، اور نٹیل تصنیفات کا ترجمہ شروع کیا،

سب سے پہلے ہولینڈ نے اپنے مقبوضہ جزائر مشرقی میں ۱۷۸۱ء میں ایک ایشیاٹک سوسائٹی قائم کی، اس تقلید میں انگریزوں نے بمقام کلکتہ ۱۷۸۴ء میں جنرل ایشیاٹک سوسائٹی اور ۱۷۸۸ء میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کی بنیاد ڈالی، اس کے بعد ۱۷۹۵ء میں فرانس نے مشرقی زندہ زبانوں (عربی، فارسی، ترکی) کا دارالعلوم قائم کیا، اور آخرکار ان مدارس اور سوسائٹیوں کی تقلید سے تمام ممالک یورپ میں اس قسم کی درسگاہیں

اور انجمنیں جاری ہوگئیں، عام یونیورسٹیوں میں عربی زبان کے پروفیسروں اور کتبخانوں کا وجود لازمی سمجھا جانے لگا۔

مسلمانوں کے ہاں عربی زبان میں سیرت و مغازی کی جو کتابیں محفوظ تھیں، وہ ایک ایک کرکے باستثنائے چند اٹھارہویں صدی کے اواخر سے لیکر انیسویں صدی کے اختتام تک یورپ میں چھپ گئیں، اور ان میں اکثر کا یورپین زبانوں میں ترجمہ ہوگیا۔ سب سے پہلے رسک (Reiske) المتوفی ۱۷۷۴ء نے تاریخ ابوالفداء مع ترجمۂ لاطینی و حواشی پانچ جلدوں میں شائع کی، ۱۸۰۹ء میں کیپٹن اے متھوس (A. N. mathews) نے کلکتہ سے مشکوٰۃ المصابیح کا انگریزی میں ترجمہ شائع کیا، ۱۸۵۶ء میں وان کریمر (Kremer) نے کلکتہ میں محمد بن عمر واقدی کی کتاب المغازی طبع کرائی، ۱۸۶۰ء میں ابن ہشام کی مشہور تصنیف سیرۃ الرسول کی گوٹنگن (Cottingen) سے اشاعت کی، اسکے علاوہ اسی مستشرق نے سمہودی کی تاریخ مدینہ اور ابن قتیبہ کی تاریخ معارف طبع کرائی، ۱۸۶۴ء میں ڈاکٹر ویل (G. weil) نے ابن ہشام کا جرمنی میں ترجمہ کیا، ۱۸۷۷ء میں پیرس سے مسعودی کی تاریخ مروج الذہب مع ترجمۂ فرانسیسی پروفیسر ڈی مانیارڈ نے شائع کی، والہوسن (Wellhausen) نے ۱۸۸۲ء میں واقدی کا جرمن ترجمہ بعنوان "محمد بہ مدینہ" برلن سے شائع کیا، ۱۸۸۳ء میں لیڈن سے ہاوٹسما (Houtasma) کے اہتمام سے یعقوبی کی تاریخ دو جلدوں میں چھپی، ۱۸۸۹ء سے ۱۸۹۲ء تک چودہ برس کی محنت میں طبری کی مشہور اور نادر الوجود

تاریخ بارتھ (Barth) اور نولدیکی (Noldeke) وغیرہ نے شائع کی، اور سب سے آخر میں مشہور جرمن مستشرق پروفیسر سخاؤ (Sachau) کی خاص کوشش اور دیگر سات مستشرقین کی اعانت سے ابن سعد کی عظیم الشان اور نادر الوجود طبقات، جس سے زیادہ مبسوط سیرتِ نبویؐ میں کوئی تصنیف نہیں، تقریباً سنہ ۱۹۰۰ء سے گذشتہ سال تک ایک ایک جلد کرکے لیڈن سے شائع ہوتی رہی،

ان اصل تاریخی تصنیفات اور اُن کے تراجم کی اشاعت، ممالکِ اسلامیہ اور یورپ کے تعلقات، مذہبی منافرت کی کمی، اور آزادانہ تحقیقات کی خواہش، ان تمام چیزوں نے یورپ میں مصنفینِ تاریخِ اسلام اور سوانح نگارانِ پیغمبرِ عرب (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک کثیر التعداد گروہ پیدا کر دیا،

اوکسفورڈ کا ایک عالم اس غیر مختتم سلسلہ کا ان الفاظ میں اعتراف کرتا ہے:

"محمدؐ کے سوانح نگاروں کا ایک وسیع سلسلہ ہے، جس کا ختم ہونا غیر ممکن ہے لیکن اس میں جگہ پانا قابلِ فخر چیز ہے۔"[1]

ہم اس موقع پر صرف ان تصنیفات کا مختصر سا نقشہ درج کرتے ہیں، جو بہ تخصیص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حالات میں، یا اسلام کے اصول عقائد پر لکھی گئیں، اور جن میں سے اکثر ہمارے دفتر تصنیف میں موجود ہیں، یا ہم اُن سے متمتع ہو چکے ہیں،

---

[1] مارگولیتھ، محمدؐ، دیباچہ، صفحہ ۱،

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانہ تصنیف
۱	ڈاکٹر جی، بی، (؟)	انگلستان	سیرت محمد خادع (نعوذ باللہ)	سنہ ۱۶۱۵ء
۲	ڈاکٹر وائیٹ (White) واعظ آکسفورڈ	״	پمفلٹ سرمنز اسلام اور پیغمبر اسلام پر	اوائل سنہ ۱۸۰۰ء
۳	گارڈ فری ہگنس ایم، آر، اے، ایس (Godfrey Higgins)	״	اپالوجی	۱۸۲۹ء
۴	ڈاکٹر جے، اے مولر (Muller)	جرمن	اسلامزم	سنہ ۱۸۳۰ء
۵	گارسن ڈی ٹاسی (Garcinde yassy)	فرانس	اسلام و قرآن	از سنہ ۱۸۳۱ تا سنہ ۱۸۶۴ء
۶	اڈورڈ لین (Edwardlane)	انگلستان	انتخابات القرآن	سنہ ۱۸۴۳ء
۷	ڈاکٹر ویل (Weil)	جرمن	ترجمہ و تحشیہ ابن ہشام و کتاب محمد پیغمبر	سنہ ۱۸۴۲ء سنہ ۱۸۴۵ء
۸	کارلائل (Carlyle)	انگلستان	ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ	سنہ ۱۸۴۶ء
۹	کوسن ڈی پرسوال (Caussin) (de pergual)	فرانس	تاریخ عرب	سنہ ۱۸۴۷ء
۱۰	واشنگٹن اروِنگ (Irving)	انگلستان	سیرت محمدؐ	سنہ ۱۸۴۹ء
۱۱	ڈاکٹر اسپرنگر (Springer)	جرمن	سیرتِ محمدؐ	سنہ ۱۸۵۱ء
۱۲	وان کریمر Von (Kremer)	״	ترجمہ و تحشیۂ واقدی	سنہ ۱۸۵۶ء
۱۳	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	مضمون "محمد"	سنہ ۱۸۵۸ء
۱۴	ڈوزی (Dozy)	ہولینڈ	تاریخ اسلام	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۵	مضمون نگار نیشنل ریویو	انگلستان	بزرگ ترین عرب	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۶	ڈی لین (Delane)		سیرت محمد	״

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانۂ تصنیف
۱۷	میور (Muir)	انگلستان	سیرت محمد	سنہ ۱۸۶۱ء
۱۸	برتھالمی سینٹ ہلیر (Hilaire)	فرانس	محمدؐ و قرآن	سنہ ۱۸۶۵ء
۱۹	نولدیکی (Nolde Ky)	جرمن	مضامینِ قرآن و اسلام	سنہ ۱۸۶۹ء
۲۰	ووشیف مضمون نگار کوارٹرلی ریویو	انگلستان	اسلام	سنہ ۱۸۶۹ء
۲۱	مضمون نگار برٹش کوارٹرلی ریویو	"	محمدؐ	سنہ ۱۸۷۲ء
۲۲	جولیس چارلس (Julius Cha-rles)	فرانس	تاریخ بانیِ اسلام	سنہ ۱۸۷۴ء
۲۳	مضمون نگار کانٹمپریری ریویو	انگلستان	محمدؐ اور اسلام	سنہ ۱۸۷۵ء
۲۴	بارسورتھ اسمتھ (Bosworth Smith)	"	"	"
۲۵	سیدیو (Sedillot)	فرانس	تاریخِ عرب	سنہ ۱۸۷۷ء
۲۶	ولہوسن (Wellhausen)	جرمنی	تبصرہ بر واقدی	سنہ ۱۸۸۲ء
۲۷	اہل کراہل (Krehl)	جرمنی	سیرتِ محمدؐ	سنہ ۱۸۸۴ء
۲۸	گولڈ زیہر (Goldziher)		مطالعۂ اسلام	سنہ ۱۸۹۰ء
۲۹	رنیان (Renan)	فرانس	تاریخ مذاہب	سنہ ۱۸۹۲ء
۳۰	اتچ، گریم (Grimme)	ہولینڈ	سیرتِ محمدؐ	سنہ ۱۸۹۴ء
۳۱	ہنری دی کاستری (Henri de castri)	فرانس	اسلام پر خیالات	سنہ ۱۸۹۶ء
۳۲	الیف بوہل (Buhl)	ہولینڈ	سیرتِ محمد	سنہ ۱۹۰۳ء

نمبر	نام مصنف	وطن	نام تصنیف یا مضمون	زمانۂ تصنیف
۳۳	والسٹن (Wallaston)	انگلینڈ	آدھ گھنٹہ محمدؐ کے ساتھ	۱۹۰۵ء
۳۴	مارگولیتھ (Margoliouth)	"	محمدؐ	"
۳۵	کوئل (Koelle)	"	محمدؐ اور اسلام	۱۸۹۷ء
۳۶	پرنس کائتانی (Caetani)	اٹالیہ	تاریخ کبیر محمدؐ و اسلام و سلاطینِ اسلام	جاری
۳۷	میجر لیونارڈ (Leonard)	انگلینڈ	اسلام کا رُوحانی و اخلاقی پایہ	۱۹۰۹ء

مصنفین یورپ تین قسموں میں منقسم کیے جا سکتے ہیں،

۱۔ جو عربی زبان اور اصل ماخذوں سے واقف نہیں، ان لوگوں کا سرمایۂ معلومات اوروں کی تصنیفات اور تراجم ہیں، ان کا کام صرف یہ ہے کہ اس مشتبہ اور ناکامل مواد کو قیاس اور میلانِ طبع کے قالب میں ڈھال کر دکھائیں، تعجب ہوتا ہے کہ ان میں بعض (مثلاً گبن صاحب) ایسے صائب الرائے اور انصاف پرست ہیں کہ راکھ کے ڈھیر میں سے بھی سونے کے ذرے نکال سکتے ہیں، لیکن قلیل ماھم

۲۔ عربی زبان اور علم ادب و تاریخ و فلسفۂ اسلام کے بہت بڑے ماہر ہیں لیکن مذہبی لٹریچر اور سیرت کے فن سے ناآشنا ہیں، ان لوگوں نے سیرت یا مذہب اسلام پر کوئی مستقل تصنیف نہیں لکھی، لیکن ضمنی موقعوں پر عربی دانی کے زعم میں اسلام یا شارعِ اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق نہایت دلیری سے جو کچھ چاہتے ہیں لکھ جاتے ہیں، مثلاً جرمن کا مشہور فاضل ساخو جس نے طبقاتِ ابن سعد شائع کی ہے، اس کی وسعتِ معلومات

اور عربی دانی سے کون انکار کر سکتا ہے، بیرونی کی کتاب الہند کا دیباچہ اس نے جس تحقیق سے لکھا ہے رشک کے قابل ہے، لیکن اسی دیباچہ میں اسلامی امور کے متعلق ایسی باتیں لکھ جاتا ہے جس کو پڑھ کر بھول جانا پڑتا ہے کہ وہ وہی محترم شخص ہے جس کو ابھی ہم نے دیکھا تھا، نولدیکی (جرمنی) نے قرآن مجید کا خاص مطالعہ کیا ہے، لیکن انسائیکلوپیڈیا (جلد ۱۶) میں قرآن پر اس کا جو آرٹیکل ہے، جا بجا نہ صرف اس کے تعصب بلکہ اس کی جہالت کے راز پنہاں کی بھی پردہ دری کرتا ہے،

۳۔ وہ مستشرقین جنھوں نے خاص اسلامی اور مذہبی لٹریچر کا کافی مطالعہ کیا ہے، مثلاً پامر صاحب یا مارگولیس صاحب، ان سے ہم بہت کچھ امید کر سکتے تھے لیکن باوجود عربی دانی کثرت مطالعہ تفحص کتب کے ان کا یہ حال ہے کہ ع

دیکھتا ہوں سب کچھ ہوں لیکن سوجھتا کچھ بھی نہیں

مارگولیس نے مسند امام احمد بن حنبل کی ضخیم جلدوں کا ایک ایک حرف پڑھا ہے اور ہم دعویٰ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں کسی مسلمان کو بھی اس وصف میں اس کی ہمسری کا دعویٰ نہیں ہو سکتا، لیکن پروفیسر موصوف نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانحعمری پر جو کتاب لکھی ہے، دنیا کی تاریخ، اس سے زیادہ کوئی کتاب کذب و افترا اور تادیل و تعصب کی مثال کے لیے پیش نہیں کر سکتی، اس کا اگر کوئی کمال ہے تو یہ ہے کہ سادہ سے سادہ اور معمولی سے معمولی واقعہ کو جس میں برائی کا کوئی پہلو پیدا نہیں ہو سکتا صرف اپنی طباعی کے زور سے بد منظر بنا دیتا ہے،

ڈاکٹر اسپرنگر جو جرمنی کے مشہور عربی داں ہیں کئی سال مدرسۂ عالیہ کلکتہ کے پرنسپل رہے،
لکھنؤ میں آکر شاہی کتب خانہ کی رپورٹ لکھی جو ہماری نظر سے گذری ہے، حافظ ابن حجر
کی کتاب الاصابۃ فی احوال الصحابہ، اول اول ان ہی نے تصحیح کر کے کلکتہ میں چھپوائی،
لیکن جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانحمری پر ایک مستقل ضخیم کتاب ۳ جلدوں میں
لکھی تو ہم حیرت زدہ ہو کر رہ گئے[1]،

یورپین مصنفوں کی غلط کاریوں کی بڑی وجہ تو وہی ان کا مذہبی اور سیاسی تعصب ہے،
لیکن بعض وجوہ اور بھی ہیں جن کی بنا پر ہم ان کو معذور رکھ سکتے ہیں،

۱۔ سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اُن کا تمام تر سرمایۂ استناد صرف سیرت و تاریخ کی کتابیں
ہیں، مثلاً مغازی واقدی، سیرت ابن ہشام، سیرت محمد بن اسحاق، تاریخ طبری وغیرہ،
اور یہ ظاہر ہے کہ کوئی غیر مسلم شخص آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانح مرتب کرنا چاہے گا
تو عام قیاس یہی رہبری کرے گا کہ اس کو تصنیفاتِ سیرت کی طرف رجوع کرنا چاہیے، لیکن
واقعہ یہ ہے کہ سیرت کی تصنیفات میں سے ایک بھی نہیں جو استناد کے لحاظ سے بلند رتبہ ہو،
چنانچہ اس کی بحث اوپر گذر چکی مصنفین سیرت سے قطع نظر، سیرت کی روایتیں زیادہ تر جن
لوگوں سے مروی ہیں، مثلاً سیف، سُدی، ابن سلمہ، ابن نجیح عموماً ضعیف الروایۃ ہیں،
اس لیے عام اور معمولی واقعات میں ان کی شہادت کافی ہو سکتی ہے، لیکن وہ واقعات
جن پر مہتم بالشان مسائل کی بنیاد قائم ہے، اُن کے لیے یہ سرمایہ بیکار ہے۔

[1] یہ کتاب جرمن زبان میں ہے، ہم جرمن نہیں جانتے لیکن اسکے اقوال اکثر مصنفین نے نقل کئے ہیں اور وہ ہماری نظر سے گذرتے ہیں،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سوانحعمری کے یقینی واقعات وہ ہیں جو حدیث کی کتابوں میں بروایاتِ صحیحہ منقول ہیں، یورپین مصنفین اس سرمایہ سے بالکل بے خبر ہیں، اور ایک آدھ کوئی ہے، (مثلاً مارگولیس) تو اولاً وہ اس فن کا ماہر نہیں اور وہ ہو بھی تو تعصب کی ایک چنگاری سیکڑوں خرمنِ معلومات کو جلانے کے لیے کافی ہے،

۲- دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یورپ کے اصولِ تنقیحِ شہادت اور ہمارے اصولِ تنقیح میں سخت اختلاف ہے، یورپ اس بات کو بالکل نہیں دیکھتا کہ راوی صادق ہے یا کاذب، اس کے اخلاق و عادات کیا ہیں؟ حافظ کیسا ہے؟ اس کے نزدیک یہ تحقیق و تدقیق نہ ممکن ہے، نہ ضروری ہے، وہ صرف یہ دیکھتا ہے کہ راوی کا بیان بجائے خود قرائن اور واقعات کے تناسب سے مطابقت رکھتا ہے، یا نہیں؟ فرض کرو، ایک جھوٹے سے جھوٹا راوی ایک واقعہ بیان کرتا ہے، جو قرائن موجودہ اور گرد و پیش کے واقعات کے لحاظ سے صحیح معلوم ہوتا ہے، بیان بالکل مسلسل ہے، اور کہیں سے نہیں اکھڑتا، تو یورپ کے مذاق کے موافق واقعہ کی صحت تسلیم کرلی جائے گی،

بخلاف اس کے مسلمان مورخ اور خصوصاً محدثین اس کی پروا نہیں کرتے کہ خود روایت کی کیا حالت ہے، بلکہ سب سے پہلے وہ دیکھتے ہیں کہ "اسماءِ رجال" کے دفترِ تحقیقات میں اُس شخص کا نام ثقہ لوگوں کی فہرست میں درج ہے یا نہیں، اگر نہیں ہے تو اُن کے نزدیک اس کا بیان بالکل ناقابلِ اعتنا ہے، بخلاف اس کے اگر ثقہ راوی نے کوئی واقعہ بیان کیا تو گو قرائن اور قیاسات کے خلاف ہو اور گو بظاہر عقل کے مطابق بھی نہ ہو لیکن اسکی

روایت قبول کر لی جائے گی،

اس اختلافِ اصول نے یورپین تصنیفات پر بہت بڑا اثر پیدا کیا ہے، مثلاً اہل یورپ واقدی کے بیان پر سب سے زیادہ اعتماد کرتے ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ واقدی کا بیان نہایت مسلسل اور مربوط ہوتا ہے، جزئیات کی تمام کڑیاں باہم ملتی چلی جاتی ہیں، واقعات میں کہیں خلا نہیں ہوتا، جو چیزیں کسی واقعہ کو دلچسپ بنا سکتی ہیں، سب موجود ہوتی ہیں،

لیکن سچ یہ ہے کہ یہی باتیں اصلی راز کی پردہ دری کرتی ہیں، جو روایتیں سو برس سے زیادہ زمانہ تک محض زبانوں پر رہیں، اُن میں اس قدر استقصائے جزئیات ممکن نہیں، یہ البتہ ہو سکتا ہے کہ جس طرح تاریخی افسانے لکھے جاتے ہیں، چند واقعات کا ذخیرہ سامنے رکھ کر قیاس و قرائن اور معلوماتِ عامہ کے ذریعہ سے ایک سادہ خاکہ کو نقش و نگار سے کامل کر دیا جائے، لیکن یہ جرأت صرف واقدی کر سکتا ہے، محدثین اس سے معذور رہیں، تاہم اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ ہر موقع پر محض راوی کا ثقہ ہونا کافی نہیں، ثقات بھی غلطی کر سکتے ہیں اور کرتے ہیں، اس لیے ضرورت ہے کہ درایت کے جو اصول محدثین نے قائم کیے ہیں اور جن کو بعض جگہ وہ بھول جاتے ہیں ان کی نہایت سختی کیساتھ پابندی کیجائے۔

یورپین تصنیفات کے اصول مشترکہ | یورپین مصنفین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق کے متعلق جو نکتہ چینیاں کرتے ہیں، یا ان کی تصنیفات سے جو نکتہ چینیاں خود بخود ناظرین کے دل میں پیدا ہوتی ہیں، حسب ذیل ہیں،

(۱) آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی زندگی مکہ معظمہ تک پیغمبرانہ زندگی ہے، لیکن مدینہ جا کر

جب زور و قوت حاصل ہوتی ہے تو دفعۃً پیغمبری بادشاہی سے بدل جاتی ہے، اور اس کے جو لوازم ہیں، یعنی لشکر کشی، قتل، انتقام، خونریزی خود بخود پیدا ہو جاتے ہیں،

(۲) کثرتِ ازدواج اور میل الی النساء،

(۳) مذہب کی اشاعت جبر اور زور سے،

(۴) لونڈی غلام بنانے کی اجازت اور اس پر عمل،

(۵) دنیاداروں کی سی حکمت عملی اور بہانہ جوئی،

اس بنا پر ہماری کتاب کے ناظرین کو تمام واقعات میں اس نکتہ پر نظر رکھنی چاہیے کہ یہ اعتراضات تاریخی تحقیقات کے معیار پر بھی ٹھیک اتر سکتے ہیں یا نہیں؟

اصول تصنیف اور ترتیب ہم نے اس کتاب میں جو اصول اختیار کیے ہیں، اب ان کے بتانے کا وقت آگیا ہے،

(۱) سب سے پہلے یہ کہ سیرت کے واقعات کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں مذکور ہے، اُن کو سب پر مقدم رکھا ہے۔ یہ قطعاً ثابت ہے کہ بہت سے واقعات کے متعلق خود قرآن مجید میں ایسی تصریحات یا اشارے موجود ہیں جن سے اختلافی مباحث کا فیصلہ ہو جاتا ہے لیکن لوگوں نے آیاتِ قرآنی پر اچھی طرح نظر نہیں ڈالی، اس لیے وہ مباحث غیر منفصل رہ گئے،

(۲) قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے، احادیثِ صحیحہ کے سامنے سیرت کی روایتیں نظر انداز کر دی ہیں، جو واقعات بخاری و مسلم وغیرہ میں مذکور ہیں، ان کے مقابلہ میں سیرت یا تاریخ کی روایت کی کوئی ضرورت نہیں، اربابِ سیر کو ایک بڑی غلطی یہ ہوئی کہ

وہ واقعات کو کتبِ حدیث میں، ان موقعوں پر ڈھونڈھتے ہیں، جہاں عنوان اور مضمون کے لحاظ سے اس کو درج ہونا چاہیے، اور جب ان کو ان موقعوں پر کوئی روایت نہیں ملتی تو وہ کم درجہ کی روایتوں کو لے لیتے ہیں، لیکن کتبِ حدیث میں ہر قسم کے نہایت تفصیلی واقعات ضمنی موقعوں پر روایت میں آجاتے ہیں، اس لیے اگر عام استقرا، اور تفحص سے کام لیا جائے تو تمام اہم واقعات میں خود صحاح ستہ کی روایتیں مل جاتی ہیں، ہماری اس کتاب کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اکثر تفصیلی واقعات ہم نے حدیث ہی کی کتابوں سے ڈھونڈھ کر مہیا کیے، جو اہلِ سیر کی نظر سے بالکل اوجھل رہ گئے تھے۔

(۳) روزمرہ اور عام واقعات میں ابن سعد، ابن ہشام اور طبری کی عام روایتیں کافی خیال کی ہیں، لیکن جو واقعات کچھ بھی اہمیت رکھتے ہیں، ان کے متعلق تنقید اور تحقیق سے کام لیا ہے، اور تا امکان کد و کاوش کی ہے۔ اس خاص ضرورت کے لیے ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ ابن ہشام، ابن سعد اور طبری کے تمام رواۃ کے نام الگ انتخاب کر لیے جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز ہے، پھر اسماء الرجال کی کتابوں سے ان کی جرح و تعدیل کا نقشہ تیار کیا تاکہ جس روایت کی تحقیق مقصود ہو، بہ آسانی ہو جائے،

(۴) جن فروگذاشتوں کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، جہاں تک ممکن تھا، ان کی اصلاح اور تلافی کی ہے۔

کتاب کے حصے اس کتاب کے پانچ حصے ہیں،

پہلے حصہ میں عرب کے مختصر حالات، کعبہ کی تاریخ، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ولادت سے لیکر وفات تک عام حالات اور واقعات وغزوات ہیں، اسی حصہ کے دوسرے باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذاتی اخلاق وعادات کی تفصیل ہے، آل و اولاد اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے حالات بھی اسی باب میں ہیں،

دوسرا حصہ منصب نبوت سے متعلق ہے، نبوت کا فرض، تعلیم عقائد، اوامر و نواہی اصلاحِ اعمال اور اخلاق ہے، اس بنا پر منصبِ نبوت کے کاموں کی تفصیل اس حصہ میں کی گئی ہے، اس حصہ میں فرائضِ خمسہ اور تمام اوامر و نواہی کی ابتدا اور تدریجی تغیرات کی مفصل تاریخ اور اُن کے مصالح اور حکم اور دیگر مذاہب سے ان کا مقابلہ و موازنہ ہے۔ اسی حصہ میں نہایت تفصیل سے بتایا گیا ہے کہ عرب کے عقائد، اور اخلاق وعادات پہلے کیا تھے، اور ان میں کیا کیا اصلاحیں عمل میں آئیں، نیز یہ کہ تمام عالم کی اصلاح کے لیے اسلام نے کیا قانون مرتب کیا، اور کیونکر وہ تمام عالم کے لیے اور ہر زمانہ کے لیے کافی ہو سکتا ہے،

تیسرے حصہ میں قرآن مجید کی تاریخ، وجوہ اعجاز اور حقائق و اسرار سے بحث ہے،

چوتھے حصہ میں معجزات کی تفصیل ہے، قدیم سیرت کی کتابوں میں معجزات کا الگ باب باندھتے ہیں لیکن آجکل تو اس کو بالکل مستقل حیثیت سے لکھنے کی ضرورت ہے، کیونکہ معجزات کے ساتھ اصل معجزہ کی حقیقت اور امکان سے بحث کرنے کی ضرورت بھی پیش آگئی ہے، البتہ جن معجزات کی تاریخ اور سنہ متعین ہے، مثلاً معراج، یا تکثیرِ طعام وغیرہ ان کو اس سنہ کے واقعات میں لکھدیا ہے،

پانچواں حصہ خاص یورپین تصنیفات کے متعلق ہے، یعنی یورپ نے آنحضرت

(صلی اللہ علیہ وسلم) اور مذہبِ اسلام کے متعلق کیا لکھا ہے؟ ان کا سرمایۂ معلومات کیا ہے؟ تاریخی واقعات میں وہ کیونکر غلطیاں کرتے ہیں؟ مسائلِ اسلام کے سمجھنے میں ان سے کیا کیا غلطیاں ہوئیں؟ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق و عادات یا مسائلِ اسلام پر جو نکتہ چینیاں کی ہیں اُن کے جوابات،

یہ ضرور نہیں کہ یہ حصے اسی ترتیب سے شائع ہوں، بلکہ جس حصہ کی تیاری کے سامان فراہم ہو جائیں گے اور مرتب ہو جائے گا، وہ شائع کر دیا جائے گا،

استناد اور حوالے

تاریخ اور روایت میں حوالہ اور استناد سب سے مقدم چیز ہے، اسلیے اس کے متعلق چند ضروری امور بیان کر دینے ضرور ہیں،

(۱) صرف ان ہی کتابوں کا حوالہ دیا ہے جو خود میری نظر سے گذری ہیں،

(۲) جو واقعات کسی قدر اہم ہیں، ان کے متعلق صرف صحیح حدیثوں یا مستند تاریخی روایتوں کا حوالہ دیا ہے، لیکن عام واقعات یا غزوات کے متعلق جزئیات کی تفصیل میں محدثانہ کد و کاوش نہیں کی ہے،

(۳) مطبوعہ کتابوں کے حوالہ میں مطبع کا نام بتا دیا گیا ہے، قلمی کتابوں کے متعلق تصانیفِ سیرت کی فہرست جو اوپر گذر چکی ہے، اس میں بتا دیا ہے کہ ہمارے استعمال میں کونسا نسخہ تھا،

وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ أُنِيبُ

عرب

وجہ تسمیہ عرب کی وجہ تسمیہ کے متعلق مختلف رائیں ہیں، اہلِ لغۃ کہتے ہیں کہ عرب اور اعراب کے معنی فصاحت اور زبان آوری کے ہیں، اور چونکہ اہل عرب اپنی زبان آوری کے سامنے تمام دنیا کو ہیچ سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے اپنے آپ کو "عرب" اور دنیا کی اور تمام قوموں کو عجم (ژولیدہ بیان) کہہ کر پکارا،

بعض کی رائے ہے کہ عرب اصل میں عربۃ تھا، قدیم اشعار میں عرب کے بجائے عربۃ آیا ہے،

ورجّت، باحة العربات رجّاً ترقرق فی مناکبها الدماءُ

وعربة ارضٌ جدّ فی الشر اهلها کما جدّ فی شرب النقاخ ظماءُ

وعربةُ ارضٌ ما یحلّ حرامها من النّاسِ الا اللّوذعیّ الحلاحلُ

عربۃ کے معنی سامی زبانوں میں دشت اور صحرا کے ہیں، اور چونکہ عرب کا بڑا حصہ دشت و صحرا ہے، اس لیے تمام ملک کو عرب کہنے لگے،

جغرافیہ عرب کے حدود اربعہ یہ ہیں،

مغرب۔ بحیرۂ قلزم

مشرق۔ خلیجِ فارس اور بحرِ عمان،

جنوب ۔ بحر ہند ۔

شمال ۔ کی حدود بہت مختلف فیہ ہیں بعض ممالک حلب اور فرات تک اس کی حدود کو وسعت دیتے ہیں،

سینا کا جزیرہ نما جس کا نام التیہ ہے، اکثر مصنفینِ عرب و یورپ اس کو مصر میں شمار کرتے ہیں لیکن جیالوجی کی رو سے وہ عرب سے تعلق ہے،

عرب کی پیمایش باقاعدہ اب تک نہیں ہوئی، تاہم اس قدر یقینی ہے کہ وہ جرمن اور فرانس سے چوگنا زیادہ وسیع ہے، طول تقریباً پندرہ سو، عرض چھ سو میل، اور مجموعی رقبہ بارہ لاکھ میل مربع ہے،

ملک کا بڑا حصہ ریگستان ہے، پہاڑوں کا جال تمام ملک میں پھیلا ہوا ہے، سب سے بڑا طویل السلسلہ پہاڑ جبل السراۃ ہے، جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر شمال میں شام تک چلا گیا ہے، اس کی سب سے اونچی چوٹی آٹھ ہزار فیٹ بلند ہے، بعض حصے زرخیز اور شاداب بھی ہیں،

چاندی اور سونے کی کانیں کثرت سے ہیں، علامہ ہمدانی نے "صفۃ جزیرۃ العرب" میں ایک ایک کان کا نشان دیا ہے، قریش جو تجارت کیا کرتے تھے، مورخین نے لکھا ہے زیادہ تر ان کا مالِ تجارت چاندی ہوتی تھی، برٹن صاحب نے مدین کی طلائی معادن پر خاص ایک کتاب لکھی[1] ہے،

---

[1] Gold mines of medion

قدیم تاریخ کے ماخذ اسلام سے قبل عرب کی تاریخ کے ماخذ حسب ذیل ہیں،

(۱) زمانۂ جاہلیۃ کی بعض تصنیفات، جو سلاطین حیرۃ کے کتب خانہ میں محفوظ تھیں اور جو ابن ہشام کو ہاتھ آئی تھیں اور جن کا ذکر علامۂ موصوف نے کتاب التیجان میں کیا ہے،

(۲) زبانی روایتیں جو قدیم سے چلی آتی تھیں، عرب کا حافظہ نہایت قوی تھا یہاں تک کہ آج اشعار جاہلیت کا جو وسیع ذخیرہ موجود ہے، اسلام کے زمانہ تک زبانی ہی روایت ہوتا چلا آتا تھا، اس بنا پر عرب کی قدیم تاریخ کا کافی سرمایہ محفوظ تھا، عرب کی جو قومیں معدوم ہو چکیں، مثلاً طسم، جدیس، عاد، ثمود، ان کے متعلق بھی اس قدر تاریخی روایتیں محفوظ تھیں کہ ان کے ذریعہ سے مورخین اسلام، عرب کی تاریخ قدیم پر متعدد تصنیفات مرتب کر سکے، مثلاً ہشام کلبی نے طسم، جدیس، تبابعۂ یمن اور دیگر سلاطین عرب پر متعدد کتابیں لکھیں، جن کا ذکر ابن الندیم نے فہرست صفحہ ۹۶ میں کیا ہے،

(۳) اشعار جاہلیت، جن میں سے اکثر سلاطین اور اقوام اور عمارات عرب کا ذکر ہے، یہ اشعار صفۃ جزیرۃ العرب اور معجم البلدان میں کثرت سے موجود ہیں، ان ہی قدیم ماخذوں سے علامۂ ہمدانی نے اپنی کتاب "اکلیل"[1] مرتب کی ہے، جس کا آٹھواں باب خاص سلاطین حمیر کے آثار قدیمہ اور حمیری کتبات پر مشتمل ہے،

(۴) یورپ کی قدیم تصنیفات، مثلاً مصنفین یونان نے ہیرو ڈوٹس (جو حضرت عیسیٰؑ سے چار سو برس قبل تھا) سے لیکر بطلیموس تک بہت سے قبائل عرب کے نام لکھے ہیں،

[1] اس کتاب کا ذکر نہایت تفصیل کے ساتھ طبقات الامم (مطبوعۂ بیروت) میں ہے،

اور ان کی آبادیوں کے نام بھی بتائے ہیں، رومن مورخ پلینی نے بھی عرب کے متعلق لکھا ہی، گو نہایت مختصر ہے،

(۵) عرب کی قدیم ویران شدہ عمارتوں کے کتبات جو قدماے اسلام نے دریافت کیے تھے اور جو آجکل یورپ نے نہایت کثرت سے مہیا کیے ہیں،

عرب کے اقوام و قبائل له مورخینِ عرب نے اقوام و قبائلِ عرب کو تین حصوں پر منقسم کیا ہے:

عرب بائدہ یعنی عرب کے قدیم ترین قبائل جو اسلام سے بہت پہلے فنا ہو چکے تھے،

عرب عاربہ بنو قحطان جو عربِ بائدہ کے بعد عرب کے اصلی باشندے تھے، اور جن کا اصلی مسکن ملکِ یمن تھا،

عرب مستعربہ بنو اسمٰعیل یعنی حضرت اسماعیلؑ کی اولاد جو حجاز میں آباد تھی،

ظہورِ اسلام کے وقت بنو قحطان اور بنو اسماعیل جن کو عدنانی قبائل بھی کہتے ہیں، ملک کے اصلی باشندے تھے، اور ان کے علاوہ خال خال یہودیوں کی آبادی تھی، اس بنا پر درحقیقت ملک عرب اس وقت تین مختلف عناصر سے مرکب تھا، ہر عنصر کا قوام بے شمار قبائل و فروع سے تھا، جو یمن سے شام تک ہر قطعہ زمین میں پھیلے ہوئے تھے، ان کی پھر مختلف چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں، چونکہ اس کتاب میں اکثر ان کے نام آئیں گے، اس بنا پر ان کا ایک مختصر خاکہ درج ذیل ہے،

له یہاں سے عرب کی قدیم حکومتوں تک زیادہ تر
ر س

بنو قحطان

اس خاندان کی تین بڑی شاخیں ہیں،

(۱) قضاعہ (۲) کہلان (۳) ازد حمیر بھی اسی کی شاخ ہے، جو یمن کے فرمانروا تھے، لیکن واقعات کو ان سے کوئی تعلق نہیں۔

(۱) قبائلِ قضاعۃ، عام علمائے انساب قضاعۃ کو بنو قحطان میں داخل کرتے ہیں، اور ہم بھی یہاں ان کی پیروی کرتے ہیں، ورنہ از روئے تحقیق وہ بنو اسمٰعیل ہیں، بہرحال ان کی حسب ذیل شاخیں ہیں۔

بنو کلب، بنو تنوخ، بنو جرم، بنو جہینہ، بنو نہد، بنو عذرہ، بنو اسلم، بلی، سلیح، ضجعم، تغلب، نمر، اسد، تیم اللات، کلب۔

(۲) کہلان،

بجیلہ، خثعم، ہمدان، کندہ، مذحج، طے، لخم، جذام، عاملہ،

(۳) ازد، انصار اسی کی شاخ تھے،

اوس، خزرج، خزاعۃ، غسان، دوس

مشہور عدنانی قبائل جن کا آخری مقسم مضر ہے، حسبِ ذیل ہیں، قبائلِ مضر اولاً بنی خندف اور بنو قیس دو خاندانوں پر منقسم ہیں۔

ا۔ خندف

ہذیل، کنانہ، اسد، ضبہ، مزینہ، رباب، تمیم، ہون،

ان میں سے ہر ایک کے متعدد فروع ہیں،

اصول	فروع
کنانہ	قریش، دول
ہون	قارہ
رباب	عدی، تیم، عکل، ثور
تمیم	مقاعس، قریع، بہدلہ، یربوع، ریاح، ثعلبہ، کلیب

۲۔ قیس

عدوان، غطفان، اعصر، سلیم، ہوازن،

ان میں بعض کے فروع یہ ہیں،

غطفان	عبس، ذبیان، فزارہ، مرہ
اعصر	غنی، باہلہ
ہوازن	سعد، نصر، جشم، ثقیف، سلول، بنو عامر (عامر کی شاخیں بنو ہلال، بنو نمیر، بنو کعب ہیں)

یہود

بنو قینقاع، بنو نضیر، بنو قریظہ

بنو قحطان و آلِ اسماعیل نے اسلام سے پہلے متعدد حکومتیں قائم کی تھیں جن کے جستہ واقعات کہیں ملتے ہیں)

عرب کی قدیم حکومتیں کتبوں اور دیگر مورخین کی تصریحوں سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں پانچ متمدن سلطنتیں گذریں،

(۱) معینی،	معین یمن میں ایک مقام کا نام ہے، جو کسی زمانہ میں سلطنت کا پایہ تخت تھا،
(۲) سبائی،	یعنی قوم سبا،
(۳) حضرموتی	حضرموت، یمن کا مشہور مقام ہے،
(۴) قتبانی	قتبان، عدن میں ایک مقام ہے جو آجکل گمنام ہے
(۵) نابتی	حضرت اسمٰعیلؑ کے ایک بیٹے کا نام نابت تھا، یہ سلسلہ ان ہی کی طرف منسوب ہے

معینی سلطنت، جنوبی عربستان میں تھی، اس کے صدر مقامات قرن اور معین تھے، کتبوں سے تقریباً پچیس حکمرانوں کا پتہ چلتا ہے، محققین یورپ میں اختلاف ہے کہ معینی اور سبائی حکومتیں ہم زمان تھیں یا متقدم و متاخر، گلازر کا خیال ہے کہ معینی حکومت بہت متقدم ہے، اور حضرت عیسیٰؑ سے پندرہ سو برس قبل موجود تھی، لیکن مولر کا بیان ہے کہ کوئی معینی کتبہ آٹھ سو برس قبل مسیحؑ سے پہلے کا نہیں ملتا، اس بنا پر سبائی اور معینی دونوں ہمعصر ہیں،

سبائی دور، جیسا کہ کتبوں سے ثابت ہوتا ہے، حضرت عیسیٰؑ سے سات سو برس قبل ہے، اس سلطنت کا پایہ تخت مآرب تھا، اس زمانہ کے سنگی کتبے بہ کثرت موجود ہیں، حضرت عیسیٰؑ سے ایک سو پندرہ برس قبل تک اس حکومت کا پتہ چلتا ہے، اس دور کے

بعد حمیر کا زمانہ ہے، حمیر نے آرب پر قبضہ کرکے اس کو پائے تخت بنالیا،

قریباً ۱۱۵ سنہ قبل مسیح میں حمیر نے سبائی حکومت پر قبضہ کرلیا، کتبوں سے ثابت ہوتا ہے کہ حمیر میں چھبیس فرماں روا گذرے، حمیر کے بعض کتبوں میں سنہ و سال بھی کندہ ہے، ان کے عہد حکومت میں رومی سلطنت نے عرب میں مداخلت کرنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ کوشش پہلی بھی تھی اور آخری بھی، اے لیس گالس، جس نے حضرت عیسیٰؑ سے ۱۸ برس قبل عرب پر چڑھائی کی تھی، بالکل ناکامیاب رہا، اس کے رہبر دغابازی سے اس کو صحرا میں لے گئے اور ریگستان میں پہنچ کر اس کا سارا لشکر تباہ ہوگیا،[ل]

حمیر نے یہودی مذہب قبول کرلیا تھا، اسی زمانہ کے قریب حبشیوں نے عرب کے جنوب میں حکومت قائم کرنا شروع کی، اور ایک زمانہ میں حمیریوں کو شکست دے کر اپنی مستقل حکومت قائم کرلی، اس عہد کا ایک کتبہ جو آجکل ہاتھ آیا ہے، اس پر یہ الفاظ ہیں:-

"رحمان، مسیح اور روح القدس کی قدرت و فضل و رحمت سے اس یادگاری پتھر پر ابرہہ نے کتبہ لکھا جو کہ بادشاہ حبش ارحمیس ذبی ان کا نائب الحکومتہ ہے"

سبا اور حمیر کی عظمت اور اقتدار اور وسعت فتوحات کی روایتیں عرب میں اس قدر متواتر ہیں کہ ان کے قدر مشترک سے انکار نہیں کیا جا سکتا، اشعار میں بھی کثرت سے واقعات مذکور ہیں، عربوں کے خیال کے موافق سلاطین حمیر نے ایران کے انتہائی مقامات فتح کرلیے

[ل] یہ تمام تفصیل انسائیکلوپیڈیا کے اس آرٹکل سے ماخوذ ہے جو جی ڈبلو تھیاچر صاحب نے عرب پر لکھا ہے، نیز لٹریری ہسٹری آف دی عربس مؤلفہ رینالڈ نکلسن پروفیسر کیمبرج صفحہ ۴ سے تا ۶

تھے، ذوالقرنین جس کو عوام سکندر کہتے ہیں، اہل عرب کے نزدیک اسی حمیری خاندان کا فرمانروا تھا، شاہ نامہ میں مذکور ہے کہ کیکاؤس کو شاہ ہاماوران نے گرفتار کر لیا تھا، علامہ ثعلبی نے تاریخ ایران میں (جو اب یورپ میں چھپ کر شائع ہو گئی ہے) لکھا ہے کہ یہ ہاماوران حمیر کا بادشاہ تھا، اور ہاماوران دراصل وہی عربی حمیر ہے، علامہ موصوف نے یہ بھی لکھا ہے کہ سودابہ جو کیکاؤس کی زوجہ تھی، اور فردوسی کے بیان کے موافق سیاوش پر عاشق ہو گئی تھی، اسی حمیری بادشاہ کی بیٹی تھی، اور اس کا اصلی نام سُعدیٰ تھا، ایرانیوں نے اپنے تلفظ میں اس کو سودابہ کر لیا تھا،

یورپ کی تحقیقاتِ حال سے بھی سبا اور حمیر کے اعلیٰ درجہ کے تمدن کا ثبوت ملتا ہے، پروفیسر نولدیکی جرمنی کا مشہور مستشرق لکھتا ہے:۔

"ولادتِ مسیحؑ سے ہزار سال قبل جنوبی و غربی عرب یعنی یمن جو حمیر اور سبا کا ملک تھا، اور جو اپنی بارشِ گرما کے باعث زراعت کے لیے نہایت موزوں تھا، تمدن کے اس درجہ تک پہنچ چکا تھا کہ اس کے کثیر التعداد کتبات اور شاندار عمارات کے آثار سے بھی ہمارے جذباتِ مدح و ستایش کو تحریک ہوتی ہے، اور اہل یونان و روم نے اس کو "دولتمند عرب" کا جو لقب دیا تھا وہ بیجا نہ تھا.......................... توراۃ میں متعدد عبارتیں ہیں جو سبا کی عظمت و شوکت کی شہادت دیتی ہیں، چنانچہ ملکۂ سبا کا سلیمان سے ملاقات کا قصہ خاص طرح پر قابل ذکر ہے (۱۔ سلاطین ۱۰۔ آیت ۱ تا ۱۰) قوم ثمود جن کی عمارات سے ڈاوٹی اور یوٹنگ کی محنتوں نے ہم کو روشناس کر دیا ہے، نیز قوم نابت نے جو ثمود سے بہت ملتی جلتی ہے، اپنے تمدن کی ابتدائی تعلیم غالباً ان ہی سے

حاصل کی ہے۔"

کتابت کا فن جو سبائیوں نے بہت ابتدائی زمانہ میں شمال سے لیا تھا، اب اس کو خود انھوں نے عرب کے اکثر حصوں میں ہر طرح کے کاروبار میں جاری کر دیا، یہانتک کہ ایک طرف دمشق اور دوسری جانب ابی سینیا تک اس کو پھیلا دیا۔"[1]

نابتی حکومت، جو شام کے حدود سے متصل تھی، اور جو قوم ثمود کی مرادف، یا اُن کی قائم مقام تھی، اس کی نسبت فارسٹر صاحب اپنے جغرافیہ میں لکھتے ہیں:۔

ان مختصر بیانات سے معلوم ہوا ہوگا کہ زمانۂ قدیم میں نابت کا نام اور اثر نہ صرف ریگستانی اور صحرائی عرب پر مستولی تھا، بلکہ حجاز و نجد کے صوبہائے عظیمہ پر بھی حاوی تھا، نابتی جہاں ایک طرف منافع تجارت سے بہرہ اندوز ہونے میں کمال رکھتے تھے، وہاں دوسری طرف بطور سچے بنو اسمٰعیل کے خطرات جنگ کے لیے بالکل مستعد رہتے تھے، فلسطین و شام میں ان کی غارت گریوں اور خلیج عرب میں مصری جہازات پر اُن کی رہزنی نے بار ہا تاجدارانِ مقدونیہ کو اُن کی دشمنی پر آمادہ کر دیا، لیکن روما کی مجموعی قوت سے پیشتر کوئی شے انھیں روک نہ سکی، اور روما کی اطاعت بھی انھوں نے اسٹرابو کے زمانہ میں بالکل مجبورانہ اور مشتبہ انداز سے قبول کی۔"[2]

یہ قدیم سلطنتوں کا حال تھا، اسلام کے قبل یہ تمام سلطنتیں برباد ہو چکی تھیں، ان کے

[1] مورخین کی تاریخ عالم جلد ۸ یعنی ہسٹوریس ہسٹری آف ورلڈ، تمہیدی آرٹکل نوشتہ پروفیسر نولڈیکی صفحہ ۵،

[2] تاریخی جغرافیۂ عرب از ریورنڈ فارسٹر جلد اول از صفحہ ۲۲۰ تا ۲۲۸،

بجائے یمن میں صرف بڑے بڑے سردار رہ گئے تھے، جن کو قیل یا مقول کہتے تھے، عراق میں آلِ منذر کا خاندان قائم تھا، جو فارس کے زیر اثر تھا، خورنق اور سدیر عرب کی مشہور عمارتیں اسی سلسلہ کی یادگار ہیں، شام کے حدود میں غسانی خاندان فرمانروا تھا، جو قیصران روم کا ماتحت تھا، اور جس کا اخیر فرمانروا جبلہ بن الایہم غسانی تھا،

تہذیب و تمدن

تہذیب و تمدن کے لحاظ سے عرب کے مختلف حصے بالکل مختلف حالت رکھتے تھے، مانسیو لیبان[1] فرناوی نے اصولِ عمران کی بنا پر یہ رائے ظاہر کی ہے کہ "اسلام سے پہلے عرب کا تمدن کسی زمانہ میں اوجِ کمال تک پہنچ چکا تھا، کیونکہ اصولِ ارتقاء کے رو سے کوئی قوم محض وحشت کی حالت سے دفعۃً اعلیٰ درجہ کی تہذیب و تمدن تک نہیں پہنچ سکتی"،

یہ ایک قیاسی استدلال ہے، تاریخ سے بھی اس قدر ضرور ثابت ہوتا ہے کہ عرب کے بعض حصے مثلاً یمن کسی زمانہ میں انتہا درجہ کی ترقی تک پہنچ چکے تھے، یورپ کے محققینِ آثارِ قدیمہ جنھوں نے یمن کے آثار قدیمہ کی تحقیقات کی ہے، اور پرانے کتبوں کو پڑھا ہے، وہ یمن کی قدیم تہذیب و تمدن کا اعتراف کرتے ہیں،

صنعا اور قلیس کے ذکر میں، یاقوت حموی نے معجم میں قدیم آثار عجیبہ کا تذکرہ کیا ہے اور گو اس میں بہت کچھ مبالغہ بھی ہے، تاہم اصلیت کا حصہ بھی کچھ کم نہیں،

اسی طرح عرب کے وہ مقامات جو ایران اور شام سے متصل تھے، مثلاً حیرہ جو آلِ نعمان کا پایہ تخت تھا، اور حوران جو خاندانِ غسان کا صدر مقام تھا، تہذیب و تمدن سے خالی نہ تھے،

[1] تمدنِ عرب

مورخینِ عرب کا دعویٰ ہے کہ یمن نے ایک زمانہ میں اس حد تک ترقی کی تھی کہ وہاں کے سلاطین نے تمام ایران فتح کرلیا تھا، چنانچہ سمرقند کی وجہ تسمیہ یہ بتاتے ہیں کہ یمن کا ایک بادشاہ جس کا نام شمر تھا، اس نے سمرقند کو کھدوا کر برباد کردیا تھا، اس بنا پر ایرانی اس مقام کو شمر کند کہنے لگے، پھر معرب ہوکر سمرقند ہوگیا،

عظیم الشان قلعوں اور عمارتوں کے آثار، جو اب بھی کچھ کچھ باقی ہیں، اس بات کی قطعی شہادت دیتے ہیں کہ اس ملک میں کبھی اعلیٰ درجہ کا تمدن موجود تھا، علامہ ہمدانی نے اکلیل میں تمام آثار قدیمہ کا ذکر کیا ہے، چنانچہ صفۃ جزیرۃ العرب[1] میں لکھتے ہیں،

المشھور من محافد الیمن و	یمن کے مشہور قدیم قصر اور ایوان جن کا ذکر
قصورھا القدیمۃ التی ذکرھا	اہلِ عرب نے اشعار اور امثال میں کیا ہے
العربُ فی الشعر والمثلِ.....	..........کثرت سے ہیں، اور
کثیرۃ الذی فیھا من الشعر بابٌ	اُن کے متعلق اشعار کا ایک دفتر ہے،
واسع وقد جمع ذٰلک کلہ الکتابُ	اکلیل کے آٹھویں باب نے ان سب کو
الثامن من الاکلیل،	جمع کردیا ہے،

اس کے بعد مصنف نے لکھا ہے کہ میں اس موقع پر صرف اُن کے نام گنا دیتا ہوں، اور وہ یہ ہیں،

غُمدان، بُلغم، ناعِط، صِرواح، سَلحِین، ظَفار، ھکر، ضَھر، شِبام، غیمان
بینون، ریام، براقش، معین، رَوثان، ارباب، ھِند، ھنیدہ، عمران، نجیر

[1] ج ۱ ص ۲۰۳ "س"

ان میں سے غمدان اور ناعط کا حال معجم البلدان میں تفصیل سے مذکور ہے، اور اس کی عظمت و رفعت کے متعلق ایسی باتیں نقل کی ہیں جن پر ایشیائی مبالغہ کا دھوکا ہوتا ہے، سلحین کی نسبت لکھا ہے کہ ستر برس میں تعمیر ہوا، شبام کے حال میں لکھا ہے:

لهم فيه حصون عجيبة هائلة — ان میں اُن کے متعدد وہیبت انگیز قلعے ہیں،

قلعہ ناعط وہب بن منبہ کے زمانہ تک موجود تھا، اس کے ایک کتبہ کو محدث موصوف نے پڑھا تو معلوم ہوا کہ سولہ سو برس کی تعمیر ہے، آجکل یورپ کے محققین نے ان مقامات پر جاکر جو تحقیقات کی ہے، اس سے بھی حیرت انگیز تمدن کی تصدیق ہوتی ہے، تھیاچر صاحب اپنے آرٹکل میں لکھتے ہیں[1]:-

"جنوبی عربستان میں، جہاں حضرت عیسیٰؑ سے صدیوں پہلے ایک ترقی یافتہ تمدن موجود تھا قلعوں اور شہر پناہوں کے آثار ابتک موجود ہیں، اور ان کا ذکر متعدد سیاحوں نے کیا ہے...... یمن اور حضرموت میں یہ آثار کثرت سے ہیں، اور اکثروں پر ابتک کتبے موجود ہیں...... صنعاء کے قریب ایک قلعہ تھا جس کو قزوینی نے آثار البلاد میں دنیا کے عجائب ہفت گانہ میں سے ایک قرار دیا ہے، (دیگر قلعوں کے لیے دیکھو جنرل جرمن اورنٹیل سوسائٹی جلد ۱۰ صفحہ ۲۰ سے آگے) مارب جو قدیم سبائی دار السلطنت تھا، اس کے آثار قدیمہ کو ارنو، ہالیوے اور گلازر نے دیکھا ہے،

مارب کے مشہور آثار میں سے ایک بڑی خندق کے آثار باقی ہیں، ان کو دیکھکر عدن کے

---

[1] دیکھو انسائیکلوپیڈیا مضمون "عرب"

دوبارہ تعمیر شدہ حوض یاد آتے ہیں، ان کی اہمیت اس وقت ظاہر ہوئی جب گلازر نے وہ دو طویل الذیل کتبے شائع کیے جن میں ان کے عیسوی قرن پنجم و ششم میں دوبارہ تعمیر کا ذکر ہے یمن میں بمقام حران ایک دور خندق ہے جس کا طول تقریباً چار سو پچاس فیٹ ہے۔"

لیکن عرب کے اصلی اور اندرونی مقامات میں تہذیب و تمدن کی یہ حالت نہ تھی، عربی زبان نہایت وسیع ہے، باوجود اس کے جن چیزوں کو تمدن اور اسباب معاشرت سے تعلق ہے، ان کے لیے خاص عربی زبان میں الفاظ نہیں ملتے، بلکہ ایران یا روم سے مستعار آئے ہیں، سکہ کے لیے ایک لفظ بھی موجود نہیں، درہم اور دینار دونوں غیر زبان کے الفاظ ہیں، درہم یونانی لفظ درخم ہے، اور یہ وہی لفظ ہے جو انگریزی میں ڈرام ہو گیا ہے، چراغ معمولی چیز ہے، تاہم اس کے لیے عربی میں کوئی لفظ نہ تھا، چراغ کو لے کر سراج کر لیا، پھر ایک مصنوعی لفظ بنایا، مصباح یعنی ایک آلہ جس سے صبح بنائی جاتی ہے، کوزہ کے لیے کوئی لفظ نہیں، کوزہ کو کوز کر لیا ہے، لوٹے کو ابریق کہتے ہیں، جو آب ریز کا معرب ہے تشت فارسی لفظ تھا، اسی کو عربی میں طست کر لیا ہے، پیالہ کو کاس کہتے ہیں، وہ بھی کاسہ فارسی لفظ ہے، کرتہ کو عربی میں قرطق کہتے ہیں، یہ بھی فارسی ہے، پائجامہ کو سراویل کہتے ہیں، جو شلوار کی بگڑی ہوئی صورت ہے،

جب ایسی چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لیے لفظ نہ تھے تو تمدن کے بڑے بڑے سامان کے لیے کہاں سے لفظ آتے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب نے کسی زمانہ میں جو ترقی کی تھی، آس پاس کے ممالک کی تہذیب و تمدن سے متاثر ہو کر کی تھی، اس لیے

جو مقامات ان ممالک سے دور تھے، اُسی اصلی حالت پر رہ گئے،

احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک عیش و نعمت کے سامان بہت کم تھے، مسئلۂ حجاب کے شانِ نزول مین بخاری وغیرہ میں مذکور ہے کہ اس زمانہ تک گھروں میں جائے ضرور نہ تھی مستورات رفعِ حاجت کے لیے باہر جایا کرتی تھیں، ترمذی باب الفقر میں ہے کہ اس وقت تک چھلنیاں نہ تھیں، بھوسے کو پھونک کر اڑاتے تھے، جو رہ جاتا تھا، وہی آٹا ہوتا تھا، بخاری کی ایک حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ راتوں کو گھروں میں چراغ نہیں جلتے تھے، ابوداؤد مین ایک صحابی کی روایت ہو کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت مین تھا لیکن میں نے آپ سے حشرات الارض [1] کا حرام ہونا نہیں سنا [2]، اگرچہ اس حدیث کی شرح میں محدثین لکھتے ہیں کہ ایک راوی کے نہ سننے سے یہ لازم نہیں آتا کہ واقع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حشرات الارض کی حرمت نہیں بیان کی، لیکن اس سے اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے عرب حشرات الارض کھاتے تھے، تاریخ اور ادب میں بہ تصریح موجود ہے کہ عرب کھنکھجورا، گوہ، گرگٹ، سہی اور جانوروں کا چمڑا کھاتے تھے،

عرب کے مذاہب

عرب میں اسلام سے پہلے مختلف مذاہب تھے، بعضوں کا خیال تھا کہ جو کچھ ہے، زمانہ یا فطرت (قانونِ قدرت) ہے، خدا کوئی چیز نہیں، ان ہی لوگون کی نسبت قرآن مجید میں ہے،

[1] حشرات الارض کیڑے مکوڑے کو کہتے ہیں [2] ابوداؤد جلد دوم صفحہ (۱۸۶) باب فی اکل حشرات الارض

وَقَالُوا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا	اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ جو کچھ ہے یہی ہماری دنیا
نَمُوْتُ وَنَحْيٰى وَمَا يُهْلِكُنَا	کی زندگی ہے، ہم مرتے اور جیتے ہیں اور
اِلَّا الدَّهْرُ (جاثیہ - ۳)	ہم کو مارتا ہے تو زمانہ مارتا ہے،

بعض خدا کے قائل تھے لیکن قیامت اور جزا و سزا کے منکر تھے، ان کے مقابلہ میں قرآن مجید نے قیامت کے ثبوت پر اس طرح استدلال کیا ہے

قُلْ يُحْيِيهَا الَّذِيْ اَنْشَاَهَا	کہدو کہ ہڈیوں کو وہی دوبارہ زندہ
اَوَّلَ مَرَّةٍ، (یٰسین - ۵)	کرے گا جس نے پہلی دفعہ پیدا کیا تھا،

بعض خدا، اور جزا و سزا کے بھی قائل تھے لیکن نبوت کے منکر تھے، ان کا ذکر اس آیت میں ہے،

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ	اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے کہ
يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي	کھاتا پیتا ہے، اور بازاروں میں چلتا پھرتا
الْاَسْوَاقِ (فرقان - ۱)	ہے،
قَالُوْا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا	اور کہتے ہیں کہ خدا نے آدمی کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے

ان کا خیال تھا کہ اگر کوئی پیغمبر ہو سکتا ہے تو اس کو فرشتہ ہونا چاہیے، جو حاجات انسانی سے منزہ ہو، لیکن عموماً لوگ بت پرست تھے، وہ بتوں کو خدا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ کہتے تھے کہ خدا تک پہنچنے کے وسیلے ہیں، [1]

---

[1] یہ تمام تفصیل "ملل ونحل" شہرستانی مذاہب عرب کے ذکر میں ہے،

مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (زمر-۱)

ہم ان بتوں کو صرف اس لیے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا سے قریب کر دیں،

قبیلۂ حمیر جو یمن میں رہتا تھا، آفتاب پرست تھا، کنانہ چاند کو پوجتے تھے۔ قبیلۂ بنی تمیم دبران کی عبادت کرتا تھا، اسی طرح قیس شعریٰ کی، قبیلۂ اسد، عطارد کی، اور لخم وجذام مشتری کی پرستش کرتے تھے،[1]

مشہور بتوں اور اُن کے پوجنے والوں کے نام حسب ذیل ہیں،[2]

نام بت	مقام	قبیلہ جو اس بت کو پوجتا تھا
لات	طائف	ثقیف
عزّیٰ	مکۂ معظمہ	قریش وکنانہ
منات	مدینۂ منورہ	اوس، خزرج، اور غسان
ودّ	دومۃ الجندل	کلب
سواع		ہذیل
یغوث		مذحج اور بعض قبائلِ یمن
یعوق		ہمدان

سب سے بڑا بت، ہبل تھا، جو کعبہ کی چھت پر منصوب تھا، قریش لڑائیوں میں اسکی جے پکارتے تھے،

[1] طبقات الامم، لابن صاعد الاندلسی مطبوعۂ بیروت ۱۹۱۲ء [2] بتوں کی تفصیل "ملل ونحل" میں ہے،

عرب میں بت پرستی کا بانی ایک شخص عمرو بن لحیٰ تھا، اس کا اصلی نام ربیعۃ بن حارثہ تھا، عرب کا مشہور قبیلہ خزاعہ اسی کی نسل سے ہے، عمرو سے پہلے جرہم کعبہ کے متولی تھے، عمرو نے لڑکر جرہم کو مکہ سے نکال دیا، اور خود حرم کا متولی ہوگیا، وہ ایک دفعہ شام کے کسی شہر میں گیا، وہاں کے لوگوں کو بت پوجتے دیکھا تو پوچھا کہ ان کو کیوں پوجتے ہو، انھوں نے کہا یہ حاجت روا ہیں، لڑائیوں میں فتح دلاتے ہیں، قحط پڑتا ہے تو پانی برساتے ہیں، عمرو نے چند بت ان سے لیے، اور لاکر کعبہ کے آس پاس قائم کیے، کعبہ چونکہ عرب کا مرکز تھا، اس لیے تمام قبائل میں بت پرستی کا رواج ہوگیا، ان میں سب سے قدیم بت مناۃ تھا، یہ سمندر کے کنارے قدید کے قریب نصب تھا، اوس و خزرج یعنی مدینہ کے لوگ اسی پر قربانی چڑھاتے تھے، اور جب کعبہ کا حج کرکے آتے تھے، تو احرام یہیں اتارتے تھے، ہذیل اور خزاعہ بھی اس کی پرستش کرتے تھے،[1]

یاقوت حموی نے معجم البلدان (ذکر مکہ) میں لکھا ہے کہ عرب میں بت پرستی کی عام اشاعت کی وجہ یہ ہوئی کہ قبائل عرب جو تمام اطراف سے حج کو آتے تھے، واپس جاتے ہوئے حرم کے پتھروں کو اٹھا لیتے تھے، اور ان کو اصنام کعبہ کی صورت پر تراش کر ان کی عبادت کرتے تھے،

اللہ کا اعتقاد عرب گو قریباً سب کے سب بت پرست تھے لیکن اس کے ساتھ یہ اعتقاد ان کے دل سے کبھی نہیں گیا کہ اصلی خدا سب سے برتر اور چیز ہے، اور وہی تمام عالم کا خالق ہے،

[1] یہ تمام تفصیل معجم البلدان ذکر منات میں ہے،

اس خالقِ اکبر کو وہ "اللہ" کہتے تھے۔ قرآن مجید میں ہے،

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	اور اگر ان لوگوں (کافروں) سے پوچھو کہ آسمان
وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ	اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو
لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ فَاَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ	کس نے تابعدار بنا رکھا ہے تو بول اٹھیں گے کہ "اللہ"
(عنکبوت - ۶)	پھر کدھر بہکے جا رہے ہیں،
فَاِذَا رَكِبُوْا فِى الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ	پھر جب یہ کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو خدا ہی کو
مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ، فَلَمَّا نَجّٰهُمْ	خلوص کیساتھ پکارتے ہیں، پھر جب خدا اُن کو نجات
اِلَى الْبَرِّ اِذَا هُمْ يُشْرِكُوْنَ (عنکبوت-۷)	دیکر خشکی کی طرف پہنچا دیتا ہے تو شرک کرنے لگتے ہیں"

قرآن مجید نے تیرہ سو برس پہلے جس حقیقت کا اظہار کیا، آج تحقیقاتِ آثار قدیمہ بھی اس کی تصدیق کرتی ہے، مذاہب و اخلاق کی انسائیکلو پیڈیا[1] میں مشہو مستشرق نولدیکی کا جو قول نقل کیا ہے، اس کے اقتباسات حسب ذیل ہیں،

"اللہ" جو صفا کے کتبوں میں "ھلہ" لکھا ہوا ہے، نباتی، اور دیگر قدیم باشندگانِ عرب شمالی کے نام کا ایک جزء تھا، مثلاً "زید اللہی"..... نباتی کتبات میں اللہ کا نام بطور ایک علیحدہ معبود کے نہیں ملتا، لیکن صفا کے کتبات میں ملتا ہے، متاخرین مشرکین میں اللہ کا نام نہایت عام ہے، ولہاسن نے عرب قدیم کے لٹریچر میں بہت سی عبارتیں نقل کی ہیں جن میں اللہ کا لفظ بطور ایک معبود اعظم کے مستعمل ہوا ہے، عجاتی کتبات میں ہم بار بار کسی دیوتا کا نام پاتے ہیں، جس کے ساتھ اللہ کا لقب شامل ہے، اس سے ولہاسن نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اللہ کا لقب جو پہلے مختلف

[1] ج ۱ ص ۳۶۴

معبودوں کے لیے استعمال ہوتا تھا، رفتہ رفتہ زمانۂ مابعد میں صرف ایک عظیم ترین معبود کے لیے بطور علم کے مخصوص ہوگیا"

نصرانیت اور یہودیت اور مجوسیت

اگرچہ زمانہ اور مدت کا تعین مشکل ہے لیکن یہ تینوں مذہب ایک مدت دراز سے عرب میں رائج ہو چکے تھے، علامہ ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا ہے کہ قبائلِ ربیعہ وغسان نصرانی تھے، قضاعۃ میں بھی اس مذہب کا اثر پایا جاتا تھا، نصرانیت کو اس قدر ترقی ہو چکی تھی کہ خود مکہ معظمہ میں ایسے لوگ موجود تھے (مثلاً ورقہ بن نوفل) جو عبرانی زبان میں انجیل پڑھ سکتے تھے، متعدد ایسے لوگ تھے جنھوں نے شام میں جاکر تعلیم پائی تھی،

حمیر، بنوکنانہ، بنوحرث بن کعب، کندہ یہ قبائل یہودی تھے، مدینہ منورہ میں یہود نے پورا غلبہ پالیا تھا، اور توراۃ کی تعلیم کے لیے متعدد درسگاہیں قائم تھیں، جن کو بیت المدراس کہتے تھے، حدیث کی کتابوں میں اسی نام سے ان کا ذکر آتا ہے، قلعۂ خیبر کی تمام آبادی یہودی تھی، امرا القیس کا ہمعصر مشہور شاعر سموئیل بن عادیا، جس کی وفاداری آج تک عرب میں ضرب المثل ہے، یہودی تھا،

اہلِ کتاب کی روایتیں مکہ معظمہ میں اس قدر رواج پا چکی تھیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جب قرآن نازل ہوتا تھا اور اس میں بنی اسرائیل کے واقعات مذکور ہوتے تھے، تو کفار بدگمانی کرتے تھے، کہ کوئی یہودی یا عیسائی آپ کو سکھاتا ہے، خود قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ	اور ہم جانتے ہیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ محمد
اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ بَشَرٌ (نحل۔۱۴)	کو کوئی آدمی سکھاتا ہے،

قرآن مجید مین اس خیال کا ابطال بھی کر دیا ہے، جس کی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی،

قبیلۂ تمیم مجوسی تھا، زرارہ تمیمی نے جو اس قبیلہ کا مشہور رئیس تھا، اسی بنا پر اپنی بیٹی سے شادی کر لی تھی، گو اس پر اس کو ندامت ہوئی، اقرع بن حابس بھی مجوسی تھا،[1]

مذہب حنیفی

دین ابراہیمی کا اُمّ الاصول توحید خالص تھی، زمانہ کے امتداد اور جہالت کے شیوع سے یہ اصول اگرچہ شرک آلود ہو گیا تھا، یہانتک کہ خود خانۂ خدا مین بتون کی پرستش ہوتی تھی، تاہم بالکل فنا نہین ہو سکتا تھا، عرب مین کہین کہین اس کا دھندلا سا نشان نظر آتا تھا، جو لوگ صاحبِ بصیرت تھے، ان کو یہ منظر نہایت نفرت انگیز معلوم ہوتا تھا کہ انسانِ عاقل، جمادِ لاتعقل کے سامنے سر جھکائے، اس بنا پر بت پرستی کی برائی کا خیال بہتون کے دل مین آیا لیکن اس کا تاریخی زمانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثت سے کچھ ہی پہلے شروع ہوتا ہے، ابن اسحاق[2] نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ کسی بت کے سالانہ میلہ میں ورقہ ابن نوفل، عبد اللہ بن حجش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل شریک تھے، ان لوگون کے دل میں دفعتہً یہ خیال آیا کہ یہ کیا بیہودہ پن ہے کہ ہم ایک پتھر کے آگے سر جھکاتے ہین، جو نہ سنتا ہے نہ دیکھتا ہے، نہ کسی کا نقصان کر سکتا ہے، نہ کسی کو فائدہ پہنچا سکتا ہے، یہ چارون قریش کے خاندان سے تھے، ورقہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے، زید حضرت عمرؓ کے چچا تھے، عبد اللہ بن حجش حضرت حمزہؓ کے بھانجے تھے، عثمان عبد العزیٰ کے پوتے تھے،

زید، دین ابراہیمی کی تلاش مین شام گئے، وہان یہودی اور عیسائی پادریوں سے ملے،

---

[1] معارف ابن قتیبہ [2] سیرت ابن ہشام مطبوعۂ مصر صفحہ ۷۶

لیکن کسی سے تسلی نہین ہوئی، اس لیے اجمالی اعتقاد پر اکتفا کیا کہ "مین ابراہیمؑ کا مذہب قبول کرتا ہون"، صحیح بخاری میں (باب بنیان الکعبہ سے پہلے) حضرت اسماءؓ (دختر ابوبکر صدیقؓ) سے روایت ہے کہ "مین نے زید کو اس حالت مین دیکھا کہ کعبہ سے پیٹھ لگائے لوگون سے کہتے تھے، اے اہلِ قریش! تم میں سے کوئی شخص بجز میرے، ابراہیمؑ کے دین پر نہین ہے"

عرب مین لڑکیون کو زندہ دفن کر دیتے تھے، زید ہی پہلے شخص ہین جس نے اس رسم کی ممانعت کی، جب کوئی شخص ایسا ارادہ کرتا تو جا کر اس لڑکی کو مانگ لیتے اور خود اس کی پرورش کرتے،

صحیح بخاری مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے زید کو دیکھا تھا، اور ان سے صحبت رہی تھی، ورقہ اور عبد اللہ بن جحش اور عثمان بت پرستی چھوڑ کر عیسائی ہو گئے تھے

اسی زمانہ کے قریب اُمیہ بن ابی صلت نے جو طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا بت پرستی کی مخالفت کی، حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ مین زبیر بن بکار کی سند سے لکھا ہے کہ امیہ نے زمانۂ جاہلیت مین آسمانی کتابین پڑھی تھین، اور بت پرستی چھوڑ کر دینِ ابراہیمی اختیار کر لیا تھا

امیہ کا دیوان آج بھی موجود ہے، اگرچہ اس کا بڑا حصہ جعلی ہے، تاہم اصلی کلام بھی اس میں پایا جاتا ہے، وہ غزوۂ بدر تک زندہ رہا، عتبہ جو رئیس مکہ اور امیر معاویہؓ کا نانا تھا، امیہ کا ماموں زاد بھائی تھا، امیہ نے اس کے قتل ہونے کی خبر سنی تو اس کو سخت صدمہ ہوا، اور نہایت پردرد مرثیہ لکھا، غالباً اسی کا اثر تھا کہ اسلام قبول نہ کر سکا،

شمائل میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم ردیف تھے،

انھوں نے امیہ کا ایک شعر پڑھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اور" انھوں نے سو شعر پڑھے، ہر شعر کے ختم ہونے پر آپ فرماتے جاتے تھے کہ "اور" اخیر میں آپ نے فرمایا کہ "امیہ مسلمان ہوتے ہوتے رہ گیا"،

ابن ہشام نے بت پرستی کی مخالفت کرنے والون مین ان ہی چارون کا نام لکھا ہے، لیکن اور تاریخی شہادتون سے ثابت ہوتا ہے کہ عرب مین اور متعدد اہل نظر پیدا ہو گئے تھے جنھون نے بت پرستی سے توبہ کی تھی، ان مین سب سے زیادہ مشہور شخص عرب کا نامور خطیب قس بن ساعدۃ الایادی ہے، اس کا تذکرہ آگے آتا ہے، ایک شخص قیس بن نشبہ تھا جس کی نسبت حافظ ابن حجر نے اصابہ مین لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ مین خدا پرست ہو چکا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت پر مشرف بہ اسلام ہوا،

یہ تحقیق نہیں کہ دین ابراہیمی کو حنیفی کیون کہتے ہین، قرآن مجید مین یہ لفظ موجود ہے، لیکن اس کے معنی مین اختلاف ہے، مفسرین لکھتے ہین کہ چونکہ اس دین مین بت پرستی سے انحراف تھا، اس لیے اس کو حنیفی کہتے ہیں، کیونکہ حنف کے معنی انحراف کے ہین، عبرانی اور سریانی[1] زبان مین حنیف کے معنی منافق اور کافر کے ہین، ممکن ہے کہ بت پرستون نے یہ لقب دیا ہو، اور موحدین نے فخریہ قبول کر لیا ہو،

یہ امر اکثر روایتون سے ثابت ہے کہ عرب اور خصوصاً مکہ اور مدینہ مین متعدد اشخاص بت پرستی کے منکر ہو گئے تھے، اور ملت ابراہیمی کی جستجو مین تھے، یہ اس لیے کہ مجدد ملت ابراہیمی

[1] یہ مارگولیوس کا بیان ہے،

کے ظہور کا وقت قریب آگیا تھا،

ان چند راہ طلب اور حقیقت جُو اشخاص کے وجود کی بنا پر مصنفینِ یورپ کہتے ہیں کہ مذہبِ صحیح اور توحید خالص کا رواج عام عرب میں اسلام سے پہلے بھی موجود تھا، لیکن اگر یہ صحیح ہے تو یہ حیرت انگیز بات ہے کہ اسلام کے ظہور پر اس قدر کیوں ہنگامہ برپا ہوا؟

کیا عرب میں ان مذاہب نے کچھ اصلاح کی

جیسا کہ اوپر بیان ہوا، عرب میں تمام مشہور مذاہب موجود تھے، یہودیت بھی، نصرانیت بھی، مجوسیت بھی، حنیفیت بھی، اور عقلی بلند پروازی کی معراج الحاد بھی، لیکن ان سب کا نتیجہ کیا تھا؟ عقائد کے لحاظ سے یا تو خداؤں کی وہ کثرت، جس کو نصرانیت نے بہت گھٹایا، تاہم تین کی تعداد سے کم نہ کر سکی، اس کے ساتھ یہ اعتقاد کہ حضرت عیسیٰؑ خود سولی پر چڑھ کر تمام بنی آدم کے گناہوں کا کفارہ بن گئے، یا توحید تھی، لیکن خدا اس قسم کا تھا، جو آدمیوں سے کشتی لڑتا تھا[1]،

بتوں پر آدمیوں کی قربانی چڑھائی جاتی تھی، باپ کی منکوحہ بیٹے کو وراثت میں ملتی تھی، حقیقی بہنوں سے ایک ساتھ شادی جائز تھی، ازدواج کی کوئی حد نہ تھی، قماربازی شراب خوری زناکاری، کا رواج عام تھا، بیحیائی کی یہ حالت تھی کہ سب سے بڑا نامور شاعر امرا القیس جو شہزادہ بھی تھا قصیدہ میں اپنی پھوپھی زاد بہن کے ساتھ اپنی بدکاری کا قصہ مزے لے لے کر بیان کرتا ہے، اور یہ قصیدہ کعبہ پر آویزاں کیا جاتا ہے،

لڑائیوں میں لوگوں کو زندہ جلا دینا، مستورات کا پیٹ چاک کر ڈالنا، معصوم بچوں

[1] توراۃ، تکوین، آیت ۲۲ تا ۲۹ میں حضرت یعقوبؑ کے خدا سے کشتی لڑنے کا واقعہ تفصیل سے مذکور ہے،

کو تہ تیغ کرنا عموماً جائز تھا، عیسائیون کے بیان کے مطابق عرب قبلِ اسلام تمام مذاہب مین سب سے زیادہ عیسائیت سے متاثر تھا، تاہم اس اثر کا کیا نتیجہ تھا؟ اس کو خود عیسائی مورخین کی زبان سے سننا چاہیے، ایک عیسائی مورخ لکھتا ہے:-

"عیسائیون نے عرب کو پانسو برس تعلیم و تلقین کی، اس پر بھی خال خال عیسائی نظر آتے تھے، یعنی بنو حارث نجران مین، بنو حنیف یمامہ مین اور کچھ بنی طے مین عیسائی تھے، باقی خیریت...

..... بالآخر عرب کو من حیث المذہب دیکھیے تو اس کی سطح پر عیسائیون کی ضعیف کوششون کی کچھ خفیف سی موجین لہراتی نظر آتی تھین، اور یہود کی قوت بھی کبھی بڑی شدت سے طغیانی کرتی نظر آتی تھی، لیکن بت پرستی اور بنو اسمٰعیل کے بیہودہ اعتقادات کا دریا ہر سمت سے جوش مارتا ہوا کعبہ سے آکر ٹکراتا تھا۔"[1]

یہ حالت صرف عرب کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ تمام دنیا میں یہی تاریکی چھائی ہوئی تھی (اس کی تفصیل کتاب کے دوسرے حصہ مین آئے گی) کیا اس عام ظلمت، اس عالمگیر تیرگی، اس وسیع اور ہمہ گیر تاریکی مین ایک آفتابِ عالمتاب کی حاجت نہ تھی؟

---

[1] میور صاحب کی لائف آف محمد (جلد ۱) دیباچہ،

سِلسلۂ اسماعیلی

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ مورخینِ عرب نے عرب کی تین قسمین کی ہین،

عرب کی وہ قدیم قومین جو بالکل برباد ہو گئین، مثلاً طسم و جدیس وغیرہ،

خالص عرب جو قحطان کی اولاد ہین، مثلاً اہلِ یمن اور انصار (و) تیسرا سلسلۂ اسمٰعیلی،

حضرت اسمٰعیلؑ جب مکہ مین آباد ہوئے تو حوالیِ مکہ مین بنو جرہم آباد تھے، حضرت اسمٰعیلؑ نے اس خاندان مین شادی کی، اس سے جو اولاد ہوئی وہ عرب مستعربہ کہلاتی ہے، اب عرب کا بڑا حصہ اسی خاندان سے ہے،

پیغمبرِ اسلام اور خود اسلام کی تاریخ تمامتر اسی اخیر سلسلہ سے وابستہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت اسمٰعیلؑ ہی کے خاندان سے ہین، اور جو شریعت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو عنایت ہوئی، وہی ہے جو حضرت ابراہیمؑ کو عطا ہوئی تھی، قرآن مجید مین ہے،

مِلَّةَ اَبِیْکُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰکُمُ	تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی[1] نے اس سے
الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ (وَفِیْ هٰذَا) حج۔۱۰	پہلے تمھارا نام مسلم رکھا اور اس قرآن مین بھی)

لیکن یورپ کے بہت سے متعصب مورخ سرے سے ان حقائق کے منکر ہین، یعنی نہ حضرت ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ عرب مین آئے، نہ انھون نے کعبہ کی بنیاد ڈالی، نہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت اسماعیلؑ کی اولاد ہین،

---

[1] اس کا مرجع بعض مفسرین نے حضرت ابراہیمؑ کو بنایا ہے اور بعض نے اللہ تعالیٰ کو اور یہی صحیح ہے جیسا کہ آیات سے صاف ظاہر ہے، "س"

چونکہ ان مباحث نے مذہبی تعصب کی صورت اختیار کر لی ہے، اس لیے یہ توقع مشکل ہے کہ ہم اس بحث کو اس طرح طے کر سکیں گے کہ استدلال کی بنیاد، یورپ کے مسلمات پر رکھی جائے،

جو واقعات مختلف فیہ ہیں بہت ہیں، لیکن اصولی امور صرف دو ہیں، جن میں دونوں فریق کا کوئی قدر مشترک نظر نہیں آتا، یہ اصول جس فریق کے موافق طے ہوں اس کے فرعی جزئیات بھی اسی کے موافق تسلیم کر لینے چاہئیں، اصول مذکورہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ حضرت ہاجرہؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ عرب میں آکر آباد ہوئے یا نہیں؟

۲۔ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی کرنا چاہا تھا، یا حضرت اسمٰعیلؑ کو؟

حضرت اسماعیل کہاں آباد ہوئے؟

یہود مدعی ہیں کہ حضرت اسحاقؑ ذبیح ہیں، اس بنا پر وہ قربانی کا موقع شام بتاتے ہیں، لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضرت اسحاق نہیں، بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ تھے، تو قربانی گاہ کے موقع کی نسبت عرب ہی کی روایتیں تسلیم کرنی پڑیں گی، اور اس حالت میں تاریخ کی تمام کڑیاں متصل ہو جائیں گی،

توراۃ میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پہلی اولاد حضرت ہاجرہؑ کے بطن سے ہوئی جس کا نام اسمٰعیل رکھا گیا حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد حضرت سارہؑ کے بطن سے حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے، حضرت اسمٰعیلؑ جب بڑے ہوئے تو حضرت سارہؑ نے یہ دیکھ کر کہ وہ حضرت اسحاقؑ کے ساتھ گستاخی کرتے ہیں، حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ ہاجرہؑ اور اس کے بیٹے کو گھر سے نکال دو، ان واقعات کے بعد توراۃ کے خاص الفاظ یہ ہیں:

"تب ابراہیمؑ نے صبح سویرے اٹھکر روٹی اور پانی کی ایک مشک لی، اور ہاجرہؑ کو اس کے کاندھے پر دھر کر دی، اور اس لڑکے کو بھی رخصت کیا، وہ روانہ ہوئی، بیر سبع کے بیابان مین بھٹکتی پھرتی تھی، اور جب مشک کا پانی چک گیا تب اس نے اس لڑکے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا، اور آپ اس کے سامنے ایک تیر کے ٹپے پر دور جا بیٹھی، کیونکہ اس نے کہا مین لڑکے کا مرنا نہ دیکھون، سو وہ سامنے بیٹھی اور چلا چلا کر روئی، تب خدا نے اس لڑکے کی آواز سنی، اور خدا کے فرشتہ نے آسمان سے ہاجرہ کو پکارا، اور اس سے کہا کہ اے ہاجرہؑ تجھکو کیا ہوا، مت ڈر کہ اس لڑکے کی آواز جہان وہ پڑا ہے خدا نے سنی، اٹھ اور لڑکے کو اٹھا اور اسے اپنے ہاتھ سے سنبھال کہ مین اس کو ایک بڑی قوم بناؤن گا، پھر خدا نے اس کی آنکھیں کھولین، اور اس نے پانی کا ایک کنوان دیکھا، اور جا کر اپنی مشک کو پانی سے بھر لیا، اور لڑکے کو پلایا، اور خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا، اور وہ بڑھا اور بیابان مین رہا کیا اور تیر انداز ہو گیا، اور وہ فاران کے بیابان مین رہا، اور اُس کی ماں نے ملک مصر سے ایک عورت بیاہنے کو لی" (توراۃ سفر پیدائش باب ۲۱)

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ جب گھر سے نکالے گئے تو بالکل بچہ تھے، چنانچہ حضرت ہاجرہؑ نے مشک کو اور ان کو کاندھے پر اٹھایا، عربی توراۃ مین صاف یہ الفاظ ہین

واضعاً ایاھا علی کتفھا والولد — حضرت ابراہیمؑ نے مشک اور بچہ دونوں ہاجرہؑ کے کندھے پر رکھا

لیکن توراۃ میں یہ بھی مذکور ہے کہ جب حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے تو حضرت ابراہیمؑ کی عمر ۸۶ برس کی تھی[1]، اور جب حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیلؑ کا ختنہ کیا تو حضرت

[1] پیدائش باب ۱۶

اسمٰعیلؑ کی عمر ۱۳ برس کی اور حضرت ابراہیمؑ کی ننانوے برس کی تھی،[1]

یہ ظاہر ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کے گھر سے نکالے جانے کا واقعہ ختنہ کے بعد کا ہوگا، اس لیے اس وقت قطعاً اُن کی عمر ۱۳ برس سے زیادہ تھی، اور اس سن کا لڑکا اتنا چھوٹا نہین ہوتا کہ ماں اسے کندھے پر اٹھائے پھرے، اس واقعہ سے غرض یہ ہے کہ حضرت اسمٰعیل کی عمر اس وقت اتنی ہو چکی تھی کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو اور ان کی والدہ کو اصلی مقامِ سکونت سے کسی دور مقام پر لاکر آباد کر سکتے تھے،

توراۃ کی عبارتِ مذکورہ مین تصریح ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ فاران مین رہے، اور تیر اندازی کرتے رہے، عیسائی کہتے ہین کہ فاران اُس صحرا کا نام ہے جو فلسطین کے جنوب واقع ہے، اس لیے حضرت اسمٰعیلؑ کا عرب مین آنا خلافِ واقعہ ہے،

جغرافیہ دانانِ عرب عموماً متفق ہین کہ فاران حجاز کے پہاڑ کا نام ہے، چنانچہ معجم البلدان مین صاف تصریح ہے لیکن عیسائی مصنفین اس سے اتفاق نہین کر سکتے، اس کا فیصلہ ایک بڑی طول طویل بحث پر مبنی ہے، جو مباحثہ اور مناظرہ کی حد تک پہنچ جاتی ہے، اس لیے اس کو ہم قلم انداز کرتے ہین، البتہ اس قدر بتانا ضروری ہے کہ عرب کی حدِ شمالی کسی زمانہ مین کس حد تک وسیع تھی،

موسیو لیبان، تمدنِ عرب مین لکھتے ہین:-

"اس جزیرے کی شمالی اس قدر صاف اور آسان نہین ہے، یعنی یہ حد اس طرح پر

---

[1] پیدائش باب ۱۷، ۲۴، ۲۵

قائم ہوتی ہے کہ عزہ سے جو فلسطین کا ایک شہر اور بحر متوسط پر واقع ہے، ایک خط جنوب بحر لوٹ تک کھینچا جائے اور وہان سے دمشق اور دمشق سے دریاے فرات تک اور دریاے فرات کے کنارے کنارے لاکر خلیج فارس مین ملا دیا جائے، اس خط کو عربستان کی حد شمالی کہہ سکتے ہین"

اس بنا پر عرب کے حجازی حصہ کا فاران مین محسوب ہونا خلاف قیاس نہین، تورات[1] مین جہان حضرت اسمٰعیلؑ کی جائے سکونت کا بیان ہے وہان یہ الفاظ ہین،

"اور وہ حویلہ سے شور تک جو مصر کے سامنے اس راہ مین ہے جس سے سور کو جاتے ہین، بستے تھے"

اس تحدید مین مصر کے سامنے جو زمین پڑتی ہے، وہ عرب ہی ہو سکتا ہے، نصاریٰ کی مقدس کتابون مین جس قدر اعتنا ہے، بنو اسرائیل کے ساتھ ہے، بنی اسمٰعیل کا ذکر محض ضمنی طور پر آجاتا ہے. اور اس وجہ سے حضرت اسمٰعیلؑ کا عرب مین آباد ہونا بہ تصریح نہین ملتا لیکن مختلف تلمیحات سے مفہوم ہوتا ہے کہ حضرت ہاجرہؑ کا عرب مین آباد ہونا ایک مسلّمہ امر تھا، عہد جدید مین جس کو عیسائی وحی الٰہی سمجھتے ہین، پولوس کا ایک خط گلیتون کے نام ہے، اس مین یہ عبارت ہے:

"ابراہیمؑ کے دو بیٹے تھے، ایک لونڈی سے دوسرا آزاد سے، پر وہ جو لونڈی کا تھا جسم کے طور پر پیدا ہوا، اور جو آزاد سے تھا سو وعدے کے طور پر، یہ بات تمثیلی بھی مانی جاتی ہے، اس لیے کہ عورتین دو عہد ہین، ایک تو سینا پہاڑ سے جو ہوا و نرے غلام جنتی ہے، یہ ہاجرہ ہے، کیونکہ ہاجرہ عرب کا کوہ سینا ہے، اور ابکے یروشلم کا جواب ہے"

[1] سفر تکوین باب ۲۵ آیت ۱۸ [2] باب ۴ آیت ۲۴

اگرچہ معلوم نہین کہ اصلی عبارت کیا تھی، اردو اور عربی دونون ترجمے ناصاف ہین تاہم اس قدر واضح ہے کہ پولوس جو حضرت عیسیٰؑ کے سب سے بڑے جانشین ہین، حضرت ہاجرہ کو عرب کا کوہِ سینا کہتے تھے، اگر حضرت ہاجرہ عرب مین آباد نہ ہوئی ہوتین تو ان کو عرب کا کوہِ سینا کہنا کیا معنی رکھتا ہے، آگے چل کر بکۃ کے ذکر مین یہ بحث زیادہ مؤید ہو جائے گی،

ذبیح کون ہے؟ توراۃ اگرچہ یہودیون کی عدم احتیاط، اغراضِ ذاتی اور زمانہ کے انقلابات سے سرتاپا مسخ ہوگئی ہے، اور خصوصاً پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اس مین جو تصریحات اور تلمیحات تھین، یہود کے دستِ تصرف نے ان کو بالکل برباد کر دیا ہے، تاہم حقائق کے عناصر اب بھی ہر جگہ موجود ہین، توراۃ مین گو تصریحاً حضرت اسحاقؑ کا ذبیح ہونا لکھا ہے لیکن مطاویِ کلام مین اس بات کے قطعی دلائل موجود ہین کہ وہ ہرگز ذبیح نہ تھے، اور نہ ہو سکتے تھے، امور ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے،

۱۔ شریعتِ سابقہ کے رو سے قربانی صرف اس جانور یا آدمی کی ہو سکتی تھی جو پہلونٹا بچہ ہوا اسی بنا پر ہابیل نے جن مینڈھون کی قربانی کی تھی وہ پہلونٹے بچے تھے،

خدا نے حضرت موسیٰؑ سے جہان لادیون کے متعلق احکام ارشاد فرمائے، وہان فرمایا ہے،

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل من الناس والبھائم	کیونکہ بنو اسرائیل مین آدمی اور جانور کا ہر پہلونٹا بچہ میرے لیے ہے (عدد ۸-۱۷)

۲۔ پہلونٹے بچہ کی افضلیت کسی حالت مین زائل نہین ہو سکتی، توراۃ مین ہے کہ اگر کسی شخص کے دو بیویان ہون، ایک محبوب ہو اور دوسری غیر مرغوبہ، تو فضیلت اسی اولاد

کو ہوگی جو پہلونٹی ہو، گو وہ غیر مرغوبہ سے ہو،

فانه اول قدرته وله حق البكورية	کیونکہ وہ اُس کی پہلی قدرت ہے، اور اسی کو
(سفر تثنیه، اصحاح ۲۱ - آیت ۱۵ و ۱۷)	اولاد اولین ہونے کا حق ہے،

۳- جو اولاد خدا کو نذر کردی جاتی تھی اس کو باپ کا ترکہ نہین ملتا تھا، توراۃ مین ہے:

فی ذلک الوقت افرز الرب سبط	تب خدا نے لاوی کی اولاد کو اس لیے مخصوص
لاوی لیحملوا تابوت عهد الرب	کرلیا کہ خدا کے عہد کا تابوت اٹھائے، اور
ولکی یقفوا امام الرب لیخدموه	اور تاکہ خدا کے آگے کھڑا ہو تاکہ وہ خدا کی
ویبارکوا باسمه الی هذا الیوم	خدمت کرین، اور اس کے نام سے آج تک
لاجل ذلک لم یکن للاوی قسم	برکت لین، یہی وجہ ہے کہ لاویون کو اپنے بھائیون
ولا نصیب مع اخوته الرب هو نصیبه	کے ساتھ کوئی حصہ اور ترکہ نہین ملا، کیونکہ ان کا
(توراة، اصحاح ۱۰- آیت ۸ و ۹)	حصہ خدا ہے،

۴- جو شخص خدا کی نذر کردیا جاتا تھا، وہ سر کے بال چھوڑ دیتا تھا، اور معبد کے پاس جاکر منڈاتا تھا، جس طرح آج حج مین احرام کھولنے کے وقت بال منڈاتے ہین، توراۃ مین ہے،

فها انک تحملین وتلدین ابنا	اب تو حاملہ ہوگی اور بچہ جنے گی، اور اس کے
ولا یعلو موسی راسه لان الصبی	سر پر استرا نہ پھیرا جائے، کیونکہ یہ بچہ خدا
یکون نذیرا لله (توراة، قضاة، اصحاح ۱۳- ۴)	کے لیے نذر کیا جائے گا،

۵- جو شخص خدا کا خادم بنایا جاتا تھا، اس کے لیے "خدا کے سامنے" کا لفظ استعمال

کرتے تھے، (توراۃ سفر عدد ۲۰-۶ و ۲۰ و سفر تکوین ۷، و تثنیہ ۱۰-۸)

۲- حضرت ابراہیمؑ کو بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس مین قید تھی کہ وہ بیٹا قربانی کیا جائے جو اکلوتا ہو، اور محبوب ہو، (توراۃ، تکوین، اصحاح ۲۲- آیت ۲)

اب اصل مسئلہ پر غور کرو، لیکن پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت مین قربانی کرنا اور خدا پر نذر چڑھانا ایک بات تھی یعنی دونون کے لیے ایک ہی لفظ استعمال کرتے تھے، اگر یہ کہا جائے کہ بچہ کو فلان معبد مین قربانی چڑھا دو، تو اس کے یہ معنی تھے کہ وہ اس معبد کی خدمت اور مجاورت کے لیے گھر سے الگ کر دیا جائے لیکن یہ لفظ جب جانورون کے لیے استعمال کیا جاتا تھا تو حقیقی قربانی کے معنی مراد ہوتے تھے، توراۃ[1] مین خدا کی زبان سے مذکور ہے،

لان لی کل بکر فی بنی اسرائیل	کیونکہ بنی اسرائیل مین آدمی اور جانور کا
من الناس والبھائم	ہر پہلوٹا بچہ میرے لیے ہے،

اسی اصحاح مین تصریح کے ساتھ مذکور ہے کہ "خدا نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ تم بنی اسرائیل مین سے لاویون کو لو اور ان کو خدا کے سامنے پیش کرو کہ خدا کے لیے خاص کر دیے جائین، اور یہ لوگ دو گایون کے سر پر ہاتھ رکھ دین جو قربانی کی جائین"، (اختصار)

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب مین بیٹے کی قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس سے بھی یہی مراد تھی کہ بیٹے کو معبد کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دین، حضرت ابراہیمؑ نے پہلے اس خواب کو عینی اور حقیقی سمجھا، اور اس لیے بعینہٖ اس کی تعمیل کرنی چاہی، لیکن بعد مین ظاہر ہوا کہ وہ تمثیلی

[1] عدد اصحاح ۸-۱۷،

خواب تھا، اس بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو خانۂ خدا کی خدمت کے لیے خاص کر دیا، اور جو شرطیں قربانی کی تھیں قائم رکھیں۔

بیان مذکورۂ بالا کے ذہن نشین کرنے کے بعد دلائل ذیل پیش نظر رکھنے چاہئیں،

(۱) حضرت اسحاقؑ کی ولادت حضرت اسمٰعیلؑ کے بعد ہے، اس بنا پر حضرت اسحاقؑ اکلوتے بیٹے نہیں، اور چونکہ قربانی کے لیے اکلوتے بیٹے کی شرط ہے، اس لیے حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا حکم نہیں ہو سکتا تھا۔

(۲) حضرت اسحاقؑ کو حضرت ابراہیمؑ نے اپنا تمام ترکہ دیا، بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیلؑ اور ان کی والدہ کو صرف پانی کی ایک مشک دیکر رخصت کیا، یہ اس بات کا قطعی قرینہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسحاقؑ کو قربانی یعنی معبد پر نذر نہیں چڑھایا تھا،

(۳) حضرت اسماعیلؑ کے خاندان میں مدت تک یہ رسم قائم رہی کہ لوگ سر کے بال نہیں منڈاتے تھے، حج میں احرام کے زمانہ تک جو بال نہیں منڈاتے، یہ اسی سنت اسمٰعیلی کی یادگار ہے،

(۴) جو الفاظ قربانی اور نذر چڑھانے کے لیے ملت ابراہیمی میں استعمال کیے جاتے تھے، وہ حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کے لیے استعمال کیے نہ کہ حضرت اسحاقؑ کے لیے، توراۃ میں ہے کہ جب خدا نے حضرت ابراہیمؑ کو حضرت اسحاقؑ کی ولادت کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے کہا:۔

لیت اسمٰعیل یعیش امامک ۔۔۔ کاش اسمٰعیل تیرے سامنے زندہ رہتا،

توراۃ میں جہاں جہاں یہ لفظ استعمال ہوا ہے (سامنے زندہ رہنا) ان ہی معنوں میں ہوا ہے،

(۵) حضرت اسمٰعیلؑ حضرت ابراہیمؑ کی محبوب ترین اولاد تھے، توراۃ جو تمامتر حضرت اسحاقؑ کی ایک طرفہ داستان ہے، اس میں حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے جو امتیازی خصائص بیان کیے ہیں، یہ ہیں کہ حضرت اسحاقؑ خدا کے وعدہ اور عہد کا مظہر ہیں[۱]، اور حضرت اسمٰعیلؑ دعوت ابراہیمؑ ہیں، یعنی حضرت ابراہیمؑ کی دعا اور خواہش سے پیدا ہوئے[۲] اسی بنا پر خدا نے ان کا نام اسمٰعیل رکھا، کیونکہ اسماعیلؑ دو لفظوں سے مرکب ہے، سمع اور ایل "سمع" کے معنی "سننے" کے اور "ایل" کے معنی خدا کے ہیں[۳]، یعنی خدا نے حضرت ابراہیمؑ کی دعا سن لی"۔ توراۃ میں ہے کہ خدا نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ "اسمٰعیل کے بارے میں میں نے تیری سن لی" حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا نے حضرت اسحاقؑ کی خوشخبری دی تو حضرت ابراہیمؑ نے اس موقع پر بھی حضرت اسماعیلؑ کو یاد کیا، غرض چونکہ حضرت ابراہیمؑ کو قربانی کا جو حکم ہوا تھا، اس میں قید تھی کہ محبوب ترین بیٹا ہو، اس لیے حضرت اسماعیلؑ ہی ذبیح ہو سکتے ہیں نہ کہ حضرت اسحقؑ

(۶) حضرت اسحاقؑ کی جب خدا نے بشارت دی تو ساتھ ہی یہ بھی بشارت دی کہ میں اس کی نسل سے ابدی عہد باندھوں گا، توراۃ میں ہے:-

"پھر خدا نے کہا بلکہ تیری بیوی سارہ تیرے لیے ایک بیٹا جنے گی اور اس کا نام اسحق رکھے گا، اور میں ابدی عہد اس کی نسل سے قائم کروں گا" (توراۃ تکوین، اصحاح ۱۷، آیت ۱۹)

---

[۱] توراۃ تکوین ۱۷، ۱۸-۲۱ [۲] تکوین، اصحاح ۱۵ [۳] تکوین، اصحاح ۱۷، ۱۸، ۱۹

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ توراۃ میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابراہیمؑ نے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اور فرشتہ نے ندا دی کہ ہاتھ کو روک لو، تو فرشتہ نے یہ الفاظ کہے :-

"خدا کہتا ہے کہ چونکہ تو نے ایسا کام کیا اور اپنے اکلوتے بیٹے کو بھی نہیں رکھا میں تجھ کو برکت دوں گا اور تیری نسل کو آسمان کے ستاروں اور ساحلِ بحر کی ریت کی طرح پھیلا دوں گا" (توراۃ تکوین، اصحاح ۲۲۔ آیت ۱۵)

اب غور کرو کہ خدا نے جب حضرت اسحاقؑ کی بشارت ہی کے وقت یہ کہہ دیا تھا کہ میں اس کی نسل قائم رکھوں گا، تو یہ کیونکر ممکن تھا کہ جس وقت تک[1] حضرت اسحاقؑ کی اولاد نہیں پیدا ہوئی تھی، ان کی قربانی کا حکم ہوتا، لیکن حضرت اسمٰعیلؑ کو ذبیح تسلیم کیا جائے تو تمام نصوص منطبق ہو جاتے ہیں، حضرت اسمٰعیلؑ اکبر اولاد تھے، محبوب تر تھے، قربانی کے وقت بالغ یا قریب البلوغ تھے، قربانی سے پہلے ان کی کثرتِ نسل کی بشارت نہیں دی گئی، توراۃ میں تصریح ہے کہ چونکہ ابراہیمؑ نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربانی کرنا چاہا اس لیے اس بیٹے کی کثرتِ نسل کا وعدہ کیا گیا یعنی یہ کثرتِ نسل، اسی قربانی کے صلہ میں تھی، اسلیے ذبیح حضرت اسمٰعیلؑ ہی ہو سکتے ہیں، کیونکہ حضرت اسحاقؑ کی تکثیرِ نسل کا وعدہ تو ان کی ولادت ہی کے وقت ہو چکا تھا، جو کسی انعام و صلہ کے معاوضہ میں نہ تھا،

مقام قربانی | ۷۔ توراۃ میں قربانی گاہ کا جو موقع بتایا ہے، وہ "موریا" ہے، یہودی کہتے ہیں کہ یہ وہ جگہ ہے، جہاں حضرت سلیمانؑ کا ہیکل تھا، عیسائی کہتے ہیں، یہ اس جگہ کا نام ہے، جہاں

[1] یہ مسلم ہے کہ حضرت اسحاقؑ کی اولاد حضرت ابراہیمؑ کی وفات کے بعد ہوئی، (تکوین، اصحاح ۲۵۔ آیت ۱۱)

حضرت عیسیٰؑ کو سولی دی گئی،

لیکن یورپ کے محققون نے ان دونون دعوون کی تغلیط کی ہے، سر اسٹانلی لکھتے ہین :-

"حضرت ابراہیمؑ صبح کے وقت اپنے خیمہ سے نکل کر اس مقام پر گئے، جہان اُن کو خدا نے حکم دیا تھا لیکن یہ موریا کا پہاڑ نہین ہے، جیسا کہ یہود کا دعویٰ ہے، نہ عیسائیون کے خیال کے موافق قبر مقدس کے گرجا کے پاس ہے، یہ قیاس تو یہودیون کے قیاس سے بھی زیادہ بعید ہے، اور اس سے بھی بعید مسلمانون کا دعویٰ ہے کہ وہ جبل عرفاتؐ ہے، غالباً یہ مقام جزیزم کے پہاڑ پر ہے، اور وہی قربانی گاہ سے مشابہ مقام ہے۔"

اس سے تو اتنا ثابت ہوا کہ موریا کے تعین مین یہودیون اور عیسائیون کے دعوے غلط ہین، باقی یہ امر کہ مسلمانون کا دعویٰ بھی غلط ہے، اس کی تحقیق آگے آتی ہے،

موریا کی تعیین مین جو اختلاف پیدا ہوا، اُس نے ایک اور اختلاف پیدا کر دیا یعنی یہ کہ یہ لفظ کسی مقام کا نام ہے، یا وصفی معنی رکھتا ہے، بہت سے مترجمون نے اس کو ایک مشتق لفظ سمجھا، اس لیے اس کا ترجمہ توراۃ کے بعض نسخون مین بلوطاتِ عالیہ اور بعض مین "زمین بلند" اور بعض مین "مقام الرویا" کیا، لیکن زیادہ صائب الرائے لوگون نے اس کو مقام کا نام سمجھا، اس لیے اس کا ترجمہ نہین کیا، بلکہ بجال خود رہنے دیا، لیکن امتداد زمانہ اور بے پروائی سے لفظ کی ہیئت بدل گئی، یعنی مریا کا مورہ ہوگیا، خصوصاً اس وجہ سے کہ عبرانی زبان مین دونون لفظون کا املا قریب قریب ہے،

لہ یہ غلط ہے، مسلمان عرفات کو نہین بلکہ منیٰ کو قربانی گاہ سمجھتے ہین،

مورہ کی نسبت توراۃ مین تصریح ہے کہ عرب مین واقع ہی، توراۃ مین ہے

او کان جیش المدیانیین	اور مدیانیون[1] کی فوج شمال کی جانب
شمالیھم عند تل مورۃ فی الوادی	مورہ کی پہاڑی پر وادی مین تھی۔
(قضاۃ۔ اصحاح ۷، ایت ۲)	(مدیان عرب مین واقع ہے)

تمام واقعات اور قرائن کو پیش نظر رکھا جائے تو ثابت ہو جائے گا کہ یہ لفظ مورہ نہین بلکہ مروہ ہے، جو مکۂ معظمہ کی پہاڑی ہے، اور جہان اب سعی کی رسم ادا کی جاتی ہے،

عرب کی روایات، قرآن مجید کی تصریح، احادیث کی تعیین، تمام چیزین اس قیاس سے اس قدر مطابق ہوتی جاتی ہین کہ اس قسم کا تطابق بغیر صحت واقعہ کے ممکن نہین، تفصیل اس کی یہ ہے،

یہ حدیث ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مروہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا

"قربانی گاہ یہ ہے اور مکہ کی تمام پہاڑیان اور گھاٹیان قربانی گاہ ہین[2]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین مروہ مین قربانی نہین ہوتی تھی، بلکہ منی مین ہوتی تھی، جو مکہ سے تین میل پر ہے، تاہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مروہ ہی کو قربانی گاہ فرمایا، یہ اسی بنا پر تھا کہ حضرت ابراہیم ؑ نے یہین حضرت اسمعیل ؑ کی قربانی کرنی چاہی تھی،

قرآن مجید مین ہے،

---

[1] مدین عرب کی زمین مین ہے، اور عرب کو اکثر مدیانیون کہتے ہین، اور مدین کی زمین شام کے جنوب سے یمن کے شمال تک ہی، اور یہ لوگ حضرت ابراہیم کی اولاد ہین، جو قطورا سے تھے (ضمیمہ بائبل صفحہ ۱۰۴) [2] موطاے امام مالک

ثُمَّ مَحِلُّهَا اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (حج) — پھر قربانی کے جانوروں کی جگہ کعبہ ہے

هَدْيًا بَالِغَ الْكَعْبَةِ (مائدہ۔۱۳) — قربانی جو کہ کعبہ میں پہنچے،

مروہ بالکل کعبہ کے مقابل، اور اس کے قریب ہے، ان آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ قربانی کی اصل جگہ کعبہ ہے، منیٰ نہیں، لیکن جب حجاج کی کثرت ہوئی تو کعبہ کے حدود کو منیٰ تک وسعت دیدی گئی،

قربانی کی یادگار، یہودی حضرت اسحاقؑ کی اولاد ہیں، اس لیے اگر حضرت اسحاقؑ ذبیح ہوتے تو اس کی کوئی یادگار ان کے یہاں موجود ہوتی، بخلاف اس کے حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان بلکہ تمام مسلمانوں میں، جو حضرت اسمٰعیلؑ کی روحانی اولاد ہیں، قربانی کی تمام رسمیں آج تک موجود ہیں،

اولادِ اسمٰعیلؑ میں قربانی کی تمام یادگاریں موجود ہیں، اور حج جو کہ ایک بڑا فریضۂ اسلام ہے، تمام تر اسی قربانی کی یادگار ہے، چنانچہ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے،

۱۔ حضرت ابراہیمؑ کو جب خدا نے بیٹے کی قربانی کا حکم دینا چاہا تو پکارا، اے ابراہیم! حضرت ابراہیمؑ نے کہا "میں حاضر ہوں"[1]

حج کے وقت مسلمان جو ہر قدم پر لبیک کہتے چلتے ہیں، یہ وہی ابراہیمی الفاظ ہیں جنکا لفظی ترجمہ وہی ہے "میں حاضر ہوں"[2]

۲۔ شریعت ابراہیمی میں دستور تھا کہ جس کو قربان گاہ پر چڑھاتے تھے، یا خدا کے لیے

---

[1] توراۃ تکوین، اصحاح ۲۲، آیت ۱ [2] توراۃ لاویین، اصحاح، آیت ۲۷

نذر دیتے تھے، وہ بار بار معبد یا قربان گاہ کے پھیرے کرتا تھا،

حج میں صفا و مروہ کے درمیان جو سات بار سعی کرتے ہیں، یہ اسی کی یادگار ہے،

۳- نذر کے فرائض میں ایک یہ تھا کہ ایام نذر تک بال نہیں کترواتے تھے، حج میں بھی یہی دستور ہے، جب احرام اتارتے ہیں، تب بال کترواتے یا منڈاتے ہیں، خود قرآن مجید میں اس شعار کا ذکر ہے،

مُحَلِّقِيْنَ رُءُوْسَكُمْ (فتح-۴)	سروں کو منڈائے ہوئے،

۴- حج کا ایک ضروری رکن قربانی ہے، یہ وہی حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کی یادگار ہے اسی بنا پر قرآن مجید میں فرمایا ہے،

وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ	اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کے بدلے ہم نے ایک بڑی
(صافات-۳)	قربانی کی،

یہ دلائل توراۃ کی تصریحات و کنایات کی بنا پر تھے، قرآن مجید کے رو سے قطعاً حضرت اسمٰعیلؑ کا ذبیح ہونا ثابت ہے، اگرچہ بہت سے مفسرین نے غلطی سے یہودیوں ہی کی روایت کی تائید کی ہے، قرآن مجید میں قربانی کا واقعہ ان الفاظ میں مذکور ہے،

وَقَالَ اِنِّيْ ذَاهِبٌ اِلٰى رَبِّيْ سَيَهْدِيْنِ	اور حضرت ابراہیم نے کہا میں اپنے خدا کی طرف
رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ،	جاؤں گا، وہ مجھ کو راستہ دکھائے گا، خدایا مجھکو
فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ. فَلَمَّا	وہ اولاد دے کہ جو نیک چلن ہو، تو ہم نے اسکو
بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ، قَالَ يٰبُنَيَّ	ایک سمجھدار لڑکے کی خوشخبری دی، پھر جب وہ لڑکا

اِنِّیۤ اَرٰی فِی الْمَنَامِ اَنِّیۤ اَذْبَحُكَ	اس کے ساتھ چلنے لگا تو ابراہیمؑ نے کہا بیٹے!
فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰی (صافات - ۳)	یہ دیکھا کہ میں تجھکو ذبح کر رہا ہوں، تیری کیا رائے ہے؟

آیت بالا میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے اولاد کے لیے دعا مانگی، اور خدا نے قبول کی، اور وہی لڑکا قربانی کے لیے پیش کیا گیا،

توراۃ سے ثابت ہے کہ جو لڑکا حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پیدا ہوا، وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں، اور اسی لیے ان کا نام اسمٰعیل رکھا گیا کہ خدا نے ان کے بارہ میں حضرت ابراہیمؑ کی درخواست سنی، اس بنا پر اس آیت میں جس کا ذکر ہے وہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں، اسحاقؑ نہیں،

قربانی کے واقعہ کی تفصیل اور اختتام کے بعد حضرت اسحاقؑ کی ولادت کا ذکر ہے، اس سے قطعاً ثابت ہوتا ہے کہ جس کا ذکر اوپر ہوا، وہ حضرت اسحاقؑ نہیں بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ ہیں،

مسلمانوں کا نام جو مسلم رکھا گیا، یہ وہ نام ہے جو حضرت ابراہیمؑ نے ایجاد کیا تھا، قرآن مجید میں ہے۔

مِلَّةَ اَبِیْكُمْ اِبْرٰهِیْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ	تمہارے باپ ابراہیم کا مذہب اسی نے
الْمُسْلِمِیْنَ مِنْ قَبْلُ (حج - ۱۰)	پہلے تمہارا نام مسلمان رکھا تھا،

اس تسمیہ کی تاریخ قربانی سے شروع ہوتی ہے، یعنی حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ کو قربانی کرنا چاہا، اور ان سے کہا کہ "مجھکو خدا کا یہ حکم ہوا ہے، تمہاری کیا رائے ہے؟" تو حضرت اسمٰعیلؑ نے نہایت استقلال کے ساتھ گردن جھکا دی کہ یہ سر حاضر ہے، اس موقع پر خدا نے "اَسْلَمَا"

لہ ابھی صفحہ ۔۔ کے حاشیہ میں گذر چکا ہے کہ بعض مفسرین نے قرب لفظ کی وجہ سے سمّی کا فاعل حضرت ابراہیم کو قرار دیا ہے، تابعین میں حضرت ابن زید اور حضرت حسن بصری کا یہی مسلک ہے اور ابوحیان نے اسی کی تائید کی ہے لیکن صحابہ میں حضرت ابن عباسؓ اور تابعین میں مجاہد، ضحاک، قتادہ اور سفیان نے اللہ کیطرف ضمیر پھیری ہے اور یہ معنی لیے ہیں کہ تمہارا نام مسلم قرآن کے پہلے بھی اللہ تعالیٰ نے رکھا اور اس قرآن میں بھی اسی نے تمہارا یہ نام رکھا۔ س)

کا لفظ استعمال کیا جو اسلام سے ماخوذ ہے اور جس کے معنی تسلیم اور حوالہ کر دینے کے ہیں،

فَلَمَّا اَسْلَمَا (صافات-۳) پھر جب دونوں نے اپنے آپ کو (خدا کے) حوالہ کر دیا

حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ تسلیم و رضا ہے، یعنی جب قربانی کا حکم ہوا تو باپ بیٹے دونوں نے بے عذر گردنیں جھکا دیں، یہ وصف مقبول بارگاہ ہوا، اور پھر حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ کا یہی شعار مذہبی قرار پایا، اسی بنا پر حضرت ابراہیمؑ نے اپنے پیروانِ ملت کا نام مسلم رکھا،

قربانی، ایثار اور اسلام درحقیقت یہ سب مترادف الفاظ ہیں، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ ہی نے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کیا تھا، اگر حضرت اسحٰقؑ قربانی ہوتے تو یہ لقب ان کی اولاد یا ان کی امت کو ملتا،

قربانی کی حقیقت اس مسئلہ کی حقیقت اس وقت اور بھی واضح ہو جاتی ہے جب اس پر غور کیا جائے کہ حضرت ابراہیمؑ کو جو بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا، اس سے اصل مقصود کیا تھا؟ قدیم زمانہ میں بت پرست قومیں اپنے معبودوں پر اپنی اولاد کو بھینٹ چڑھا دیا کرتی تھیں، یہ رسم ہندوستان میں انگلش گورنمنٹ سے پہلے موجود تھی، مخالفینِ اسلام کا خیال ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی بھی اسی قسم کا حکم تھا، لیکن یہ سخت غلطی ہے،

اکابر صوفیہ[1] نے لکھا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو جو خواب دکھائے جاتے ہیں، دو قسم کے

---

[1] اس مقام پر مصنف کی یہ عبارت مزید تشریح کی محتاج ہے، مصنف نے جیسا کہ لکھا ہے کہ زیادہ دو قسم کے ہوتے ہیں، ایک عینی جس میں صورت واقعہ بعینہ دکھائی جاتی ہے، اور دوسری تمثیلی جس میں صورت واقعہ کسی مثالی صورت

(باقی ۱۶۶ پر)

ہوتے ہین عینی اور تمثیلی، عینی مین بعینہ وہی چیز مقصود ہوتی ہے، جو خواب مین نظر آتی ہے، تمثیلی مین تشبیہ اور تمثیل کے پیرایہ مین کسی مطلب کو پورا ادا کرنا ہوتا ہے، حضرت ابراہیمؑ کو جو خواب دکھایا گیا تھا، اس سے یہ مراد تھی کہ بیٹے کو کعبہ کی خدمت کے لیے نذر چڑھا دین، یعنی وہ کسی اور شغل مین مصروف نہ ہون، بلکہ کعبہ کی خدمت کے لیے وقف کر دیے جائین،

توراۃ مین جابجا قربانی کا لفظ ان معنون مین آیا ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۵) مین ظاہر ہوتی ہے، اس کو بہت سے علماء نے تسلیم کیا ہے، اور بیان کیا ہے، خواب کی اس دوسری قسم مین اصلی مقصود رویا کی دوسری مثالی صورت ہوتی ہے، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کا اپنے ماں باپ کو آفتاب و ماہتاب اور بھائیون کو ستارون کی شکل مین دیکھنا، یا حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ کی وبا کو ایک بڑھیا کی شکل مین دیکھنا، اور اُحد مین مسلمان شہداء کو ذبح گایون کے رنگ مین دیکھنا،

محدث خطابی معالم السنن مین لکھتے ہین:

وبعض الرویا مثل یضرب لیتأول	بعض خواب تمثیلی ہوتے ہین جس کو اس مثالی صورت
علی الوجہ الذی یجب ان یعرف الیہ	مین اس لیے بیان کیا جاتا ہے کہ اس طریقہ پر اسکی
معنی التعبیر فی مثلہ وبعض الرویا لا	تعبیر کیجائے جس طریقہ پر ایسے خواب کی تعبیر کیجاتی
یحتاج الی ذلک بل یاتی کالمشاھدۃ	ہے اور بعض خواب اس کے محتاج نہین ہوتے
(فتح الباری جلد ۱۲ ص۳۵۴)	بلکہ وہ مشاہدہ بن کر سامنے آتے ہین،

امام ابوبکر ابن العربی مالکی احکام القرآن مین اسی حقیقت کا ذکر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس رویا کے ضمن مین یون فرماتے ہین کہ "بعض رویا نام کی طرح ہوتے ہین، (یعنی عینی و تصریحی جو بالکل لفظاً لفظاً واقعہ کے عین مطابق ہوتے ہین) اور بعض مثل کنیتون کی طرح ہوتے ہین، یعنی کسی مناسبت معنوی کے سبب سے وہ کسی دوسرے ہم شکل واقعہ کی صورت مین دکھائے جاتے ہین، چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ خواب اسی دوسری قسم کا تھا، (احکام القرآن جلد ۲ صفحہ ۱۶۰ مصر)

مصنف سیرت نے اس مقام پر ان ہی بعض علماء کی تقلید کرکے حضرت ابراہیمؑ کے اس خواب کو تمثیلی کہا ہے، اور اسی بنا پر ان کو یہ کہنے کی ضرورت ہوئی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اس خواب کو جو تمثیلی تھا، اپنی خطائے اجتہادی سے عینی و حقیقی سمجھے، اور اس کی بعینہ تعمیل پر آمادہ ہوگئے لیکن عین وقت پر ان کو وحی الٰہی نے (باقی ص۱۴۷ پر)

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس خواب کو عینی خیال کیا، اور بعینہ اُس کی تعمیل کرنی چاہی، گویہ خیال اجتہادی غلطی تھی، جو انبیاء سے ہو سکتی ہے، (گو یہ غلطی قائم نہیں رہتی، بلکہ خدا اس پر متنبہ کر دیتا ہے) اس بنا پر گو حضرت ابراہیم علیہ السلام اس فعل سے روک دیے گیے لیکن خدا نے اُن کی حسن نیت کی قدر کی اور فرمایا:

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ	اور تو نے خواب کو سچا کیا، ہم اسی طرح نیکوکاروں
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (صافات-۳)	کو جزا دیتے ہیں،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۴۶) اُن کی اس اجتہادی خطا پر متنبہ کر دیا، اور حضرت اسمٰعیل کی بعینہ قربانی سے روک کر ان کی جگہ جانور کی قربانی پیش کی،

ہیچمدان جامع کا ذوق اس مقام پر اس واقعہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اجتہادی غلطی ماننے سے ابا کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو محبت الٰہی سے سرشار تھے، خطاے اجتہادی سے نہین بلکہ غلبۂ شوقِ اطاعت ومحبت مین اس حکم الٰہی کی تعمیل اپنی طرف سے بالکل بعینہ وبلفظہ کرنے پر آمادہ ہو گئے، تاکہ اس ابتلا مین وہ اللہ تعالیٰ کے حضور مین پورے اترین، اور اپنی طرف سے بیٹے کی جان کی قربانی کی جگہ اس کی خدمت توحید و تولیت کعبہ کے لیے وقف کر دینے کی تاویل کا سہارا لیکر نفس کی متابعت کے شبہہ اور دھوکے سے بھی پاک رہین، تاآنکہ اللہ تعالیٰ خود اس حقیقت کو خود اپنے لفظون مین واضح فرماے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کو اُن کی یہ ادا بہت پسند آئی، آواز آئی:-

يَا اِبْرَاهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا اِنَّا	ابراہیم! تم نے خواب کو سچ کر دکھایا، ہم
كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ (صافات-۳)	مخلصین کو ایسا ہی صلہ دیا کرتے ہین،
وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ (صافات)	اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اسکی عوض مین دیا،

اور امت پر یہ قربانی اسی تمثیلی رنگ مین واجب ٹھہرائی گئی، یعنی جسمانی اطاعت و قربانی کی تمثیل جانور کی قربانی کی شکل مین،

یہ تشریح ان بعض علماء کی متابعت مین ہے جو بعض دینی وعلمی اسباب کی بنا پر اس کو رویاے تمثیلی سمجھتے ہین،

بہر حال یہان اس تفصیل سے مقصود یہ ہے کہ قربانی سے مقصود خدمتِ کعبہ کے لیے نذر چڑھانا تھا۔ نذر چڑھانے کے لیے شریعتِ سابقہ مین جو لفظ مستعمل تھا، وہ "خدا کے سامنے" تھا۔ توراۃ مین یہ محاورہ نہایت کثرت سے آیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسمٰعیلؑ کے حق مین خدا سے جو دعا کی وہ ان لفظون مین تھی،

لیت اسمٰعیل یعیش امامك — کاش اسمٰعیل تیرے سامنے زندگی کرتا،

(توراۃ تکوین اصحاح ۱۷- آیت ۱۸)

اسی خواہش کے مطابق ان کو خواب مین تمثیلی پیرایہ مین حکم دیا گیا کہ وہ بیٹے کی قربانی کرین، یہ اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو خواب مین حضرت اسحاقؑ کی قربانی کا نہین، بلکہ حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷) ورنہ جمہور علما، اس رویا کو عینی ہی سمجھتے ہین، لیکن عین اُس وقت جب حضرت ابراہیم علیہ السلام اس پر عمل کر کے اپنی طرف سے فرزند کے ذبح کی پوری عزیمت کر کے اپنے کام کو پورا کر چکے تھے، اور تعمیل حکم مین ایک لمحہ کی بھی دیر نہین رہی تھی کہ وحی الٰہی نے آواز دی "اے ابراہیم! تم نے اپنا کام پورا کر دیا، اور اپنے خواب کو سچ کر دکھایا، اب اس کی ضرورت نہین رہی، اب اس کی جگہ ملتِ ابراہیم کی یہ سنتِ عظیم جانور کی قربانی کی شکل مین ظاہر ہوگئی"۔

ظاہر ہے کہ بہر دو صورت یہ جانور کی قربانی جیسا کہ بعض ائمۂ محققین نے لکھا ہے، نفس کی قربانی کی تمثیل ہے، اور اس قربانی کا گوشت اس روز عید مین قربانی کنندہ کے لیے برکت، احباب کے لیے تحفہ اور فقرا کے لیے سامانِ دعوت بنا،

مزید تفصیل کیلیے معارف ذیحجہ ۱۳۵۵ھ مضمون "ذبح عظیم" اور معارف صفر ۱۳۵۶ھ کے شذرات ملاحظہ ہون،
"س"

مکۂ معظمہ

حضرت اسمٰعیلؑ کی بحثِ مسکن مین گذر چکا کہ وہ عرب تھا، مقامِ ذبح کی تعیین مین یہ ثابت ہو چکا کہ وادیِ مکہ تھا، اس بنا پر مکہ کی نسبت ایک بحث نہایت قدیم زمانہ سے تعلق رکھتی ہے،

متعصب عیسائی مورخ لکھتے ہین کہ اس شہر کی قدامت کا دعویٰ مسلمانون کا خاص دعویٰ ہے، قدیم تاریخون مین اس کا نشان نہین ملتا[1]، اس بنا پر ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھتے ہین،

مکہ کا قدیم اور اصلی نام بکّہ ہے، قرآن مجید مین یہی نام ہے،

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ	پہلا متبرک گھر جو آدمیون کے لیے بنایا گیا
لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا (آل عمران - ۱۰)	وہ "بکہ" مین تھا،

کتاب زبور ۸۴ - ۶ مین ہے،

بکہ کی وادی مین گذرتے ہوئے، اسے ایک کنوان بناتے ہر کتون سے مورہ کو ڈھانک

---

[1] مرگیولوس اپنی کتاب مین لکھتا ہے "اگرچہ مذہبی خیال کی وجہ سے مسلمانون نے اپنے مذہبی مرکز کو نہایت قدیم البنا قرار دیا ہے لیکن صحیح روایات سے پتہ چلتا ہے کہ مکہ کی سب سے قدیم عمارت محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے صرف چند پشت قبل تعمیر ہوئی تھی" مرگیولوس نے اس کے ثبوت مین اصابہ کا حوالہ بھی دیا ہے، اور ہم کو بھی اس کی صحت سے انکار نہین، لیکن اس کل بیان مین مغالطہ ہے جس کو ہم نے اصل کتاب مین ظاہر کر دیا ہے،

یعنے۔ قوت سے قوت تک ترقی کرتے چلے جاتے ہین"

اس عبارت مین بکہ کا جو لفظ ہے، یہ وہی مکۂ معظمہ ہے، لیکن اگر اس لفظ کو اسم عَلم کے بجائے مشتق قرار دین تو اس کے معنی "رونے" کے ہون گے، اور یہ وہی عربی لفظ بکا ہے، چونکہ یہود و نصاریٰ ہمیشہ مکہ کی وقعت مٹانے کے درپے رہتے آئے، اس لیے بہت سے مترجمین نے عبارت مذکور مین بکہ کا ترجمہ رونا کر دیا ہے، لیکن ہر شخص خود سمجھ سکتا ہے کہ اس حالت مین وادی بکا کے کیا معنی ہون گے، زبور کی عبارت مذکورہ کی اوپر کی آیتون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس نشید مین حضرت داؤدؑ نے مکہ معظمہ اور مروہ، اور قربان گاہ وادی کی نسبت اپنا شوق اور حسرت ظاہر کی ہے، اوپر کی عبارت یہ ہے (حضرت داؤدؑ خدا سے کہتے ہین) "اے فوجون کے خدا! تیرے مسکن کس قدر شیرین ہین، میرا نفس خدا کے گھر کا مشتاق بلکہ عاشق ہے...... اے خدا! تیرے قربان گاہ، میرے مالک اور میرے خدا ہین مبارکی ہو، ان لوگون کی جو تیرے گھر مین ہمیشہ رہتے ہین اور تیری تسبیح پڑھتے ہین" اس کے بعد بکہ والی آیتین ہین، اب غور کرو حضرت داؤدؑ جس مقام کے پہنچنے کا شوق ظاہر کرتے ہین، وہ اس مقام پر صادق آسکتا ہے جس مین حسب ذیل باتین پائی جائین،

(۱) قربانی گاہ ہو،

(۲) حضرت داؤدؑ کے وطن سے دور ہو کر وہان تک سفر کر کے جائین،

(۳) وادی بکہ کہلاتا ہو،

(۴) وہان مقام مروہ بھی ہو، ان باتون کو پیش نظر رکھو تو قطعاً یقین ہو جائے گا کہ

بلکہ وہی مکہ معظمہ اور ہو رہ وہی مروۃ ہے، اس کے ساتھ یہ بھی اندازہ ہوگا کہ یہودی کس طرح تعصب سے الفاظ کو اول بدل کر دیتے ہیں، یُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ۔

ڈاکٹر ہسٹنگس نے "ڈکشنری آف دی بائبل" وادی بکا" پر جو آرٹکل لکھا ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے:

"اس لفظ سے اگر کوئی واقعی وادی مراد ہے، تو وہ حسب ذیل ہو سکتی ہے:"

(۱) ایک وادی ہے جس میں ہو کر زائرین بیت المقدس جاتے ہیں،

(۲) وادی اخور ہے، جو یشوعا باب ۷۔ آیات ۲۴-۲۶ وغیرہ میں مذکور ہے،

(۳) وادی رفایون ہے، جو سامویل دوم باب ۵ آیات ۱۸-۲۲ وغیرہ میں مذکور ہے،

(۴) کوہ سینا کی ایک وادی ہے،

(۵) بیت المقدس تک جو کاروانی راستہ شمال سے آتا ہے، اس راستہ کی آخری منزل ہے،

(دیکھو رینان کی کتاب "حیات عیسیٰ" باب ۲)

لیکن کیا عجیب بات ہے، ڈاکٹر ہسٹنگس کو اتنے احتمالات کثیرہ میں کہیں مکہ معظمہ کا پتہ نہیں لگتا، مصرع

ہمان ورق کہ سیہ گشتہ مدعا اینجاست

حیرت پر حیرت یہ ہے کہ جن جن وادیوں کا نام لیا ہے، ان میں ایک کو بھی بکا کے لفظ سے کسی قسم کی مناسبت نہیں، یہاں تک کہ ایک حرف بھی مشترک نہیں، بخلاف اس کے بکا اور بکہ بالکل ایک لفظ ہیں، فرق اسی قدر ہے جس قدر ایک ہی لفظ کے تلفظ میں فرق پیدا ہو جاتا ہے،

جدید[1] انسائیکلوپیڈیا" مین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے عنوان سے جو مضمون ہے وہ مرگیولوس کا ہے، اس مین مکہ معظمہ کی نسبت لکھا ہے۔

"قدیم تاریخون مین اس شہر کا نام نہین ملتا، بجز اس کے کہ زبور (۸۴-۶) مین "وادی بکہ" کا لفظ ہے۔

لیکن مرگیولوس صاحب اس تاریخی شہادت کو ضعیف سمجھتے ہین،

پروفیسر دوزی جو فرانس کا مشہور محقق اور عربی دان عالم ہے، وہ لکھتا ہے[2]:

"بکہ وہی مقام ہے جس کو یونانی جغرافیہ دان ماکروبہ لکھتے ہین"

لیکن مارگیولوس کو پروفیسر دوزی کے بیان پر بھی اعتماد نہین،

کارلائل صاحب نے اپنی کتاب "ہیروز اینڈ ہیرو ورشپ" مین لکھا ہے کہ

"رومن مورخ سیلس نے کعبہ کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ "وہ دنیا کے تمام معبدون سے قدیم اور اشرف ہے۔ اور یہ ولادت مسیح سے پچاس برس پہلے کا ذکر ہے"

اگر کعبہ حضرت عیسیٰ سے بہت پہلے موجود تھا تو مکہ بھی قریباً اسی زمانہ کا شہر ہوگا، کیونکہ جہان کہین کوئی مشہور معبد ہوتا ہے اس کے آس پاس ضرور کوئی نہ کوئی شہر یا گانون آباد ہو جاتا ہے،

یاقوت حموی نے معجم البلدان مین لکھا ہے کہ مکہ معظمہ کا عرض اور طول بلد بطلیموس[3] کے جغرافیہ مین حسب ذیل ہے،

---

[1] انسائیکلوپیڈیا طبع اخیر جلد ۱۵ صفحہ ۳۹۹، ۴۰۰ از ان اوڈیشن [2] ایضاً [3] بطلیموس کے جغرافیہ کا ترجمہ عباسیون کے زمانہ مین ہو گیا تھا مسعودی اور ابن الندیم نے اکثر اس کے حوالے دیے ہین،

"طول ۸، درجه عرض ۳ درجه"

بطلیموس نہایت قدیم زمانہ کا مصنف ہے، اگر اس نے اپنے جغرافیہ مین مکہ کا ذکر کیا ہے، تو اس سے زیادہ قدامت کی کیا سند درکار ہے،

مارگیولوس نے جس بنا پر، مکہ معظمہ کی قدامت سے انکار کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اصابہ" مین تصریح ہے کہ مکہ مین سب سے پہلی عمارت جو تعمیر ہوئی وہ سعید بن یا سعد بن عمرو نے تعمیر کی" لیکن مارگیولیوس کو یہ معلوم نہین کہ مورخین نے جابجا یہ بھی تصریح کی ہے کہ چونکہ اہل عرب کعبہ کے مقابل یا آس پاس عمارات بنانے کو کعبہ کی بے ادبی سمجھتے تھے، اسلیے عمارتین نہین بنوائین، بلکہ خیمون اور شامیانون مین رہتے تھے، اور اس طرح مکہ ہمیشہ سے خیمون کا ایک وسیع شہر تھا،

خانۂ کعبہ کی تعمیر

دنیا مین ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، ایران، ہند، مصر، یورپ مین عالمگیر اندھیرا تھا، قبولِ حق ایک طرف، اس وسیع خطۂ خاک مین گز بھر زمین نہین ملتی تھی، جہان کوئی شخص خالص خدائے واحد کا نام لے سکتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب کلدان مین یہ صدا بلند کرنی چاہی تو آگ کے شعلون سے کام پڑا، مصر آئے، ناموس کو خطرہ کا سامنا ہوا، فلسطین پہنچے، کسی نے بات تک نہیں پوچھی، خدا کا نام جہان لیتے تھے، شرک اور بت پرستی کے غلغلہ مین آواز دب دبکر رہ جاتی تھی، معمورۂ عالم کے صفحے نقشہائے باطل سے ڈھک چکے تھے، اب ایک سادہ، بے رنگ ہر قسم کے نقش و نگار سے معرا ورق درکار تھا جس پر طغرائے حق لکھا جائے، یہ صرف حجاز کا صحرائے ویران تھا،

جو تمدن اور عمران کے داغ سے کبھی داغدار نہین ہوا تھا،

حضرت ابراہیمؑ، حضرت ہاجرہؑ اور اسمٰعیلؑ کو عرب مین لائے اور ان کو نہین آباد کیا، حضرت سارہؑ نے (جیسا کہ توراۃ مین ہے) کچھ عرصہ کے بعد انتقال کیا، حضرت ابراہیمؑ مکہ مین چلے آئے، حضرت اسمٰعیلؑ جوان ہو چکے تھے، اعلان حق مین ایک ہم آواز ہاتھ آیا، دونون نے مل کر ایک چھوٹے سے چوکھونٹے گھر کی بنیاد ڈالی،[1]

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ	جبکہ ابراہیم اور اسمٰعیل خانۂ خدا کی
مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ (بقرہ ۱۵)	دیوارین اٹھا رہے تھے،

گھر بن چکا تو وحی الٰہی نے آواز دی،

وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ	میرے گھر کو طواف کرنے والون، نماز مین
وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ وَاَذِّنْ فِي النَّاسِ	قیام کرنے والون، رکوع کرنے والون اور
بِالْحَجِّ يَاْتُوْكَ رِجَالًا وَّعَلٰى كُلِّ	سجدہ کرنے والون کیلیے پاک کر اور تمام لوگو
ضَامِرٍ يَّاْتِيْنَ مِنْ كُلِّ فَجٍّ عَمِيْقٍ	کو پکار دے کہ حج کو آئین پیدل بھی اور دبلی
(سورہ حج-۴)	اونٹنیون پر بھی، ہر دور دراز گوشہ سے آئین گے،

اس وقت اعلان و اشتہار کے وسائل نہین تھے، ویران جگہ تھی، اور آدمی کا کوسون تک پتہ نہ تھا، ابراہیمؑ کی آواز حدود حرم سے باہر نہین جا سکتی تھی لیکن وہی معمولی آواز

[1] محققین کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسی گھر کی منہدم و بے نشان عمارت کی دوبارہ بنیاد اٹھا کر بلند کی، مزید توضیح کے لیے سیرۃ النبی جلد پنجم باب حج عنوان مکہ اور کعبہ مین دیکھیے) "س"

کہان کہان پہنچی، مشرق سے مغرب تک، شمال سے جنوب تک اور زمین سے آسمان تک،

علامۂ ازرقی نے تاریخ مکہ مین لکھا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے جو تعمیر کی اس کا عرض و طول حسب ذیل تھا،

بلندی	زمین سے چھت تک	۹ گز
طول	حجر اسود سے رکن شامی تک	۳۲ گز
عرض	رکن شامی سے غربی تک	۲۲ گز

عمارت بن چکی تو حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے کہا کہ ایک پتھر لاؤ تاکہ اسے مقام پر لگا دون جہان سے طواف شروع کیا جائے، تاریخ مکہ موسوم بہ اعلام باعلام بیت الحرام مین ہے،

فقال ابراهیم لاسمٰعیل علیهما	پھر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسمٰعیلؑ سے
الصلوٰة والسلام یا اسمٰعیل ایتنی	کہا کہ ایک پتھر لا دو تاکہ مین ایسی جگہ نصب
بحجر اضعه حتی یکون علما	کر دون جہان سے لوگ طواف شروع
للناس یبتدؤن منه الطواف	کرین،

خدا کا یہ گھر ایسا سادہ تعمیر ہوا تھا کہ نہ چھت تھی، نہ کواڑ، اور نہ چوکھٹ بازو تھے، جب قصی بن کلاب کو کعبہ کی تولیت حاصل ہوئی تو انھون نے قدیم عمارت گرا کر نئے سرے سے تعمیر کی، اور کھجور کے تختون کی چھت پاٹی۔[1]

---

[1] اعلام بحوالۂ کتاب النسب از ابن بکار و ابن الماوردی،

کعبہ کی برکت اور کشش سے لوگ آس پاس آباد ہونے لگے، چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ جرہم آکر آباد ہوا، اس قبیلہ میں مضاض بن عمرو جرہمی ایک ممتاز شخص تھے، حضرت اسمٰعیلؑ نے ان کی لڑکی سے شادی کی، ان سے بارہ اولاد ہوئی جن کے نام توراۃ میں مذکور ہیں، ان میں سے اکثر اہلِ عرب قیدار کی اولاد ہیں، حضرت اسمٰعیلؑ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بیٹے نابت کعبہ کے متولی ہوئے، ان کے مرنے کے بعد ان کے نانا مضاض نے یہ منصب حاصل کیا، اور کعبہ کی تولیت خاندانِ اسمٰعیل سے نکل کر جرہم کے خاندان میں آگئی لیکن پھر ایک اور قبیلہ خزاعہ نے کعبہ پر قبضہ کر لیا، اور مدت تک اسی خاندان میں یہ منصب رہا، حضرت اسمٰعیلؑ کا خاندان موجود تھا لیکن اس نے کچھ مزاحمت نہیں کی قصی بن کلاب کا زمانہ آیا تو انھوں نے اپنا آبائی حق حاصل کیا، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے،

حرم کعبہ پر سب سے پہلے جس نے پردہ چڑھایا وہ یمن کا حمیری بادشاہ اسعد تبع تھا، یمن میں خاص قسم کی چادریں بنی جاتی ہیں، جن کو برد یمانی کہتے ہیں، یہ پردہ ان ہی چادروں سے تیار کیا گیا تھا، قصی بن کلاب کے زمانہ سے تمام قبائل پر ایک محصول لگا دیا گیا جس سے پردہ تیار کیا جاتا تھا، علامہ ازرقی نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یمنی پردہ چڑھایا تھا لیکن اس روایت کے سلسلہ کا ایک راوی واقدی ہے[1]۔

---

[1] حضرت عمرؓ نے اپنے زمانہ میں قباطی کا پردہ چڑھایا تھا جو مصر میں بنا جاتا ہے، ان کے بعد معمول ہو گیا کہ ہر خلیفہ اپنے عہدِ خلافت میں پردہ چڑھاتا تھا، بنو امیہ نے دیبا کا پردہ چڑھایا تھا، مامون الرشید ہر سال تین پردہ چڑھاتا تھا، حج کے زمانہ میں دیبائے احمر کا، رجب میں قباطی کا، عید الفطر میں دیبائے سفید کا، مصر میں جب سلطان صالح بن سلطان قلاؤن بادشاہ ہوا تو مصر کے دو گاؤں پردہ کے مصارف کے لیے وقف کر دیے، جب ترکی خاندان قسطنطنیہ میں حکمران ہوا تو سلطان سلیمان

خدا کا گھر سیم وزر کی نقش آرائیوں کا محتاج نہ تھا لیکن دولت اور ملک کی ترقی کے یہ لوازم ہیں، اس لیے حضرت عبد اللہؓ بن زبیرؓ جب خلیفہ ہوئے تو انھوں نے کعبہ کے ستونوں پر سونے کے پتر چڑھائے، عبد الملک بن مروان نے اپنے زمانہ میں ۳۶ ہزار اشرفیاں اس کام کے لیے بھیجیں، امین الرشید نے ۱۸ ہزار اشرفیاں نذر کیں کہ دروازہ کی چوکھٹ وغیرہ طلائی بنوادی جائے، اعلام (تاریخ مکہ) میں عہد بہ عہد کی طلاکاریوں کی تفصیل لکھی ہے لیکن یہ واقعات عہد نبوت کے بعد کے ہیں، جو ہماری کتاب کا موضوع نہیں، اور سچ یہ ہے کہ آفتاب پر سونا چڑھانا ضرور بھی نہیں،

حضرت اسمٰعیلؑ کی قربانی خدا کا گھر بن چکا تو ضرورت تھی کہ اس کی تولیت اور خدمت کے لیے کوئی نفس قدسی تمام مشاغل سے الگ ہو کر اپنی زندگی اس پر نذر چڑھا دے اس قسم کی نذر کو ابراہیمی شریعت میں قربانی سے تعبیر کرتے تھے۔ توراۃ میں یہ محاورہ بہ کثرت آتا ہے، جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، انبیاء علیہم السلام پر جو وحی آتی ہے اس کے مختلف انواع ہیں، جن میں سے ایک خواب بھی ہے، چنانچہ صحیح بخاری باب بدء الوحی میں ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر وحی کی جو ابتدا ہوئی خواب سے ہوئی۔ یہ خواب کبھی تمثیلی ہوتا ہے، جس طرح حضرت یوسفؑ نے آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کو سجدہ کرتے دیکھا تھا، بہر حال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۵۷) نے چند گانوں اور اضافہ کر دیے، (اعلام باعلام بیت اللہ الحرام) خانہ کعبہ پر پردہ چڑھانے کی تاریخ بہ تفصیل فتوح البلدان بلاذری اور تاریخ مکہ ازرقی اور معجم البلدان وغیرہ میں ہے، ہم نے اخیر تصنیف یعنی اعلام کو لیا ہے کہ وہ ان سب کے بعد کی تصنیف اور جامع ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب دکھلایا گیا کہ اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر رہے ہیں، انھون نے اس خواب کو وحی سمجھا اور بعینہ اس کی تعمیل پر آمادہ ہوئے،

حضرت ابراہیمؑ کو اپنے استقلال اور جان نثاری پر اعتماد تھا لیکن یہ تحقیق طلب تھا کہ یازدہ سالہ نوجوان بھی اپنی گردن پر چھری چلتے دیکھ سکتا ہے یا نہین؟ بیٹے سے مخاطب ہو کر کہا،

يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ	بیٹا! مین خواب مین دیکھتا ہون کہ مین
اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى	تجھ کو ذبح کر رہا ہون، تو بتا، تیری
(صٰفّٰت)	کیا رائے ہے،

بیٹے نے نہایت استقلال سے جواب دیا،

يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِيْٓ	ابا جان! آپ کو جو حکم ہوا ہے وہ کر گذریے
اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ (صٰفّٰت)	خدا نے چاہا تو مین ثابت قدم رہون گا،

اب ایک طرف نود سالہ پیر ضعیف ہے جس کو دعائے سحر کے بعد خاندان نبوت کا چشم و چراغ عطا ہوا تھا جس کو وہ تمام دنیا سے زیادہ محبوب رکھتا تھا، اب اسی محبوب کے قتل کے لیے اس کی آستینین چڑھ چکی ہین، اور ہاتھ مین چھری ہے،

دوسری طرف نوجوان بیٹا ہے جس نے بچپن سے آج تک باپ کی محبت آمیز نگاہون کی گود مین پرورش پائی ہے، اور اب باپ ہی کا مہر پرور ہاتھ اس کا قاتل نظر آتا ہے،

ملائکۂ قدسی، فضائے آسمانی، عالم کائنات یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے ہین، اور

انگشت بدندان ہیں. کہ دفعتہً عالم قدس سے آواز آتی ہے،

يَا إِبْرَاهِيمُ قَدْ صَدَّقْتَ	ابراہیم! تونے خواب کو سچ کر دکھایا،
الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَٰلِكَ نَجْزِي	ہم نیک بندون کو اسی طرح اچھا
الْمُحْسِنِينَ (صفت - ۳)	بدلہ دیا کرتے ہین،
طغیانِ ناز بین کہ جگر گوشۂ خلیل	در زیر تیغ رفت وشہیدش نمی کند

بیٹے نے جس استقلال جس عزم اور جس حیرت خیز ایثار سے اپنے آپ کو قربانی کے لیے پیش کیا، اس کا صلہ یہی تھا کہ یہ رسم (قربانی) قیامت تک دنیا مین اس کی یادگار رہ جائے

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سلسلۂ نسب

سلسلۂ نسب یہ ہے محمدؐ بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لُوَیّ بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمۃ بن مدرکہ ابن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان،

صحیح بخاری (باب مبعث النبیؐ) مین یہین تک ہی، لیکن امام بخاری نے اپنی تاریخ مین عدنان سے حضرت ابراہیمؑ تک نام گنائے ہین یعنی عدنان بن عدو بن المقوم بن تارح ابن یشجب بن یعرب بن نابت بن اسمٰعیلؑ بن ابراہیمؑ،

سلسلۂ نسب

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کا ذکر تورات مین بھی ہے، اُن مین سے قیدار کی اولاد حجاز مین آباد ہوئی اور بہت پھیلی، ان ہی کی اولاد مین عدنان ہین، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کے خاندان سے ہین، عرب کے نسب دان تمام پشتون کو محفوظ نہین رکھتے تھے، چنانچہ اکثر نسب نامون مین عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک صرف آٹھ نو پشتین بیان کی ہین، لیکن یہ صحیح نہین، عدنان سے لے کر حضرت اسمٰعیلؑ تک اگر صرف نو دس پشتین ہون تو یہ زمانہ تین سو برس سے زیادہ نہ ہوگا، اور یہ امر بالکل تاریخی شہادتون کے خلاف ہے،

علامہ سہیلی روض الانف (ص ۸) مین لکھتے ہین:۔

ویستحیل فی العادة ان یکون	اور یہ عادةً محال ہے کہ دونون مین ۴۰
بینهما اربعة اٰبا اوسبعة کما	یا ۷ پشتون کا فاصلہ ہو جیسا کہ ابن اسحق
ذکر ابن اسحاق اوعشرة اوعشرون	نے ذکر کیا یا ۱۰-۲۰ پشتین ہون، کیونکہ
فان المدة اطول من ذلك کله	زمانہ اس سے بہت زیادہ ہے،

علامۂ موصوف نے بہت سے تاریخی حوالون اور شہادتون سے ثابت کیا ہے کہ عدنان سے حضرت اسمٰعیلؑ تک ۴۰ پشتون کا فاصلہ ہے، اس غلطی نے بعض عیسائی مورخون کو اس بات کا موقع دیا ہے کہ سرے سے اس بات کے منکر ہو گئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاندان ابراہیمؑ سے ہین[1]،

اس غلطی کی زیادہ وجہ یہ ہوئی کہ اہل عرب زیادہ تر مشہور آدمیون کے نام پر اکتفا کرتے تھے، اور بیچ کی پڑھیون کو چھوڑ دیتے تھے، اس کے علاوہ اہل عرب کے نزدیک چونکہ عدنان کا حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان سے ہونا قطعی اور یقینی تھا، اس لیے وہ صرف اس بات کی کوشش کرتے تھے کہ عدنان تک سلسلۂ نسب صحیح طور سے نام بنام پہنچ جائے، اوپر کے اشخاص کا

[1] سر ولیم صاحب نے صریحًا یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسمٰعیلؑ کے خاندان سے نہ تھے، ان کے الفاظ یہ ہین :- "یہ خواہش کہ مذہب اسلام کے پیغمبر کو اسمٰعیلؑ کی اولاد سے خیال کیا جائے، اور غالبًا یہ کوشش کہ وہ اسمٰعیلؑ کی نسل مین سے ثابت کیے جائین، ان کی عین حیات مین پیدا ہوئی تھی، اور اس طرح پر محمدؐ کے ابراہیمی نسب نامہ کے ابتدائی سلسلے گھڑے گئے تھے، اور اسمٰعیلؑ اور بنی اسرائیل کے بہت سے قصے نصف یہودی اور نصف عربی سانچہ مین ڈھالے گئے تھے" لیکن ایک طرف سر ولیم میور صاحب کا تنہا شبہہ ہے، دوسری طرف بیسیون یورپین اور یہودی مورخین ہین جو نہ صرف خاندان قریش کو بلکہ تمام شمالی عرب و حجاز کو ابراہیمی النسل تسلیم کرتے ہین، (دیکھو فارسٹر صاحب کا جغرافیۂ تاریخی عرب)

نام لینا غیر ضروری سمجھتے تھے، اس لیے چند مشہور آدمیون کا نام لے کر چھوڑ دیتے تھے، تاہم عرب مین ایسے محققین بھی تھے جو اس فروگذاشت سے واقف تھے، علامہ طبری نے تاریخ مین لکھا ہے کہ "مجھ سے بعض نسب دانون نے بیان کیا کہ مین نے عرب مین ایسے علما دیکھے جو معد سے لیکر حضرت اسمٰعیل تک ۴۰ پشتون کے نام لیتے تھے، اور اس شہادت مین عرب کے اشعار پیش کرتے تھے، اس شخص کا یہ بھی بیان تھا کہ مین نے اس سلسلہ کو اہل کتاب کی تحقیقات سے ملایا تو پشتون کی تعداد برابر تھی، البتہ نامون مین فرق تھا[1]، اسی مورخ نے ایک اور موقع پر لکھا ہے کہ "شہر تدمر مین ایک یہودی تھا جس کا نام ابو یعقوب تھا، وہ مسلمان ہوگیا تھا، اس کا بیان تھا کہ "ارمیا پیغمبر کے منشی نے عدنان کا جو نسب نامہ لکھا تھا وہ میرے پاس موجود ہے[2]، اس شجرے مین بھی عدنان سے لے کر حضرت اسمٰعیلؑ تک چالیس نام ہین"، بہر حال یہ واقعہ یقینی ہے کہ عدنان حضرت اسمٰعیلؑ کی اولاد ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عدنان کے خاندان سے ہین،

بناے خاندان قریش

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندان اگرچہ ابًا عن جدٍّ[3] معزز اور ممتاز چلا آتا تھا لیکن جس

---

[1] تاریخ طبری مطبوعہ یورپ ج ۳ صفحہ ۱۱۰۸ [2] تاریخ طبری مطبوعہ یورپ ج ۳ صفحہ ۱۱۱۵ [3] تاریخ عرب کا ایک ایک حرف اس کا شاہد ہے، لیکن ارگولس نے نہایت کوشش کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کو متبذل ثابت کیا جائے، ان کے الفاظ یہ ہین: "یہ بالکل ظاہر ہے کہ محمدؐ ایک غریب اور بالکل ادنیٰ خاندان سے تھے، اس کے بعد جناب موصوف نے حسب ذیل استدلال پیش کیے ہین:- (۱) قرآن مجید مین ہے کہ قریش کو حیرت تھی کہ ان مین ایسا پیغمبر کیون نہ بھیجا گیا جو شریف خاندان سے ہوتا (۲) پیغمبر کے عروج کے زمانہ مین قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس درخت سے تشبیہ دی جو گھورے پر جمتا ہے (۳) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ایک شخص نے مولیٰ کے لفظ سے خطاب کیا تو آپ نے اس لقب سے انکار کیا (۴) فتح مکہ کے دن آپ نے فرمایا کہ

شخص نے اس خاندان کو قریش کے لقب سے ممتاز کیا، وہ نضر بن کنانہ تھے، بعض محققین کے نزدیک قریش کا لقب سب سے پہلے فہر کو ملا، اور ان ہی کی اولاد قریشی ہے، حافظ عراقی سیرت منظوم میں لکھتے ہیں:

اما قریش فالاصح فہر[1] جماعہا والاکثرون النضر

قصی

نضر کے بعد فہر اور فہر کے بعد قصی بن کلاب نے نہایت عزت اور اقتدار حاصل کیا اس زمانہ میں حرم کے متولی حلیل خزاعی تھے قصی نے حلیل کی صاحبزادی سے جن کا نام حبی تھا، شادی کی تھی، اس تعلق سے حلیل نے مرتے وقت وصیت کی کہ حرم کی خدمت قصی کو سپرد کی جائے، اس طرح یہ منصب بھی ان کو حاصل ہو گیا قصی نے ایک دار المشورہ قائم کیا جس کا نام دار الندوہ رکھا، قریش جب کوئی جلسہ یا جنگ کی تیاری کرتے تو اسی عمارت

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۲) "آج شرفائے کفار کا خاتمہ ہو گیا" قرآن شریف کے الفاظ یہ ہیں وقالوا لولا نزل ھذا القرآن علی رجل من القریتین عظیم یعنی کفار کہتے ہیں کہ یہ قرآن دو شہروں (مکہ و طائف) کے کسی رئیس پر کیوں نہ اترا عظیم اور شریف دو الگ لفظ ہیں، قرآن میں عظیم کا لفظ ہے، اہل عرب دولت اور اقتدار والے کو عظیم کہتے تھے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت سے نہیں بلکہ جاہ و دولت سے انکار تھا، دوسرا استدلال اگر صحیح ہو تو دشمن کی ہر بات کو صحیح ماننا چاہیے، کفار نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیوانہ، جادو زدہ، شاعر سب کچھ کہا، ان میں سے کونسی بات صحیح ہے؟ بے شبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مولیٰ اور سید کے لفظ سے انکار کیا لیکن متعدد حدیثوں میں صاف تصریح ہے کہ آپ نے فرمایا مجھکو سید اور مولیٰ نہ کہو، مولیٰ اور سید خدا ہی، قرآن میں ہر جگہ خدا ہی کو مولیٰ کہا ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خاندانی شرافت کا ابطال کیونکر ہوتا ہے؟ اخیر استدلال بھی حیرت انگیز ہے، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کم نسبی کیونکر ثابت ہوتی ہے؟ کہ شرفائے مکہ سے یہاں مراد جبارین و متکبرین مکہ ہیں)

مارگولس صاحب نے یہ دلائل نولدیکی سے نقل کیے ہیں جو مشہور جرمن مستشرق ہے ع این خانہ ہمہ آفتاب است،

[1] زرقانی جلد اول صفحہ ۹۰،

ین کرتے، قافلے باہر جاتے تو یہین سے تیار ہو کر جاتے، نکاح اور دیگر تقریبات کے مراسم بھی یہین ادا ہوتے،

قصی[2] نے بڑے بڑے نمایان کام کیے، جو ایک مدت تک یادگار رہے، مثلاً سقایہ[1] اور رفادہ جو خدام حرم کا سب سے بڑا منصب تھا، ان ہی نے قائم کیا، تمام قریش کو جمع کر کے تقریر کی کہ سیکڑون ہزارون کوس سے لوگ حرم کی زیارت کو آتے ہین، اُن کی میزبانی قریش کا فرض ہے، چنانچہ قریش نے ایک سالانہ رقم مقرر کی جس سے منیٰ اور مکہ معظمہ مین حجاج کو کھانا تقسیم کیا جاتا تھا، اس کے ساتھ چرمی حوض بنوائے جن مین ایام حج مین پانی بھر دیا جاتا تھا کہ حج کے کام آئے، مشعر حرام بھی ان ہی کی ایجاد ہے جس پر ایام حج مین چراغ جلاتے تھے، چنانچہ عقد الفرید مین تصریح کی ہے، قصی نے اس قدر شہرت اور اعتبار حاصل کیا کہ بعض لوگون کا بیان ہے کہ قریش کا لقب اول ان ہی کو ملا[3]، چنانچہ علامۂ ابن عبد ربہ نے عقد الفرید مین بھی لکھا ہے، اور یہ بھی تصریح کی ہے کہ قصی نے چونکہ خاندان کو جمع کر کے کعبہ کے آس پاس بسایا، اس لیے ان کو

---

[1] سقایہ یعنی حاجیون کو آب زمزم پلانا اور رفادہ حاجیون کے کھانے پینے کا انتظام کرنا،

[2] قصی بن کلاب کا مفصل تذکرہ طبقات ابن سعد جزو اول مطبوعۂ لیڈن ۱۳۲۲ھ صفحہ ۳۰ سے لیکر ۴۰ تک ہے،

[3] قریش کی وجہ تسمیہ مین اختلاف ہو بعض کہتے ہین کہ قریش کے معنی جمع کرنے کے ہین، قصی نے لوگون کو ایک رشتہ مین منسلک کیا، اس لیے قریش کہلائے، بعض کہتے ہین کہ ایک مچھلی کا نام ہے، جو تمام مچھلیون کو کھا جاتی ہے، چونکہ قصی بہت بڑے سردار تھے، اس لیے ان کو اس مچھلی سے تشبیہ دی، عام خیال یہ ہے کہ قریش قصی یا کسی اور شخص کا نام ہے لیکن امام سہیلی کی تحقیق یہ ہے کہ یہ قبیلہ کا نام ہے، جس طرح قبائل عرب جانورون کے نام پر رکھتے تھے، مثلاً اسد، نمر وغیرہ، مورخین یورپ کا خیال ہے کہ قبائل جانورون کی پرستش کرتے تھے، اور ان ہی جانورون کے نام سے مشہور ہو جاتے تھے، لیکن عربی تاریخون مین اس کا پتہ نہین چلتا،

قریش کہتے ہین، کیونکہ تقریش کے معنی جمع کرنے کے ہین، اسی بنا پر ان کو مجمع بھی کہتے تھے، چنانچہ شاعر کہتا ہے،

قصی ابوکم من یسمی مجمعًا　　　　به جمع اللّٰہ القبائل من فهر

قصی کی چھ اولادتھی، عبدالدار، عبدمناف، عبدالعزیٰ، عبدبن قصی، تخمر، برہ، قصی نے مرتے وقت حرم محترم کے تمام مناصب سب سے بڑے بیٹے عبدالدار کو دیے[1]، اگرچہ وہ سب بھائیون مین ناقابل تھے، لیکن قصی کے بعد قریش کی ریاست عبدمناف نے حاصل کی، اور ان ہی کا خاندان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا خاص خاندان ہے، عبدمناف کے چھ بیٹے تھے، ان مین سے ہاشم نہایت صاحبِ صولت اور بااثر تھے، انھون نے بھائیون کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حرم کے مناصب جو عبدالدار کو دیے گئے، واپس لے لیے جائین، وہ لوگ اس منصبِ عظیم کے قابل نہین، عبدالدار کے خاندان نے انکار کیا، اور جنگ کی تیاریان شروع کین، بالآخر اس پر صلح ہوگئی کہ عبدالدار سے سقایہ اور رفادہ واپس لے کر ہاشم کو دے دیا،

ہاشم

ہاشم نے اپنے فرض کو نہایت خوبی سے انجام دیا، حجاج کو نہایت سیرچشمی سے کھانا کھلاتے تھے، چرمی حوضون مین پانی بھرواکر زمزم اور منیٰ کے پاس سبیل رکھتے تھے، تجارت کو نہایت ترقی دی، قیصر روم سے خط وکتابت کرکے فرمان لکھوایا کہ "قریش جب اس کے ملک مین اسبابِ تجارت لے کر جائین، تو ان سے کوئی ٹکس نہ لیا جائے" حبش کے بادشا

---

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۴۱

نجاشی سے بھی اسی قسم کا فرمان حاصل کیا، چنانچہ اہلِ عرب جاڑون مین یمن اور گرمیون مین شام اور ایشیائے کوچک تک تجارت کے لیے جایا کرتے تھے، اس زمانہ مین انگوریہ (انقرہ) جو ایشیاے کوچک کا مشہور شہر ہے، قیصر کا پایہ تخت تھا، تجار قریش، انگوریہ مین جاتے تو قیصر نہایت عزت اور حرمت سے خیر مقدم کرتا تھا،

عرب مین راستے محفوظ نہ تھے، ہاشم نے مختلف قبائل مین دورہ کرکے قبائل سے یہ معاہدہ کیا کہ "قریش کے کاروانِ تجارت کو ضرر نہ پہنچائیں گے، جس کے عوض مین کاروانِ قریش ان قبائل مین ان کی ضرورت کی چیزین خود لیکر جائے گا، اور ان سے خرید و فروخت کریگا" یہ سبب تھا کہ عرب مین باوجود عام لوٹ مار کے قریش کا قافلۂ تجارت ہمیشہ محفوظ رہتا تھا[1]،

ایک[2] دفعہ مکہ مین قحط پڑا، ہاشم نے اس قحط مین شوربہ مین روٹیان چورا کرکے لوگون کو کھلائین، اس وقت سے ان کا نام ہاشم مشہور ہوگیا، عربی زبان مین چورا کرنے کو ہشم کہتے ہین جس کا اسم فاعل ہاشم ہے،

ایک بار تجارت کی غرض سے شام گئے، راستہ مین مدینہ مین ٹھہرے، وہان سال کے سال بازار لگتا تھا، بازار مین گئے تو ایک عورت کو دیکھا جس کے حرکات و سکنات سے شرافت اور فراست کا اظہار ہوتا تھا، اس کے ساتھ حسین اور جمیل بھی تھی، دریافت سے معلوم ہوا کہ خاندانِ بنی نجار سے ہے، اور سلمیٰ نام ہے، ہاشم نے اس سے شادی کی درخواست کی، اور اس نے قبول کر لی، غرض نکاح ہوگیا، شادی کے بعد یہ شام کو چلے گئے، اور غزہ

[1] امالی ابو علی قالی [2] طبری صفحہ ۱۰۸۸ و ۱۰۸۹ (ج ۳) "س"

مین جاکر انتقال کیا، سلمٰی کو حمل رہ گیا تھا، لڑکا پیدا ہوا، اس کا نام شیبہ رکھا گیا، اس نے قریباً ۸ برس تک مدینہ مین پرورش پائی، ہاشم کے بھائی جن کا نام مطلب تھا، ان کو یہ حالات معلوم ہوئے تو فوراً مدینہ روانہ ہوئے، وہان پہنچکر بھتیجے کی جستجو کی، سلمٰی نے ان کے آنے کا حال سنا تو بلوا بھیجا، تین دن مہمان رہے، چوتھے دن شیبہ کو ساتھ لیکر مکہ معظمہ روانہ ہوئے، ان کی عمر ۸ برس کی تھی، یہان آکر ان کا نام عبد المطلب پڑ گیا،

عبد المطلب کے لفظی معنی "مطلب کا غلام" ہین، اس لیے ارباب سیر نے وجہ تسمیہ مین بہت سے اقوال نقل کیے ہین، جن مین صحیح تر یہ ہے کہ چونکہ مطلب نے ان کی پرورش کی تھی اور یہ یتیم تھے، اس لیے عرب کے محاورہ کے مطابق "غلام مطلب" مشہور[1] ہو گئے،

عبد المطلب کی زندگی کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ چاہ زمزم جو ایک مدت سے اٹ کر گم ہو گیا تھا، انھون نے اس کا پتہ لگایا، اور کھدوا کر نئے سرے سے درست کرا دیا،

انھون نے منت مانی تھی کہ دس بیٹون کو اپنے سامنے جوان دیکھ لین گے تو ایک کو خدا کی راہ مین قربان کر دین گے، خدا نے یہ آرزو پوری کی، دسون بیٹون کو لے کر کعبہ مین آئے اور پجاری سے کہا کہ ان دسون پر قرعہ ڈالو، دیکھو کس کے نام پر نکلتا ہے، اتفاق سے عبد اللہ کا نام نکلا، یہ ان کو لے کر قربان گاہ کو چلے، عبد اللہ کی بہنین جو ساتھ تھین، رونے لگین، اور کہا کہ ان کے بدلے دس اونٹ قربانی کیجیے، ان کو چھوڑ دیجیے، عبد المطلب نے پجاری سے کہا کہ عبد اللہ پر اور دس اونٹون پر قرعہ ڈالو، اتفاق یہ کہ عبد اللہ ہی کے نام عبد اللہ

[1] دیکھو زرقانی جلد اول ص ۸۵

قرعہ نکلا، عبد المطلب نے اب دس کے بجائے بیس اونٹ کر دیے، یہانتک کہ بڑھاتے بڑھاتے سو تک نوبت پہنچی، تو اونٹون پر قرعہ آیا، عبد المطلب نے سو اونٹ قربانی کیے، اور عبد اللہ بچ گئے، یہ واقدی کی روایت ہے، ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اونٹون کے معاوضہ کی تدبیر رؤسائے قریش نے تجویز کی تھی،

عبد المطلب کے دس یا بارہ بیٹون مین سے پانچ شخصون نے اسلام یا کفر کی خصوصیت کی وجہ سے شہرت عام حاصل کی یعنی ابولہب، ابوطالب، عبد اللہ، حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ، عام طور پر مشہور ہے کہ ابولہب کا اصلی نام اور ہے، خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یا صحابہؓ نے دیا لیکن یہ غلطی ہے، ابن سعد نے طبقات مین تصریح کی کہ یہ لقب خود عبد المطلب نے دیا تھا جس کی وجہ یہ تھی کہ ابولہب نہایت حسین اور جمیل تھا، اور عرب مین گورے چہرے کو شعلۂ آتش کہتے ہین، فارسی مین بھی آتشین رخسار ہے،

عبد اللہ قربانی سے بچ گئے، تو عبد المطلب کو ان کی شادی کی فکر ہوئی، قبیلہ زہرہ مین وہب بن عبد مناف کی صاحبزادی جن کا نام آمنہ تھا، قریش کے تمام خاندانون مین ممتاز تھین[1]، وہ اس وقت اپنے چچا وہیب کے پاس رہتی تھین، عبد المطلب وہیب کے پاس گئے، اور عبد اللہ کی شادی کا پیغام دیا، انھون نے منظور کیا، اور عقد ہوگیا، اسی موقع پر خود عبد المطلب نے بھی وہیب کی صاحبزادی سے جن کا نام ہالہ تھا، شادی کی، حضرت حمزہؓ انہی ہالہ کے بطن سے ہین، ہالہ رشتہ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] سیرۃ ابن ہشام (برحاشیۂ زاد المعاد مصر ج ۱ صفحہ ۸۰) "س"

کی خالہ ہوئین، اور اس بنا پر حضرت حمزہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خالہ زاد بھائی بھی ہین،

دستور تھا کہ نوشاہ شادی کے بعد ۳ دن تک سسرال مین رہتا تھا، عبد اللہ تین دن رہے، اور پھر گھر چلے آئے، اس وقت ان کی عمر تقریباً سترہ برس[1] سے کچھ زیادہ تھی،

عبد اللہ تجارت کے لیے شام کو گئے. واپس آتے ہوئے مدینہ مین ٹھہرے اور بیمار ہوکر یہیں رہ گئے، عبد المطلب کو یہ حال معلوم ہوا تو اپنے بڑے بیٹے حارث کو خبر لانے کے لیے بھیجا، وہ مدینہ مین پہنچے تو عبد اللہ کا انتقال ہوچکا تھا، چونکہ یہ خاندان مین سب سے زیادہ محبوب تھے، تمام خاندان کو سخت صدمہ ہوا،

عبد اللہ نے ترکہ مین اونٹ، بکریان اور ایک لونڈی چھوڑی تھی جس کا نام اُم ایمن تھا، یہ سب چیزین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ترکہ مین ملین[2]، ام ایمنؓ کا اصلی نام برکہ تھا،

[1] زرقانی جلد اول صفحہ ۱۲۲ سطر ۷، [2] طبقات ابن سعد (جزء اول قسم اول صفحہ ۶۲) "س"

ظہورِ قدسی

چمنستانِ دہر مین بارہا روح پرور بہارین آچکی ہین، چرخِ نادرہ کار نے کبھی کبھی بزمِ عالم اس سروسامان سے سجائی کہ نگاہین خیرہ ہو کر رہ گئی ہین،

لیکن آج کی تاریخ وہ تاریخ ہے جس کے انتظار مین پیرِ کہن سالِ دہر نے کروڑون برس صرف کر دیے، سیارگانِ فلک اسی دن کے شوق مین ازل سے چشم براہ تھے، چرخِ کہن مدتہائے دراز سے اسی صبحِ جان نواز کے لیے لیل و نہار کی کروٹین بدل رہا تھا، کارکنانِ قضا و قدر کی بزم آرائیان، عناصر کی جدت طرازیان، ماہ و خورشید کی فروغ انگیزیان، ابر و باد کی تردستیان، عالمِ قدس کے انفاسِ پاک، توحیدِ ابراہیمؑ، جمالِ یوسفؑ، معجز طرازیِ موسیٰؑ، جان نوازیِ مسیحؑ، سب اسی لیے تھے کہ یہ متاع ہائے گران ارز شاہنشاہِ کونین (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دربار مین کام آئین گے،

آج کی صبح وہی صبحِ جان نواز، وہی ساعتِ ہمایون، وہی دورِ فرخ فال ہے، اربابِ سیر اپنے محدود پیرایۂ بیان مین لکھتے ہین کہ "آج کی رات ایوانِ کسریٰ کے ۱۴ کنگرے گر گئے، آتشکدۂ فارس بجھ گیا، دریائے ساوہ خشک ہو گیا"، لیکن سچ یہ ہے کہ ایوانِ کسریٰ نہین، بلکہ شانِ عجم، شوکتِ روم، اوجِ چین کے قصر ہائے فلک بوس گر پڑے، آتشِ فارس نہین بلکہ جحیمِ شر، آتشکدۂ کفر، آذرکدۂ گمرہی سرد ہو کر رہ گئے، صنم خانون مین خاک اڑنے لگی،

ولادت

بتکدے خاک میں مل گئے، شیرازۂ مجوسیت بکھر گیا، نصرانیت کے اوراقِ خزان دیدہ ایک ایک کرکے جھڑ گئے،

توحید کا غلغلہ اٹھا، چمنستانِ سعادت مین بہار آگئی، آفتابِ ہدایت کی شعاعین ہر طرف

پھیل گیئن، اخلاقِ انسانی کا آئینہ پرتوِ قدس سے چمک اٹھا،

یعنی یتیم عبد اللہ، جگر گوشۂ آمنہ، شاہ حرم، حکمرانِ عرب، فرمان روائے عالم، شہنشاہِ کونین

شمسۂ نُہ مسند ہفت اختران | ختمِ رسل خاتم پیغمبران
احمد مرسل کہ خرد خاکِ اوست | ہر دو جہان بستۂ فتراکِ اوست
امی و گویا بہ زبانِ فصیح | از الف آدم و میم مسیح
رسم ترنج است کہ در روزگار | پیش دہد میوہ، پس آرد بہار

عالمِ قدس سے عالمِ امکان مین تشریف فرماے عزت و اجلال ہوا، اللّٰھُمَّ صَلِّ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَسَلَّمْ

تاریخ ولادت کے متعلق مصر کے مشہور ہیئت دان عالم محمود پاشا فلکی نے ایک رسالہ لکھا ہے، جس مین انھون نے دلائل ریاضی سے ثابت کیا ہے کہ آپ کی ولادت ۹ ربیع الاول، روز دوشنبہ، مطابق ۲۰ اپریل ۵۷۱ء مین ہوئی تھی،[1]

---

[1] محمود فلکی نے جو استدلال کیا ہے وہ کئی صفحون مین آیا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے:-

(۱) صحیح بخاری مین ہے کہ ابراہیمؑ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صغیر السن صاحبزادے) کے انتقال کے وقت آفتاب مین گہن لگا تھا، اور سنہ ۱۰ھ تھا، (اور اس وقت آپ کی عمر کا ترسٹھوان سال تھا)

(۲) ریاضی کے قاعدے سے حساب لگانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۰ھ کا گرہن ۷ جنوری ۶۳۲ء کو ۸ بجکے ۳۰ منٹ پر لگا تھا،

(۳) اس حساب سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اگر قمری ۶۳ برس پیچھے ہٹین تو آپ کی پیدائش کا سال ۵۷۱ء ہے جس مین (ازروے قواعد ہیئت) ربیع الاول کی پہلی تاریخ ۱۲ اپریل ۵۷۱ء کے مطابق تھی،

آپ کا نام "محمد" رکھا گیا، اور عام طور پر بیان کیا جاتا ہے کہ عبد المطلب نے یہ نام رکھا تھا،

رضاعت سب سے پہلے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو آپ کی والدہ نے اور دو تین روز کے بعد ثویبہ نے دودھ پلایا (جو ابو لہب کی لونڈی تھی)[1] — ثوبیہ

حلیمہ سعدیہ — ثویبہ کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے آپ کو دودھ پلایا، اس زمانہ مین دستور تھا کہ شہر کے رؤسا، اور شرفا، شیر خوار بچون کو اطراف کے قصبات اور دیہات مین بھیجدیتے تھے، یہ رواج اس غرض سے تھا کہ بچے بدوؤن مین پل کر فصاحت کا جوہر پیدا کرتے تھے،[2] اور عرب کی خالص خصوصیات محفوظ رہتی تھین،

شرفائے عرب نے مدت تک اس رسم کو محفوظ رکھا، یہان تک کہ بنوامیہ نے دمشق مین پایۂ تخت قائم کیا، اور شاہانہ شان و شوکت مین کسریٰ و قیصر کی ہمسری کی تاہم انکے بچے صحراؤن مین بدوؤن کے گھر مین پلتے تھے، ولید بن عبد الملک خاص اسباب سے نہ جا سکا،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۷۱) (۴) تاریخ ولادت مین اختلاف ہے، لیکن اس قدر متفق علیہ ہے کہ وہ ربیع الاول کا مہینہ اور دوشنبہ کا دن تھا، اور تاریخ ۸ سے لے کر ۱۲ تک مین منحصر ہے،

(۵) ربیع الاول مذکور کی ان تاریخون مین دوشنبہ کا دن نوین تاریخ کو پڑتا ہے، ان وجوہ کی بنا پر تاریخ ولادت قطعاً ۲۰ اپریل ۵۷۱ء تھی،

[1] بخاری باب تحریم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب" س" [2] امام سہیلی نے بتفصیل یہ واقعات لکھے ہین، اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ مین اس لیے فصیح ہون کہ قبیلہ بنی سعد مین پلا ہون (الروض الانف ج اول ص ۱۰۹" س") سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد مین لکھتے ہین کہ "محمد کی جسمانی حالت بہت اچھی تھی، ان کے اخلاق آزاد اور مستغنی عن الغیر تھے جس کی وجہ ان کا پانچ سال تک بنی سعد مین بسر کرنا تھا اور اسی وجہ سے ان کی تقریر جزیرہ نمائے عرب کے خالص نمونہ کے موافق تھی"

اور حرم شاہی مین پلا، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ خاندان بنو امیہ مین صرف ولید ہی ایک شخص تھا جو عربی صحیح نہین بول سکتا تھا[1]

غرض، دستور مذکور کی بنا پر سال مین دو مرتبہ دیہات سے شہر مین عورتین آیا کرتی تھین، اور شرفاے شہر اپنے شیرخوار بچون کو ان کے حوالے کر دیا کرتے تھے، اس دستور کے موافق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ولادت کے چند روز بعد قبیلۂ ہوازن کی چند عورتین بچون کی تلاش مین آئین، اُن مین حضرت حلیمہ سعدیہ بھی تھین، اتفاق سے ان کو کوئی بچہ ہات نہین آیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی والدہ نے اُن کو مقرر کرنا چاہا تو اُن کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کرون گی لیکن خالی ہاتھ بھی نہ جا سکتی تھین، اس لیے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر گئین، ان کی ایک صاحبزادی تھین جن کا نام شیما تھا، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت انس تھا، وہی آپ کو کھلایا کرتی تھین، دو برس کے بعد حلیمہ آپ کو مکہ مین لائین، اور آپ کی والدہ ماجدہ کے سپرد کیا لیکن چونکہ اس زمانہ مین مکہ مین وبا پھیلی ہوئی تھی، آپ کی والدہ نے فرمایا کہ واپس لے جاؤ، چنانچہ وہ دوبارہ گھر مین لائین، اس مین اختلاف ہے کہ آپ حضرت حلیمہؓ کے یہان کے برس تک رہے، ابن اسحاق نے وثوق کیساتھ ۶ برس لکھا ہے،

[1] (ابن اثیر ج ۵ صفحہ ۴ طبع لیڈن) سہیلی نے لکھا ہے کہ عرب مین دودھ پلانا، اور اس کی اجرت لینا شریفانہ کام نہین خیال کیا جاتا تھا، اسی بنا پر عرب مین مثل ہے الحرۃ لاتاکل بثدییھا، اس بنا پر سہیلی نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ اس سال قحط پڑا تھا، اس لیے مجبوراً حضرت حلیمہؓ اور ان کے قبیلہ نے یہ خدمت گوارا کی تھی، لیکن تمام تاریخون مین ہے کہ مکہ مین ہر سال باہر سے عورتین اس کام کے لیے آیا کرتی تھین، ہمارا خیال ہے کہ اس کام کو معیوب سمجھنا عرب کا عام خیال نہ تھا، یہ خیال اہل شہر اور امراء کے ساتھ مخصوص ہوگا،

ہوازن کا قبیلہ فصاحت و بلاغت مین مشہور ہے، ابن سعد نے طبقات مین روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ "مین تم سب مین فصیح تر ہون، کیونکہ مین قریش کے خاندان سے ہون اور میری زبان بنی سعد کی زبان ہے"[1]، بنی سعد ہوازن ہی کے قبیلہ کو کہتے ہین،

حضرت حلیمہؓ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بے انتہا محبت تھی، عہد نبوت مین جب وہ آپ کے پاس آئین تو آپ میری ان میری مان کہکر لپٹ گئے، یہ دلچسپ واقعات آگے آئین گے۔

ابن کثیر نے لکھا ہے کہ حضرت حلیمہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے وفات کر گئین لیکن یہ صحیح نہین ہے، ابن ابی خیثمہ نے "تاریخ" مین، ابن جوزی نے "حدائین"، منذری نے "مختصر سنن ابی داؤد" مین، ابن حجر نے "اصابہ" مین اُن کے اسلام لانے کی تصریح کی ہے، حافظ مغلطائی نے اُن کے اسلام پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جس کا نام "التحفۃ الجسیمہ فی اثبات اسلام حلیمہ"[2] ہے،

حارث۔ حضرت حلیمہؓ کے شوہر یعنی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے رضاعی باپ کا نام حارث بن عبد العزیٰ ہے، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد مکہ مین آئے اور اسلام لائے[3]،

حارث آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور کہا کہ یہ تم کیا کہتے ہو، آپ نے فرمایا ہان، وہ دن آئے گا کہ مین آپ کو دکھا دون گا کہ مین سچ کہتا تھا، حارث مسلمان ہو گئے،

[1] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۱، [2] زرقانی جلد ۱ ص ۱۴۶، [3] اصابہ فی احوال الصحابہ مطبوعہ مصر مطبع سعادت جلد ۱ ص ۲۸۳

رضاعی بھائی بہن

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چار رضاعی بھائی بہن تھے، جن کے نام یہ ہین، عبد اللہ، انیسہ حذیفہ، اور حذافہ جو شیما کے لقب سے مشہور تھین، ان مین سے عبد اللہ اور شیما کا اسلام لانا ثابت ہے، باقیون کا حال معلوم نہین،

مدینہ کا سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر جب چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ آپ کو لے کر مدینہ گئین، چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا کی نہنال خاندانِ نجار مین تھی، وہین ٹھہرین اس سفر مین ام ایمن بھی ساتھ تھین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ تھین، مورخین نے لکھا ہے کہ آپ کی والدہ اس نہنالی رشتہ کی وجہ سے مدینہ گئین، لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا، قیاس مین نہین آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے، میرے نزدیک بعض مورخین کا یہ بیان صحیح ہے کہ حضرت آمنہ اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کے لیے گئی تھین، جو مدینہ مین مدفون تھے، بہر حال ایک مہینہ تک مدینہ مین مقیم رہین، واپس آتے ہوئے جب مقام ابواء[1] مین پہنچین تو ان کا انتقال ہوگیا، اور یہین مدفون ہوئین، ام ایمنؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر مکہ مین آئین،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو قیام مدینہ کی بہت سی باتین یاد رہ گئی تھین، جب آپ قیام مدینہ کے زمانہ مین ایک دفعہ بنو عدی کے منازل پر گذرے تو فرمایا کہ اسی مکان مین میری والدہ ٹھہری تھین، یہی وہ تالاب ہے جس مین مین نے تیرنا سیکھا تھا، اسی میدان مین مین انیسہ ایک لڑکی کے ساتھ کھیلا کرتا تھا،[2]

[1] ایک گاؤن کا نام ہے جو جحفہ سے ۲۳ میل پر واقع ہے [2] طبقات ابن سعد جلد ۱ صفحہ ۷۳،

عبدالمطلب کی کفالت

والدہ ماجدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے دامن تربیت مین لیا، ہمیشہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے،[۱]

عبدالمطلب نے بیاسی برس کی عمر مین وفات پائی، اور حجون مین مدفون ہوئے، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر آٹھ برس کی تھی، عبدالمطلب کا جنازہ اٹھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ساتھ تھے، اور فرط محبت سے روتے جاتے تھے، عبدالمطلب نے مرنے کے وقت اپنے بیٹے ابوطالب کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت سپرد کی، ابوطالب نے اس فرض کو جس خوبی سے ادا کیا، اس کی تفصیل آگے آتی ہے، یہ واقعہ خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ عبدالمطلب کی موت نے بنوہاشم کے رتبۂ امتیاز کو دفعۃً گھٹا دیا اور یہ پہلا دن تھا کہ دنیوی اقتدار کے لحاظ سے بنوامیہ کا خاندان بنوہاشم پر غالب آگیا، عبدالمطلب کی مسند ریاست پر اب حرب متمکن ہوا، جو امیہ کا نامور فرزند تھا، مناصب ریاست مین سے صرف سقایہ یعنی حجاج کو پانی پلانا عباس کے ہاتھ مین رہا جو عبدالمطلب

۱؎ عبدالمطلب کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عزیز رکھنا ایک مسلم واقعہ ہے، لیکن مارگولیس صاحب کو دادا کا پوتے پر مہربان ہونا بھی گوارا نہین، فرماتے ہین کہ "یتیم لڑکے کی حالت کچھ اچھی نہ تھی، اور اخیر زندگی مین ان کے چچا حمزہؓ نے نشہ کی حالت مین محمدؐ کو طنزاً اپنے باپ کا غلام کہا تھا، (لائف آف محمدؐ از مارگولیس صفحہ ۴۵ تا ۴۹) حضرت حمزہؓ کے جس قول سے استدلال کیا ہے، مارگولیس خود تسلیم کرتے ہین کہ وہ نشہ کی حالت تھی، اس کی تفصیل جیسا کہ بخاری (غزوۂ بدر وخمس) مین ہے کہ بدر کے مال غنیمت سے حضرت علیؓ کو دو اونٹ ملے تھے) اس وقت تک شراب حرام نہین ہوئی تھی، حضرت حمزہؓ شراب مین مخمور ادھر سے گذرے اور اونٹ کا پیٹ پھاڑ کر دل اور جگر کا کباب بنایا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ حضرت حمزہؓ کے پاس گئے، اور ان کو ملامت کی، حضرت حمزہؓ سخت مخمور تھے، اس حالت مین وہ الفاظ ان کی زبان سے نکلے تھے، کیا اس حالت کا کوئی بیان شہادت مین پیش کیا جا سکتا ہے؟

کے سب سے چھوٹے بیٹے تھے،

ابو طالب کی کفالت | عبد المطلب کے دس بیٹے مختلف ازواج سے تھے، ان میں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبد اللہ اور ابو طالب ماں جائے بھائی تھے، اس لیے عبد المطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابو طالب ہی کے آغوش تربیت میں دیا، ابو طالب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس قدر محبت رکھتے تھے کہ آپ کے مقابلہ میں اپنے بچوں کی پروا نہیں کرتے تھے، سوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ لے کر سوتے اور باہر جاتے تو ساتھ لے کر جاتے،

غالباً جب آپ کی عمر دس بارہ برس کی ہوئی تو آپ نے بکریاں چرائیں، فرانس کے ایک نامور مورخ نے لکھا ہے کہ "ابو طالب چونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ذلیل رکھتے تھے اس لیے ان سے بکریاں چرانے کا کام لیتے تھے" لیکن واقعہ یہ ہے کہ عرب میں بکریاں چرانا معیوب کام نہ تھا، بڑے بڑے شرفا، اور امراء کے بچے بکریاں چراتے تھے، خود قرآن مجید میں ہے وَلَكُمْ فِيهَا جَمَالٌ حِينَ تُرِيحُونَ وَحِينَ تَسْرَحُونَ، اور حقیقت یہ ہے کہ یہ عالم کی گلہ بانی کا دیباچہ تھا، زمانۂ رسالت میں آپ اس سادہ اور پر لطف مشغلہ کا ذکر فرمایا کرتے تھے، ایک دفعہ آپ صحابہؓ کے ساتھ جنگل میں تشریف لے گئے، صحابہؓ جھڑبیریاں توڑ توڑ کر کھانے لگے، آپ نے فرمایا جو خوب سیاہ ہو جاتے ہیں زیادہ مزے کے ہوتے ہیں، یہ میرا اُس زمانے کا تجربہ ہے جب میں بچپن میں یہاں بکریاں چرایا کرتا تھا،[1]

شام کا سفر | ابو طالب تجارت کا کاروبار کرتے تھے، قریش کا دستور تھا، سال میں ایک دفعہ

---

[1] طبقات ابن سعد صفحہ ۸۰ جلد اول، بخاری نے کتاب الاجارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول نقل کیا ہے، کہ میں

تجارت کی غرض سے شام کو جایا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تقریباً بارہ برس کی ہوگی کہ ابوطالب نے حسب دستور شام کا ارادہ کیا، سفر کی تکلیف یا کسی اور وجہ سے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساتھ نہین لے جانا چاہتے تھے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوطالب سے اس قدر محبت تھی کہ جب ابوطالب چلنے لگے تو آپ ان سے لپٹ گئے، ابوطالب نے آپ کی دل شکنی گوارا نہ کی اور ساتھ لے لیا، عام مورخین کے بیان کے موافق بحیرا کا مشہور واقعہ اسی سفر مین پیش آیا، اس واقعہ کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے کہ جب ابوطالب بصری مین پہنچے تو ایک عیسائی راہب کی خانقاہ مین اترے جس کا نام بحیرا تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھکر کہا کہ "یہ سید المرسلین ہین"۔ لوگون نے پوچھا تم نے کیونکر جانا، اس نے کہا جب تم لوگ پہاڑ سے اترے تو جس قدر درخت اور پتھر تھے سب سجدے کے لیے جھک گئے،

یہ روایت مختلف پیرایون مین بیان کی گئی ہے، تعجب یہ ہے کہ اس روایت سے جس قدر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۶۷) قراریط پر مکہ والون کی بکریان چرایا کرتا تھا" قراریط کے معنی مین اختلاف ہے، ابن ماجہ کے شیخ یعنی سوید بن سعید کی رائے ہے کہ قراریط قیراط کی جمع ہے، اور قیراط درہم یا دینار کے ٹکڑے کا نام ہے، اس بنا پر ان کے نزدیک حدیث کے یہ معنی ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اجرت پر لوگون کی بکریان چراتے تھے، اسی بنا پر بخاری نے اس حدیث کو باب الاجارۃ مین نقل کیا ہے لیکن ابراہیم حربی کا قول ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے جو اجیاد کے قریب ہے، ابن جوزی نے اس قول کو ترجیح دی ہے، علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح مین یہ بحث تفصیل سے لکھی ہے، اور قوی دلائل سے ثابت کیا ہے کہ ابن جوزی کی رائے صحیح ہے، (عینی جلد ۵ صفحہ ۴۲۳) نور النبراس مین یہ بحث اور زیادہ تفصیل سے ہے، اور اسی رائے کو ترجیح دی ہے،

عام مسلمانون کو شغف ہے، اس سے زیادہ عیسائیون کو ہے، سر ولیم میور، ڈریپر، مارگولیوس وغیرہ سب اس واقعہ کو عیسائیت کی فتح عظیم خیال کرتے ہین، اور اس بات کے مدعی ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذہب کے حقائق و اسرار اسی راہب سے سیکھے، اور جو نکتے اس نے بتا دیے تھے ان ہی پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عقائد اسلام کی بنیاد رکھی، اسلام کے تمام عمدہ اصول ان ہی نکتون کے شروح اور حواشی ہین[1]،

عیسائی مصنفین اگر اس روایت کو صحیح مانتے ہین تو اس طرح ماننا چاہیے جس طرح روایت مین مذکور ہے، اس مین بحیرا کی تعلیم کا کہین ذکر نہین، قیاس مین بھی نہین آسکتا کہ دس بارہ برس کے بچے کو مذہب کے تمام دقائق سکھا دیے جائین، اور اگر یہ کوئی خرق عادت تھا تو بحیرا کے تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت ناقابل اعتبار ہے، اس روایت کے جس قدر طریقے ہین سب مرسل ہین، یعنی راوی اول واقعہ کے وقت خود موجود نہ تھا، اور اس راوی کا نام

---

[1] ڈریپر صاحب معرکۂ علم و مذہب مین لکھتے ہین "بحیرا راہب نے بصریٰ کی خانقاہ مین محمدؐ کو نسطوری عقائد کی تعلیم دی.... آپؐ کے ناتربیت یافتہ لیکن اخاذ دماغ نے نہ صرف اپنے اتالیق کے مذہبی بلکہ فلسفیانہ خیالات کا گہرا اثر قبول کیا.... بعد مین آپؐ کے طرز عمل سے اس امر کی شہادت ملتی ہے کہ نسطوریون (عیسائیون کے ایک مذہبی فرقہ کا نام ہے) کے مذہبی عقائد نے آپ پر کہانتک قابو پالیا تھا" سر ولیم میور صاحب نے بھی نہایت آب و رنگ سے ثابت کرنا چاہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بت پرستی سے جو نفرت پیدا ہوئی اور ایک مذہب جدید کا جو خاکہ آپ نے قائم کیا، وہ سب اسی سفر اور اس کے مختلف تجارب اور مشاہدات کے نتائج تھے. (لیکن ظاہر ہے کہ اگر شارع اسلام بالفرض ان عیسائی اساتذہ کا تعلیم یافتہ ہوتا تو ناممکن تھا کہ توحید خالص کا وہ ولولہ اور تثلیث سے نفرت کا وہ جوش اس کے سینہ مین پیدا ہو سکتا، جو قرآن کے ہر صفحہ مین نظر آتا ہے)

نہین بیان کرتا جو شریک واقعہ تھا،

اس روایت کا سب سے زیادہ مستند طریقہ یہ ہے جو ترمذی مین مذکور ہے، اس کے متعلق تین باتین قابلِ لحاظ ہین،

(۱) ترمذی نے اس روایت کے متعلق لکھا ہے کہ "حسن اور غریب ہے، اور ہم اس حدیث کو اس طریقہ کے سوا کسی اور طریقہ سے نہین جانتے" حسن کا مرتبہ صحیح حدیث سے کم ہوتا ہے، اور جب غریب ہو تو اس کا رتبہ اس سے بھی گھٹ جاتا ہے،

(۲) اس حدیث کا ایک راوی عبد الرحمٰن بن غزوان ہے، اس کو بہت سے لوگون نے اگرچہ ثقہ بھی کہا ہے، لیکن اکثر اہلِ فن نے اس کی نسبت بے اعتباری ظاہر کی ہے. علامہ ذہبی میزان الاعتدال مین لکھتے ہین کہ عبد الرحمٰن منکر حدیثین بیان کرتا ہے، جن مین سب سے بڑھ کر منکر وہ روایت ہے جس مین بحیرا کا واقعہ مذکور ہے"

(۳) حاکم نے مستدرک مین اس روایت کی نسبت لکھا ہے کہ "یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے مطابق ہے" علامہ ذہبی نے تلخیص المستدرک مین حاکم کا یہ قول نقل کر کے لکھا ہو کہ مین اس حدیث کے بعض واقعات کو موضوع، جھوٹا اور بنایا ہوا خیال کرتا ہون[۱]"

(۴) اس روایت مین مذکور ہے کہ حضرت بلالؓ اور ابو بکرؓ بھی اس سفر مین شریک تھے، حالانکہ اس وقت بلالؓ کا وجود بھی نہ تھا اور حضرت ابو بکرؓ بچے تھے،

---

[۱] نبراس فی شرح عیون السیر لابن سید الناس اور زرقانی اور میزان الاعتدال اور اصابہ (تذکرۂ عبد الرحمٰن بن غزوان) مستدرک حاکم مع تلخیص جلد ۲ صفحہ ۶۱۵) "س"

(۵) اس حدیث کے اخیر راوی ابو موسیٰ اشعریؓ ہیں، وہ شریک واقعہ نہ تھے، اور اوپر کے راوی کا نام نہیں بتاتے، ترمذی کے علاوہ طبقات ابن سعد[1] میں جو سلسلۂ سند مذکور ہے، (وہ مرسل یا معضل ہے، یعنی جو روایت مرسل ہے اس میں تابعی جو ظاہر ہے کہ شریک واقعہ نہیں ہے کسی صحابی کا نام نہیں لیتا ہے، اور جو روایت معضل ہے، اس میں راوی اپنے اوپر کے دو راوی جو تابعی اور صحابی ہیں دونوں کا نام نہیں لیتا ہے)

(۶) حافظ ابن حجر رواۃ پرستی کی بنا پر اس حدیث کو صحیح تسلیم کرتے ہیں لیکن چونکہ حضرت ابو بکرؓ اور بلالؓ کی شرکت بداہتہً غلط ہے، اس لیے مجبوراً اقرار کرتے ہیں کہ اس قدر حصہ غلطی سے روایت میں شامل ہو گیا ہے، لیکن حافظ ابن حجر کا یہ ادعا بھی صحیح نہیں کہ اس روایت کے تمام رواۃ قابلِ سند ہیں، عبد الرحمٰن بن غزوان کی نسبت خود ان ہی حافظ ابن حجر نے تہذیب التہذیب میں لکھا ہے کہ "وہ خطا کرتا تھا" اس کی طرف سے اس وجہ سے شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ اس نے ممالیک کی روایت نقل کی ہے"، ممالیک کی ایک روایت ہے جس کو محدثین جھوٹ اور موضوع خیال کرتے ہیں[2]،

حرب فجار کی شرکت عرب میں اسلام کے آغاز تک لڑائیوں کا جو متواتر سلسلہ چلا آتا ہے، اُن میں یہ جنگ سب سے زیادہ مشہور اور خطرناک تھی،

یہ لڑائی قریش اور قیس کے قبیلہ میں ہوئی تھی، قریش کے تمام خاندانوں نے اس معرکہ

---

(۱) جزء اول قسم اول صفحہ ۷۵، "س" (۲) (جامع نے بحیرا راہب کے قصہ کی مکمل تنقید سیرۃ النبی جلد سوم باب مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت میں کی ہے، اس کو ملاحظہ فرمایا جائے) "س"

مین اپنی اپنی الگ فوجین قائم کی تھین، آل ہاشم کے علم بردار زبیر بن عبد المطلب تھے، اور اسی صف مین جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، بڑے زور کا معرکہ ہوا، اوّل قیس پھر قریش غالب آئے، اور بالآخر صلح پر خاتمہ ہوگیا، اس لڑائی مین قریش کا رئیس اور سپہ سالار اعظم حرب بن امیہ تھا، جو ابوسفیان کا باپ اور امیر معاویہ کا دادا تھا۔

چونکہ قریش اس جنگ مین برسر حق تھے، اور خاندان کے ننگ و نام کا معاملہ تھا، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شرکت فرمائی لیکن جیسا کہ ابن ہشام نے لکھا ہے، آپ نے کسی پر ہاتھ نہین اٹھایا، امام سہیلی نے صاف تصریح کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود جنگ نہین کی، اُن کے الفاظ یہ ہین،

وانما لم یقاتل رسول اللہ صلی اللہ	اور آپ نے اس لڑائی مین جنگ نہین کی، حالانکہ
علیہ وسلم مع اعمامہ فی الفجار وقد	آپ لڑائی کی عمر کو پہنچ چکے تھے، اس کی وجہ
بلغ سن القتال لانھا کانت	یہ تھی کہ یہ لڑائی ایام الحرام مین پیش آئی تھی،
حرب فجار، وکانوا ایضا کلھم کفاراً	نیز یہ وجہ تھی کہ فریقین کافر تھے، اور مسلمانون
ولم یاذن اللہ لمومن ان یقاتل	کو لڑائی کا حکم صرف اس لیے خدا نے دیا
الا لیکون کلمۃ اللہ ھی العلیا	ہے کہ خدا کا بول بالا ہو۔

اس لڑائی کو فجار اس لیے کہتے ہین کہ ایام الحرام مین یعنی اُن مہینون مین پیش آئی تھی جن مین لڑنا ناجائز تھا،

حلف الفضول | لڑائیون کے متواتر سلسلہ نے سیکڑون گھرانے برباد کر دیے تھے، اور

قتل وسفاکی موروثی اخلاق بن گئے تھے، یہ دیکھ کر بعض طبیعتون مین اصلاح کی تحریک پیدا ہوئی، جنگِ فجار سے لوگ واپس پھرے تو زبیر بن عبد المطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا اور خاندان کے سرگروہ تھے، یہ تجویز پیش کی، چنانچہ خاندانِ ہاشم، زہرہ اور تیم، عبد اللہ بن جدعان کے گھر مین جمع ہوئے اور معاہدہ ہوا کہ ہم مین سے ہر شخص مظلوم کی حمایت کرے گا، اور کوئی ظالم مکہ مین نہ رہنے پائے گا،[۱]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس معاہدہ مین شریک تھے، اور عہد نبوت مین فرمایا کرتے تھے کہ "معاہدہ کے مقابلہ مین اگر مجھکو سرخ رنگ کے اونٹ بھی دیے جاتے تو مین نہ بدلتا،[۲] اور آج بھی ایسے معاہدہ کے لیے کوئی بلائے تو مین حاضر ہون"

اس معاہدہ کو "حلف الفضول" اس لیے کہتے ہین کہ اول اول اس معاہدہ کا خیال جن لوگون کو آیا ان کے نام مین لفظ "فضیلت" کا مادہ داخل تھا[۳] یعنی فضیل بن حرث، فضیل بن داعة اور مفضل، یہ لوگ جرہم اور قطورا کے قبیلہ کے تھے، اگرچہ یہ معاہدہ بیکار گیا، اور کسی کو یاد بھی نہ رہا، چنانچہ قریش نے نئے سرے سے بنیاد ڈالی تاہم بانی اول کو نیک نیتی کا یہ ثمرہ ملا کہ اُن کے نام کی یادگار اب تک باقی ہے،

تعمیر کعبہ کعبہ کی عمارت صرف قدِ آدم اونچی تھی، اور دیوارون پر چھت نہ تھی جس طرح ہمارے ملک مین عیدگاہین ہوتی ہین، چونکہ عمارت نشیب مین تھی، بارش کے زمانہ مین شہر کا پانی

---

[۱] طبقات جلد ۱ صفحہ ۸۲۔ [۲] (مستدرک جلد ۲ صفحہ ۲۲۰) "س" [۳] لیکن امام سہیلی نے مسند حارث بن اسامہ سے ایک حدیث نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ نام اس لیے پڑا کہ اس معاہدہ مین یہ الفاظ تھے۔ ترد الفضول علی اھلھا

حرم میں آتا تھا، اس کی روک کے لیے بالائی حصہ پر بند بنوا دیا گیا تھا لیکن وہ ٹوٹ ٹوٹ جاتا تھا، اور عمارت کو بار بار نقصان پہنچتا تھا، بالآخر یہ رائے قرار پائی کہ موجودہ عمارت ڈھا کر نئے سر سے زیادہ مستحکم بنائی جائے حسن اتفاق یہ کہ جدہ کے بندرگاہ پر ایک تجارتی جہاز کنارہ سے ٹکرا کر ٹوٹ گیا، قریش کو خبر لگی تو ولید بن مغیرہ نے جدہ پہنچکر جہاز کے تختے مول لے لیے جہاز میں ایک رومی معمار تھا جس کا نام باقوم تھا، ولید اس کو ساتھ لایا، اور تمام قریش نے مل کر تعمیر شروع کی، مختلف قبائل نے عمارت کے مختلف حصے آپس میں تقسیم کر لیے تھے کہ کوئی اس شرف سے محروم نہ رہ جائے، لیکن جب حجر اسود کے نصب کرنے کا موقع آیا تو سخت جھگڑا پیدا ہوا، ہر شخص چاہتا تھا کہ یہ خدمت اسی کے ہاتھ سے انجام پائے، نوبت یہاں تک پہنچی کر تلواریں کھنچ گئیں،

عرب میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص جان دینے کی قسم کھاتا تھا، تو پیالہ میں خون بھر کر اس میں انگلیاں ڈبو لیتا تھا، اس موقع پر بھی بعض دعوے داروں نے یہ رسم ادا کی، چار دن تک یہ جھگڑا برپا رہا، پانچویں دن ابو امیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر تھا، رائے دی کہ کل صبح کو سب سے پہلے جو شخص آئے وہی ثالث قرار دیدیا جائے، سب نے یہ رائے تسلیم کی، دوسرے دن تمام قبائل کے معزز آدمی موقع پر پہنچے، کرشمۂ ربانی دیکھو کہ صبح کو سب سے پہلے لوگوں کی نظریں جس پر پڑیں وہ جمالِ جہان تاب چہرۂ محمدی تھا، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول نہ کیا کہ اس شرف سے تنہا بہرہ ور ہوں آپ نے فرمایا جو قبائل دعویدار ہیں سب کا ایک ایک سردار انتخاب کر لیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چادر بچھا کر حجر اسود کو

اس مین رکھدیا، اور سرداروں سے کہا کہ چادر کے چارون کونے تھام لین، اور اوپر کو اٹھائین جب چادر موقع کے برابر آگئی تو آپ نے حجر اسود کو اٹھا کر نصب فرمادیا[1] (یہ گویا اشارہ تھا کہ دین الٰہی کی عمارت کا آخری تکمیلی پتھر بھی ان ہی ہاتھون سے نصب ہوگا[2])

اس طرح ایک سخت لڑائی آپ کے حسن تدبیر سے رُک گئی، کعبہ کی عمارت اب مسقّف کردی گئی، لیکن چونکہ سامان تعمیر کافی نہ تھا، ایک طرف زمین کا کچھ حصہ چھوڑ کر بنیادین قائم کی گئین، اور اس حصہ کے گرد چار دیواری کھینچ دی گئی کہ پھر موقع ہوگا تو کعبہ کے اندر لے لینگے، یہی حصہ ہے جس کو آج حطیم کہتے ہین، اور جس کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نبوت ارادہ فرمایا تھا کہ دیوار ڈھا کر نئے سر سے عمارت بنائی جائے، لیکن پھر خیال ہوا کہ نئے نئے مسلمان ہین، دیوار کعبہ کے ڈھانے سے بدگمان ہوجائین گے،[3]

شغل تجارت[4] (عرب اور خصوصاً قریش یعنی بنی اسمٰعیل، ظہور اسلام کے ہزارون برس پہلے سے تجارت پیشہ تھے،[5] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جد اعلیٰ "ہاشم" نے قبائل عرب سے تجارتی معاہدے کرکے اس خاندانی طریقۂ اکتساب کو اور زیادہ مستحکم اور باقاعدہ کردیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابوطالب بھی تاجر تھے، اس بنا پر سن رشد کو پہنچ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] (مسند طیالسی جلد اول صفحہ ۱۰، متدرک حاکم جلد اول صفحہ ۴۵۸) "س" (۲) یہ ایک حدیث کی طرف تلمیح ہے جس مین آپ نے فرمایا ہے کہ "مین نبوت کی عمارت کا آخری پتھر ہون" یعنی مکمل مذہب اور خاتم الرسل ہون) "س" [3] یہ واقعات ابن ہشام، طبقات طبری مین منفرداً اور زرقانی جلد اول صفحہ ۲۳۲ تا ۲۴۴ مین مجتمعاً مذکور ہین، اخیر واقعہ صحیح بخاری مین بھی ہے، بخاری مین یہ بھی ہے کہ قریش جب کعبہ کی تعمیر کررہے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک تھے، اور دوش مبارک پر پتھر ڈھو ڈھو کر لاتے تھے، یہانتک کہ شانے چھل گئے تھے [4] اضافہ ز زیادہ [5] توراۃ تکوین قصۂ یوسف ۲،

کو جب فکرِ معاش کی طرف توجہ ہوئی تو تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا،

ابو طالب کے ساتھ آپؐ بچپن میں بھی بعض تجارتی سفر کر چکے تھے، جس سے ہر قسم کا تجربہ حاصل ہو چکا تھا، اور آپؐ کے حسنِ معاملہ کی شہرت ہر طرف پھیل چکی تھی، لوگ عموماً اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور امین شخص کے ہاتھ میں دے کر اس کے منافع میں شرکت کر لیتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خوشی کے ساتھ اس شرکت کو گوارا فرماتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شرکائے تجارت کی شہادتوں سے جو احادیث اور تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں، ظاہر ہوتا ہے کہ آپؐ کس دیانت اور راستبازی کے ساتھ اس کام کو انجام دیتے تھے،

تاجر کے محاسنِ اخلاق میں سب سے زیادہ نادر مثال ایفائے عہد اور اتمام وعدہ کی ہو سکتی ہے، لیکن منصبِ نبوت سے پہلے مکہ کا تاجر امینؐ اس اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا، حضرت عبد اللہ بنؓ ابی الحسا، ایک صحابی بیان کرتے ہیں کہ بعثت سے پہلے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت کا کوئی معاملہ کیا تھا، کچھ معاملہ ہو چکا تھا، کچھ باقی تھا، میں نے وعدہ کیا کہ پھر آؤں گا، اتفاق سے تین دن تک مجھ کو اپنا وعدہ یاد نہ آیا، تیسرے دن جب وعدہ گاہ پر پہنچا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُسی جگہ منتظر پایا، لیکن اس خلافِ وعدہ سے آپؐ کی پیشانی پر بل تک نہ آیا، صرف اس قدر فرمایا کہ تم نے مجھے زحمت دی میں اسی مقام پر تین دن سے موجود ہوں[۱]"

---

[۱] سنن ابی داؤد جلد ۲ ص ۳۲۶ (مطبع محمدی کتاب الادب باب فی الوعد)

کاروبار تجارت مین ہمیشہ آپ اپنا معاملہ صاف رکھتے تھے، نبوت سے پہلے بھی جن لوگون سے تجارت مین آپ کا سابقہ تھا، وہ بھی اس کی شہادت دیتے تھے، سائبؓ نام ایک صحابی جب مسلمان ہوکر خدمتِ اقدس مین حاضر ہوئے، تو لوگون نے ان کی تعریف کی، آپ نے فرمایا "مین ان کو تم سے زیادہ جانتا ہون" سائبؓ نے کہا، آپ پر میرے ماں باپ قربان، آپ میرے شریک تجارت تھے لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا، فکنت لاتداری ولا تماری"[1]

قیس بن سائب مخزومی ایک اور صحابی بھی آپ کے شریکِ تجارت تھے، وہ بھی ان ہی الفاظ کے ساتھ آپ کے حسنِ معاملہ کی شہادت دیتے ہین[2]

(تجارت کی غرض سے شام و بصریٰ اور یمن کے متعدد سفر آپ نے کیے تھے)

تزویج خدیجہؓ حضرت خدیجہؓ ایک معزز خاتون تھین، ان کا سلسلۂ نسب پانچوین پشت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان سے ملتا ہے اور اس رشتہ کے لحاظ سے وہ آپ کی پھوپھیری بہن تھین، اُن کی دو شادیان پہلے ہوچکی تھین، اب وہ بیوہ تھین، چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھین، جاہلیت مین لوگ ان کو طاہرہ کے نام سے پکارتے تھے، نہایت دولتمند تھین، طبقات ابن سعد مین لکھا ہے کہ جب اہلِ مکہ کا قافلہ تجارت کو روانہ ہوتا تھا تو اکیلا ان کا سامان تمام قریش کے برابر ہوتا تھا،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر اب پچیس برس کی ہوچکی تھی، متعدد قومون مین آپ شریک ہوچکے تھے، تجارت کے کاروبار کے ذریعہ سے لوگون کے ساتھ معاملات پیش آتے تھے

---

[1] ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۳۱۰، [2] اصابہ (ج ۵ ص ۲۵۳) ترجمہ حضرت قیسؓ بن سائب۔

اس بنا پر آپ کے حسنِ معاملہ، راستبازی، صدق و دیانت اور پاکیزہ اخلاقی کی عام شہرت ہو چکی تھی، یہان تک کہ زبانِ خلق نے آپ کو امین کا لقب دے دیا تھا، حضرت خدیجہؓ نے ان اسباب کے لحاظ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ میرا مالِ تجارت لے کر شام کو جائین، جو معاوضہ مین اورون کو دیتی ہون، آپ کو اس کا مضاعف دون گی" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، اور مالِ تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے،

واپس آنے کے تقریباً تین مہینہ کے بعد حضرت خدیجہؓ نے آپ کے پاس شادی کا پیغام بھیجا، ان کے والد کا انتقال ہو چکا تھا، لیکن ان کے چچا عمرو بن اسد زندہ تھے، عرب مین عورتون کو یہ آزادی حاصل تھی کہ شادی بیاہ کے متعلق خود گفتگو کر سکتی تھین، اور اس مین بالغہ نابالغہ کی قید نہ تھی، حضرت خدیجہؓ نے چچا کے ہوتے خود براہ راست تمام مراتب طے کیے، تاریخ معین پر ابو طالب اور تمام رؤساے خاندان جن مین حضرت حمزہؓ بھی تھے، حضرت خدیجہؓ کے مکان پر آئے، ابو طالب نے خطبۂ نکاح پڑھا، اور پانسو درہم طلائی مہر قرار پایا،

بعض روایتون مین ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد زندہ تھے، اور ان کی موجودگی مین نکاح ہوا، لیکن شراب مین مخمور تھے، جب ہوش مین آئے تو نکاح کا حال سن کے برہم ہوئے کہ یہ برابر کا جوڑ نہین،

لیکن یہ روایت صحیح نہین، امام سہیلی نے بتصریح اور بدلیل ثابت کیا ہے کہ حضرت خدیجہؓ کے والد جنگ فجار کے قبل انتقال کر چکے تھے،

حضرت خدیجہؓ جس مکان مین رہتی تھین، وہ آج بھی (حسب بیان مورخ طبری) ان ہی کے نام سے مشہور ہے، امیر معاویہؓ نے اس مکان کو خرید کر مسجد بنا دیا،

شادی کے وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی، اور پہلے دو شوہرون سے دو صاحبزادے اور ایک صاحبزادی تھین، اُن کے نام اور مفصل حالات آگے آئین گے،[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جس قدر اولاد ہوئی، بجز حضرت ابراہیم کے حضرت خدیجہؓ ہی کے بطن سے ہوئی، ان کے حالات آگے تفصیل سے آئین گے،

جستہ جستہ واقعات یہ واقعات تھے جن مین تاریخی ترتیب معلوم ہے، اس لیے مسلسل لکھے گئے، ان امور کے سوا جستہ جستہ واقعات کا بھی پتہ لگتا ہے، چونکہ ان کے سنین اور تاریخین غیر معلوم ہین، اس لیے ان کو عام سلسلہ سے الگ یکجا لکھنا زیادہ موزون ہوگا،

حدود سفر اہل مکہ عموماً تجارت کی غرض سے سفر کرنے کے عادی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس تقریب سے متعدد سفر کیے، شام اور بصریٰ کے سفر کا حال پہلے گذر چکا ہے، اس کے علاوہ اور مقاماتِ تجارت مین بھی آپؐ کا تشریف لے جانا ثابت ہے، عرب مین مختلف مقامات مین جو بازار قائم تھے، ان مین سے جاشتہ کا ذکر ابن سیدالناس نے کیا ہے، حضرت خدیجہؓ نے جہان جہان آپؐ کو تجارت کی غرض سے بھیجا تھا، ان مین جرش بھی ہے،

[1] حضرت خدیجہؓ کے نکاح کے واقعات ابن ہشام، ابن سعد و طبری مین باختلاف اجمال و تفصیل و اثبات و نفی مذکور ہین، مین نے قرائن سے جو روایت زیادہ قابل اعتبار پائی نقل کی ہے، یکجا تمام حالات دیکھنے ہون تو زرقانی جلد اول صفحہ ۲۳۲ سے ۲۳۰ تک دیکھنا چاہیے، حضرت خدیجہؓ کے مکان کا ذکر صرف طبری نے کیا ہے، ابن حنبل (مسند ابن عباسؓ) مین بھی واقعات مذکور ہین،

جو یمن میں ہے، حاکم نے مستدرک میں لکھا ہے، اور علامۂ ذہبی نے بھی تصدیق کی ہے کہ جرش میں آپ دو[2] دفعہ تشریف لے گئے، اور ہر دفعہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے معاوضہ میں ایک اونٹ[1] دیا،

نبوت کے بعد جس سال آپ کی خدمت میں عرب کے تمام دور دراز مقامات سے وفود آئے، اُن میں جب بحرین سے عبد القیس کا وفد آیا تو آپ نے بحرین کے ایک ایک مقام کا نام لے کر وہاں کا حال پوچھا، لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ آپ ہمارے ملک کا حال ہم سے زیادہ جانتے ہیں، آپ نے فرمایا "میں نے تمھارے ملک کی خوب سیر کی ہے[3]" مورخین یورپ نے جو علوم غیبی کے منکر ہیں، اور جو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) آپ کے تمام معارف و معلومات سیر و سفر سے ماخوذ ہیں، قیاسات کے ذریعہ سے اس دائرہ کو اور وسعت دی ہے، ایک مورخ نے لکھا ہے کہ "آپ نے بحری سفر بھی کیا تھا، جس کی دلیل یہ ہے کہ قرآن مجید میں جہازوں کی رفتار اور طوفان کی کیفیت کی ایسی صحیح تصویر ہے جس سے (نعوذ باللہ) ذاتی تجربہ کی بو آتی ہے[3]، مورخ مذکور کو یہ بھی دعوی ہے کہ آپ مصر بھی تشریف لے گئے تھے، اور ڈیڈ سی (بحر میت) کا بھی معائنہ کیا تھا، لیکن تاریخی دفتر ان واقعات سے خالی ہے[4]،

---

۱ نور النبراس فی شرح ابن سید الناس ۲ مسند امام احمد بن حنبل (جلد ۴، صفحہ ۲۰۶) "س" ۳ مارگولیس صفحہ ۵۰

۴ (یورپین مورخین جن کی بنیاد صرف قیاس و رائے پر ہوتی ہے، اگر اس قسم کے واقعات بیان کریں تو کوئی تعجب نہیں ہے لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مصر جانا درحقیقت یورپ کے عہد مظلم کی مضحکہ انگیز روایت ہے، بحری سفر آپ نے یقیناً نہیں کیا، لیکن اگر بحرین تشریف لیجانے کی روایت صحیح ہے تو خلیج فارس آپ نے دیکھا ہوگا، بحر میت کا مشاہدہ بھی ممکن ہے، کیونکہ اس کا موقع عرب و شام کے درمیان ہے، جہاں سے آپ کئی بار تجارت کے ساتھ گذرے ہوں گے) "س"

مراسم شرک سے اجتناب

یہ قطعاً ثابت ہی کہ آپ بچپن اور شباب مین بھی جب منصب پیغمبری سے ممتاز نہین ہوئے تھے، مراسم شرک سے ہمیشہ مجتنب رہے،

ایک دفعہ قریش نے آپ کے سامنے کھانا لاکر رکھا، یہ کھانا بتون کے چڑھاوے کا تھا، جانور جو ذبح کیا گیا تھا کسی بت کے نام پر ذبح کیا گیا تھا، آپ نے کھانے سے انکار کیا،[1]

نصاری نے دعوی کیا ہے کہ آپ کے اعتقادات مین جو تغیر ہوا ہے وہ عہد نبوت سے ہوا ہے، ورنہ اس سے پہلے آپ کا طرز عمل وہی تھا جو آپ کے خاندان اور اہل شہر کا تھا، چنانچہ آپ نے اپنے پہلے صاجزادہ کا نام عبد العزی[2] رکھا تھا، اور یہ روایت خود امام بخاری کی تاریخ صغیر مین موجود ہے لیکن یہ روایت اگر صحیح بھی ہو تو اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کیونکر استدلال ہو سکتا ہے،

حضرت خدیجہؓ اسلام سے پہلے بت پرست تھین، انھون نے یہ نام رکھا ہو گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابھی تک منصب ارشاد پر مامور نہین ہوئے تھے، اس لیے آپ نے تعرض نہ فرمایا ہو گا، اور اصل واقعہ یہ ہے کہ یہ روایت فی نفسہ بھی ثابت نہین، اس روایت کا سب سے زیادہ صحیح سلسلہ وہ ہی جو امام بخاری نے تاریخ صغیر مین روایت کیا ہی، اس کا پہلا راوی اسمٰعیل ہی، جس کا پورا نام اسمٰعیل بن ابی اویس ہے، اگرچہ بعض محدثین نے اس کی توثیق

[1] صحیح بخاری باب مناقب زید بن عمرو بن نفیل، یہ حدیث امام بخاری نے اور ابواب مین بھی نقل کی ہی، اس کے الفاظ مین اجمال رہ گیا ہی، جو اس روایت مین صاف ہو گیا ہے، مسند ابن امام حنبل (جلد اول صفحہ ۱۸۹) مین ایک روایت ہے جس مین بیان کیا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زید کو اس کھانے پر بلایا اور زید نے انکار کیا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تاریخ سے کبھی بتون پر ذبح کیا ہوا کھانا نہیں کھایا لیکن اس روایت کے راویوں کا حال معلوم نہیں، اور یون بھی بخاری کے سامنے اس روایت کی کیا وقعت ہے [2] عزی ایک بت کا نام تھا،

کی ہے، لیکن گروہ کثیر کی رائے حسب ذیل ہے،

معاویہ بن صالح	اسمٰعیل اور اس کا باپ دونون ضعیف ہین،
یحییٰ بن مخلط	وہ جھوٹ بولتا ہے اور محض ہیچ ہے،
امام نسائی	ضعیف اور غیر ثقہ ہے،
نضر بن سلمہ مروزی	وہ کذاب ہے،
دارقطنی	مین اس کو صحیح روایت کے لیے پسند نہین کرتا،
سیف بن محمد	وہ جھوٹ حدیثین بناتا ہے،
سلمہ بن شبیب	مجھ سے اس نے خود اقرار کیا کہ جب کبھی کسی بات مین اختلاف ہوتا تھا تو مین ایک حدیث بنا لیتا تھا،

یہ امر واقعی طور پر ثابت ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت سے پہلے بت پرستی کی برائی شروع کر دی تھی، اور جن لوگون پر آپ کو اعتماد تھا، ان کو اس بات سے منع فرماتے تھے[1]، (مستدرک حاکم جلد سوم ذکر زید بن حارثہؓ، " س ")

[1] مسٹر مارگولوس نے اس کے برخلاف ایک حیرت انگیز دعویٰ کیا ہو اور اس کے ثبوت مین دعوی سے زیادہ تر حیرت انگیز فریب کاری کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت خدیجہؓ دونون سونے سے پہلے ایک بت کی پرستش کر لیا کرتے تھے جس کا نام عزیٰ تھا" مصنف موصوف نے اس کی سند مین امام حنبل کی روایت (جلد ۴ صفحہ ۲۲۲) پیش کی ہے، روایت کے الفاظ یہ ہین،

حدثنی جار لخدیجہ بنت خویلد انہ سمع النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو یقول لخدیجۃ ای خدیجۃ واللہ لا اعبد اللات والعزی واللہ

" مجھ سے خدیجہ (بنت خویلد) کے ایک ہمسایہ نے بیان کیا کہ مین نے پیغمبر صاحب کو حضرت خدیجہؓ سے یہ کہتے سنا کہ اے خدیجہ بخدا کبھی لات اور عزیٰ

موحدین کی ملاقات اس مین شبہہ نہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے فیض الٰہی کی خفیف شعاعین عرب مین پھیلنی شروع ہوگئی تھین، چنانچہ قس بن ساعدہ، ورقہ بن نوفل، عبید اللہ بن جحش، عثمان بن الحویرث، زید بن عمرو بن نفیل نے بت پرستی سے انکار کر دیا تھا[1]، اُن مین سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید سے ملاقات کی تھی، جس کا ذکر صحیح بخاری مین بھی ہے، ورقہ عیسائی ہوگئے تھے، اور چونکہ حضرت خدیجہؓ کے برادر عم زاد تھے، اور مکہ ہی مین رہتے تھے، اس لیے قیاس ہوتا ہے کہ آپ ان سے بھی ملے ہون گے بعض روایتون مین ہے کہ ان سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۲) لا اعبد ابدا قال فنقول خدیجہ خل اللات خل العزّٰی قال کانت صنمہم التی کانوا یعبدون ثم یضطجعون

کی پرستش نہ کرونگا، خدیجہ کہتی تھی کہ لات کو جانے دیجیے عزّٰی کو جانے دیجیے (یعنی انکا ذکر بھی نہ کیجیے) اس نے کہا کہ لات و عزّٰی وہ بت تھے جس کی پرستش اہل عرب سونے سے پیشتر کرلیا کرتے تھے،

ایک معمولی عربی دان بھی سمجھ سکتا ہے کہ عبارت مذکورہ مین کانوا کا لفظ ہے جس کے معنی یہ ہین کہ اہل عرب لات و عزّٰی کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اشارہ ہوتا تو تثنیہ کا صیغہ ہوتا نہ کہ جمع کا، اس کے علاوہ خود اسی روایت مین لات و عزّٰی کی پرستش سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت انکار کرنا مذکور ہے،

مارگولوس صاحب نے یہ روایت بھی بیان کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عزّٰی کے نام پر ایک خاکی رنگ کی بکری ذبح کی تھی لیکن جناب صاحب موصوف نے اسکی سند مین کوئی عربی ماخذ نہین پیش کیا بلکہ ولہوسن کا حوالہ دیا ہے (دیکھو مارگولیس کی کتاب صفحہ ۶۹ تا ۷۰) معجم البلدان (ایک جغرافیہ کی کتاب مین ایک روایت اس مضمون کی موجود ہے لیکن (اولاً) تو اس موضوع خاص مین یہ کتاب خود بے سند ہے، ثانیاً یہ روایت) کلبی سے ہے، جو مشہور دروغ گو ہے،

[1] ابن ہشام صفحہ ۷۶ مین قس بن ساعدہ کے سوا باقی سب لوگون کے نام اور حالات مذکور ہین، زید کا ذکر بخاری مین بھی ہے، قس کا ذکر نہایت کثرت سے تمام تاریخون اور ادب کی کتابون مین پایا جاتا ہے،

آپ کی دوستی تھی،

ادب و محاضرات کی کتابون مین عموماً اور بعض تاریخون مین بھی مذکور ہے کہ قس ابن ساعدہ نے عکاظ مین جو مشہور خطبہ دیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس خطبہ مین شریک تھے، اس خطبہ کا بڑا حصہ اکثر اہل ادب نے نقل کیا ہے، اور چونکہ اس کے فقرے بظاہر قرآن مجید کی ابتدائی سورتون کی طرح چھوٹے چھوٹے اور مقفیٰ ہین، اس لیے عیسائی مورخین نے دعویٰ کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ہی سے لیا ہے، چنانچہ بعض فقرے یہ ہین:-

ایھا الناس اسمعوا وعوا، واذا وعیتم فانتفعوا، انہ من عاش مات،

ومن مات فات وکل ماھو آت آت، مطر ونبات، وارزاق واقوات،

وآباء وامھات، واحیاء واموات، وجمیع واشتات، ان فی السماء لخبرا

وان فی الارض لعبرا، لیل داج، وسماء ذات ابراج، وبحار ذات امواج،

مالی اری الناس یذھبون فلا یرجعون، ارضوا بالمقام فاقاموا، ام ترکوا

ھناک فناموا، این من بنی وشید، وزخرف ونجد، وعد المال والولد،

این من بغی وطغی،

قس بن ساعدہ کی روایت اور اس کا خطبہ مختصر و مطول بہ عبارات مختلفہ، بغوی، ازدی، بیہقی، جاحظ وغیرہ نے نقل کیا ہے، لیکن وہ سرتاپا مصنوعی اور موضوع ہے، اس کے رواۃ عموماً ناقابل سند بلکہ کذاب ہین، چنانچہ سیوطی نے موضوعات مین اس روایت کے تمام طریقون کو نقل کرکے ان کے رواۃ سے بحث کی ہے، اور علامۂ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ کے

اقوال تفصیل سے نقل کیے ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ یہ روایت مختلف طریقون سے مروی ہی، لیکن ہر طریقہ مین کوئی نہ کوئی راوی ایسا ہے جو موضوع حدیثین بنایا کرتا تھا، اس کا ایک مشترک راوی محمد بن حجاج ہے، اس کی نسبت ابن معین کا قول ہے کہ "کذاب اور خبیث ہے" ابن عدی نے لکھا ہے کہ "ہریسہ کی حدیث اسی نے وضع کی ہے" ایک طریقہ کا راوی سعید بن ہبیرۃ ہے، اس کی نسبت ابن حبان نے لکھا ہے کہ "ثقہ لوگون کی زبانی جھوٹی حدیثین روایت کرتا تھا یا تو وہ خود یہ حدیثین تصنیف کرتا تھا یا اور لوگ اس کے لیے بنا دیا کرتے" ایک طریقہ کے راوی قاسم بن عبد اللہ اور احمد بن سعید ہین، اور یہ دونون حدیث بنانے مین بدنام ہین، بیہقی نے اس روایت کے متعلق ایک بڑا قصہ نقل کیا ہے جس مین حضرت ابوبکرؓ نے قس بن ساعدۃ کا پورا خطبہ اپنی یاد سے بیان کیا ہے، یہ روایت پوری کی پوری موضوع ہے[1]، حافظ ابن حجر نے اس روایت کے اور طریقے بھی نقل کیے ہین، اور اُن کی تضعیف کی ہے[2]،

[1] یہ پوری تفصیل اللآلی المصنوعۃ، مطبوعۂ مصر صفحہ ۹۵ تا ۱۰۰ مین ہی۔ [2] ایک نکتہ یہان خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہی، بنو امیہ اور عباسیہ کے زمانہ مین یہ مذاق پیدا ہو گیا تھا کہ اپنے زمانہ کے شعراء اور فصحاء سے اشعار اور خطبے تصنیف کراتے تھے، اور جاہلیت یا ابتداے اسلام کے شعراء اور خطباء کے نام سے مشہور کرتے تھے، محمد ابن اسحاق اس رتبہ کے شخص ہین کہ امام بخاری نے جزء القرأۃ مین ان سے روایت کی ہی، تاہم ان کا یہ عام طریقہ تھا، علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال (مطبوعۂ مصر صفحہ ۹۲) مین خطیب بغدادی سے روایت کی ہی کہ محمد بن اسحاق شعراے وقت کو مغازی کے واقعات دیدیتے تھے، کہ ان کے بارے مین اشعار کہدو، ان اشعار کو وہ اپنی کتاب مین شامل کر دیتے تھے، ابن ہشام مین حضرت خدیجہؓ، ابوبکرؓ، امیہ بن ابی الصلت، ابوطالب کے سیکڑون اشعار نقل کیے ہین جن کی زبان اور انداز بیان سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ اس زمانہ کی زبان نہین ہی، ایک لطیف بات یہ ہی کہ ابن ہشام ان اشعار کو نقل کر کے اکثر موقعون پر لکھ دیتے ہین کہ فن شعر کے ماہران اشعار کی نسبت انکار کرتے ہین، مثلاً سریۂ عبیدۃ بن الحرث مین (ابن ہشام جلد ۲ صفحہ ۳ مطبوعۂ مصر) حضرت ابوبکرؓ

احباب خاص نبوت سے پہلے جو لوگ آپ کے احباب خاص تھے، سب نہایت پاکیزہ اخلاق، بلند رتبہ اور عالی منزلت تھے، ان میں سب سے مقدم حضرت ابوبکرؓ تھے جو برسوں آپ کے شریک

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۵) کا ایک قصیدہ نقل کیا ہے اور لکھا ہے،

واکثر اهل العلم والشعر ینکرہ هذہ القصیدة لابی بکر	اور اکثر اہل علم اور فن شعر والے اس بات کے منکر ہیں کہ یہ قصیدہ حضرت ابوبکرؓ کا ہے،

یہ وضاعی مختلف اغراض سے کی جاتی تھی، زیادہ اس وجہ سے کہ ان جلسوں یا شعروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہونے کی پیشنگوئی یا اور کوئی بات اسلام کی تصدیق کی شامل کر دیتے تھے، مثلاً یہی قس بن ساعدة کا خطبہ، اس میں یہ فقرے بھی ہیں،

نبیاً قد حان حینه واظلکم اوانه فطوبیٰ لمن اٰمن به فهداه وویل لمن خالفه وعصاه (اللآلی المصنوعه ص ۲۸)	ایک پیغمبر کا زمانہ قریب آگیا ہے، سو اس کو مبارکی ہے جو اُس پر ایمان لائے گا اور وہ اس کو ہدایت کرے گا، اور تباہی ہے اس کے لیے جو اس کی مخالفت اور نافرمانی کریگا،

ابو طالب کے نام سے جو لامیہ قصیدہ ابن ہشام وغیرہ نے نقل کیا ہے (ابن ہشام صفحہ ۹۳ و ۹۴) سرتاپا موضوع ہے، اس کے خاتمہ کے اشعار یہ ہیں :-

فاصبح فینا احمد فی ارومه　　تقصر عنه سورة المتطاول
فایده رب العباد بنصره　　واظهر دینا حقه غیر باطل

(اس قصیدہ کو سرتاپا موضوع کہنے کے بجائے جیسا کہ مصنفؒ نے کہا ہے، اکثر کہنا صحیح ہے، کیونکہ اس کے دو شعر صحاح میں بھی مذکور ہیں، مثلاً صحیح بخاری و صحیح مسلم باب الاستسقاء، خود ابن اسحاق نے اس قصیدہ کو نقل کر کے لکھا ہے وبعض اهل العلم بالشعر ینکر اکثرها، یعنی بعض ماہرین شعر اس کے اکثر اشعار کی صحت سے انکار کرتے ہیں، "س") اکثر لوگ یہ کرتے تھے کہ قرآن مجید میں توحید اور معاد کے متعلق جو باتیں ہیں، ان کے مطابق اشعار تصنیف کراتے تھے، اور سمجھتے تھے کہ اس سے اسلام کی تائید ہوگی، امیہ بن ابی الصلت کے نام سے جو اشعار منقول ہیں ان کو دیکھ کر صاف یقین ہو جاتا ہے کہ کسی نے قرآن مجید کو سامنے رکھ کر یہ اشعار کہے ہیں، مثلاً

فقلت له اذهب بهرون فادعوا　　الی الله فرعون الذی کان طاغیا
وقولا له أانت رفعت هذه　　بلا عمد ارفق اذا بك بانیا
وقولا له أانت سویت وسطها　　منیراً اذا ما جنه اللیل هادیا

صحبت رہے[1]، حضرت خدیجہؓ کے چچیرے بھائی حکیم بن حزام جو قریش کے نہایت معززین میں تھے، وہ بھی احباب خاص مین تھے، حرم کا منصب رفادۃ ان ہی کے ہاتھ مین تھا، دار الندوہ کے بھی یہی مالک تھے، چنانچہ اسلام کے بعد امیر معاویہؓ کے ہاتھ ایک لاکھ درہم پر بیچ ڈالا، لیکن یہ کل رقم خیرات کر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عمر مین ۵ برس بڑے تھے،[2]

اگرچہ یہ مدت تک یعنی ہجرت کے آٹھوین سال تک ایمان نہین لائے لیکن اس حالت مین بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت محبت رکھتے تھے، ایک دفعہ کعبہ مین ذویزن کا اسباب نیلام ہوا تھا، اس مین ایک عمدہ حلہ تھا، انھون نے پچاس اشرفیون مین اس کو خریدا اور مدینہ لے کر آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کرین، آپؐ نے فرمایا کہ مین مشرکوں کا ہدیہ نہین قبول کرتا، البتہ قیمت لو تو لے سکتا ہون، مجبور ہو کر انھون نے قیمت لینی گوارا کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو لے لیا،[3]

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۶) ایک عجیب بات یہ ہے کہ مسٹر مارگولوس نے بھی ایک موقع پر اس کی تصدیق کی ہے، چنانچہ کہتے ہین قدیم شاعری کا اکثر حصہ قرآن کے اسلوب پر موزون کیا گیا ہے" (صفحہ ۲۰ تا صفحہ ۳۴) ان لوگون نے اپنی دانست مین اسلام کی خیر خواہی کی غرض سے یہ کام کیا تھا، آج یورپ والے اسی سے یہ کام لیتے ہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پیغمبر نہ تھے، بلکہ جاہلیت کے خطباء اور شعراء کے معتقدات اور خیالات بلکہ طرز تک اخذ کرتے تھے لیکن ادب کا نکتہ شناس یا فن روایت کا ماہر بے تکلف سمجھ سکتا ہے کہ تمام اشعار اور خطبے مصنوعی ہین، یورپ کو فن ادب اور روایت مین مہارت کے لیے ابھی ایک زمانہ درکار ہے، اور جب وہ زمانہ آئے گا تو یورپ کو اپنی بد مذاقی پر خود شرم آئے گی،

[1] اصابہ ذکر حضرت ابوبکرؓ، حضرت ابوبکرؓ کا نام عبد اللہ تھا، اصابہ مین اسی نام کے ذیل مین حضرت ابوبکرؓ کا حال لکھا ہے جلد ۲ صفحہ (۳۴۱) س" [2] اصابہ ذکر حکیم بن حزام (ج ۱ ص ۳۴۹) س" [3] مسند امام حنبل جلد ۳ صفحہ ۴۰۳

حضرت ضماد بن ثعلبہ، جوازد کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت مین طبابت اور جراحی کا پیشہ کرتے تھے، یہ بھی احباب خاص مین سے تھے، نبوت کے زمانہ مین یہ مکہ آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت مین دیکھا کہ راستہ مین جارہے ہین اور پیچھے لونڈون کا غول ہے، مکہ کے کفار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مجنون کہتے تھے، لونڈون کا غول دیکھکر ضماد نے یہی قیاس کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا محمدؐ! مین جنون کا علاج کرسکتا ہون، آپؐ نے حمد و ثنا کے بعد چند مؤثر جملے ادا کیے، ضماد مسلمان ہوگئے، اس واقعہ کو مختصراً مسلم و نسائی نے بھی لکھا ہے، لیکن زیادہ تفصیل مسند امام احمد حنبل (جلد ۱ صفحہ ۳۰۲) مین ہے،

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تجارت کے کاروبار مین شریک تھے، اُن مین سے ایک صاحب قیس بن سائب مخزومی تھے، مجاہد بن جبیر جو مشہور مفسر گذرے ہین، ان ہی کے غلام تھے، ان کا بیان ہے کہ شرکار کے ساتھ آپ کا معاملہ نہایت صاف رہتا تھا اور کبھی کوئی جھگڑا یا مناقشہ پیش نہین آتا تھا،[1]

---

[1] استیعاب (جلد ۲ صفحہ ۵۳۱، "س" (و اصابہ)

آفتابِ رسالت کا طلوع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانہ میں پیدا ہوئے کہ بت پرستی کا مرکز اعظم تھا، خود کعبہ میں تین سو ساٹھ بت تھے، رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان کا نمغائے امتیاز صرف اس قدر تھا کہ اس صنم کدہ کے متولی اور کلید بردار تھے، بااینہمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا، و دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں کی، قریش نے اس بنا پر کہ عام لوگوں سے ہر بات میں ممتاز رہنا چاہیے، یہ قاعدہ قرار دیا تھا کہ ایام حج میں قریش کے لیے عرفات جانا ضرور نہیں، اور یہ کہ جو لوگ باہر سے آئیں، وہ قریش کا لباس اختیار کریں، ورنہ اُن کو عریاں ہوکر کعبہ کا طواف کرنا ہوگا[1]، چنانچہ اسی بنا پر طوافِ عریاں کا عام رواج ہوگیا تھا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان باتوں میں کبھی اپنے خاندان کا ساتھ نہ دیا[2]۔

عرب میں افسانہ گوئی کا عام رواج تھا، راتوں کو لوگ تمام اشغال سے فارغ ہوکر کسی مقام میں جمع ہوتے تھے، ایک شخص جس کو اس فن میں کمال ہوتا تھا، داستان شروع کرتا تھا، لوگ بڑے ذوق و شوق سے رات رات بھر سنتے تھے، بچپن میں ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس جلسہ میں شریک ہونا چاہا تھا لیکن اتفاق سے راہ میں شادی کا کوئی جلسہ تھا، دیکھنے کے لیے کھڑے ہوگئے، وہیں نیند آگئی، اٹھے تو صبح ہوچکی تھی[3]۔

---

[1] ابن ہشام مطبوعہ مصر ۱۲۹۵ھ جلد اول ص ۶۰ [2] ابن ہشام ص ۶۱ [3] بزار و مستدرک بحوالہ نسیم الریاض ج ۱ ص ۶۰۹ و خصائص کبریٰ سیوطی ج ۱ ص ۸۸

ایک دفعہ اور ایسا ہی اتفاق ہوا، اُس دن بھی یہی اتفاق پیش آیا، چالیس برس کی مدت میں صرف دو دفعہ اس قسم کا ارادہ کیا، لیکن دونوں دفعہ توفیقِ الٰہی نے بچا لیا کہ "تیری شان ان مشاغل سے بالاتر ہے[1]"

یہ فطرتِ سلیم اور نیک سرشتی کا اقتضا تھا لیکن ایک شریعتِ کبریٰ کی تاسیس، ایک مذہبِ کامل کی تشیید اور رہنمائیِ کونین کے منصبِ عظیم کے لیے کچھ اور درکار تھا، اسی زمانہ کے قرب میں اور حق پرستوں (ورقہ، زید، عثمان بن حویرث) کے دل میں خیال آیا کہ جماد لایعقل کے آگے سر جھکانا حماقت ہے، چنانچہ سب مذہبِ حق کی تلاش کے لیے نکلے لیکن ناکامی کی دیوار سے سر ٹکرا ٹکرا کر رہ گئے، ورقہ اور عثمان عیسائی ہو گئے، اور زید یہ کہتے کہتے مر گئے "اے خدا! اگر مجھ کو یہ معلوم ہوتا کہ تجھ کو کس طریقہ سے پوجنا چاہیے تو میں اُسی طریقہ سے تجھ کو پوجتا"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے دنیاوی تعلقات تھے، تجارت کا کاروبار تھا، متعدد اولادیں تھیں، تجارت کی ضرورت سے اکثر سفر کرنا پڑتا تھا لیکن دستِ قدرت کو جو کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا، دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو ہیچ نظر آتے تھے، تاہم مطلوبِ حقیقی کا اب تک پتہ نہ تھا،

مکۂ معظمہ سے تین میل پر ایک غار تھا جس کو حرا کہتے ہیں، آپ مہینوں وہاں جا کر قیام فرماتے اور مراقبہ کرتے، کھانے پینے کا سامان ساتھ لے جاتے، وہ ہو چکتا تو پھر گھر پر تشریف

---

[1] سر ولیم میور صاحب لائف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں لکھتے ہیں "ہماری تمام تصنیفات محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے بارہ میں ان کے چال چلن کی عصمت اور ان کے اطوار کی پاکیزگی کی جو اہل مکہ میں کمیاب تھی متفق ہیں"۔

لاتے، اور پھر واپس جا کر مراقبہ مین مصروف ہوتے ،

صحیح بخاری مین ہے کہ غار حرا مین آپ تحنّث یعنی عبادت کیا کرتے تھے ، یہ عبادت کیا تھی ؟ عینی شرح بخاری مین ہے ،

قیل ما کان صفة تعبّدہ اجیب	یہ سوال کیا گیا ہو کہ آپ کی عبادت کیا تھی ؟
بان ذٰلک کان بالتفکر والاعتبار	جواب یہ ہو کہ غور و فکر اور عبرت پذیری ،

یہ وہی عبادت تھی جو آپ کے دادا ابراہیم علیہ السلام نے نبوت سے پہلے کی تھی ، ستارون کو دیکھا تو چونکہ تجلی کی جھلک تھی ، دھوکا ہوا ، چاند نکلا تو اور بھی شبہہ ہوا ، آفتاب پر اس سے زیادہ ، لیکن جب سب نظرون سے غائب ہو گئے تو بیساختہ پکار اٹھے ،

لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ	مین فانی چیزون کو نہین چاہتا ....
اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ	مین اپنا منھ اس کی طرف کرتا ہون جس نے
فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ (انعام)	زمین و آسمان پیدا کیا ،

ایک مغربی مورخ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس عبادت کی کیفیت اس طرح ادا کی ہے ،

"سفر و حضر مین ہر جگہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے دل مین ہزارون سوال پیدا ہوتے تھے ؛ مین کیا ہون ؟ یہ غیر متناہی عالم کیا ہے ؟ نبوت کیا شے ہے ؟ مین کن چیزون کا اعتقاد کرون ؟ کیا کوہ حرا کی چٹانین ، کوہ طور کی سر بفلک چوٹیان ، کھنڈر ، اور میدان کسی نے ان سوالون کا جواب دیا ، نہین ہرگز نہین ، بلکہ گنبد گردان ، گردش لیل و نہار ،

چمکتے ہوئے ستارے، بہتے ہوئے بادل، کوئی ان سوالوں کا جواب نہ دے سکا[1]"

نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ خواب میں آپؐ پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے جو کچھ آپؐ خواب میں دیکھتے تھے، بعینہٖ وہی پیش آتا تھا[2]، ایک دن جب کہ آپؐ حسبِ معمول غارِ حرا میں مراقبہ میں مصروف تھے، فرشتۂ غیب نظر آیا کہ آپؐ سے کہہ رہا ہے،

اِقْرَءْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ،	پڑھ اُس خدا کا نام جس نے کائنات کو پیدا کیا،
خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَءْ	جس نے آدمی کو گوشت کے لوتھڑے سے پیدا کیا، پڑھ
وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِيْ عَلَّمَ	تیرا خدا کریم ہے، وہ جس نے انسان کو قلم کے
بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ	ذریعہ سے علم سکھایا، وہ جس نے انسان کو وہ
يَعْلَمْ، (اقرء)	باتیں سکھائیں جو اسے معلوم نہ تھیں،

آپؐ گھر واپس تشریف لائے تو جلالِ الٰہی سے لبریز تھے[3]،

آپؐ نے حضرت خدیجہؓ سے تمام واقعہ بیان کیا، وہ آپؐ کو ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں، جو عبری زبان جانتے تھے، اور توریت و انجیل کے ماہر تھے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے واقعہ کی کیفیت سنی تو کہا یہ وہی ناموس ہے جو موسیٰؑ پر اترا تھا،

[1] کارلائل ہیرو ز تذکرۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [2] وحی کے انواع میں سے ایک خواب بھی ہے، صحیح بخاری کے شروع میں ہے اول ما بدء بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الوحی الرویا الصالحۃ فی النوم، بخاری کتاب التعبیر میں زیادہ صاف طریقہ پر یہ سلسلہ ادا کیا گیا ہے [3] صحیح بخاری باب بدء الوحی و کتاب التعبیر، یہ روایت حضرت عائشہؓ سے مروی ہے لیکن حضرت عائشہؓ اس وقت تک پیدا نہیں ہوئی تھیں، محدثین کی اصطلاح میں ایسی روایت کو مرسل کہتے ہیں، لیکن صحابہؓ کا مرسل محدثین کے نزدیک قابلِ حجت ہے، کیونکہ متروک راوی بھی صحابیؓ ہی ہوں گے،

روایت مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈر پیدا ہوا حضرت خدیجہؓ نے کہا کہ آپ متردد نہ ہون، خدا آپ کا ساتھ نہ چھوڑے گا" پھر وہ آپ کو ورقہ کے پاس لوگئین، انھون نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بے شبہہ یہ الفاظ نکلے" مجھ کو ڈر ہے" لیکن یہ تردد یہ ہیبت، یہ اضطراب، جلالِ الٰہی کا تاثر (اور نبوت کے بارگران کی عظمت کا تخیل تھا) آپ نے کیا دیکھا؟ ناموسِ اعظم نے کیا کہا؟ کیا کیا مشاہدات ہوے؟ یہ وہ نازک باتین ہین جو الفاظ کا تحمل نہین کرسکتین،

صحیح بخاری باب التعبیر مین ہے کہ چند روز تک جب وحی رُک گئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ جاتے تھے کہ اپنے آپ کو گرا دین، دفعۃً حضرت جبرئیل نظر آتے تھے اور کہتے تھے" اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تم واقعی خدا کے پیغمبر ہو" اس سے آپ کو اس وقت تسکین ہوجاتی تھی لیکن جب پھر وحی کچھ دنون کے لیے رُک جاتی تھی تو پھر آپ کسی پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر اپنے آپ کو گرا دینا چاہتے تھے. اور پھر حضرت جبرئیلؑ نمایان ہو کر تسکین دیتے کر آپ واقعی خدا کے پیغمبر ہین،

حافظ ابن حجر نے اس حدیث کے حصۂ اول کی شرح مین معترضین کا یہ اعتراض نقل کیا ہے کہ "ایک پیغمبر کو نبوت مین کیونکر شک ہوسکتا ہے، اور ہو تو کسی عیسائی کے تسکین دینے سے کیا تسکین ہوسکتی ہے" پھر ایک مشہور محدث کا یہ جواب نقل کیا ہے کہ "نبوت ایک امر عظیم ہے، اسکا تحمل دفعۃً نہین ہوسکتا، اس لیے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب

کے ذریعہ سے مانوس کیا گیا، پھر جب دفعۃً فرشتہ نظر آیا تو آپؐ اقتضائے بشریت سے خوف زدہ ہوگئے، حضرت خدیجہؓ نے آپ کو تسکین دی، پھر جب ورقہ نے تصدیق کی تو آپ کو پورا یقین ہوگیا، محدث مذکور کے الفاظ یہ ہیں،

فلما سمع کلامہ ایقن بالحق	جب آپؐ نے ورقہ کا کلام سنا تو آپؐ کو حق کا
واعترف بہ	یقین آگیا اور آپؐ نے اس کا اعتراف کیا،

محدث مذکور اس کے بعد لکھتے ہیں کہ "وحی بار بار اس لیے رک جاتی تھی کہ آپؐ رفتہ رفتہ اس کے برداشت کرنے کے قابل ہوجائیں[1]"

لیکن جب کہ ترمذی میں یہ حدیث موجود ہے کہ "نبوت سے پہلے سفر شام میں (بمقام بصریٰ) جس درخت کے نیچے آپؐ بیٹھے تھے، اس کی تمام شاخیں آپؐ پر جھک آئیں جس سے بحیرا نے آپ کے نبی ہونے کا یقین کیا"، جب کہ صحیح مسلم میں یہ حدیث ہے کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ کو سلام کیا کرتا تھا"، جب کہ صحاح میں موجود ہے کہ "نبوت سے پہلے فرشتوں نے آپؐ کا سینہ چاک کیا اور جسمانی آلایش نکال کر پھینک دی"، تو خود ان روایتوں کے روایت کرنے والے کیونکر یہ کہہ سکتے ہیں کہ فرشتہ کا نظر آنا ایسا واقعہ تھا جس سے آپؐ اس قدر خوف زدہ ہو جاتے تھے کہ ایک دفعہ تسکین ہو کر بھی بار بار اضطراب ہوتا تھا، اور آپؐ اپنے آپ کو پہاڑ پر سے گرا دینے کا ارادہ کرتے تھے، اور بار بار حضرت جبرئیلؑ کو اطمینان دلانے کی ضرورت ہوتی تھی، کیا اور کسی پیغمبر

[1] فتح الباری شرح صحیح بخاری کتاب التعبیر جلد ۱۲ صفحہ ۳۱۰، مطبوعہ مصر،

کو بھی ابتدائے وحی مین کبھی شک ہوا تھا، حضرت موسیٰؑ نے درخت سے آواز سنی کہ "مین خدا ہون" تو کیا انکو کوئی شبہہ پیدا ہوا؟

حافظ ابن حجر وغیرہ کی پیروی کرنے کی ہم کو ضرورت نہین، ہم کو پہلے یہ دیکھنا چاہیے کہ خود اصل روایت بسند مرفوع متصل ہے یا نہین، یہ روایت امام زہری کے بلاغات مین سے ہے یعنی سند کا سلسلہ زہری تک ختم ہو جاتا ہے اور آگے نہین بڑھتا، چنانچہ خود شارحینِ بخاری نے تصریح کر دی ہے، یہ ظاہر ہے کہ ایسے عظیم الشان واقعہ کے لیے سند مقطوع کافی نہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب فرض نبوت ادا کرنا چاہا تو سخت مشکلین پیش نظر تھین، اگر آپؐ کا فرض اسی قدر ہوتا کہ مسیح علیہ السلام کی طرح صرف تبلیغِ دعوت پر اکتفا فرمائین یا حضرت کلیمؑ کی طرح اپنی قوم کو لے کر مصر سے نکل جائین، تو مشکل نہ تھی لیکن خاتم انبیا (صلی اللہ علیہ وسلم) کا کام خود سلامت رہ کر عرب اور نہ صرف عرب بلکہ تمام عالم کو فروغ اسلام سے منور کر دینا تھا، اس لیے نہایت تدبیر اور تدریج سے کام لینا پڑا، سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا کہ یہ پرخطر راز پہلے کس کے سامنے پیش کیا جائے، اس غرض کیلئے صرف وہ لوگ انتخاب کیے جا سکتے تھے، جو فیضیابِ صحبت رہ چکے تھے، جن کو آپؐ کے اخلاق وعادات کی ایک ایک حرکات وسکنات کا تجربہ ہو چکا تھا، جو پچھلے تجربون کی بنا پر آپؐ کے صدقِ دعویٰ کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے، یہ لوگ حضرت خدیجہؓ آپ کی حرم محترم تھین، حضرت علیؓ تھے، جو آپؐ کی آغوشِ تربیت مین پلے تھے،

زیدؓ تھے، جو آپ کے آزاد کردہ غلام اور بندۂ خاص تھے، حضرت ابو بکرؓ تھے جو برسوں سے فیضیاب خدمت تھے، سب سے پہلے آپ نے حضرت خدیجہؓ کو یہ پیغام سنایا، وہ سننے سے پہلے مومن تھین، پھر اور بزرگون کی باری آئی، اور سب ہمہ تن اعتقاد تھے،

حضرت ابو بکرؓ دولتمند، ماہر انساب، صاحب الرائے اور فیاض تھے، ابن سعد نے لکھا ہے کہ جب وہ ایمان لائے تو ان کے پاس چالیس ہزار درہم تھے، غرض ان اوصاف کی وجہ سے مکہ مین ان کا عام اثر تھا، اور معززین شہر ان سے ہر بات مین مشورہ لیتے تھے، ارباب روایت کا بیان ہے کہ کبار صحابہؓ مین سے حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فاتح ایران، حضرت طلحہؓ سب ان ہی کی ترغیب اور ہدایت سے اسلام لائے[1]، ان کی وجہ سے یہ چرچا چپکے چپکے اور لوگون مین بھی پھیلا، اور مسلمانون کی تعداد مین اضافہ ہوتا گیا، ان سابقین اولین مین عمارؓ، خبابؓ بن الارتؓ حضرت عثمانؓ، حضرت عبد الرحمن بن عوف، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہؓ، ارقمؓ، سعید بن زید، عبد اللہ ابن مسعودؓ، عثمان بن مظعونؓ، عبیدہؓ، صہیبؓ رومی زیادہ ممتاز ہین،

لیکن جو کچھ ہوا پوشیدہ طور پر ہوا، نہایت احتیاط کی جاتی تھی کہ محرمان خاص کے سوا کسی کو خبر نہ ہونے پائے، نماز کا جب وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کسی پہاڑ کی گھاٹی

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ مین بزرگان موصوف کا تذکرہ ملاحظہ کرنا چاہیے [2] دیکھو ریاض النضرۃ لمحب الطبری مطبوعۂ مصر صفحہ ۵۰

مین چلے جاتے اور وہان نماز ادا کرتے. ابن الاثیر کا بیان ہے کہ چاشت کی نماز آپ حرم ہی مین ادا کرتے تھے کیونکہ یہ نماز قریش کے مذہب مین بھی جائز تھی[1]. ایک دفعہ آپ حضرت علیؓ کیساتھ کسی درہ مین نماز پڑھ رہے تھے، اتفاق سے آپ کے چچا ابو طالب آنکلے، اُن کو اس جدید طرز عبادت پر تعجب ہوا، کھڑے ہوگئے اور بغور دیکھتے رہے، نماز کے بعد پوچھا کہ یہ کون دین ہے؟ آپ نے فرمایا ہمارے دادا ابراہیمؑ کا یہی دین تھا، ابو طالب نے کہا مین اس کو اختیار تو نہین کرسکتا لیکن تم کو اجازت ہے اور کوئی شخص تمھارا مزاحم نہ ہوسکے گا،

یہ تاریخ اسلام کا ایک بڑا اہم مسئلہ ہے کہ اسلام کیونکر پھیلا؟ مخالفین نے اس کا ذریعہ تلوار بتایا ہے، اس مسئلہ پر مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصون مین آئے گی، لیکن ایک خاص پہلو پر یہین نگاہ ڈال لینی چاہیے، یعنی یہ کہ اوائل اسلام مین جب کہ اسلام لانا جان ومال سے ہاتھ دھونا تھا، کون لوگ اور کس قسم کے لوگ ایمان لائے؟

اس زمانہ مین جو لوگ اسلام لائے، ان مین چند خصائص مشترک تھے، اسی قسم کے (لیکن بالعکس) مشترک خصائص اُن لوگون مین بھی پائے جاتے تھے، جنھون نے شدت سے مخالفت کی، چنانچہ تفصیل آگے آتی ہے،

(۱) اکثر وہ لوگ اسلام لائے جو پہلے سے تلاش حق مین سرگردان اور فطرةً نیک طبع اور پاکیزہ اخلاق تھے، مثلاً حضرت ابوبکرؓ جاہلیت مین بھی عفیف، پارسا اور صدق و دیانت مین مشہور تھے، عثمان بن مظعون صوفی مزاج تھے، اور اسلام سے پہلے شراب چھوڑ چکے تھے،

[1] (کامل ابن اثیر ج ۲ ص ۲۱ ذکر الاختلاف فی اوّل من اسلم "س"

اسلام کے بعد چاہتے تھے کہ راہب بنجائین لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا، صہیب عبد اللہ ابن جدعان کے تربیت یافتہ تھے، جو اسلام سے پہلے تارک شراب ہو کر وفات پا چکے تھے، حضرت ابو ذرؓ جن کا اسلام لانے والون مین چھٹا یا ساتوان نمبر تھا، ان کے اسلام لانے کا واقعہ یہ ہے کہ وہ پہلے سے بت پرستی چھوڑ چکے تھے، اور غیر متعین طریقہ سے جس طرح سے ان کے ذہن مین آتا تھا، خدا کا نام لیتے تھے اور نماز پڑھتے تھے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حال سنا تو اپنے بھائی کو بھیجا کہ صحیح خبر لائین، وہ مکہ مین آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہو کر قرآن مجید کی سورتین سنین، واپس جا کر ابو ذرؓ سے کہا کہ "مین نے ایک شخص کو دیکھا جس کو لوگ مرتد کہتے ہین، وہ مکارم اخلاق سکھاتا ہے، اور جو کلام سناتا ہے وہ شعر نہین کوئی اور چیز ہے، تمھارا طریقہ اس سے بہت ملتا جلتا ہے،" ابو ذرؓ کو تسکین نہین ہوئی، خود مکہ مین آئے، زبان مبارک سے آپؐ کا ارشاد سنا اور اسلام قبول کر لیا، وہ تمام عمر دنیاوی تعلقات سے الگ رہے، ان کا عقیدہ تھا کہ (مسلمان کیلئے زر و مال جمع کرنا جائز نہین) چنانچہ اس بنا پر حضرت عثمانؓ نے اپنے زمانہ مین انکو مدینہ سے دور بھیجدیا تھا،[1]

(۲) بعض صحابہؓ ایسے تھے جو احناف کے تربیت یافتہ تھے، یعنی وہ لوگ جو زمانہ اسلام سے پہلے بُت پرستی ترک کر چکے تھے، اور اپنے آپ کو حضرت ابراہیمؑ کا پیرو کہتے تھے، لیکن اس اجمالی اعتقاد کے سوا اور کچھ نہیں جانتے تھے، اور اس لیے تلاشِ حق مین سرگردان تھے، ان ہی مین زیدؓ بھی تھے، جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے، انھون نے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] حضرت ابو ذرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بخاری و مسلم دونون مین مذکور ہے لیکن باہم اختلاف ہے ہم نے دونون سے کچھ کچھ لیا ہے لیکن اختصار کے لحاظ سے بہت سی باتین چھوڑ دین،

کی بعثت سے پانچ برس پہلے وفات پائی، لیکن ان کے صاحبزادے سعید موجود تھے، وہ باپ کے ارشادات سن چکے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملے تو ان کو وہ رہنما ہاتھ آگیا جس کی جستجو میں اُن کے باپ دنیا سے چلے گئے، اور وہ اب تک سرگشتہ تھے،

(۳) یہ امر سب میں مشترک تھا کہ یہ لوگ قریش کے مناصب اعظم میں سے کوئی منصب نہیں رکھتے تھے، بلکہ اکثر ایسے تھے، مثلاً عمارؓ، خبابؓ، ابوفکیہہؓ، صہیبؓ وغیرہ جن کو دولت و جاہ کے دربار میں جگہ بھی نہیں مل سکتی تھی، چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو لے کر حرم میں جاتے تو رؤسائے قریش ہنس کر کہتے،

اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا — یہی وہ لوگ ہیں جن پر خدا نے ہم لوگوں کو چھوڑ کر احسان کیا ہے،

(انعام - ۱)

کفار کے نزدیک ان کا افلاس ان کی تحقیر کا سبب تھا لیکن یہی چیز تھی جس کی وجہ سے ایمان کی دولت سب سے پہلے ان ہی کے ہاتھ آسکتی تھی، دولت و مال ان کے دلوں کو سیاہ نہیں کر چکا تھا، فخر و غرور ان کو انقیاد حق سے روک نہیں سکتا تھا، ان کو یہ ڈر نہ تھا کہ اگر بت پرستی چھوڑ دیں گے تو کعبہ کا کوئی منصب عظیم ہاتھ سے جاتا رہے گا، غرض ان کے دل ہر قسم کے زنگ سے پاک تھے، اور حق کی شعاعیں ان پر دفعۃً پرتو افگن ہو سکتی تھیں یہی سبب ہے کہ انبیاء کے ابتدائی پیرو ہمیشہ نادار اور مفلس لوگ ہوتے ہیں، عیسائیت کے ارکان اولین ماہی گیر تھے، حضرت نوحؑ کے مقربین خاص کی نسبت کفار کو علانیہ کہنا پڑا،

وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ — اور ہم تو بظاہر یہ دیکھتے ہیں کہ تیری پیروی

هُمْ اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ وَمَا نَرٰی لَکُمْ عَلَیْنَا مِنْ فَضْلٍ بَلْ نَظُنُّکُمْ کٰذِبِیْنَ (ہود - ۳)

ان ہی لوگون نے کی جو رذیل ہین اور ہم تو تم مین کوئی برتری نہین پاتے بلکہ ہمارا تو یہ خیال ہے کہ تم سب جھوٹے ہو،

یہ سابقین اسلام جس قسم کا راسخ ایمان لائے تھے، اس کی تفصیل آگے آتی ہے جس سے ظاہر ہوگا کہ قریش کی سخت خونخواریان، جور وظلم کے شدائد اور دولت و مال کی انتہائی ترغیبین، کوئی چیز اُن کو متزلزل نہ کرسکی، اور آخر ان ہی کمزور ہاتھون نے قیصر وکسریٰ کا تخت الٹ دیا،

تین برس تک آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے نہایت رازداری کے ساتھ فرضِ تبلیغ ادا کیا، لیکن اب آفتابِ رسالت بلند ہوچکا تھا، صاف حکم آیا،

فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ (حجر - ۹)

اور تجھکو جو حکم دیا گیا ہو واشگاف کہدے،

اور نیز حکم آیا،

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (شعراء - ۱۱)

اور اپنے نزدیک کے خاندان والون کو خدا سے ڈرا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوہِ صفا پر چڑھ کر پکارا یا معشر قریش! لوگ جمع ہوے تو آپ نے فرمایا کہ "اگر مین تم سے یہ کہون کہ پہاڑ کے عقب سے ایک لشکر آرہا ہے تو تم کو یقین آئیگا؟" سب نے کہا" ہان، کیونکہ تم کو ہمیشہ سے ہم نے سچ بولتے دیکھا ہے۔" آپنے فرمایا "تو مین یہ کہتا ہون کہ اگر تم ایمان نہ لاؤگے تو تم پر عذابِ شدید نازل ہوگا۔" یہ سن کر سب لوگ

جن مین ابولہب آپ کا چچا بھی تھا، سخت برہم ہو کر چلے گئے (صحیح بخاری ج ۲ ص ۷۰۲)

چند روز کے بعد آپ نے حضرت علیؓ سے کہا کہ دعوت کا سامان کرو، یہ درحقیقت تبلیغ اسلام کا پہلا موقع تھا، تمام خاندان عبدالمطلب مدعو کیا گیا، حمزہ، ابوطالب، عباس سب شریک تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ "مین وہ چیز لے کر آیا ہون جو دین اور دنیا دونون کو کفیل ہے، اس بارگران کے اٹھانے مین کون میرا ساتھ دے گا؟" تمام مجلس مین سناٹا تھا، دفعۃً حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا "گو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگیں پتلی ہین، اور گو مین سب سے نوعمر ہون، تاہم مین آپ کا ساتھ دون گا"[1]

قریش کے لیے یہ ایک حیرت انگیز منظر تھا کہ دو شخص (جن مین ایک سیزدہ سالہ نوجوان ہے) دنیا کی قسمت کا فیصلہ کر رہے ہین، حاضرین کو بے ساختہ ہنسی آ گئی لیکن آگے چل زمانہ نے بتا دیا کہ یہ سراپا سچ تھا،

اب مسلمانون کی ایک معتدبہ جماعت تیار ہو گئی تھی جن کی تعداد چالیس سے زیادہ تھی، آپ نے حرم کعبہ مین جا کر توحید کا اعلان کیا، کفار کے نزدیک یہ حرم کی سب سے بڑی توہین تھی، اسلیے دفعۃً ایک ہنگامہ برپا ہو گیا، اور ہر طرف سے لوگ آپ پر ٹوٹ پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ربیب حضرت حارثؓ بن ابی ہالہ گھر مین تھے، ان کو خبر ہوئی، دوڑے ہوئے آئے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بچانا چاہا لیکن ہر طرف سے ان پر تلوارین پڑین اور وہ شہید ہو گئے، اسلام کی راہ مین یہ پہلا خون تھا، جس سے زمین رنگین ہوئی،[2]

---

[1] طبری نے تاریخ ج ۳ صفحہ ۱۱۷۱، اور تفسیر ج ۱۹ صفحہ ۷۰ مین عبدالغفار بن قاسم اور منہال بن عمر کے واسطہ سے اس کو روایت کیا ہے، پہلا شیعی اور متروک ہے، اور دوسرا بدمذہب، اس روایت مین اور بھی وجوہ ضعف بلکہ وجوہ وضع ہین۔ "س"

[2] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر حارثؓ بن ابی ہالہ،

قریش کی مخالفت اور اس کے اسباب

مکہ کی جو عزت تھی کعبہ کی وجہ سے تھی، قریش کا خاندان جو تمام عرب پر مذہبی حکومت رکھتا تھا، اور جس کی وجہ سے وہ ہمسایگانِ خدا بلکہ آل اللہ یعنی خاندانِ الٰہی کہلاتے تھے، اس کی صرف یہ وجہ تھی کہ وہ کعبہ کے مجاور اور کلید بردار تھے، اس تعلق سے قریش کا کاروبار زیادہ پھیلتا گیا، یہان تک کہ متعدد محکمے اور بڑے بڑے مناصب قائم کیے گئے، جن کی تفصیل یہ ہے:

منصب[1]	منصب کی تفصیل	کس خاندان کو کون منصب حاصل تھا	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین کون لوگ ان مناصب پر ممتاز تھے،
حجابۃ	کعبہ کی کلید برداری اور تولیت		عثمان بن طلحۃ
رفادہ	غریب حجاج کی خبرگیری	خاندان نوفل	حرث بن عامر
سقایۃ	حجاج کے پانی پلانے کا انتظام	خاندانِ ہاشم	حضرت عباسؓ
مشورہ		خاندانِ اسد	یزید بن ربعۃ الاسود
دیات ومغارم	خون بہا کا فیصلہ کرنا	خاندانِ تیم	حضرت ابوبکرؓ
عُقاب	علم برداری	خاندانِ امیہ	ابوسفیان
قبۃ	خیمۂ خرگاہ کا انتظام اور سواروں کی افسری	خاندانِ مخزوم	ولید بن مغیرہ
سفارت	سفیر ہوکر جانا اور جن قبیلوں مین یہ نزاع	خاندانِ عدی	حضرت عمرؓ
منافُرت	پیش آئے کہ شریف تر کون ہے اس کا فیصلہ کرنا		
ازلام وایسا	محکمۂ فال کا انتظام	خاندانِ جمح	صفوان بن امیہ

[1] یہ تمام تفصیل عقد الفرید ج ۲ ص (۳۱ ‘ س ‘) مین ہے،

آغاز اسلام میں جو لوگ قریش کے رؤسائے اعظم تھے اور جن کی عظمت و اقتدار کا اثر تمام مکہ پر تھا، ان کے نام یہ ہیں:

ابوسفیان بن حرب (حضرت معاویہؓ کے باپ)	حرب فجار میں ان ہی کا باپ قریش کا سپہ سالار تھا،
ابولہب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا)	
ابوجہل	ولید بن مغیرہ کا بھتیجا اور اپنے قبیلہ کا سردار،
ولید بن مغیرہ (حضرت خالدؓ کا باپ)	قریش کا رئیس اعظم تھا،
عاص بن وائل سہمی (حضرت عمرو بن العاص کا باپ)	نہایت دولتمند، کثیرالاولاد اور صاحب اثر تھا،
عتبہ بن ربیعہ (امیر معاویہؓ کا نانا)	نہایت شریف الطبع اور صاحب ریاست تھا،

ان کے سوا، اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث، نضر بن الحرث بن کلدۃ، اخنس ابن شریق ثقفی، ابی بن خلف، عقبہ بن ابی معیط صاحب اثر تسلیم کیے جاتے تھے،

اس موقع پر یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ خاندان ہاشم اور بنو امیہ برابر کے حریف تھے، اور دونوں میں مدت سے رشک و رقابت چلی آتی تھی،

ناتربیت یافتہ اور تندخو قوموں کا خاصہ ہے کہ کوئی تحریک جو اُن کے آبائی رسم و عقائد کے خلاف ہو، ان کو سخت برہم کر دیتی ہے، اس کے ساتھ ان کی مخالفت محض زبانی مخالفت نہیں ہوتی، اور ان کی تشنگی انتقام کو خون کے سوا کوئی چیز بجھا نہیں سکتی، آج ہندوستان اس قدر مہذب ہو گیا ہے، لیکن اب بھی کسی عام مسئلۂ مذہبی کی مخالفت کی جائے تو ایک حشر برپا ہو جاتا ہے، اور حکومت موجودہ اگر منتظم اور صاحب

جبروت نہ ہوتی تو اس زمین پر بارہا خون کا بادل برس چکا تھا،

عرب ایک مدت سے بت پرستی مین مبتلا تھا، خلیل بت شکن کی یادگار (کعبہ) تین سو ساٹھ معبودون سے مزین تھی، جن مین ہبل خداے اعظم تھا، یہی بت ہر قسم کے خیر و شر کے مالک تھے، پانی برساتے تھے، اولادین دیتے تھے، معرکہ ہاے جنگ مین فتحین دلاتے تھے، خدا، یا تو سرے سے نہ تھا، یا تھا تو وجود معطل تھا،

دوسرا سبب

اسلام کا اصل فرض اس طلسم کو دفعۃً برباد کر دینا تھا، لیکن اس کے ساتھ قریش کی عظمت و اقتدار اور عالمگیر اثر کا بھی خاتمہ تھا، اس لیے قریش نے شدت سے مخالفت کی، اور ان مین جن لوگون کو جس قدر زیادہ نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، اسی قدر مخالفت مین زیادہ سرگرم تھے۔

قریش کا رئیس اعظم حرب بن امیہ تھا، چنانچہ حرب فجار مین وہی سپہ سالار اعظم تھا، لیکن حرب کے مرنے کے بعد اس کا بیٹا ابو سفیان اس منصب عظیم کے حاصل کرنے کی قابلیت نہین رکھتا تھا، اس لئے ولید بن المغیرہ نے اپنی لیاقت اور اثر سے ریاست حاصل کی، ابوجہل اس کا بھتیجا تھا، اور وہ بھی قریش مین امتیاز رکھتا تھا،

ابو سفیان گو اپنے باپ کا منصب نہ حاصل کر سکا لیکن بنو امیہ کے خاندان کا سردار وہی تھا، خاندان ہاشم مین سب سے زیادہ کبیر السن ابو لہب تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی چچا تھا،

قبیلہ سہم مین سب سے زیادہ با اثر عاص بن وائل تھا، جو نہایت دولتمند اور کثیر الاولاد تھا،

قریش کی عنانِ حکومت ان ہی رؤسا کے ہاتھ میں تھی، اور یہی لوگ تھے جنھوں نے اسلام کی سخت مخالفت کی، قریش کے اور اکابر مثلاً اسود بن مطلب، اسود بن عبد یغوث، نضر بن الحرث، امیہ بن خلف، عقبہ بن ابی معیط ان ہی لوگوں کے زیر اثر تھے، اور اس وجہ سے اعداے اسلام میں اُن کے نام ہر جگہ نمایاں نظر آتے ہیں،

قریش کا یہ خیال تھا کہ نبوت کا منصب اعظم اگر کسی کو ملتا تو مکہ یا طائف کے کسی رئیس کو ملتا،

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ	اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن کو اترنا تھا
عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ	تو ان دو شہروں (مکہ وطائف) میں کسی رئیس اعظم
(زخرف - ۳)	پر اترنا تھا یعنی ولید بن ربیعہ یا ابو مسعود ثقفی)

عرب میں ریاست کے لیے دولت اور اولاد سب سے پہلی اور سب سے ضروری شرط تھی، اولاد کی نسبت اکثر وحشی قوموں میں (ہندوستان میں بھی) یہ خیال رہا ہے کہ جو شخص صاحب اولاد نہ ہو، وہ عالم آخرت کی برکات سے محروم رہتا ہے،

ہندوؤں میں بھی یہ خیال ہے کہ اولاد کے بغیر انسان کو پوری نجات نہیں مل سکتی،

قریش میں اوصاف مذکورہ کے لحاظ سے جو لوگ ریاست کا استحقاق رکھتے تھے، وہ ولید بن المغیرہ، امیہ بن خلف، عاص بن وائل سہمی اور ابو مسعود ثقفی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اوصاف سے بالکل خالی تھے، دولت کے غبار سے آپ کا دامن پاک تھا، اور اولاد ذکور سال دو سال سے زیادہ زندہ نہیں رہی،

تیسرا سبب
قریش کو عیسائیون سے بالطبع نفرت تھی جس کی وجہ یہ تھی ابرہۃ الاشرم (بادشاہ حبش) جو کعبہ کے ڈھانے کو آیا تھا عیسائی تھا یہی وجہ تھی کہ قریش عیسائیون کے مقابلہ مین پارسیون کو زیادہ پسند کرتے تھے، اور ایران و روم کی جنگ مین ایرانیون کو فتح ہوئی، تو قریش نے نہایت خوشی کا اظہار کیا اور مسلمان شکستہ ہوئے، چنانچہ یہ آیت اتری،

غُلِبَتِ الرُّوْمُ فِیْ اَدْنَی الْاَرْضِ	قریب کے ملک مین رومی مغلوب ہو گئے لیکن
وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ غَلَبِهِمْ سَيَغْلِبُوْنَ	یہ مغلوب ہونے کے بعد چند سال مین پھر
فِیْ بِضْعِ سِنِيْنَ لِلّٰهِ الْاَمْرُ مِنْ	غالب آجائین گے، خدا ہی کو اختیار ہے
قَبْلُ وَمِنْ بَعْدُ وَيَوْمَئِذٍ	پہلے بھی اور پیچھے بھی، اور تب مسلمان اللہ
يَفْرَحُ الْمُؤْمِنُوْنَ بِنَصْرِ اللّٰهِ (روم ۱)	کی مدد سے خوشی منائین گے،

اسلام اور نصرانیت مین بہت سی باتین مشترک تھین، سب سے بڑھکر یہ کہ اس زمانہ مین اسلام کا قبلہ بیت المقدس تھا، اور مدینہ منورہ مین بھی ایک مدت تک یہی قبلہ رہا، ان اسباب سے قریش کو خیال ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عیسائیت قائم کرنا چاہتے ہین،

چوتھا سبب
ایک بڑا سبب قبائل کی خاندانی رقابت تھی، قریش مین دو قبیلے نہایت ممتاز اور حریف یکدگر تھے، بنو ہاشم و بنو امیہ، عبد المطلب نے اپنے زور اور اثر سے بنو ہاشم کا پلہ بھاری کر دیا تھا، لیکن ان کے بعد اس خاندان مین کوئی صاحب اثر نہین پیدا ہوا، ابوطالب دولتمند نہ تھے، عباس دولتمند تھے، لیکن فیاض نہ تھے، ابو لہب بدچلن تھا، اس پر بنو امیہ کا اقتدار بڑھتا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو

خاندان بنو امیہ اپنے رقیب (ہاشم) کی فتح خیال کرتا تھا، اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی، بدر کے سوا باقی تمام لڑائیاں ابوسفیان ہی نے برپا کین، اور وہی ان لڑائیون مین رئیس لشکر رہا،

عقبۃ بن ابی معیط جو سب سے زیادہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دشمن تھا، اور جس نے نماز پڑھنے کی حالت مین آپ کے دوش مبارک پر اونٹ کی اوجھ لاکر ڈالی تھی، اُموی تھا،

بنو امیہ کے بعد جس قبیلہ کو بنو ہاشم کی برابری کا دعوی تھا، وہ بنی مخزوم تھے، ولید بن المغیرہ اسی خاندان کا رُکن تھا، اس لیے اس قبیلہ نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی، ابوجہل کی ایک تقریر سے اس بیان کی پوری تصدیق ہوتی ہے، ایک دفعہ اخنس بن شریق ابوجہل کے پاس گیا اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے متعلق تمھاری کیا رائے ہے؟ ابوجہل نے کہا ہم اور بنو عبد مناف (یعنی آل ہاشم) ہمیشہ حریف مقابل رہے انھون نے مہمانداریان کین تو ہم نے بھی کین، انھون نے خون بہا دیے تو ہم نے بھی دیے، انھون نے فیاضیان کین تو ہم نے ان سے بڑھ کر کین، یہان تک کہ جب ہم نے ان کے کاندھے سے کاندھا ملا دیا، تو اب بنو ہاشم پیغمبری کے دعویدار ہین، خدا کی قسم ہم اس پیغمبر پر کبھی ایمان نہین لا سکتے[1]

پانچوان سبب

ایک بڑا سبب یہ تھا کہ قریش مین عموماً بداخلاقیان پھیلی ہوئی تھین، بڑے بڑے ارباب اقتدار نہایت ذلیل بداخلاقیون کے مرتکب تھے، ابولہب جو خاندان ہاشم مین

[1] ابن ہشام صفحہ ۱۰۰ مطبوعۂ مصر،

سب سے زیادہ ممتاز تھا، اس نے حرم محترم کے خزانہ سے غزالِ زرین چرا کر بیچ ڈالا تھا،[1] اخنس بن شریق جو بنو زہرہ کا حلیف اور رؤسائے عرب میں شمار کیا جاتا تھا، نمام اور کذاب تھا، نضر بن حارث کو جھوٹ بولنے کی سخت عادت تھی، اسی طرح اکثر اربابِ جاہ مختلف قسم کے اعمالِ شنیعہ میں گرفتار تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک طرف بت پرستی کی برائیاں بیان فرماتے تھے، دوسری طرف ان بد اخلاقیوں پر سخت دار وگیر کرتے تھے، جس سے اُن کی عظمت و اقتدار کی شاہنشاہی متزلزل ہوتی جاتی تھی، قرآن مجید میں پیہم علانیہ ان بدکاروں کی شان میں آیتیں نازل ہوتی تھیں، اور گو طریقہ بیان عام ہوتا تھا لیکن لوگ جانتے تھے کہ روئے سخن کس کی طرف ہے،

وَلَا تُطِعْ كُلَّ حَلَّافٍ مَّهِينٍ	اور اُس شخص کے کہنے میں نہ آنا جو بات بات میں قسم
هَمَّازٍ مَّشَّاءٍ بِنَمِيمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَيْرِ	کھاتا ہے، آبرو باختہ ہے، طاعن ہے، چغلیاں لگاتا
مُعْتَدٍ أَثِيمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَٰلِكَ	ہے، لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتا ہے، حد سے بڑھ
زَنِيمٍ أَن كَانَ ذَا مَالٍ وَبَنِينَ	گیا ہے، بد ہے، تند خو ہے اور ان سب باتوں کے ساتھ
(سورۂ قلم - ۱)	جھوٹا نسب بتاتا ہے، اسلیے کہ وہ مالدار اور لڑکوں والا ہے
كَلَّا لَئِن لَّمْ يَنتَهِ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ	وہ سن رکھے کہ اگر وہ باز نہ آیا تو ہم اسکی پیشانی کے
نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (سورۂ علق)	بال پکڑ کر گھسیٹیں گے جو کہ جھوٹی اور خطا کار ہے،

[1] حرم میں ایک سونے کا ہرن مدت سے خزانہ میں محفوظ تھا، ابو لہب نے چرا کر فروخت کر دیا، یہ واقعہ عموماً تاریخوں میں مذکور ہے، ابن قتیبہ نے بھی معارف (ص ۵۵، مطبوعۂ مصر) میں اس کا ذکر کیا ہے،

ممکن تھا کہ وعظ و پند کا نرم طریقہ اختیار کیا جاتا لیکن ، ت کی عربی نخوت ، دولت و اقتدار
کا فخر ، ریاست کا زعم ان چیزون کے ہوتے ہوئے جب تک ضرب نہایت سخت نہ
ہوتی وہ با خبر نہ ہوتے ، اس لیے بڑے بڑے جبار اس طرح مخاطب کیے جاتے تھے ،

ذَرْنِي وَمَنْ خَلَقْتُ وَحِيدًا	ہم کو اور اس کو تنہا چھوڑ دو ، مین نے اسکو
وَجَعَلْتُ لَهُ مَالًا مَّمْدُودًا	پیدا کیا ، پھر بہت سامال دیا ، بیٹے دیے
وَبَنِينَ شُهُودًا وَّمَهَّدتُّ	سامان دیا ، پھر چاہتا ہے کہ ہم اس کو
لَهُ تَمْهِيدًا ، ثُمَّ يَطْمَعُ أَنْ	اور دین ، ہرگز نہین ، وہ ہماری آیتون
أَزِيدَ كَلَّا إِنَّهُ كَانَ لِآيَاتِنَا عَنِيدًا (مدثر)	کا دشمن ہے ،

یہ خطاب ولید بن مغیرہ کے ساتھ ہے ، جو قریش کا سرتاج تھا ، اور یہ الفاظ اس
شخص کی زبان سے ادا ہوتے تھے جس کو ظاہری جاہ و اقتدار حاصل نہ تھا ،

لیکن مخالفت کی جو سب سے بڑی وجہ تھی ، اور جس کا اثر تمام قریش بلکہ تمام عرب پر
یکسان تھا ، یہ تھا کہ جو معبود سیکڑون برس سے عرب کے حاجت روا ے عام تھے ،
اور جن کے آگے وہ ہر روز پیشانی رگڑتے تھے ، اسلام ان کا نام و نشان مٹاتا تھا ،
اور ان کی شان مین کہتا تھا ،

إِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ	بلا شبہہ تم اور جن چیزون کو تم خدا کو چھوڑ کر
اللَّهِ حَصَبُ جَهَنَّمَ (سورۂ انبیاء)	پوجتے ہو ، سب دوزخ کے ایندھن ہون گے

قریش کے تحمل کے اسباب

ان اسباب کے ساتھ جن مین سے ہر ایک قریش کو سخت مشتعل کر دینے کے لیے

کافی تھا، توقع یہ تھی کہ اعلانِ دعوت کے ساتھ سخت خونریزیاں شروع ہو جاتیں لیکن قریش نے تحمل سے کام لیا، اور اس کے ناگزیر اسباب تھے، قریش خانہ جنگیوں میں تباہ ہو چکے تھے، اور حربِ فجار کے بعد اس قدر عاجز آگئے تھے کہ لڑائی کے نام سے ڈرتے تھے، قبیلہ بندی کی وجہ سے لڑائی صرف اتنی سی بات پر شروع ہو جاتی تھی کہ کسی قبیلہ کا کوئی آدمی قتل کر دیا جائے، مقتول کا قبیلہ بغیر کسی تحقیق کے انتقام کے لیے کھڑا ہو جاتا تھا، اور جب تک بدلا نہ لے لیا جائے، یہ آگ بجھ نہیں سکتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل پر آمادہ ہونا قریش کے لیے نہایت آسان تھا، لیکن وہ جانتے تھے کہ بنو ہاشم خون کا انتقام نہ چھوڑیں گے، اور سلسلہ بسلسلہ تمام مکہ جنگ میں مبتلا ہو جائے گا، بہت سے لوگ اسلام لا چکے تھے، اور قریباً کوئی قبیلہ ایسا باقی نہ تھا جس میں دو ایک شخص اسلام نہ لا چکے ہوں، اس لیے اسلام اگر جرم تھا تو صرف ایک شخص اس کا مجرم نہ تھا، بلکہ سیکڑوں تھے، اور سب کا استیصال کرنا ممکن نہ تھا،

رؤسائے قریش میں متعدد ایسے تھے جو شریف النفس تھے، وہ بدنفسی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنے خیال میں نیک نیتی کی بنا پر مخالفت کرتے تھے، اس بنا پر وہ چاہتے تھے کہ معاملہ صلح و آشتی[1] سے طے ہو جائے،

غرض جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ دعوت کیا اور بت پرستی کی علانیہ مذمت شروع کی تو قریش کے چند معززوں نے ابوطالب سے آکر شکایت کی، ابوطالب نے

---

(۱) یہ آیت غالباً ان ہی لوگوں کی شان میں ہے، وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی سے تو لوگوں کو منع کرتے تھے لیکن آپ کے دعوائے نبوت سے دور بھاگتے تھے" اصابہ ذکر ابی طالب بحوالہ عبدالرزاق)" س"

نرمی سے سمجھا کر رخصت کر دیا، لیکن چونکہ بنائے نزاع قائم تھی یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اداے فرض سے باز نہ آسکتے تھے، اس لیے یہ سفارت دوبارہ ابو طالب کے پاس آئی اس مین تمام رؤسائے قریش یعنی عتبہ بن ربیعہ، شیبہ، ابو سفیان، عاص بن ہشام، ابو جہل، ولید بن مغیرہ، عاص بن وائل وغیرہ شریک تھے، ان لوگون نے ابو طالب سے کہا کہ تمھارا بھتیجا ہمارے معبودون کی توہین کرتا ہے، ہمارے آبا، واجداد کو گمراہ کہتا ہے، ہم کو احمق ٹھہراتا ہے، اس لیے یا تو تم بیچ مین سے ہٹ جاؤ، یا تم بھی میدان مین آؤ کہ ہم دونون مین سے ایک کا فیصلہ ہو جائے، ابو طالب نے دیکھا کہ اب حالت نازک ہو گئی ہے، قریش اب تحمل نہین کر سکتے، اور مین تنہا قریش کا مقابلہ نہین کر سکتا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختصر لفظون مین کہا کہ "جان عم! مجھ پر اتنا بار نہ ڈال کہ مین اٹھا نہ سکون"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ظاہری پشت و پناہ جو کچھ تھے، ابو طالب تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ اب ان کے پائے ثبات مین بھی لغزش ہے، آپ نے آبدیدہ ہو کر فرمایا: "خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ مین سورج اور دوسرے ہاتھ مین چاند لا کر دین تب بھی مین اپنے فرض سے باز نہ آؤن گا، خدا یا اس کام کو پورا کرے گا، یا مین خود اس پر نثار ہو جاؤن گا"۔ آپ کی پُر اثر آواز نے ابو طالب کو سخت متاثر کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا "جا! کوئی شخص تیرا بال بیکا نہین کر سکتا"۔[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بدستور دعوتِ اسلام مین مصروف ہوئے، قریش اگرچہ

---

[1] ابن ہشام صفحہ ۸۹۔ امام بخاری نے بھی تاریخ مین یہ واقعہ اختصار کے ساتھ نقل کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ نہ کر سکے لیکن طرح طرح کی اذیتین دیتے تھے، راہ مین کانٹے بچھاتے تھے، نماز پڑھنے مین جسم مبارک پر نجاست ڈال دیتے تھے، بدزبانیان کرتے تھے، ایک دفعہ آپ حرم مین نماز پڑھ رہے تھے، عقبہ بن ابی معیط نے آپکے گلے مین چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچی کہ آپ گھٹنون کے بل گر پڑے، قریش متحیر تھے کہ آپ یہ سب سختیان کیون جھیلتے ہین، انسانی دماغ ایسی سخت نفس کشی اور جانبازی کا مقصد جاہ و دولت اور نام و نمود کی خواہش کے سوا اور کیا خیال کر سکتا ہے، قریش نے بھی یہی خیال کیا، اس بنا پر عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا "محمد کیا چاہتے ہو؟ کیا مکہ کی ریاست؟ کیا کسی بڑے گھرانے مین شادی؟ کیا دولت کا ذخیرہ؟ ہم یہ سب کچھ مہیا کر سکتے ہین، اور اس پر بھی راضی ہین کہ کل مکہ تمھارا زیر فرمان ہو جائے لیکن ان باتون سے باز آؤ"، عتبہ کو اس درخواست کی کامیابی کا پورا یقین تھا لیکن ان سب ترغیبات کے جواب مین آپنے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھین،

قُلْ إِنَّمَآ أَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ	اے محمد کہدو کہ مین تمھین جیسا آدمی ہون،
أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَاسْتَقِيمُوٓا	مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمھارا خدا بس ایک خدا ہے
إِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوهُ (حم السجدۃ-۱)	بس سیدھے اسکی طرف جاؤ اور اسی کی معافی مانگو
قُلْ أَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ	کہدو کہ کیا تم لوگ خدا کا انکار کرتے ہو جس نے
الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُۥٓ	دو دن مین یہ زمین پیدا کی اور تم خدا کے شریک
أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ الْعَٰلَمِينَ (حم السجدۃ-۲)	قرار دیتے ہو یہی سارے جہان کا پروردگار ہے

عتبہ واپس گیا تو وہ عتبہ نہ تھا، اس نے قریش سے جا کر کہدیا کہ "محمد جو کلام پیش کرتے ہین، وہ شاعری نہین کوئی اور چیز ہے، میری رائے یہ ہے کہ تم اُن کو اُن کے حال پر چھوڑ دو، اگر وہ کامیاب ہو کر عرب پر غالب آجائین گے تو یہ تمھاری عزت ہے، ورنہ عرب اُن کو خود فنا کر دے گا"، لیکن قریش نے یہ رائے نامنظور کی،

حضرت حمزہؓ اور عمرؓ کا اسلام ۶ نبوی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمام مین سے حضرت حمزہؓ کو آپ سے خاص محبت تھی، وہ آپ سے صرف دو تین برس بڑے تھے اور ساتھ کے کھیلے تھے، دونون نے ثوبیہ کا دودھ پیا تھا، اور اس رشتہ سے بھائی بھائی تھے، وہ ابھی تک اسلام نہین لائے تھے لیکن آپؐ کی ہر ادا کو محبت کی نظر سے دیکھتے تھے، اُن کا مذاق طبیعت سپہگری اور شکار افگنی تھا، معمول تھا کہ منہ اندھیرے تیر کمان لیکر نکل جاتے، دن دن بھر شکار مین مصروف رہتے، شام کو واپس آتے تو پہلے حرم مین جاتے طواف کرتے، قریش کے رؤسا صحن حرم مین الگ الگ دربار جما کر بیٹھا کرتے تھے، حضرت حمزہؓ ان لوگون سے صاحب سلامت کرتے، کبھی کبھی کسی کے پاس بیٹھ جاتے، اس طریقہ سے سب سے یارانہ تھا اور سب لوگ ان کی قدر و منزلت کرتے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخالفین جس بے رحمی سے پیش آتے تھے، بیگانون سے بھی دیکھا نہ جا سکتا تھا، ایک دن ابوجہل نے رُو در رُو آپؐ کے ساتھ نہایت گستاخیان کین، ایک کنیز دیکھ رہی تھی حضرت حمزہؓ شکار سے آئے تو اس نے تمام ماجرا کہا، حضرت حمزہؓ غصہ سے بیتاب ہو گئے، تیر و کمان ہاتھ مین لیے حرم مین آئے اور ابوجہل سے کہا "مین مسلمان ہو گیا ہون"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جوشِ حمایت مین انھون نے اسلام کا اظہار تو کر دیا لیکن گھر پر آئے تو متردد تھے کہ آبائی دین کو دفعۃً کیونکر چھوڑ دون، تمام دن سوچتے رہے، بالآخر غور و فکر کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ دینِ حق یہی ہے[1]، وہی چار روز کے بعد حضرت عمرؓ بھی اسلام لائے۔

حضرت عمرؓ کا ستائیسوان[2] سال تھا کہ آفتابِ رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، حضرت عمرؓ کے گھرانے مین زید کی وجہ سے توحید کی آواز نامانوس نہین رہی تھی، چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سعیدؓ اسلام لائے، حضرت سعیدؓ کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہؓ سے ہوا تھا، اس تعلق سے فاطمہؓ بھی مسلمان ہوگئین، اسی خاندان مین ایک اور معزز شخص نعیمؓ بن عبداللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ ابھی تک اسلام سے بیگانہ تھے، ان کے کانون مین جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے، یہان تک کہ قبیلہ مین جو لوگ اسلام لا چکے تھے اُن کے دشمن بن گئے، لبینہؓ ان کے خاندان کی کنیز تھی، جس نے اسلام قبول کر لیا تھا، اس کو بے تحاشا مارتے، اور مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے کہ "دم لے لون تو پھر مارون گا" لبینہؓ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا تھا زد و کوب سے دریغ نہین کرتے تھے لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جس کو چڑھ جاتا تھا، اترتا نہ تھا، ان تمام سختیون پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے آخر مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود (ذاتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم) کے قتل کا ارادہ کیا، تلوار کمر سے لگا، سیدھے

[1] حضرت حمزہؓ کے اسلام کا واقعہ عموماً سب نے لکھا ہے لیکن یہ اخیر واقعہ مین نے صرف روض الانف مین دیکھا ہے،

[2] حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام مین الفاروق مین مفصل لکھ چکا تھا، اسی کو بعینہٖ یہان نقل کر دیا ہے کہین کہین بعض الفاظ یا جملے بدل دیے ہین، (جامع نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے واقعہ کی دوسری روایتین سیرۃ النبی جلد سوم باب استجابت دعا مین مفصل درج کر دی ہین، وہان دیکھی جائین، "س")

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چلے، مگر کس قصد سے گئے؟ کہ آج ان کا کام ہی تمام [illegible]۔
راستہ میں اتفاقاً نعیم بن عبد اللہ مل گئے۔ ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں۔ انھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو، خود تمھاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں۔" فوراً پلٹے اور بہن کے ہاں پہنچے۔ وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں، اور قرآن کے اجزا چھپا لیے۔ لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا یہ کیا آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں۔ انھوں نے کہا میں سن چکا ہوں تم دونوں مرتد ہو گئے ہو، یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریبان ہو گئے، اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی، یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا لیکن اسلام کی محبت اس سے بالاتر تھی، بولیں کہ عمر جو بن آئے کرو، لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا۔" ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا، بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے جسم سے خون جاری تھا، دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی۔ فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو بھی سناؤ۔ فاطمہؓ نے قرآن کے اجزا، سامنے لا کر رکھ دیے، اٹھا کر دیکھا تو یہ سورہ تھی،

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ	زمین اور آسمان میں جو کچھ ہے خدا کی تسبیح
وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (حدید۔۱)	پڑھتا ہے اور خدا ہی غالب اور حکمت والا ہے

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا، یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے

اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ (حدید)	خدا پر اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ،

تو بے اختیار پکار اٹھے کہ

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ — مین گواہی دیتا ہون کہ خدا کے سوا کوئی خدا

اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ — نہین اور یہ کہ محمد خدا کے پیغمبر ہین،

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے مکان مین جو کوہ صفا کی تلی مین واقع تھا، پناہ گزین تھے، حضرت عمرؓ نے آستانۂ مبارک پر پہنچ کر دستک دی، چونکہ شمشیر بکف گئے تھے صحابہؓ کو تردد ہوا، لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا "آنے دو، مخلصانہ آیا ہے تو تو بہتر ہے، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دونگا" حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود آگے بڑھے، اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا "کیون عمر کس ارادہ سے آیا ہے؟" نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا، نہایت خضوع کے ساتھ عرض کیا کہ "ایمان لانے کے لیے،" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے، اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے مل کر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیان گونج اٹھین،[1]

حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ مین نیا دور پیدا کر دیا، اس وقت تک اگرچہ چالیس پچاس آدمی اسلام لا چکے تھے، عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہ سید الشہداءؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا، تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہین ادا کر سکتے تھے، اور کعبہ مین نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا، حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کے ساتھ دفعۃً یہ حالت بدل گئی، انھون نے علانیہ اسلام ظاہر کیا، کافرون نے اول اول بڑی شدت کی

[1] انساب الاشراف بلاذری وطبقات ابن سعد واسد الغابہ وابن عساکر وکامل ابن الاثیر

لیکن وہ ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے، یہانتک کہ مسلمانون کی جماعت کے ساتھ کعبہ مین جاکر نماز ادا کی، ابن ہشام نے اس واقعہ کو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زبانی ان الفاظ مین روایت کیا ہے،

فلما اسلم عمر قاتل قریشا حتی	جب عمرؓ اسلام لائے تو قریش سے لڑے
صلی عند الکعبۃ وصلینا معہ	یہانتک کہ کعبہ مین نماز پڑھی اور ان کے ساتھ ہم لوگون نے بھی پڑھی،

صحیح بخاری مین ہے کہ جب حضرت عمرؓ اسلام لاے تو ایک ہنگامہ برپا ہوگیا، اتفاق سے عاص بن وائل آنکلا، اس نے پوچھا کیا ہنگامہ ہے، لوگون نے کہا، عمرؓ مرتد ہوگئے، عاص بن وائل نے کہا، اچھا تو کیا ہوا، مین نے عمرؓ کو پناہ دی،

تعذیب مسلمین رسوخِ عزم، قوتِ ارادہ، شدتِ عمل، انسان کے اصلی جوہر ہین، اور داد کے قابل ہین، لیکن ان ہی اوصاف کا رخ جب بدل جاتا ہے تو وہ سخت دلی، بے رحمی، درندہ طبعی اور سفاکی کا مہیب قالب اختیار کر لیتے ہین،

اسلام جب آہستہ آہستہ پھیلنا شروع ہوا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اکابر صحابہؓ کو ان کے قبیلون نے اپنے حصارِ حفاظت مین لے لیا، تو قریش کا طیش و غضب ہر طرف سے سمٹ کر ان غریبون پر ٹوٹا، جن کا کوئی یار و مددگار نہ تھا، ان مین کچھ غلام اور کنیزین تھین، کچھ غریب الوطن تھے، جو دو ایک پشت سے مکہ مین آرہے تھے، اور کچھ کمزور قبیلون کے آدمی تھے جو کسی قسم کی عظمت و اقتدار نہین رکھتے تھے، قریش نے ان کو اس طرح ستانا شروع کیا کہ جور و ستم کی تاریخ مین اس کی مثال پیدا کرنا قریش کی یکتائی کی تحقیر ہے،

یہ آسان تھا کہ مسلمانون کے خس وخاشاک سے سرزمین عرب دفعۃً پاک کردیجاتی، لیکن قریش کا نشۂ انتقام اس سے اتر نہین سکتا تھا، مسلمان اگر اپنے مذہب پر ثابت قدم رہ کر پیوند خاک کردیے جاتے تو اس مین جس قدر قریش کی تعریف نکلتی، اس سے زیادہ ان بیکسون کا صبر واستقلال داد طلب ہوتا، قریش کی شان اس وقت قائم رہ سکتی تھی، جب یہ لوگ جادۂ اسلام سے پھر کر، پھر قریش کے مذہب مین آجاتے، یا شاید اُن کو مسلمانون کی سخت جانی کا امتحان لینا اور اس کی داد دینا منظور تھا،

قریش مین ایسے لوگ بھی تھے جن کا دل واقعی اس حالت پر جلتا تھا کہ اُن کا مدتون کا بنا بنایا کارخانہ درہم برہم ہوا جاتا ہے، ان کے آباو اجداد کی تحقیر کی جاتی ہے، قابل احترام معبودون کی عظمت مٹی جاتی ہے، یہ لوگ صرف حسرت وافسوس کرکے رہ جاتے تھے، اور کہتے تھے کہ چند خام طبعون کے دماغ مین خلل آگیا ہے، عتبہ، عاص بن وائل وغیرہ اسی قسم کے لوگ تھے لیکن ابوجہل، امیہ بن خلف وغیرہ کا معیار اس سے زیادہ بلند تھا،

مسلمانون پر ظلم کے طریقے

بہرحال قریش نے جور وظلم کے عبرت ناک کارنامے شروع کیے، جب ٹھیک دوپہر ہوجاتی تو وہ غریب مسلمانون کو پکڑتے، عرب کی تیز دھوپ، ریتلی زمین کو دوپہر کے وقت جلتا توا بنا دیتی ہے، وہ ان غریبون کو اسی توے پر لٹاتے، چھاتی پر بھاری پتھر رکھدیتے کہ کروٹ بدلنے نہ پائین، بدن پر گرم بالو بچھاتے، لوہے کو آگ پر گرم کرکے اس سے داغتے، پانی مین ڈبکیان دیتے،[1]

---

[1] یہ واقعات ابن سعد نے حضرت بلالؓ وصہیبؓ کے حال مین بہ تفصیل لکھے ہین، دیکھو کتاب مذکور جلد ثالث تذکرہ صحابۂ بدر،

یہ مصیبتین اگرچہ تمام بیکس مسلمانون پر عام تھین لیکن ان مین جن لوگون پر قریش زیادہ مہربان تھے؛ ان کے نام یہ ہین،

حضرت خبابؓ بن الارتؓ تمیم کے قبیلہ سے تھے، جاہلیت مین غلام بنا کر فروخت کر دیے گئے تھے، ام انمار نے خرید لیا تھا، یہ اس زمانہ مین اسلام لائے جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ارقمؓ کے گھر مین مقیم رہے اور صرف چھ سات شخص اسلام لا چکے تھے، قریش نے ان کو طرح طرح کی تکلیفین دین، ایک دن کوئلے جلا کر زمین پر بچھائے، اس پر چت لٹایا، ایک شخص چھاتی پر پاؤن رکھے رہا کہ کروٹ بدلنے نہ پائین، یہان تک کہ کوئلے پیٹھ کے نیچے پڑے پڑے ٹھنڈے ہو گئے، خبابؓ نے مدتون کے بعد جب یہ واقعہ حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کیا تو پیٹھ کھول کر دکھائی کہ برص کے داغ کی طرح بالکل سپید تھی،[1] (حضرت خبابؓ جاہلیت مین لوہاری کا کام کرتے تھے، اسلام لائے تو بعض لوگون کے ذمہ ان کی بقایا تھی، مانگتے تو جواب ملتا جب تک محمدؐ کا انکار نہ کروگے، ایک کوڑی نہ ملے گی، یہ کہتے کہ نہین، جب تک تم مر کر پھر جیو نہین[2]۔)

حضرت بلالؓ، یہ وہی حضرت بلالؓ ہین جو مؤذن کے لقب سے مشہور ہین حبشی النسل اور امیہ بن خلف کے غلام تھے، جب ٹھیک دوپہر ہو جاتی تو امیہ ان کو جلتی بالو پر لٹاتا اور پتھر کی چٹان سینہ پر رکھ دیتا کہ جنبش نہ کرنے پائین، ان سے کہتا کہ اسلام سے باز آ، ورنہ یون ہی گھٹ گھٹ کر مر جائے گا، لیکن اس وقت بھی ان کی زبان سے "احدؐ" کا لفظ نکلتا، جب یہ کسی طرح متزلزل نہ ہوئے تو گلے مین رسی باندھی اور لونڈون کے حوالہ کیا،

---

[1] طبقات ابن سعد جلد سوم تذکرۂ خبابؓ [2] صحیح بخاری صفحہ ۲۹۷ (ج ۲) س"

وہ اُن کو شہر کے اس سرے سے اُس سرے تک گھسیٹتے پھرتے تھے، لیکن اب بھی وہی رٹ تھی اَحَد اَحَد۔

حضرت عمارؓ۔ یمن کے رہنے والے تھے، ان کے والد "یاسر" مکہ میں آئے، ابو حذیفہ مخزومی نے اپنی کنیز سے جس کا نام سُمیہ تھا، شادی کر دی، عمار اسی کے پیٹ سے پیدا ہوئے، یہ جب اسلام لائے تو ان سے پہلے صرف تین شخص اسلام لا چکے تھے، قریش ان کو جلتی ہوئی زمین پر لٹاتے، اور اس قدر مارتے کہ بیہوش ہو جاتے، ان کے والد اور والدہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا تھا۔

حضرت سمیہؓ، حضرت عمارؓ کی والدہ تھیں، ان کو ابوجہل نے اسلام لانے کے جرم میں برچھی ماری اور ہلاک ہوگئیں،

حضرت یاسرؓ، حضرت عمارؓ کے والد تھے، یہ بھی کافروں کے ہاتھ سے اذیت اٹھاتے اٹھاتے ہلاک ہوگئے۔

حضرت صُہیبؓ۔ یہ رومی مشہور ہیں لیکن درحقیقت رومی نہ تھے، ان کے والد سنان کسریٰ کی طرف سے ابلہ کے حاکم تھے، اور ان کا خاندان موصل میں آباد تھا، ایک دفعہ رومیوں نے اس نواح پر حملہ کیا، اور جن لوگوں کو قید کر کے لے گئے، ان میں حضرت صہیبؓ بھی تھے، یہ روم میں پلے، اس لیے عربی زبان اچھی طرح بول نہ سکتے تھے، ایک عرب نے ان کو خرید ا، اور مکہ میں لایا، یہاں عبداللہ بن جدعان نے ان کو خرید کر کے آزاد کر دیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوت اسلام شروع کی تو یہ اور عمارؓ بن یاسر ایک ساتھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ نے اسلام کی ترغیب دی اور یہ مسلمان ہو گئے،[1] **قریش** ان کو اس قدر اذیت دیتے تھے کہ ان کے حواس مختل ہو جاتے تھے، جب انھون نے مدینہ کو ہجرت کرنی چاہی تو قریش نے کہا اپنا سارا مال و متاع چھوڑ جاؤ تو جا سکتے ہو، انھون نے نہایت خوشی سے منظور کیا،

حضرت ابو فکیہہؓ صفوان بن امیہ کے غلام تھے، اور حضرت بلالؓ کے ساتھ اسلام لائے، امیہ کو جب یہ معلوم ہوا تو ان کے پانون مین رسی باندھی، اور آدمیون سے کہا کہ گھسیٹتے ہوئے لیجائین، اور تپتی ہوئی زمین پر لٹائین، ایک "گبریلا" راہ مین جا رہا تھا، امیہ نے ان سے کہا تیرا "خدا یہی تو نہین ہے" انھون نے کہا "میرا اور تیرا دونون کا خدا اللہ تعالیٰ ہے" اس پر امیہ نے اس زور سے ان کا گلا گھونٹا کہ لوگ سمجھے دم نکل گیا، ایک دفعہ اُن کے سینہ پر اتنا بھاری بوجھل پتھر رکھدیا کہ ان کی زبان نکل پڑی،

حضرت لبینہؓ۔ یہ بیچاری ایک کنیز تھین، حضرت عمرؓ[2] اس بیکس کو مارتے مارتے تھک جاتے تو کہتے تھے کہ "مین نے تجھ کو رحم کی بنا پر نہین، بلکہ اس وجہ سے چھوڑ دیا ہے کہ تھک گیا ہون"۔ وہ نہایت استقلال سے جواب دیتین کہ "اگر تم اسلام نہ لاؤ گے، تو خدا اس کا انتقام لے گا"

حضرت زنیرہؓ، حضرت عمرؓ کے گھرانے کی کنیز تھین، اور اس وجہ سے حضرت عمرؓ (اسلام

---

[1] ابن الاثیر، ذکر تعذیب المستضعفین، ابن الاثیر نے لکھا ہے کہ عمارؓ اس وقت ایمان لائے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، ارقمؓ کے مکان مین چلے آئے تھے، اور جب کہ تیس شخص سے زیادہ اسلام لا چکے تھے۔

[2] حضرت عمرؓ اس وقت تک اسلام نہین لائے تھے،

سے پہلے) ان کو جی کھول کر ستاتے، ابوجہل نے ان کو اس قدر مارا کہ ان کی آنکھیں جاتی رہیں،

حضرت نہدیہؓ اور ام عبیسؓ، یہ دونوں بھی کنیزیں تھیں، اور اسلام لانے کے جرم میں سخت سے سخت مصیبتیں جھیلتی تھیں،

حضرت ابوبکرؓ کے دفتر فضائل کا یہ پہلا باب ہے کہ انھوں نے ان مظلوموں میں سے اکثروں کی جان بچائی، حضرت بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ، لبینہؓ، زنیرہؓ، نہدیہؓ، ام عبیسؓ سب کو بھاری بھاری داموں پر خریدا، اور آزاد کر دیا،

یہ لوگ وہ تھے جن کو قریش نے نہایت سخت جسمانی اذیتیں پہنچائیں، ان سے کم درجہ پر وہ لوگ تھے، جن کو طرح طرح سے ستاتے تھے،

(حضرت عثمانؓ جو کبیر السن اور صاحب جاہ و اعزاز تھے، جب اسلام لائے تو دوسروں نے نہیں بلکہ خود ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر مارا[1]، حضرت ابوذرؓ جو ساتویں مسلمان ہیں جب مسلمان ہوئے اور کعبہ میں[2] اسلام کا اعلان کیا تو قریش نے مارتے مارتے ان کو لٹا دیا،[3]

حضرت زبیرؓ بن العوام جن کا مسلمان ہونے والوں میں پانچواں نمبر تھا جب اسلام لائے تو ان کے چچا ان کو چٹائی میں لپیٹ کر ان کے ناک میں دھواں دیتے تھے[4]، حضرت عمرؓ کے چچازاد بھائی سعیدؓ بن زید جب اسلام لائے تو حضرت عمرؓ نے ان کو رسیوں سے باندھ دیا،[5]

لیکن یہ تمام مظالم، یہ جلادانہ بیرحمیاں، یہ عبرت خیز سفاکیاں، ایک مسلمان کو بھی راہ حق

[1] طبقات ترجمہ عثمانؓ بن عفان [2] بخاری ج ۱ ص ۵۴۴ - ۵۴۵، باب اسلام ابی ذرؓ [3] ریاض النضرہ للمحب الطبری [4] بخاری ص ۱۰۲۷، اس وقت تک حضرت عمرؓ اسلام نہیں لائے تھے (ت) س

سے متزلزل نہ کرسکین، ایک نصرانی مورخ نے نہایت سچ لکھا،

"عیسائی اس کو یاد رکھین تو اچھا ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسائل نے وہ درجہ نشۂ دینی کا آپ کے پیروون مین پیدا کیا جس کو عیسیٰؑ کے ابتدائی پیروون مین تلاش کرنا بے فائدہ ہے.... جب عیسیٰؑ کو سولی پر لے گئے تو ان کے پیرو بھاگ گئے۔ ان کا نشۂ دینی جاتا رہا، اور اپنے مقتدا کو موت کے پنجہ مین گرفتار چھوڑ کر چل دیے...... برعکس اس کے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیرو اپنے مظلوم پیغمبر کے گرد آگئے اور آپ کے بچاؤ مین اپنی جانین خطرہ مین ڈال کر کل دشمنون پر آپ کو غالب کیا[1]

ہجرت حبش ۵ھ نبوی

قریش کے ظلم و تعدی کا بادل جب پھر برس کر نہ کھلا تو رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جان نثاران اسلام کو ہدایت کی کہ حبش کو ہجرت کر جائین۔ حبش قریش کا قدیم تجارت گاہ تھا، وہان کے حالات پہلے سے معلوم تھے، اہل عرب حبش کے فرمان روا کو نجاشی[2] کہتے تھے، اور اس کے عدل و انصاف کی عام شہرت تھی،

جان نثاران اسلام ہر قسم کی تکلیف جھیل سکتے تھے، اور ان کا پیمانۂ صبر لبریز نہین ہوسکتا تھا لیکن مکہ مین رہ کر فرائض اسلام کا آزادی سے بجالانا ممکن نہ تھا، اس وقت تک حرم کعبہ مین کوئی شخص بلند آواز سے قرآن نہین پڑھ سکتا تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ جب اسلام لائے تو انھون نے کہا مین اس فرض کو ضرور ادا کرون گا، لوگون نے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے، حرم مین گئے اور مقام ابراہیمؑ کے پاس کھڑے ہو کر سورۂ الرحمن پڑھنا شروع کیا،

---

[1] اپالوجی گاڈفری ہیگنس ترجمہ اردو صفحہ ۶۶ و ۶۷ مطبوعہ بریلی ۱۸۷۳ء؁ [2] نجاشی حبشی لفظ نجوس کی تعریب ہے جس کے معنی حبشی مین بادشاہ کے ہین۔ نجاشی کا نام "اصحمہ" تھا، بخاری باب موت النجاشی، "س"

کفار ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، اور ان کے منہ پر طمانچے مارنے شروع کیے، اگرچہ انھون نے جہان تک پڑھنا تھا پڑھ کر دم لیا لیکن واپس گئے تو چہرہ پر زخم کے نشان لے کر گئے، (حضرت ابوبکرؓ جاہ واقتدار مین دیگر رؤسائے قریش سے کم نہ تھے، لیکن آواز سے قرآن نہین پڑھ سکتے تھے، اور اسی بنا پر ایک بار ہجرت کے لیے آمادہ ہو گئے[۲])

اس کے علاوہ ہجرت سے ایک بڑا فائدہ یہ بھی تھا کہ جو شخص اسلام لے کر جہان جاتا وہان اسلام کی شعاعین خود بخود پھیلتی تھین،

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایما سے اول اول گیارہ مرد اور چار عورتون نے ہجرت کی جن کے نام حسب ذیل ہین،

۱۔ حضرت عثمانؓ (بن عفانؓ)	مع اپنی زوجۂ محترمہ (حضرت) رقیہؓ کے، جو رسول کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی تھین،
۲۔ (حضرت) ابوحذیفہؓ بن عتبہ، مع اپنی زوجہ کے، جن کا نام (حضرت) سہلہؓ (بنت سہیل)، تھا۔	ان کا باپ عتبہ قریش کا مشہور سردار تھا، چونکہ سخت کافر تھا۔ اس لیے ان کو گھر چھوڑنا پڑا،
۳۔ (حضرت) زبیرؓ بن العوام	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھیرے بھائی اور مشہور صحابی تھے۔
۴۔ (حضرت) مصعبؓ بن عُمیر	ہاشم کے پوتے تھے،
۵۔ (حضرت) عبدالرحمٰنؓ بن عوف	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ مین شمار کیے جاتے ہین، قبیلہ زہرہ سے تھے اور اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی رشتہ دار تھے۔

[۲] طبری (صفحہ ۱۱۸۴) نیز (صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ)

۶۔ (حضرت) ابوسلمہؓ (بن عبدالاسد) مخزومی مع اپنی زوجہ حضرت ام سلمہؓ (بنت ابی امیہ کے	یہ ام سلمہؓ وہی ہیں جو ابوسلمہ کے مرنے کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عقد میں آئیں،
۷۔ (حضرت) عثمانؓ بن مظعون جمحیؓ	مشہور صحابی ہیں،
۸۔ (حضرت) عامرؓ بن ربیعہ مع اپنی زوجہ کے جن کا نام (حضرت) لیلیٰؓ (بنت ابی حشمہ تھا)	سابقین اولین میں ہیں، بدر میں بھی شریک تھے، حضرت عثمانؓ نے سفر حج میں ان کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا تھا (اصابہ)
۹۔ (حضرت) ابوسبرۃؓ بن ابی رُہم، (یا۱)	ان کی ماں برۃ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پھوپھی تھیں، یہ سابقین فی الاسلام میں ہیں، حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں لکھا ہے کہ یہ ہجرت ثانیہ میں گئے تھے،

(۱ حبشہ کے مہاجرین اول کی تعداد اور ان کے تعین میں کسی قدر اختلاف ہے:۔

ابن اسحٰق نے مردوں میں ان ہی دس آدمیوں کا نام لیا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے متعلق وہ یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ یہ ہجرت اولیٰ میں نہیں بلکہ ہجرت ثانیہ میں تھے (فتح الباری ج ۷، ص ۱۴۳) واقدی نے مردوں میں گیارہ مہاجرین کی ہجرت کا ذکر کیا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے حضرت ابوسبرہؓ اور حضرت ابوحاطبؓ دونوں کو مہاجرین میں شمار کیا ہے اور ابن اسحٰق ان میں سے ایک کو تسلیم کرتے ہیں، اس سلسلہ میں واقدی سے ایک بڑی فروگذاشت یہ ہوئی کہ انھوں نے گیارہ مردوں کو مہاجرین حبش بتلایا، لیکن جب مہاجرین کی فہرست گنائی تو اس میں بارہ آدمیوں کا نام لیا، یعنی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا بھی اضافہ کیا، (زرقانی علی المواہب ج اول ص ۲۷۰) حافظ ابن حجرؒ نے واقدی کی اس فروگذاشت پر گرفت کی ہے (فتح الباری ج ۷، ص ۱۴۳) ابن سعد نے انھی تمام مہاجرین کا نام لیا ہے، جن کا ذکر واقدی نے کیا ہے (ابن سعد ج ۱ ص ۱۳۶) ابن سید الناس نے بھی یہ روایت زہری بارہ آدمیوں کا ذکر کیا ہے، مگر انھوں نے حضرت زبیرؓ کے بجائے حضرت سلیطؓ بن عمرو کا نام لیا ہے (عیون الاثر اول ص ۱۱۵) بعض دوسرے سیرت نگار جو بارہ مرد مہاجرین کو تسلیم کرتے ہیں، وہ حضرت حاطبؓ بن عمرو اور حضرت سہیلؓ بن بیضا کے بجائے حضرت حاطبؓ بن حارث اور حضرت ہاشمؓ ابن عمرو کا نام لیتے ہیں (زرقانی اول ص ۲۷۱) اسی طرح ہجرت کرنے والی خواتین میں بعض لوگ حضرت ابوسبرہؓ کی بیوی حضرت ام کلثومؓ بنت سہیل اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دایہ حضرت ام ایمنؓ کا اضافہ کرتے ہیں)" س

۱۰۔ (حضرت ابو) حاطبؓ بن عمرو،	بدر مین شریک تھے، امام زہری کا بیان ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے ہجرت کی (اصابہ)
۱۱۔ (حضرت) سہیلؓ بن بیضا،	
۱۲۔ (حضرت) عبد اللہؓ بن مسعود	مشہور صحابی اور مجتہدین صحابہ مین داخل ہین،

ان لوگون نے ۵ ؁ نبوی ماہ رجب مین سفر کیا، حسن اتفاق یہ کہ جب یہ بندرگاہ پر پہنچے تو دو تجارتی جہاز حبش کو جا رہے تھے، جہاز والون نے سستے کرایہ پر اُن کو بٹھا لیا، ہر شخص کو صرف ۵ درہم دینے پڑے، قریش کو خبر ہوئی، تو بندرگاہ تک تعاقب مین آئے، لیکن موقع نکل چکا تھا[1]

عام مورخین کا خیال ہے کہ ہجرت ان ہی لوگون نے کی جن کا کوئی حامی اور مددگار نہ تھا لیکن فہرستِ مہاجرین مین ہر درجہ کے لوگ نظر آتے ہین حضرت عثمانؓ بنو امیہ سے تھے، جو سب سے زیادہ صاحب اقتدار خاندان تھا، متعدد بزرگ مثلاً زبیرؓ اور مصعبؓ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے خاندان سے ہین، عبد الرحمنؓ بن عوف اور ابو سبرہؓ معمولی لوگ نہ تھے، اس بنا پر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ قریش کا ظلم و ستم بیکسون پر محدود نہ تھا، بلکہ بڑے بڑے خاندان والے بھی اُن کے ظلم و ستم سے محفوظ نہ تھے،

ایک عجیب بات یہ ہے کہ جو لوگ سب سے زیادہ مظلوم تھے، اور جن کو انگارون کے بستر پر سونا پڑا تھا یعنی حضرت بلالؓ، عمارؓ، یاسرؓ وغیرہ، ان لوگون کا نام مہاجرین حبش

---

[1] یہ تمام تفصیل طبری مین ہے،

کی فہرست مین نظر نہین آتا، اس لیے یا تو ان کی بے سروسامانی اس حد تک پہنچی تھی کہ سفر کرنا بھی ناممکن تھا، یا یہ کہ درد کے لذت آشنا تھے اور اس لطف کو چھوڑ نہ سکتے تھے۔

دلم ز جورِ تو آسودہ است وحی نالم　　　کہ غیرِ پے نہ برد لذتِ خدنگ ترا

نجاشی کے بدولت مسلمان حبش مین امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے لیکن قریش یہ خبرین سن سن کر پیچ و تاب کھاتے تھے، آخر یہ رائے ٹھہری کہ نجاشی کے پاس سفارت بھیجی جائے کہ ہمارے مجرمون کو اپنے ملک سے نکال دو، عبد اللہ بن ربیعہ اور عمرو بن العاص (فاتح مصر) اس کام کے لیے منتخب ہوئے، نجاشی اور اس کے درباریون مین سے ایک ایک کے لیے گران بہا تحفے مہیا کیے گئے[2]، اور نہایت سر و سامان سے یہ سفارت حبش کو روانہ ہوئی، یہ سفراء نجاشی سے پہلے درباری پادریون سے ملے اور ان کی خدمت مین نذرین پیش کین، اور کہا کہ ہمارے شہر کے چند نادانون نے ایک نیا مذہب ایجاد کیا ہے، ہم نے ان کو نکال دیا تو آپ کے ملک مین بھاگ آئے، کل ہم بادشاہ کے دربار مین اُن کے متعلق جو درخواست پیش کرین، آپ بھی ہماری تائید فرمائین، دوسرے دن سفراء دربار مین گئے، اور نجاشی سے درخواست کی کہ ہمارے مجرم ہم کو حوالہ کر دیے جائین، درباریون نے بھی تائید کی، نجاشی نے مسلمانون کو بلا بھیجا اور کہا "تم نے یہ کون سا دین ایجاد کیا ہے جو نصرانیت اور بت پرستی دونون کے مخالف ہے۔"

---

(۱) مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۲، ۲۰۳) (۲) ابن ہشام نے لکھا ہے کہ مکہ کا بڑا تحفہ چمڑا تھا، اور کتابون سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل مکہ شام وغیرہ کو جو مال تجارت لیجاتے تھے وہ بھی چمڑا ہوتا تھا (مسند امام ابن حنبل مین تصریح ہے کہ یہ تحفہ چمڑا ہی تھا، مسند اہل البیت)

مسلمانون نے اپنی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) کو انتخاب کیا، انھون نے اس طرح تقریر شروع کی:

"اَیُّھَا الْمَلِکُ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، بُت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریان کرتے تھے، ہمسایون کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، قوی لوگ کمزورون کو کھا جاتے تھے، اس اثنا مین ہم مین ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے، اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی، اور یہ سکھلایا کہ ہم پتھرون کو پوجنا چھوڑ دین، سچ بولین، خونریزی سے باز آئین، یتیمون کا مال نہ کھائین، ہمسایون کو آرام دین، عفیف عورتون پر بدنامی کا داغ نہ لگائین، نماز پڑھین، روزے رکھین، زکوٰۃ دین، ہم اس پر ایمان لائے، شرک اور بت پرستی چھوڑ دی اور تمام اعمالِ بد سے باز آئے، اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی، اور ہم کو مجبور کرتی ہے کہ اُسی گمراہی مین واپس آجائین"۔

نجاشی نے کہا "جو کلام الٰہی تمھارے پیغمبر پر اترا ہے کہین سے پڑھو"۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ مریم کی چند آیتین پڑھین، نجاشی پر رقت طاری ہوئی، اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، پھر کہا "خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل دونون ایک ہی چراغ کے پرتو ہین"۔ یہ کہکر سفراے قریش سے کہا "تم واپس جاؤ مین ان مظلومون کو ہرگز واپس نہ دون گا"۔

دوسرے دن عمرو بن العاص نے پھر دربار مین رسائی حاصل کی اور نجاشی سے کہا حضور! آپ کو یہ بھی معلوم ہے کہ یہ لوگ حضرت عیسیٰؑ کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہین، نجاشی نے

مسلمانون کو بلا بھیجا کہ اس سوال کا جواب دین، ان لوگون کو تردد ہوا کہ اگر حضرت عیسیٰؑ کے ابن اللہ ہونے کا انکار کرتے ہین تو نجاشی عیسائی ہے ناراض ہو جائے گا حضرت جعفرؓ نے کہا کچھ ہو، ہم کو سچ بولنا چاہیئے،

غرض یہ لوگ دربار مین حاضر ہوئے، نجاشی نے کہا تم لوگ عیسیٰؑ بن مریم کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ حضرت جعفرؓ نے کہا "ہمارے پیغمبر نے بتایا ہے کہ عیسیٰؑ خدا کا بندہ اور پیغمبر اور کلمۃ اللہ ہے" نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اٹھالیا اور کہا "واللہ جو تم نے کہا عیسیٰؑ اس تنکے کے برابر بھی اس سے زیادہ نہین ہین"[1] بطریق جو دربار مین موجود تھے، نہایت برہم ہوئے، نتھنون سے خرخراہٹ کی آواز آنے لگی، نجاشی نے ان کے غصہ کی کچھ پرواہ نہ کی، اور قریش کے سفیر بالکل ناکامیاب آئے،

اسی اثنا مین کسی دشمن نے نجاشی کے ملک پر حملہ کیا، نجاشی اس کے مقابلہ کے لیے خود

(1) مستدرک حاکم ج ۲ ص ۳۱۰ کتاب التفسیر" س" ۲ مارگولس صاحب نے ہجرت حبش کی بھی بڑی نازک اور دور از نظر وجہ تلاش کر کے پیدا کی ہے، فرماتے ہین کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا کہ قریش سے عہدہ برآ نہین ہو سکتے اور یہ پہلے سنا تھا کہ کعبہ کے گرانے کے لیے ابرہۃ الاشرم جو آیا تھا وہ حبش ہی کا تھا، اس لیے انھون نے چاہا کہ بادشاہ حبش سے سازش کر کے اس کو مکہ پر حملہ کرنے کی ترغیب دین تاکہ قریش کا زور ٹوٹ جائے، اسی غرض سے ہجرت کا بہانہ کر کے اپنے اصحاب کو حبش بھیجا لیکن پھر سمجھے کہ نجاشی اگر مکہ مین آیا تو خود مکہ پر قابض ہو جائے گا، مجھ کو کیا ہاتھ آئے گا، اس بنا پر اس ارادے سے باز رہے" یہ بالکل بے ثبوت بات ہے،

صاحب موصوف کو حضرت جعفرؓ کی تقریر و مکالمت مین اس بنا پر شک ہے کہ نجاشی عربی زبان سے ناواقف تھا، حالانکہ اس زمانہ مین (اولاتو) عربی زبان عام طور سے حبش مین بے تکلف لوگ سمجھ سکتے تھے (کہ یہ دونون زبانین باہم نہایت قریب ہین، ثانیاً درباروں مین ترجمان ہوتے تھے، جیسا کہ ابوسفیان اور قیصر روم کے باہمی مکالمہ مین مذکور ہے، بخاری باب بدء الوحی) " س"

گیا، صحابہؓ نے مشورہ کیا کہ ہم مین سے ایک شخص جائے اور خبر بھیجتا رہے کہ اگر ضرورت ہو تو ہم بھی نجاشی کی مدد کے لیے آئین، حضرت زبیرؓ اگرچہ سب سے زیادہ کمسن تھے لیکن انھون نے اس خدمت کے لیے اپنے کو پیش کیا، مشک کے سہارے دریاے نیل تیر کر رزمگاہ مین پہنچے ادھر صحابہؓ نجاشی کی فتح کے لیے خدا سے دعا مانگتے تھے، چند روز کے بعد حضرت زبیرؓ واپس آئے اور خوشخبری سنائی کہ نجاشی کو خدا نے فتح دی[1]۔

حبش مین کم و بیش ۸۳ مسلمان ہجرت کر گئے تھے، چند روز آرام سے گذرنے پائے تھے کہ یہ خبر مشہور ہوئی کہ کفار نے اسلام قبول کر لیا ہے، یہ سُن کر اکثر صحابہؓ نے مکہ معظمہ کا رخ کیا لیکن شہر کے قریب پہنچے تو معلوم ہوا کہ یہ خبر غلط ہے، اس لیے بعض لوگ واپس چلے گئے، اور اکثر چھپ چھپ کر مکہ مین آ گئے،

یہ روایت طبری اور اکثر تاریخون مین مذکور ہے، اور ممکن ہے کہ صحیح ہو لیکن ان کتابون مین اس خبر کے مشہور ہونے کی وجہ یہ لکھی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حرم مین ایک دفعہ نماز ادا کی، کفار بھی موجود تھے، جب آپ نے یہ آیت پڑھی وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الْاُخْرٰی تو شیطان نے

[1] یہ تمام واقعات مسند ابن حنبل جلد ا ص ۲۰۲ مین مذکور ہین، ابن ہشام نے بھی تفصیل سے لکھے ہین، لیکن طبری اور ابن سعد نے حضرت جعفرؓ اور نجاشی کی تقریر کا ذکر نہین کیا ہے، امام ابن حنبل اور ابن ہشام کا سلسلۂ روایت یہ ہے محمد بن اسحٰق، زہری، ابو بکر بن عبد الرحمٰن بن الحرث بن ہشام مخزومی، اُم سلمہؓ، یہ سب رواۃ ثقہ ہین اور سب سے اخیر راوی حضرت ام سلمہؓ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ محترمہ اور خود اس واقعہ مین شریک تھین، وہ اس وقت تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عقد مین نہین آئی تھین، بلکہ اپنے پہلے شوہر ابو سلمہ عبد الاسد کے ساتھ حبش مین ہجرت کر کے گئی تھین، مورخ یعقوبی نے بھی بہ تفصیل یہ واقعہ لکھا ہے۔

آپ کی زبان سے یہ الفاظ نکلوا دیے،

تلك الغرانيق العلىٰ وان — یعنی (یہ بت) معظم و محترم ہیں اور انکی

شفاعتهن لترتجىٰ — شفاعت مقبول ہے،

اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا اور تمام کفار نے آپ کی متابعت کی (اس روایت کا یہ آخری حصہ کہ چند کافروں کے سوا تمام جن و انس نے حضور کے ساتھ ایک دفعہ سجدہ کیا، صحیح ہی جیسا کہ صحیح بخاری باب[1] (قوله فاسجدوا لله واعبدوا) مذکور ہے، مگر باقی) قصہ بیہودہ اور ناقابل ذکر ہے، اور اکثر کبار محدثین مثلاً بیہقی، قاضی عیاض، علامہ عینی، حافظ منذری، علامہ نووی[2] نے اس کو باطل اور موضوع لکھا ہی لیکن افسوس ہی کہ بہت سے محدثین نے اس روایت کو بہ سند نقل کیا ہی، ان میں طبری، ابن ابی حاتم، ابن المنذر، ابن المردویہ، ابن اسحٰق، موسیٰ بن عقبہ، ابومعشر[3] شہرت عام رکھتے ہیں، اس سے بڑھ کر تعجب یہ ہی کہ حافظ ابن حجر کو جن کے کمالِ فنِ حدیث پر زمانہ کا اتفاق ہی، اس روایت کی صحت پر اصرار ہے، چنانچہ لکھتے ہیں[4]:-

وقد ذكرنا ان ثلاثة اسانيد — ہم نے اوپر بیان کیا ہی کہ اس روایت کی

منها على شرط الصحيح وهى مراسيل — تین سندیں صحیح کی شرط کے موافق ہیں اور یہ (مراسیل)

(۱) کتاب التفسیر سورۂ النجم "س") ۲ دیکھو زرقانی برمواہب لدنیہ و شفاء قاضی عیاض و عینی شرح بخاری تفسیر سورۂ نجم و نوز النبراس، علامہ نووی کے یہ الفاظ ہیں، لم یصح فیه شیٔ لا من جهة النقل ولا من جهة العقل اور علامہ عینی لکھتے ہیں فلا صحة له نقلا ولا عقلا ۳ دیکھو مواہب لدنیہ اور زرقانی واقعہ ہجرت حبشہ ۴ زرقانی برمواہب جلد اول صفحہ ۳۳۰۔

يحتج بمثلها من يحتج بالمراسيل	مرسل ہین اور ان سے وہ لوگ استدلال کرسکتے ہین جو مرسل روایتون کے قائل ہین،

حقیقت یہ ہے کہ کفار کی عادت تھی کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت کرتے تو شور مچاتے، اور اپنی طرف سے فقرے ملا دیتے، قرآن مجید کی آیت ذیل اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ (حم السجدة)	اس قرآن کو نہ سنو اور اس مین گڑبڑ کرو شاید تم غالب آؤ،

قریش کا معمول تھا کہ جب کعبہ کا طواف کرتے تو یہ فقرہ کہتے جاتے، [۱]

واللات والعزى ومناة الثالثة الاخرى فانهن الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى	لات اور عزیٰ اور تیسرے بت مناۃ کی قسم یہ بلند و بزرگ ہین، اور انکی شفاعت کی امید ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب سورۂ والنجم کی وہ آیتین پڑھین تو کسی شیطان (کافر) نے یہی فقرے آپ کی آواز مین ملا کر پڑھ دیے ہون گے، دور کے لوگون کو (کفار مین سے) شبہہ ہوا ہوگا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے وہ الفاظ ادا کیے، اس واقعہ کا چرچا جب مسلمانون مین ہوا ہوگا، تو لوگون نے کہا ہوگا کہ کسی شیطان نے آپ کی طرف سے وہ فقرے کہدیے ہون گے، اس واقعہ نے روایتون مین صورت بدل بدل کر یہ صورت اختیار کر لی کہ شیطان نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے یہ الفاظ

[۱] معجم البلدان لفظ عزیٰ

نکلوا دیے، اور چونکہ عام مسلمان اس بات کو تسلیم کرتے ہین کہ شیطان دوسرے شخص کی زبان سے بول سکتا ہے، اس لیے راویون نے اس روایت کو تسلیم کر لیا،

یہ صرف قیاس نہین بلکہ اگلے محققین نے بھی تصریح کی ہے، مواہب مین ہے،

قیل انہ لما وصل الی قولہ	بعض لوگون نے کہا کہ جب آنحضرت صلی اللہ
ومنوٰۃ الثالثۃ الاخریٰ خشی	علیہ وسلم اس آیت پر پہنچے ومناۃ الثالثۃ
المشرکون ان یاتی بعدھا	الاخریٰ تو مشرکون کو یہ ڈر پیدا ہوا کہ اب انکے
بشی یذم الھتھم فبادروا	معبودون کی کچھ برائی کا بیان ہوگا، اس بنا پر
الیٰ ذٰلک الکلام فخلطوہ فی	انھون نے جھٹ سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
تلاوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم	کی تلاوت مین یہ فقرے غلط کر کے پڑھ دیے
علی عادتھم فی قولھم لاتسمعوا	جیسا کہ انکی عادت تھی، کہ کہتے ہین کہ قرآن
لھذا القرآن والغوا فیہ	پر کان نہ لگاؤ اور اس مین گڑبڑ مچا دو،
او المراد بالشیطان شیطان الانس	یا شیطان سے شیطان آدمی مراد ہے،

جو لوگ حبش سے واپس آ گئے تھے، اہل مکہ نے اب ان کو اور زیادہ ستانا شروع کیا، اور اس قدر اذیت دی کہ دوبارہ ہجرت کرنے پر مجبور ہوئے، لیکن اب کی ہجرت کچھ آسان نہ تھی، کفار نے سخت مزاحمت کی، تاہم جس طرح ہو سکا بہت سے صحابہ جن کی تعداد قریباً سو تک پہنچتی ہے، مکہ سے نکل گئے، اور حبش مین اقامت اختیار کی، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو کچھ لوگ فوراً واپس چلے آئے، اور جو لوگ

رہ گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۷ھ میں ان کو بلا لیا[1]،

کفار کی ایذا و تعدی اب کمزوروں اور بیکسوں پر محدود نہ تھی، حضرت ابوبکرؓ کا قبیلہ معزز اور طاقتور قبیلہ تھا، ان کے یادر اور انصار بھی کم نہ تھے، تاہم وہ بھی کفار کے ظلم سے تنگ آگئے، اور بالآخر حبش کی ہجرت کا ارادہ کیا، برک الغماد جو مکہ معظمہ سے یمن کی سمت پانچ دن کی راہ ہے[2]، وہان تک پہنچے تھے کہ ابن الدغنہ سے ملاقات ہوگئی جو قبیلہ قارہ کا رئیس تھا، اس نے پوچھا کہ کہان؟ حضرت ابوبکرؓ نے کہا "میری قوم مجھکو رہنے نہیں دیتی، چاہتا ہون کہ کہین الگ جا کر خدا کی عبادت کرون"، ابن الدغنہ نے کہا "یہ نہین ہو سکتا کہ تم جیسا شخص مکہ سے نکل جائے، مین تم کو اپنی پناہ مین لیتا ہون"، تو حضرت ابوبکرؓ اس کیساتھ واپس آئے، ابن الدغنہ مکہ پہنچکر تمام سرداران قریش سے ملا اور کہا کہ ایسے شخص کو نکالتے ہو جو مہمان نواز ہے، مفلسون کا مددگار ہے، رشتہ دارون کو پالتا ہے، مصیبتون مین کام آتا ہے"، قریش نے کہا لیکن شرط یہ ہے کہ ابوبکر نمازون مین چپکے جو چاہین پڑھین، آواز سے قرآن پڑھتے ہین تو ہماری عورتون اور بچون پر اثر پڑتا ہے، حضرت ابوبکرؓ نے چند روز یہ پابندی اختیار کی، لیکن آخر گھر کے پاس ایک مسجد بنالی، اور اس مین خضوع و خشوع کے ساتھ بہ آواز قرآن پڑھتے تھے، وہ نہایت رقیق القلب تھے، قرآن پڑھتے تو بے اختیار روتے، عورتین اور بچے ان کو دیکھتے اور متاثر ہوتے، قریش نے ابن الدغنہ سے شکایت

[1] یہ تمام تفصیل طبقات ابن سعد مین ہے، بعض مورخون نے اس ہجرت ثانیہ کا ذکر نہین کیا اور بعض نے نہایت اختصار کے ساتھ ذکر کیا ہے، [2] زرقانی بر مواہب جلد اول صفحہ ۳۲۳ ذکر ہجرت ثانیہ حبش،

کی، اس نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ اب مین تمھاری حفاظت کا ذمہ دار نہین ہو سکتا، حضرت ابوبکرؓ نے کہا مجھ کو خدا کی حفاظت بس ہی، مین تمھارے جوار سے استعفا دیتا ہون[1]"

محرم ۷ نبوی
شعب ابوطالب مین محصور ہونا

قریش دیکھتے تھے کہ اس روک ٹوک پر بھی اسلام کا دائرہ پھیلتا جاتا ہے، عمرؓ اور حمزہؓ جیسے لوگ ایمان لا چکے، نجاشی نے مسلمانون کو پناہ دی، سفراء بے نیل مرام واپس آئے، مسلمانون کی تعداد مین اضافہ ہوتا جاتا ہے، اس لیے اب یہ تدبیر سوچی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے خاندان کو محصور کر کے تباہ کر دیا جائے، چنانچہ تمام قبائل نے ایک معاہدہ مرتب کیا، کہ کوئی شخص نہ خاندان بنی ہاشم سے قرابت کرے گا، نہ ان کے ہاتھ خرید و فروخت کرے گا، نہ ان سے ملے گا، نہ اُن کے پاس کھانے پینے کا سامان جانے دے گا، جب تک وہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کے لیے حوالہ نہ کر دین[2]"، یہ معاہدہ منصور بن عکرمہ نے لکھا، اور در کعبہ پر آویزان کیا گیا،

ابوطالب مجبور ہو کر تمام خاندانِ ہاشم کے ساتھ شعبِ ابوطالب[3] مین پناہ گزین ہوئے، تین سال تک بنو ہاشم نے اس حصار مین بسر کی، یہ زمانہ ایسا سخت گذرا کہ طلح کے پتے کھا کھا کر رہتے تھے، حدیثون مین جو صحابہؓ کی زبان سے مذکور ہے کہ ہم طلح کی پتیان کھا کھا کر بسر کرتے تھے، یہ اسی زمانہ کا واقعہ ہے، چنانچہ سہیلی نے روض الانف مین تصریح کی ہے، حضرت سعد وقاصؓ کا بیان ہی کہ ایک دفعہ رات کو سوکھا ہوا چمڑا ہاتھ آ گیا، مین نے اسکو

---

[1] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب ہجرت مدینہ مین ہی [2] اس معاہدہ کا ذکر طبری نے اور ابن سعد وغیرہ نے تفصیل سے کیا ہی، لیکن یہ الفاظ کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کے لیے حوالہ کر دین صرف مواہب لدنیہ مین مذکور ہین،
[3] یہ پہاڑ کا ایک درہ تھا، جو خاندان بنو ہاشم کا موروثی تھا،

پانی سے دھویا، پھر آگ پر بھونا اور پانی مین ملا کر کھایا[لہ]

ابن سعد نے روایت کی ہو کہ بچے جب بھوک سے روتے تھے، تو باہر آواز آتی تھی، قریش سن سن کر خوش ہوتے تھے لیکن بعض رحم دلون کو ترس بھی آتا تھا، ایک دن حکیم بن حزام نے جو حضرت خدیجہ رض کا بھتیجا تھا، تھوڑے سے گیہون اپنے غلام کے ہاتھ حضرت خدیجہ رض کے پاس بھیجے، راہ مین ابوجہل نے دیکھ لیا اور چھین لینا چاہا، اتفاق سے ابوالبختری کہیں سے آگیا، وہ اگرچہ کافر تھا، لیکن اس کو رحم آیا اور کہا کہ ایک شخص اپنی پھوپھی کو کچھ کھانے کے لیے بھیجتا ہو تو کیون روکتا ہے،

متصل تین برس تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام آلِ ہاشم نے یہ مصیبتین جھیلین، بالآخر دشمنون ہی کو رحم آیا اور خود ان ہی کی طرف سے اس معاہدہ کے توڑنے کی تحریک ہوئی، ہشام عامری خاندانِ بنی ہاشم کا قریبی رشتہ دار اور اپنے قبیلہ مین ممتاز تھا، وہ چوری چھپے بنو ہاشم کو غلہ وغیرہ بھیجتا رہتا تھا، ایک دفعہ وہ زہیر کے پاس جو عبد المطلب کے نواسے تھے، گیا اور کہا کیون زہیر! تم کو یہ پسند ہے کہ تم کھاؤ پیو، ہر قسم کا لطف اٹھاؤ، اور تمھارے مامون کو ایک دانہ تک نصیب نہ ہو؟ زہیر نے کہا "کیا کرون تنہا ہون، ایک شخص بھی میرا ساتھ دے تو مین اس ظالمانہ معاہدہ کو پھاڑ کر پھینک دون"! ہشام نے کہا مین موجود ہون، دونون مل کر مطعم بن عدی کے پاس گئے، ابوالبختری، ابن ہشام، زمعہ بن الاسود نے بھی ساتھ دیا، دوسرے دن سب مل کر حرم مین گئے، زہیر نے سب لوگون کو مخاطب کر کے کہا "اے اہل مکہ! یہ کیا انصاف ہے، ہم لوگ آرام سے بسر کرین اور بنو ہاشم کو آب و دانہ نصیب نہ ہو، خدا کی قسم جب تک یہ ظالمانہ معاہدہ چاک نہ کر دیا جائے گا مین باز نہ آؤن گا"،

لہ روض الانف

ابوجہل برابر سے بولا" ہرگز اس معاہد کو کوئی ہاتھ نہین لگا سکتا"۔ زمعہ نے کہا تو جھوٹ کہتا ہے، جب یہ لکھا گیا تھا اس وقت بھی ہم راضی نہ تھے، غرض مطعم نے ہاتھ بڑھا کر دستاویز چاک کر دی، مطعم بن عدی، عدی بن قیس، زمعہ بن الاسود، ابوالبختری، زہیر سب ہتھیار باندھ باندھ کر بنو ہاشم کے پاس گئے، اور ان کو درہ سے نکال لائے[1]، بقول ابن سعد یہ ۱۰ نبوی کا واقعہ ہے، اسی زمانہ مین معراج واقع ہوئی، جس کی تفصیل تیسرے حصہ مین آئیگی، اسی زمانہ مین نماز پنجگانہ فرض ہوئی،

۱۰ نبوی، حضرت خدیجہؓ اور ابوطالب کی وفات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اب شعب ابوطالب سے نکلے تھے اور چند روز قریش کے جور وظلم سے امان ملی تھی کہ ابوطالب اور حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا،

ابوطالب کی وفات کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے، ابوجہل اور عبداللہ بن ابی امیہ پہلے سے موجود تھے، آپنے فرمایا مرتے مرتے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہہ لیجئے کہ مین خدا کے یہان آپکے ایمان کی شہادت دون ابوجہل اور ابن ابی امیہ نے کہا" ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کے دین سے پھر جاؤ گے"؟ بالآخر ابوطالب نے کہا" مین عبدالمطلب کے دین پر مرتا ہون"۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا" مین وہ کلمہ کہدیتا لیکن قریش کہین گے کہ موت سے ڈر گیا"۔ آپ نے فرمایا" مین آپ کے لیے دعاے مغفرت کرون گا، جب تک کہ خدا مجھ کو

[1] یہ تفصیل ابن ہشام، طبری وغیرہ مین مذکور ہے، اخیر واقعہ صرف ابن سعد نے بیان کیا ہے،

اس سے منع نہ کردے"[1]

یہ بخاری اور مسلم کی روایت ہے، ابن اسحٰق کی روایت ہے کہ مرتے وقت ابوطالب کے ہونٹ ہل رہے تھے، حضرت عباسؓ نے (جو اس وقت تک کافر تھے) کان لگا کر سنا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ "تم نے جس کلمہ کے لیے کہا تھا، ابوطالب وہی کہہ رہے ہیں"[2]

اس بنا پر ابوطالب کے اسلام کے متعلق اختلاف ہے، لیکن چونکہ بخاری کی روایت عموماً صحیح تر مانی جاتی ہے، اس لیے محدثین زیادہ تر ان کے کفر ہی کے قائل ہیں۔

لیکن محدثانہ حیثیت سے بخاری کی یہ روایت چنداں قابل حجت نہیں کہ اخیر راوی مسیب ہیں، جو فتح مکہ میں اسلام لائے، اور ابوطالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے، اسی بنا پر علامہ عینی نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ "روایت مرسل ہے"[3]۔ ابن اسحاق کے سلسلۂ روایت میں عباس بن عبداللہ بن معبد، اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہیں، یہ دونوں ثقہ ہیں، لیکن بیچ کا ایک راوی یہاں بھی رہ گیا ہے، اس بنا پر دونوں روایتوں کے درجۂ استناد میں چنداں فرق نہیں ہے[4]۔

---

[1] صحیح بخاری باب الجنائز، اور مسلم ابوطالب کا اخیر فقرہ مسلم میں ہے، بخاری میں نہیں [2] ابن ہشام مطبوعہ مصر صفحہ ۱۴۶ [3] عینی کتاب الجنائز (ج ۴ صفحہ ۲۰۰) س [4] مصنف کے اس نظریہ سے مجھے اتفاق نہیں ہے، اس لیے کہ بخاری کی روایت کے آخر راوی حضرت مسیبؓ ہیں جو صحابی ہیں، ظاہر ہے کہ صحابی کی روایت کسی صحابی ہی سے ہوگی، اسی لیے مراسیل صحابہ حجت ہیں اور ابن اسحٰق کی روایت منقطع ہے اور چھوٹا ہوا راوی صحابی نہیں ہے، خود ابن اسحٰق بھی استناد کا اعلیٰ درجہ نہیں رکھتے، اس لیے دونوں روایتوں کو یکساں نہیں قرار دیا جاسکتا۔

علاوہ بریں حضرت مسیبؓ کی اس روایت کی تائید میں خود حضرت عباسؓ کی وہ روایت ہے جو اسی مسیب والی روایت سے اوپر صحیح بخاری میں موجود ہے، جس میں ذکر ہے کہ حضرت عباسؓ نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ آپ کے چچا (ابوطالب) کو آپ سے کیا فائدہ پہنچا کہ وہ آپ کی حفاظت کرتے تھے، اور آپ کے لیے آپ کے دشمنوں سے برسر پرخاش

ابو طالب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جو جان نثاریان کین، اس سے کون انکار کرسکتا ہے، وہ اپنے جگر گوشون تک کو آپ پر نثار کرتے تھے، آپ کی محبت مین تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا، آپ کی خاطر محصور ہوئے، فاقے اٹھائے، شہر سے نکالے گئے، تین برس تک آب و دانہ بند رہا، کیا یہ محبت، یہ جوش، یہ جان نثاریان سب ضائع جائین گی؟

ابو طالب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ۳۵ برس عمر مین بڑے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے نہایت محبت تھی، ایک دفعہ وہ بیمار پڑے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عیادت کے لیے گئے تو انھون نے کہا "بھتیجے! جس خدا نے تجھ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اس سے دعا نہین مانگتا کہ مجھ کو اچھا کردے۔" آپ نے دعا کی اور وہ اچھے ہوگئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا خدا تیرا کہنا مانتا ہے، آپ نے فرمایا کہ ...... آپ بھی اگر خدا کا کہنا مانین تو وہ بھی آپ کا کہنا مانے۔[1]

ابو طالب کی وفات کے چند ہی روز بعد حضرت خدیجہؓ نے بھی وفات کی بعض روایتون مین ہے کہ انھون نے ابو طالب سے پہلے انتقال کیا، اب آپ کے مددگار اور غمگسار دونون اٹھ گئے، صحابہ خود اپنی حالت مین مبتلا تھے، یہی زمانہ ہے جو اسلام کا سخت ترین زمانہ ہے، اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سال کو عام الحزن (سال غم) فرمایا کرتے تھے۔

حضرت خدیجہؓ نے رمضان سنہ ۱۰ نبوی مین وفات کی، ان کی عمر ۶۵ برس کی تھی،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۴۸) رہتے تھے، فرمایا وہ دوزخ کی آگ مین صرف ٹخنے تک ہیں، مگر اس کا اثر بھی دماغ تک پہنچ جاتا ہے، اگر میں نہ ہوتا تو وہ دوزخ کے سب سے نیچے طبقہ میں ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ خود حضرت عباسؓ کے علم مین تھا کہ ان کا خاتمہ توحید کے اقرار پر نہین ہوا، اسی مضمون کی روایت حضرت ابو سعید خدریؓ سے بھی ہے جو صحیح بخاری باب قصہ ابی طالب مین اسی موقع پر موجود ہے "س"۔ [1] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ابو طالب [2] مواہب لدنیہ

مقام حجون دفن کی گیئن، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کی قبر مین اترے، اس وقت تک نماز جنازہ مشروع نہین ہوئی تھی[1]

ابو طالب اور حضرت خدیجہؓ کے اٹھ جانے کے بعد قریش کو کس کا پاس تھا، اب وہ نہایت بے رحمی وبے باکی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستاتے تھے۔ ایک دفعہ آپؐ راہ مین جارہے تھے، ایک شقی نے آکر فرقِ مبارک پر خاک ڈال دی، اسی حالت مین آپؐ گھر مین تشریف لائے، آپ کی صاحبزادی نے دیکھا تو پانی لے کر آئین، آپؐ کا سر دھوتی تھین اور جوش محبت سے روتی جاتی تھین، آپؐ نے فرمایا جان پدر! رو نہین، خدا تیرے باپ کو بچالے گا"۔

اہل مکہ سے تو قطعی ناامیدی تھی، اس لیے آپ نے ارادہ فرمایا کہ طائف تشریف لیجائین اور وہان دعوتِ اسلام فرمائین، طائف مین بڑے بڑے امرا، اور اربابِ اثر رہتے تھے، ان مین عمیر کا خاندان رئیس القبائل تھا، یہ تین بھائی تھے، عبد یالیل، مسعود، حبیب، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس گئے اور اسلام کی دعوت دی، ان تینون نے جو جواب دیے وہ نہایت عبرت انگیز تھے، ایک نے کہا "اگر تجھکو خدا نے پیغمبر بنا کر بھیجا ہے تو کعبہ کا پردہ چاک کر رہا ہے"۔ دوسرے نے کہا "کیا خدا کو تیرے سوا اور کوئی نہین ملتا تھا"۔ تیسرے نے کہا "مین بہرحال تجھ سے بات نہین کرسکتا، تو اگر سچا ہے تو تجھ سے گفتگو کرنا خلافِ ادب ہے اور جھوٹا ہے تو گفتگو کے قابل نہین"۔

---

[1] یہ تفصیل ابن سعد مین ہو۔ طبری اور ابن ہشام ذکر وفات حضرت خدیجہؓ

ان بدبختون نے اسی پر اکتفا نہین کیا، طائف کے بازاریون کو ابھار دیا کہ آپ کی ہنسی اڑائین، شہر کے اوباش ہر طرف سے ٹوٹ پڑے، یہ مجمع دورویہ صف باندھ کر کھڑا ہوا جب آپ اُدھر سے گذرے، تو آپ کے پانون پر پتھر مارنے شروع کیے، یہانتک کہ آپ کی جوتیان خون سے بھر گئین، جب آپ زخمون سے چور ہو کر بیٹھ جاتے تو بازو تھام کر کھڑا کر دیتے، جب آپ پھر چلنے لگتے تو پتھر برساتے، ساتھ ساتھ گالیان دیتے اور تالیان بجاتے جاتے، آخر آپ نے ایک باغ مین انگور کی ٹیٹون مین پناہ لی، یہ باغ عتبہ بن ربیعہ کا تھا، جو باوجود کفر کے شریف الطبع اور نیک نفس تھا، اس نے آپ کو اس حالت مین دیکھا تو اپنے غلام کے ہاتھ جس کا نام عداس تھا، انگور کا ایک خوشہ کشتی مین رکھ کر بھیجا،

اس سفر مین حضرت زید بن حارثہ بھی ساتھ تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف سے پھر کر چندروز نخلہ مین قیام کیا، پھر حرا مین تشریف لائے اور مطعم بن عدی کے پاس پیغام بھیجا کر مجھکو اپنی حمایت مین لے سکتے ہو، عرب کا شعار تھا کہ جب کوئی ان سے طالب حمایت ہوتا تو گو وہ دشمن ہوتا انکار نہیں کر سکتے تھے،

---

[1] یہ پوری تفصیل مواہب لدنیہ بحوالۂ موسیٰ بن عقبہ اور طبری و ابن ہشام مین ہے [2] کیا عجیب بات ہے کہ ایک ہی واقعہ و مختلف نگاہون کو کس طرح مختلف نظر آتا ہے، مرگیولیس نے (نعوذ باللہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس سفر کو سوء تدبیر مین داخل کیا ہے، وہ کہتے ہین کہ طائف مکہ سے بالکل قریب اور ان کے زیر اثر تھا اور وہاں رؤسائے مکہ کے باغ تھے جس کی وجہ سے ان کی آمد و رفت رہتی تھی، اس لیے جب مکہ کے تمام رؤسا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تھے، تو طائف کے لوگوں سے کیا امید ہو سکتی تھی"، لیکن سر ولیم میور صاحب لکھتے ہین کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا روز اعتقاد اور اعتماد علی النفس تھا کہ باوجود تمام ناکامیوں کے وہ تنہا ایک مخالف شہر مین گئے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کیا، ع والفضل ما شهدت به الاعداء،

مطعم نے یہ درخواست منظور کی، بیٹون کو بلا کر کہا کہ "ہتھیار لگا کر حرم مین جاؤ"، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مین تشریف لائے مطعم اونٹ پر سوار ساتھ تھا، حرم کے پاس آیا، تو پکارا کہ مین نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی ہے،" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حرم مین آئے، نماز ادا کی، اور دولت خانہ کو واپس گئے، مطعم اور اس کے بیٹے آپ کو تلوارون کے سایہ مین لائے،[1]

مطعم نے کفر کی حالت مین غزوہ بدر سے پہلے وفات کی، حضرت حسانؓ جو دربار رسالت کے شاعر تھے، انھون نے مرثیہ لکھا، زرقانی نے یہ مرثیہ بدر مین نقل کیا ہی[2] اور لکھا ہے کہ اس مین کچھ مضائقہ نہین، مطعم کا یہ کام بے شبہہ مدح کا مستحق تھا لیکن آجکل کے مسلمان حضرت حسانؓ اور زرقانی سے زیادہ شیعتۂ اسلام ہین، اس لیے معلوم نہین حضرت حسانؓ کا یہ فعل آج بھی پسند کیا جا سکتا ہے یا نہین ؟

قبائل کا دورہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، جب حج کا زمانہ آتا اور عرب کے قبائل ہر طرف سے آ آکر مکہ کے آس پاس اترتے تو آپ ایک ایک قبیلہ کے پاس جاتے اور تبلیغ اسلام فرماتے، عرب مین مختلف مقامات پر میلے لگتے تھے، جن مین دور دور کے قبائل آتے تھے، آپ ان میلون مین جاتے اور اسلام کی تبلیغ فرماتے،

ان میلون مین سے عکاظ جو اہل عرب کا قومی اور علمی دنگل تھا، اور مجنہ اور ذو المجاز کا نام مورخین نے خاص طور پر لیا ہے، قبائل عرب مین سے بنو عامر، محارب، فزارہ، غسان،

---

[1] ابن سعد صفحہ ۱۴۲ کسی قدر تفصیل مواہب لدنیہ سے اضافہ کی گئی ہی جو ابن اسحاق کی روایت ہی، تعجب ہو کہ ابن ہشام نے یہ حالات قلم انداز کیے ہین [2] زرقانی جلد اول صفحہ ۵۱۶

مرۃ، حنیفہ، سلیم، عبس، بنو نضر، کندہ، کلب، حارث بن کعب، عذرہ، حضارمہ مشہور قبائل ہیں[1]، ان سب قبائل کے پاس آپ تشریف لے گئے، لیکن ابولہب ہر جگہ ساتھ جاتا، اور جب آپ کسی مجمع میں تقریر کرتے تو برابر سے کہتا کہ "دین سے پھر گیا ہے اور جھوٹ کہتا ہے"[2]۔

بنی حنیفہ یمامہ میں آباد تھے، ان لوگوں نے نہایت تلخی سے جواب دیا[3]، مسیلمۂ کذاب جس نے آگے چل کر نبوت کا دعویٰ کیا، اسی قبیلہ کا رئیس تھا،

قبیلہ بنو ذہل بن شیبان کے پاس جب آپ گئے تو حضرت ابوبکر رضؓ بھی ساتھ تھے، حضرت ابوبکرؓ نے مفروق سے کہا "تم نے کسی پیغمبر کا تذکرہ سنا ہے؟ وہ یہی ہیں"، مفروق نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رخ کر کے کہا "برادر قریش! تم کیا تلقین کرتے ہو؟" آپ نے فرمایا "خدا ایک ہے اور میں اس کا پیغمبر ہوں"۔ اور یہ آیتیں پڑھیں:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ	کہدو کہ آؤ میں تمھیں سناؤں کہ خدا نے
عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا	کیا چیزیں حرام کی ہیں، یہ کہ خدا کے ساتھ
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا	کسی کو شریک نہ کرو، اور والدین کا حق خدمت
تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ	بجا لاؤ، اور اپنے بچوں کو افلاس کے
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا	خیال سے قتل نہ کرو، ہم تم کو اور ان کو
تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا	دونوں کو روزی دیں گے، فحش باتوں
وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ	کے پاس نہ جاؤ، وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ

[1] ابن سعد نے ان تمام قبائل کا ذکر کیا ہے۔ [2] (مستدرک حاکم جلد اول ص ۱۵ حیدرآباد) [3] ابن ہشا

الَّتِیْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِکُمْ — اور آدمی کی جان جس کو خدا نے حرام کیا ہے

وَصّٰکُمْ بِهٖ لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ (انعام-۱۹) — ناحق ہلاک نہ کرو۔

اس قبیلہ کے رؤسا، مفروق، مثنیٰ اور ہانی بن قبیصہ تھے، اور وہ سب اس موقع پر موجود تھے، ان لوگوں نے کلام کی تحسین کی لیکن کہا کہ "مدتوں کا خاندانی دین دفعۃً چھوڑ دینا زود اعتقادی ہے"، اس کے علاوہ ہم کسریٰ کے زیر اثر ہیں، اور معاہدہ ہو چکا ہے کہ ہم اور کسی کے اثر میں نہ آئیں گے"۔ آپ نے ان کی راست گوئی کی تحسین کی اور فرمایا کہ "خدا اپنے دین کی آپ مدد کرین گا"[1]

قبیلہ بنو عامر کے پاس گئے تو ایک شخص نے جس کا نام (بحیرہ بن) فراس تھا، آپ کی تقریر سن کر کہا "یہ شخص مجھ کو ہاتھ آجائے تو میں تمام عرب کو مسخر کر لوں"۔ پھر آپ سے پوچھا کہ "اگر ہم تمہارا ساتھ دیں اور تم اپنے مخالفوں پر غالب آجاؤ تو تمہارے بعد ریاست ہم کو ملے گی"۔ آپ نے فرمایا "یہ خدا کے ہات ہے"۔ اس نے کہا "ہم اپنا سینہ عرب کا آماجگاہ بنائیں اور حکومت غیروں کے ہات آئے، ہم کو یہ غرض نہیں"[2]۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی

اسباب مذکورۂ بالا کی بنا پر قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سخت مخالفت کی، اور چاہا کہ آپ کو اسقدر ستائیں کہ آپ مجبور ہو کر تبلیغ اسلام سے دست بردار ہو جائیں، سو، اتفاق یہ کہ جو کفار آپ کے ہمسایہ تھے، یعنی ابو جہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، ولید بن مغیرہ، امیہ بن خلف، نضر بن حارث، منبہ بن

---

[1] روض الانف بحوالہ قاسم بن ثابت، ([2] طبری ج ۳ ص ۱۲۰۵)" س"

حجاج، عقبہ بن ابی معیط، حکم بن ابی العاص سب قریش کے سربرآوردہ رؤسا تھے، اور یہی سب سے بڑھکر آپ کے دشمن تھے[1]، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ میں کانٹے بچھاتے، نماز پڑھتے وقت ہنسی اڑاتے، سجدہ میں آپ کی گردن پر اوجھڑی لاکر ڈال دیتے، گلے میں چادر لپیٹ کر اس زور سے کھینچتے کہ گردنِ مبارک میں بدھیاں پڑ جاتیں، (آپ کی روحانی قوتِ اثر کو دیکھکر لوگ جادوگر کہتے، دعوائے نبوت کو سن کر مجنون کہتے، باہر نکلتے تو شریر لڑکے پیچھے پیچھے غول باندھکر چلتے[2]، نماز جماعت میں قرآن زور سے پڑھتے تو قرآن، قرآن کے لانے والے (رسول صلی اللہ علیہ وسلم) اور قرآن کے اتارنے والے (خدا) کو گالیاں دیتے[3])

ایک دفعہ آپ حرم میں نماز پڑھ رہے تھے، رؤسائے قریش بھی موجود تھے، ابوجہل نے کہا "کاش اس وقت کوئی جاتا اور اونٹ کی اوجھ نجاست سمیت اٹھا لاتا کہ جب محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سجدہ میں جاتے تو ان کی گردن پر ڈال دیتا" عقبہ نے کہا یہ خدمت میں انجام دیتا ہوں" چنانچہ اوجھ لاکر آپ کی گردن پر ڈال دی، قریش مارے خوشی کے ایک دوسرے پر گرے پڑتے تھے، کسی نے جاکر حضرت فاطمہؓ کو خبر کی تو وہ اگرچہ اس وقت صرف پانچ برس کی تھیں، لیکن جوشِ محبت سے دوڑی آئیں، اور اوجھ ہٹا کر عقبہ کو برا بھلا کہا، اور بد دعائیں دیں[4]"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کہیں کسی مجمعِ عام میں دعوتِ اسلام کا وعظ فرماتے

---

[1] ابن سعد جلد اول صفحہ ۱۳۴ (۲) مسند امام حنبل جلد ۱ صفحہ ۳۰۲ [3] صحیح بخاری ۶۸۶) [4] صحیح بخاری باب الطہارۃ والجزیہ والجہاد، وصحیح مسلم وزرقانی جلد اول صفحہ ۲۹۴

تو ابولہب جو آپ کے ساتھ ساتھ برابر یہ کہتا جاتا کہ "یہ جھوٹ کہتا ہے"۔ ایک صحابی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ جب کہ میں اسلام نہیں لاچکا تھا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بازار ذو المجاز میں گئے اور مجمع میں گھس کر لوگوں سے کہا کہ "لا الٰہ الا اللہ کہو" ابوجہل آپ پر خاک پھینکتا جاتا تھا اور کہتا کہ "اس کے فریب میں نہ آنا، یہ چاہتا ہے کہ تم لات وعزیٰ کی پرستش چھوڑ دو"[1]۔ طائف میں کفار نے آپ کو جو اذیتیں پہنچائیں، ان کا بیان پیچھے گذر چکا۔

ایک دفعہ آپ حرم کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے عقبہ نے آپ کی گردن میں چادر لپیٹ کر نہایت زور سے کھینچی، اتفاقاً حضرت ابوبکرؓ آگئے اور آپ کا شانہ پکڑ کر عقبہ کے ہاتھ سے چھڑایا، اور کہا کہ "اس شخص کو قتل کرتے ہو جو صرف یہ کہتا ہے کہ خدا ایک ہے"[2]۔

جو لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دشمنی میں نہایت سرگرم تھے اور رات دن اسی شغل میں رہتے تھے، ان کے نام جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھے ہیں حسب ذیل ہیں،

"ابوجہل، ابولہب، اسود بن عبد یغوث، حارث بن قیس بن عدی، ولید ابن المغیرہ، امیہ، ابی بن خلف، ابوقیس بن فاکہہ بن المغیرہ، عاص بن وائل، نضر بن حارث، منبہ بن الحجاج، زہیر بن ابی امیہ، سائب بن صیفی، اسود بن عبد الاسد، عاص بن سعید بن العاص، عاص بن ہاشم، عقبہ بن ابی معیط، ابن الاصدی، ہذلی، حکم بن ابی العاص، عدی بن حمراء"

یہ سب کے سب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمسایہ اور ان میں سے اکثر صاحب جاہ و اقتدار تھے،

---

[1] مسند امام حنبل جلد ۴ ص ۶۳۔ [2] صحیح بخاری باب ما لقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ بمکۃ الخ۔

یہ جو کچھ ہوا، گو نہایت دردانگیز اور حسرت خیز تھا لیکن تعجب انگیز نہ تھا، دنیا کی تاریخ مین کوئی ایسی مثال نہین ہے کہ نامانوس اور اجنبی صدائین برغبت سن لی گئی ہون حضرت نوح علیہ السلام کو سیکڑون برس تک قوم کی نفرت اور وحشت کا سامنا رہا، یونان دنیا کی شائستگی کا معلمِ اول ہی، تاہم اسی حکمت کدہ مین سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دار و رسن کا منظر پیش آیا، اس بنا پر عرب اور قریش نے جو کچھ کیا وہ سلسلۂ واقعات کی غیر معمولی کڑی نہ تھی، لیکن غور طلب یہ ہی کہ اس کے مقابلہ مین سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا؟

سقراط (زہر کا) پیالہ پی کر فنا ہوگیا، حضرت نوح علیہ السلام نے مخالفت سے تنگ آکر ایک قیامت خیز طوفان کی استدعا کی اور دنیا کا ایک بڑا حصہ برباد ہوگیا، حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیس چالیس شخصون کی مختصر جماعت پیدا کرکے بروایتِ نصاریٰ سولی پر چڑھ گئے لیکن سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا فرض ان سب سے بالاتر تھا، حضرت خباب بن الارت نے جب قریش کی ایذا رسانی سے تنگ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین عرض کی کہ آپ ان کے حق مین بددعا کیون نہین فرماتے؟ تو آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ "تم سے پہلے وہ لوگ گذرے ہین جن کے سر پہ آرے چلائے جاتے اور چیر ڈالے جاتے تھے تاہم وہ اپنے فرض سے باز نہ آئے، خدا اس کام کو پورا کرے گا، یہانتک کہ شتر سوار صنعاء سے حضرموت تک سفر کرے گا اور اس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا"[1]

کیا یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری نہین ہوئی؟

---

[1] صحیح بخاری باب ما لقی النبی واصحابہ من المشرکین ذکر ایام الجاہلیۃ ۱۲

مدینہ منورہ اور انصارؓ

آفتاب کی روشنی دور پہنچ کر تیز ہوتی ہے، شمیم گل باغ سے نکل کر عطر فشان بنتی ہے، آفتاب اسلام طلوع مکہ مین ہوا، لیکن کرنین مدینہ کے افق پر چمکین،

مدینہ کا اصلی نام یثرب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہان آکر قیام کیا تو اسکا نام مدینۃ النبی یعنی "پیغمبر کا شہر" پڑ گیا، اور پھر مختصر ہو کر مدینہ مشہور ہو گیا،

یہ شہر مدتون سے آباد ہے، بہت قدیم زمانہ مین یہودی یہان آکر آباد ہوئے، ان کی نسلین کثرت سے پھیلین اور مدینہ کے اطراف ان کے قبضہ مین آگئے، انھون نے مدینہ اور اس کے حوالی مین چھوٹے چھوٹے قلعے بنائے تھے، اور اُن مین سکونت رکھتے تھے،

(یہود کے متعلق زائد تحقیق آگے آئے گی)

انصار اصل مین یمن کے رہنے والے اور قحطان کے خاندان سے تھے، یمن مین جب مشہور سیلاب آیا جس کو "سیلِ عرم" کہتے ہین، یہ لوگ یمن سے نکل کر مدینہ مین آباد ہوئے، یہ دو بھائی تھے، اوس اور خزرج، تمام انصار ان ہی دو کے خاندان سے ہین،[1] یہ خاندان جب یثرب مین آیا تو یہود نہایت اقتدار و اثر رکھتے تھے، آس پاس کے مقامات اُن کے قبضہ مین تھے، اور دولت و مال سے مالا مال تھے، چونکہ آل و اولاد کی کثرت سے ۲۰ ۲۱ قبیلے بن گئے تھے، اس لیے دور دور تک بستیان بسالی تھین، انصار کچھ زمانہ تک

[1] انصار کے نسب اور مدینہ مین آباد ہونے کی پوری تفصیل وفاء الوفا، جلد اول صفحہ ۱۱۶ تا ۱۵۲ مین مذکور ہے،

اُن سے الگ رہے، لیکن اُن کا زور اور اثر دیکھ کر بالآخر اُن کے حلیف[1] بن گئے، ایک مدت تک یہ حالت رہی، لیکن اب انصار کا خاندان پھیلتا جاتا تھا، اور اقتدار حاصل کرتا جاتا تھا، یہود نے پیش بینی کے لحاظ سے ان سے معاہدہ توڑ دیا،

یہودیوں میں ایک رئیس **فطیون** پیدا ہوا، جو نہایت عیاش اور بدکار تھا، اس نے یہ حکم دیا کہ جو دوشیزہ لڑکی بیاہی جائے، پہلے اس کے شبستانِ عیش میں آئے، یہود نے اس کو گوارا کر لیا تھا، لیکن جب انصار کی نوبت آئی تو انھون نے سرتابی کی، اس زمانہ میں انصار کا سردار ایک شخص مالک بن عجلان تھا، اس کی بہن کی شادی ہوئی، تو وہ عین شادی کے دن گھر سے نکلی، اور اپنے بھائی مالک بن عجلان کے سامنے سے بے پردہ گذری، مالک کو غیرت آئی، اٹھ کر گھر مین آیا، اور بہن کو سخت ملامت کی، اس نے کہا "ہان! لیکن کل جو کچھ ہوگا اس سے بھی بڑھ کر ہے" دوسرے دن حسب دستور جب مالک کی بہن دلہن بنکر فطیون کی خلوت گاہ مین گئی، تو مالک بھی زنانہ کپڑے پہن کر سہیلیون کے ساتھ گیا، اور فطیون کو قتل کر کے شام کو بھاگ گیا، یہان غسانیون کی حکومت تھی، اور ابو جبلہ حکمران تھا، اس نے یہ حالات سنے تو ایک فوجِ گران لیکر آیا، اور اوس اور خزرج کے رؤسا کو بلا کر ان کو خلعت اور صلے دیے، پھر رؤسائے یہود کی دعوت کی، اور ایک ایک کو دھوکے سے قتل کرا دیا، یہود کا زور اب ٹوٹ گیا، اور انصار نے نئے سر سے قوت حاصل کی،[2]

---

[1] جو قبیلے آپس مین ایک دوسرے کی اعانت و شرکت کا (بحلف) معاہدہ کرتے تھے، وہ باہم حلیف کہلاتے تھے،
[2] وفا، الوفا، یہ واقعہ مختلف صورتوں مین بیان کیا گیا ہے، اور وفاء الوفا مین یہ تمام روایتیں مذکور ہین،

انصار نے مدینہ اور حوالیِ مدینہ مین کثرت سے چھوٹے چھوٹے قلعے بنا لیے، اوس اور خزرج ایک مدت تک باہم متحد رہے، لیکن پھر عرب کی فطرت کے موافق خانہ جنگیان شروع ہوگئین اور سخت خونریز لڑائیان ہوئین، سب سے اخیر لڑائی مین جس کو بعاث کہتے ہین، اس زور کا معرکہ ہوا کہ دونون خاندانون کے تمام نامور لڑ کر مر گئے، انصار اب اس قدر ضعیف ہوگئے کہ انھون نے قریش کے پاس سفارت بھیجی کہ ہم کو حلیف بنا لیجیے لیکن ابوجہل نے معاملہ درہم برہم کر دیا،

انصار گو بت پرست تھے، تاہم چونکہ یہود سے میل جول تھا، اس لیے نبوت اور کتب آسمانی سے گوش آشنا تھے، یہود سے گو انصار اک گونہ رقابت رکھتے تھے لیکن ان کے علمی فضل و کمال کے معترف تھے، یہود نے مدینہ مین جو علمی مدارس قائم کیے تھے، اور جنکو بیت المدارس کہتے تھے (بخاری وغیرہ مین نام مذکور ہے[1]) ان مین توراۃ کی تعلیم ہوتی تھی، انصار جاہل تھے، اسلیے ان پر یہود کے علمی تفوق کا خواہ مخواہ اثر پڑتا تھا، یہان تک کہ انصار مین سے جس کے اولاد زندہ نہین رہتی تھی وہ منت مانتا تھا کہ بچہ زندہ رہے گا تو یہودی بنا دیا جائے گا[2]، یہودی عموماً یہ یقین رکھتے تھے کہ ایک پیغمبر ابھی اور آنے والا ہے، اس بنا پر انصار بھی ایک پیغمبر موعود کے نام سے آشنا تھے،

انصار مین ایک شخص، سوید بن صامت جو شاعری اور جنگ آوری مین ممتاز تھا، اس کو امثالِ لقمان کا نسخہ ہاتھ آگیا تھا، جس کو وہ کتاب آسمانی سمجھتا تھا، وہ ایک دفعہ حج کو گیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اس کے حالات سنے تو خود اس کے پاس تشریف لے گئے،

---

(۱) بخاری ج ۲ ص ۱۰۲۰ کتاب الاکراہ باب فی بیع المکرہ ونحوہ فی الحق وغیرہ، (۲) کتب تفسیر میں لَا اِکْرَاہَ فِی الدِّیْنِ کی تفسیر دیکھو)

اس نے امثالِ لقمان پڑھ کر سنایا، آپؐ نے فرمایا "میرے پاس اس سے بھی بہتر چیز ہے"، یہ کہہ کر قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھیں، سوید نے تحسین کی،[1] اگرچہ وہ مدینہ واپس آکر جنگ بعاث میں مارا گیا، لیکن اسلام کا معتقد ہو چکا تھا،

سوید شجاعت اور شاعری دونوں میں کمال رکھتا تھا، ایسے شخص کو اہلِ عرب "کامل" کہتے تھے، اور اسی بنا پر سوید اسی لقب سے پکارا جاتا تھا،[2] سوید کے میلانِ اسلام کا اثر انصار پر پڑ چکا تھا،

اوس اور خزرج کے معرکوں میں اوس کو جب شکست ہوئی تو اوس کے عمائد قریش کے پاس گئے کہ خزرج کے مقابلہ میں اُن کو حلیف بنائیں، اس سفارت میں ایاس بن مُعاذ بھی تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کا آنا معلوم ہوا تو آپؐ ان کے پاس تشریف لے گئے، اور قرآن مجید کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں، ایاس نے ساتھیوں سے کہا کہ "خدا کی قسم تم جس غرض سے کے لیے آئے ہو یہ کام اس سے بھی بہتر ہے"، لیکن قافلہ سالار یعنی ابوالحیس نے کنکریاں اٹھا کر ان کے منہ پر ماریں اور کہا کہ "ہم اس کام کے لیے نہیں آئے"، اس کے بعد بعاث کا معرکہ پیش آگیا، اور ایاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے، لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے وقت ایاس کی زبان پر تکبیر جاری تھی،[3]

---

(۱) البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۷،" س" (۲) سوید کا ذکر ابن ہشام میں ہے لیکن روض الانف میں زیادہ تفصیل ہے، اصابہ میں بھی اس کا حال ہے لیکن نسب میں اختلاف ہے، اور امثال لقمان کا ذکر نہیں ہے، طبری میں بھی سوید کا پورا واقعہ مع اس کے اشعار کے مذکور ہے، دیکھو ص ۱۲۰۷، (۳) طبری اور اصابہ میں یہ واقعہ تفصیل سے مذکور ہے، اصابہ میں لکھا ہے کہ ایاس کا حال امام بخاری نے تاریخ کبیر میں لکھا ہے (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۱۴۸) "س"

جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ حج کے زمانہ میں رؤسائے قبائل کے پاس جاکر تبلیغ اسلام فرمایا کرتے تھے، اس سال (رجب سنہ ۱۱ نبوی) میں بھی آپ متعدد قبائل کے پاس تشریف لے گئے، عقبہ کے پاس جہاں اب مسجد العقبہ ہے، خزرج کے چند اشخاص آپ کو نظر آئے، آپ نے ان سے نام و نسب پوچھا، انھوں نے کہا "خزرج" آپ نے دعوت اسلام دی، اور قرآن مجید کی آیتیں سنائیں، ان لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا، اور کہا "دیکھو، یہود ہم سے اس اولیت میں بازی نہ لے جائیں، یہ کہہ کر سب نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا، یہ چھ[۱] شخص تھے، جن کے نام حسب ذیل ہیں[۲]،

---

[۱] مدینہ منورہ کے یہ حضرات جو پہلے پہل اسلام لائے بعض مصنفین سیرت نے ان کے اس قبول اسلام کے واقعہ کا تذکرہ بیعت عقبۂ اولی کے عنوان سے کیا ہے، یہ عنوان کتب سیرت کے ناظرین کے لیے اس وقت پریشانی کا موجب بن جاتا ہے، جب وہ دوسری کتابوں (مثلاً مستدرک حاکم ج ۲ ص ۶۲۴، ابن کثیر علی حاشیۃ فتح البیان ج ۹ ص ۴۴۴) میں دیکھتے ہیں کہ بیعت عقبۂ اولی میں بارہ آدمی تھے،

اسی اختلاف روایت کے سبب سے بعض مصنفین سیرت بیعت عقبہ ثانیہ میں ۷۲ آدمی اور بعض ۷۳ آدمی بتلاتے ہیں، حالانکہ اصل صورت یہ ہے کہ چھ یا آٹھ آدمی جو شروع شروع میں اسلام لائے، ان کے واقعۂ قبول اسلام کا عنوان بیعت عقبۂ اولی نہیں، بلکہ ابتدائے اسلام انصار ہونا چاہیے، اور دوسرے سال جب گیارہ بارہ آدمی حاضر خدمت ہوئے ہیں، یہ بیعت عقبۂ اولی ہے، حضرت عبادۃ بن الصامت نے بصراحت فرمایا ہے کنا احد عشر فی العقبۃ الاولی من العام المقبل[۱]، اس روایت میں حضرت عبادۃ "العام المقبل" میں بیعت عقبۂ اولی کا ہونا فرماتے ہیں، اور اس میں گیارہ آدمیوں کے ہونے کی صراحت فرماتے ہیں، اس کے معنی یہ ہوئے کہ اس سے پہلے جو لوگ آکر اسلام قبول کر چکے تھے اس کا تعلق بیعت عقبہ اولی سے نہیں ہے،

جن لوگوں نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کا نام بیعت عقبۂ اولی رکھا ہے وہ تین بیعت عقبہ کا عنوان دیتے ہیں یعنی ایک یہ بیعت عقبۂ اولی، دوسری وہ بیعت عقبہ جس میں گیارہ بارہ آدمی اسلام لائے، اور تیسری وہ بیعت عقبہ جس میں ۷۳ افراد مشرف باسلام ہوئے، اور یہ تینوں واقعے ایک ایک سال کے فصل سے حج کے موسم میں پیش آئے، اور جن لوگوں نے انصار کے ابتدائے اسلام کے واقعہ کو صرف ابتدائے اسلام انصار کے عنوان

انصار کے اسلام کی ابتدا سنہ ۱۱ نبوی

[۱] سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۴ و مستدرک ج ۲ ص ۶۲۴ حیدرآباد دکن ۱۲

۱- ابوالہیثمؓ بن تیہان	
۲- ابوامامہ اسعدؓ بن زُرارہ	(صحابہ مین سب سے پہلے ان ہی نے سلھ مین وفات پائی،
۳- عوفؓ بن حارث	(بدر مین شہادت پائی)
۴- رافعؓ بن مالک بن عجلان	اس وقت تک جس قدر قرآن اتر چکا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو عنایت فرمایا، جنگِ احد مین شریک ہوئے)
۵- قُطبہؓ بن عامر بن حدیدہ	(تینون عقبات مین شریک رہے)
۶- جابر بن عبداللہ (بن رباب)	(یہ مشہور صحابی حضرت جابرؓ بن عبداللہ ابن عمرو کے علاوہ تھے، بدر وغیرہ مین شریک تھے)

(بقیہ حاشیہ ص ۲۶۲) سے ذکر کیا ہی، انھون نے گیارہ آدمیون والی بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ اور ۷۰- آدمیون والی بیعت کو بیعت عقبۂ ثانیہ کے عنوان سے ذکر کیا ہے، (ملاحظہ ہو تاریخ خمیس اول ط ۳۰۶، ط ۳۱۶- ص ۳۱۷ وزرقانی علی المواہب ج اول ص ۳۶۲ و ص ۳۶۷) "س"

۳؎ یہ واقعات تمام تاریخون مین مذکور ہین، ہم نے زرقانی کو پیش نظر رکھا ہی، کیونکہ اس نے تمام مختلف روایتین جمع کردی ہین۔ ان لوگون کی تعداد بعضون نے آٹھ بیان کی ہے، اسعدؓ بن زرارہ اور ابوالہیثمؓ کا پہلے سے موجود ہونا، ابن سعد نے طبقات مین لکھا ہے، دیکھو کتاب مذکور جزء ثالث، انصار بدر مین ص ۲۲ واقدی کا بیان ہے کہ اسعد بن زرارہؓ اس واقعہ سے پہلے مکہ مین جاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے تھے (بعضون نے ابوالہیثم بن تیہان کی جگہ عقبہ بن عامر بن نابی کا نام لیا ہے اور بعض نے جابر بن رباب کے بجاے عبادہ بن صامتؓ کو جگہ دی ہے) "س"

بیعت عقبۂ اولیٰ
۱۱ سنہ نبوی

دوسرے سال بارہ شخص مدینہ منورہ سے آئے اور بیعت کی، اس کے ساتھ اس بات کی بھی خواہش کی کہ احکام اسلام کے سکھلانے کے لیے کوئی معلم ان کے ساتھ کر دیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مصعب رضؓ بن عمیر کو اس خدمت پر مامور فرمایا، مصعب رضؓ ہاشم بن عبد مناف کے پوتے اور سابقین اسلام مین سے تھے، غزوۂ بدر مین لشکر اسلام کی علم برداری کا منصب ان ہی کو ملا تھا، وہ مدینہ مین آکر اسعد رضؓ بن زرارہ کے مکان پر ٹھہرے جو مدینہ کے نہایت معزز رئیس تھے، روزانہ معمول تھا کہ انصار کے ایک ایک گھر کا دورہ کرتے، لوگون کو اسلام کی دعوت دیتے اور قرآن مجید پڑھ کر سناتے، روزانہ ایک دو دو نئے آدمی اسلام قبول کرتے، رفتہ رفتہ مدینہ سے قبا تک گھر گھر اسلام پھیل گیا، صرف خطمہ، وائل واقف کے چند گھرانے باقی رہ گئے، ابن سعد نے طبقات مین یہ واقعات تفصیل سے لکھے ہین،

قبیلۂ اوس کے سردار حضرت سعد رضؓ بن معاذ تھے، قبیلہ پر ان کا یہ اثر تھا کہ ہر کام مین ان کے اشارون پر چلتے تھے مصعب رضؓ نے جب ان کے پاس جاکر اسلام کی دعوت دی تو انھون نے پہلے نفرت ظاہر کی، لیکن جب مصعب رضؓ نے قرآن مجید کی چند آیتین پڑھیں تو پتھر موم تھا، ان کا اسلام لانا تمام قبیلۂ اوس کا اسلام قبول کر لینا تھا،

بیعت عقبۂ ثانیہ
۱۲ سنہ نبوی

اگلے سال ۷۲ بہتر شخص حج کے زمانہ مین آئے اور اپنے ساتھیون سے (جو بت پرست تھے) چھپکر بمقام منیٰ (عقبہ) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، اس موقع پر حضرت عباس رضؓ بھی جو اس وقت تک اسلام نہین لائے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، انھون نے انصار سے خطاب کر کے کہا "گروہ خزرج! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے خاندان

ہیں معزز اور محترم ہیں، دشمنوں کے مقابلہ میں ہم ہمیشہ ان کے سینہ سپر رہے، اب وہ تمھارے پاس جانا چاہتے ہیں، اگر مرتے دم تک اُن کا ساتھ دے سکو تو بہتر، ورنہ ابھی سے جواب دیدو،

حضرت براءؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف خطاب کر کے کہا "ہم لوگ تلواروں کی گود میں پلے ہیں،" وہ اسی قدر کہنے پائے تھے کہ ابوالہیثمؓ نے بات کاٹ کر کہا "یا رسول اللہ! ہم سے اور یہود سے تعلقات ہیں، بیعت کے بعد یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے، ایسا تو نہ ہو کہ جب آپؐ کو قوت اور اقتدار حاصل ہو جائے، تو آپؐ ہم کو چھوڑ کر اپنے وطن چلے جائیں، آپؐ نے مسکرا کر فرمایا "نہیں تمھارا خون میرا خون ہے تم میرے اور میں تمھارا ہوں۔"

آپ نے اس گروہ میں سے بارہ شخص نقیب انتخاب کیے جن کے نام خود انصار نے پیش کیے تھے، ان میں نو خزرج کے اور تین اوس کے تھے، ان کے نام حسب روایت ابن سعد حسب ذیل ہیں،

۱- اسیدؓ بن حضیر	جنگِ بعاث میں ان ہی کے باپ اوس کے سردار تھے
۲- ابوالہیثمؓ بن تیہان	
۳- سعدؓ بن خثیمہ	جنگ بدر میں شہید ہوئے،
۴- اسعدؓ بن زرارہ	ان کا ذکر اوپر گذر چکا، یہ امامِ نماز تھے،
۵- سعدؓ بن الربیع	جنگ احد میں شہید ہوئے،
۶- عبداللہؓ بن رواحہ	مشہور شاعر ہیں، جنگ موتہ میں شہید ہوئے
۷- سعدؓ بن عبادہ	معزز اور مشہور صحابی ہیں، سقیفۂ بنی ساعدہ میں

	ان ہی نے پہلے خلافت کا دعوی کیا تھا،
۸- منذر بن عمروؓ	بیر معونہ مین شہید ہوئے،
۹- براءؓ بن معرور	بیعتِ عقبہ مین ان ہی نے انصار کی طرف سے تقریر کی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت سے پہلے انتقال کر گئے،
۱۰- عبداللہؓ بن عمرو	جنگِ احد مین شہید ہوئے،
۱۱- عُبادہؓ بن الصامت	مشہور صحابی ہین، ان سے اکثر حدیثین مروی ہین،
۱۲- رافعؓ بن مالک	جنگِ احد مین شہید ہوئے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جن باتون پر انصار سے بیعت لی یہ تھیں "شرک، چوری، زنا، قتلِ اولاد، اور افترا، کے مرتکب نہ ہون گے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے جو اچھی بات کہین گے، اس سے سرتابی نہ کرین گے۔"[1]

جب انصار بیعت کر رہے تھے، تو سعدؓ بن زرارہ نے کھڑے ہو کر کہا "بھائیو! یہ بھی خبر ہے؟ کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب وعجم اور جن وانس سے اعلان جنگ ہے۔" سب نے کہا ہم اسی پر بیعت کر رہے ہین،

بارہ شخص جو نقیب انتخاب کیے گئے رئیس القبائل تھے، ان کا اسلام قبول

---

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے، سیرت کی کتابون مین مذکور ہے کہ یہ عقبۂ اولی کی شرائط ہین، اخیر بیعت اس بات پر لی گئی تھی کہ انصار آپ کی جان کی حفاظت کرین گے،

کرنا تمام انصار کا اسلام قبول کرنا تھا، صبح کو اس بیعت کی اڑتی سی خبر پھیلی، قریش انصا کے پاس آئے، اور شکایت کی، انصار کے ساتھ جو بت پرست تھے، ان کو اس بیعت کی خبر نہ تھی، انھون نے تکذیب کی کہ "ایسا ہوتا تو ہم سے کیونکر چھپ سکتا تھا"

مدینہ مین اسلام کو پناہ حاصل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو اجازت دی کہ مکہ سے ہجرت کر جائین، قریش کو معلوم ہوا تو انھون نے روک ٹوک شروع کی، لیکن چوری چھپے لوگون نے ہجرت شروع کر دی، رفتہ رفتہ اکثر صحابہ چلے گئے، صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ رہ گئے، جو لوگ مفلسی سے مجبور تھے، وہ مدت تک نہ جا سکے، یہ آیت ان ہی کی شان مین ہے،

وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ	کمزور مرد، عورتین اور بچے جو یہ کہتے
وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ	ہین کہ اے خدا! ہم کو اس شہر سے
يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ	نکال کہ یہان کے لوگ ظالم ہین،
هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ	....
اَهْلُهَا (نسآء - ۱۰)	....

سنہ ١ھ

ہجرت

(اس وقت جبکہ دعوتِ حق کے جواب مین ہر طرف سے تلوار کی جھنکارین سنائی دے رہی تھین، حافظِ عالم نے مسلمانون کو دارالامان مدینہ کی طرف رُخ کرنے کا حکم دیا، لیکن خود وجودِ اقدس (صلی اللہ علیہ وسلم) جوان ستمگارون کا حقیقی ہدف تھا، اپنے لئے حکم خدا کا منتظر تھا، مکہ کے باہر اطراف مس جو صاحبِ اثر مسلمان ہو چکے تھے، وہ جان نثارانہ اپنی حفاظت کی خدمت پیش کرتے تھے، قبیلۂ دوس ایک محفوظ قلعہ کا مالک تھا، اس کے رئیس طفیل بن عمرو رضؓ نے اپنا قلعہ پیش کیا، کہ آپؐ یہان ہجرت کرآئین، لیکن آپؐ نے انکار فرمایا[1] اسی طرح بنی ہمدان کے ایک شخص نے بھی یہی خواہش کی تھی، بعد کو اُس نے کہا کہ وہ اپنے اہلِ قبیلہ کو مطلع کر کے آئندہ سال آئے گا،[2] لیکن کارساز قضا و قدر نے یہ شرف صرف انصار کے لئے مخصوص کیا تھا، چنانچہ قبلِ ہجرت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خواب دیکھا کہ دار الہجرت ایک پُر باغ و بہار مقام ہے، خیال تھا کہ وہ یمامہ یا ہجر کا شہر ہوگا، لیکن وہ شہر مدینہ نکلا)[3]

---

(۱) صحیح مسلم جلد ا ص ۵۸ باب الدلیل علی ان قاتل نفسہ لا یکفر (۲) مستدرک ج ۲ ص ٦۱۳ و زرقانی علی المواہب ج اول ص ۳۵۹، (۳) صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم "س"

نبوت کا تیرہوان سال شروع ہوا، اور اکثر صحابہ مدینہ پہنچ چکے، تو وحی الٰہی کے مطابق آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے بھی مدینہ کا عزم فرمایا، یہ داستان نہایت پر اثر ہے، اور اسی وجہ سے امام بخاری نے باوجود اختصار پسندی کے اس کو خوب پھیلا کر لکھا ہے، اور حضرت عائشہؓ کی زبانی لکھا ہے، حضرت عائشہؓ گو اُس وقت ساٹھ برس کی تھین لیکن ان کا بیان درحقیقت خود رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کا بیان ہے، کہ ان ہی سے سن کر کہا ہوگا، اور ابتدائے واقعہ مین وہ خود بھی موجود تھین،

قریش نے دیکھا کہ اب مسلمان مدینہ مین جا کر طاقت پکڑتے جلتے ہین، اور وہان اسلام پھیلتا جاتا ہے، اس پر انھون نے دار الندوہ مین، جو دار الشوریٰ تھا، اجلاس عام کیا، ہر قبیلہ کے رؤساء یعنی عتبہ، ابوسفیان، جبیر بن مطعم، نضر بن حارث بن کلدہ، ابو البختری ابن ہشام، زمعہ بن اسود بن مطلب، حکیم بن حزام، ابوجہل، نبیہ، ومنبہ، امیہ بن خلف وغیرہ وغیرہ یہ سب شریک تھے، لوگون نے مختلف رائین پیش کین، ایک نے کہا "محمد کے ہاتھ پاؤں میں زنجیریں ڈال کر مکان مین بند کر دیا جائے"، دوسرے نے کہا "جلاوطن کر دینا کافی ہے"، ابوجہل نے کہا "ہر قبیلہ سے ایک شخص انتخاب ہو، اور پورا مجمع ایک ساتھ مل کر تلوارون سے اُن کا خاتمہ کر دے، اس صورت مین اُن کا خون تمام قبائل مین بٹ جائے گا، اور آل ہاشم اکیلے تمام قبائل کا مقابلہ نہ کر سکین گے"، اس اخیر رائے پر اتفاق ہو گیا، اور جھٹ پٹے سے آ کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے آستانۂ مبارک کا محاصرہ کر لیا، اہلِ عرب زنانہ مکان کے اندر گھسنا معیوب سمجھتے تھے، اس لیے باہر ٹھہرے

رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نکلیں تو یہ فرض ادا کیا جائے،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے قریش کو اس درجہ عداوت تھی، تاہم آپ کی دیانت پر یہ اعتماد تھا کہ جس شخص کو کچھ مال یا اسباب امانت رکھنا ہوتا تھا، آپ ہی کے پاس لاکر رکھتا تھا، اس وقت بھی آپ کے پاس بہت سی امانتیں جمع تھیں، آپ کو قریش کے ارادہ کی پہلے سے خبر ہو چکی تھی، اس بنا پر حضرت علیؓ کو بلا کر فرمایا کہ "مجھ کو ہجرت کا حکم ہو چکا ہے، میں آج مدینہ روانہ ہو جاؤں گا، تم میرے پلنگ پر میری چادر اوڑھ کر سو رہو، صبح کو سب کی امانتیں جا کر واپس دے آنا" یہ سخت خطرہ کا موقع تھا، حضرت علیؓ کو معلوم ہو چکا تھا کہ قریش آپ کے قتل کا ارادہ کر چکے ہیں، اور آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر خواب قتل گاہ کی زمین ہے لیکن فاتح خیبر کے لیے قتل گاہ فرش گل تھا،

ہجرت سے دو تین دن پہلے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دوپہر کے وقت حضرت ابوبکرؓ کے گھر پر گئے، دستور کے موافق دروازہ پر دستک دی، اجازت کے بعد گھر میں تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ سے فرمایا "کچھ مشورہ کرنا ہے، سب کو ہٹا دو" بولے کہ "یہاں آپ کی حرم کے سوا اور کوئی نہیں ہے" (اس وقت حضرت عائشہؓ سے شادی ہو چکی تھی) آپ نے فرمایا "مجھ کو ہجرت کی اجازت ہو گئی ہے" حضرت ابوبکرؓ نے نہایت بیتابی سے کہا "میرا باپ آپ پر فدا ہو، کیا مجھ کو بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوگا؟" ارشاد ہوا "ہاں" حضرت ابوبکرؓ نے ہجرت کے لیے چار مہینہ سے دو اونٹنیاں ببول کی پتیاں کھلا کھلا کر تیار کی تھیں، عرض کی کہ ان میں سے ایک آپ پسند فرمائیں، محسن عالم کو کسی کا احسان گوارا نہیں ہو سکتا تھا،

ارشاد ہوا "اچھا، مگر بقیمت"، حضرت ابوبکرؓ نے مجبوراً قبول کیا، حضرت عائشہؓ اس وقت کمسن تھیں، ان کی بڑی بہن حضرت اسماءؓ نے جو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ماں تھیں، سفر کا سامان کیا، دو تین دن کا کھانا ناشتہ دان میں رکھا، نطاق جس کو عورتیں کمر سے لپیٹتی ہیں، پھاڑ کر اس سے ناشتہ دان کا منہ باندھا، یہ وہ شرف تھا جس کی بنا پر آج تک ان کو ذات النطاقین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے[1]،

کفار نے جب آپؐ کے گھر کا محاصرہ کیا اور رات زیادہ گذر گئی تو قدرت نے اُن کو بے خبر کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو سوتا چھوڑ کر باہر آئے، کعبہ کو دیکھا اور فرمایا "مکہ! تو مجھ کو تمام دنیا سے زیادہ عزیز ہے، لیکن تیرے فرزند مجھ کو رہنے نہیں دیتے"، حضرت ابوبکرؓ سے پہلے سے قرارداد ہو چکی تھی، دونوں صاحب پہلے جبل ثور کے غار میں جا کر پوشیدہ ہوئے، یہ غار آج بھی موجود ہے اور بوسہ گاہ خلائق ہے[2]، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ جو نوخیز جوان تھے، شب کو غار میں ساتھ سوتے، صبح منہ اندھیرے شہر چلے جاتے، اور پتہ لگاتے کہ قریش کیا مشورہ کر رہے ہیں، جو کچھ خبر ملتی شام کو آ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کرتے، حضرت ابوبکرؓ کا غلام کچھ رات گئے بکریاں چرا کر لاتا، اور آپؐ اور حضرت ابوبکرؓ ان کا دودھ پی لیتے، تین دن تک صرف یہی غذا تھی، لیکن ابن ہشام نے لکھا ہے کہ روزانہ شام کو حضرت اسماءؓ گھر سے کھانا پکا کر غار میں پہنچا آتی تھیں، اسی طرح تین راتیں غار میں گذریں[3]،

[1] صحیح بخاری باب الہجرت، "س" [2] یہ غار مکہ سے تین میل دہنی جانب ہے، پہاڑ کی چوٹی قریباً ایک میل بلند ہے، سمندر یہاں سے دکھائی دیتا ہے، دیکھو زرقانی (ج ۱ ص ۳۰۰ "س") [3] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری باب الہجرۃ میں ہے، باب مناقب المہاجرین میں بعض مزید حالات ہیں، وہ بھی ہم نے شامل کر لیے ہیں،

صبح کو قریش کی آنکھین کھلین تو پلنگ پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے حضرت علیؓ تھے، ظالمون نے آپ کو پکڑ کر اور حرم مین لے جا کر تھوڑی دیر محبوس رکھا، اور چھوڑ دیا،[1] پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش مین نکلے، ڈھونڈھتے ڈھونڈھتے غار کے دہانہ تک آ گئے، آہٹ پا کر حضرت ابوبکرؓ غمزدہ ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرض کی کہ "اب دشمن اس قدر قریب آ گئے کہ اگر اپنے قدم پر اُن کی نظر پڑ جائے تو ہم کو دیکھ لین گے" آپ نے فرمایا:

لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ) گھبراؤ نہین، خدا ہمارے ساتھ ہے،

مشہور ہے کہ جب کفار غار کے قریب آ گئے تو خدا نے حکم دیا، دفعۃً ببول کا درخت اگا، اور اس کی ٹہنیون نے پھیل کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو چھپا لیا، ساتھ ہی دو کبوتر آئے، اور گھونسلا بنا کر انڈے دیے، حرم کے کبوتر ان ہی کبوترون کی نسل سے ہین، اس روایت کو مواہب لدنیہ مین تفصیل سے نقل کیا ہے، اور زرقانی نے بزاز وغیرہ سے اس کے ماخذ بتائے ہین، لیکن یہ تمام روایتین غلط ہین، اس روایت کا اصلی راوی عون بن عمرو ہے اس کی نسبت امام فن رجال یحییٰ بن معین کا قول ہے "لا شیئ" یعنی ہیچ ہے، امام بخاری نے کہا ہے کہ "وہ منکر الحدیث اور مجہول ہے"، اس روایت کا ایک اور راوی ابومصعب مکی ہے، وہ مجہول الحال ہے، چنانچہ علامہ ذہبی نے میزان الاعتدال مین عون بن عمرو کے حال مین یہ تمام اقوال نقل کیے ہین، اور خود اس روایت کا بھی ذکر کیا ہے،[2]

---

[1] تاریخ طبری (ج ۳ ص ۱۲۳۴) "س" [2] سیرۃ النبی ج ۳ ص ۳۰۰ مین بہ ضمن "مشہور عام دلائل و معجزات کی روایتی حیثیت" ان روایات پر مفصل تنقید کی گئی ہے) "س"

بہر حال چوتھے دن آپ غار سے نکلے، عبد اللہ بن اُریقط ایک کافر جس پر اعتماد تھا، رہنمائی کے لیے اجرت پر مقرر کر لیا گیا، وہ آگے آگے راستہ بتاتا جاتا تھا، ایک رات دن برابر چلے گئے، دوسرے دن دوپہر کے وقت دھوپ سخت ہو گئی تو حضرت ابوبکرؓ نے چاہا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)، سایہ میں آرام فرمائیں، چاروں طرف نظر ڈالی، ایک چٹان کے نیچے سایہ نظر آیا، سواری سے اتر کر زمین جھاڑی، پھر اپنی چادر بچھا دی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آرام فرمایا، تو تلاش میں نکلے کہ کہیں کچھ کھانے کو مل جائے تو لائیں، پاس ہی ایک چرواہا بکریاں چرا رہا تھا، اس سے کہا ایک بکری کا تھن گرد و غبار سے صاف کر دے، پھر اس کے ہاتھ صاف کرائے اور دودھ دوہایا، برتن کے منہ پر کپڑا لپیٹ دیا کہ گرد نہ پڑنے پائے، دودھ لیکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے اور تھوڑا سا پانی ملا کر پیش کیا، آپ نے پی کر فرمایا کہ "کیا ابھی چلنے کا وقت نہیں آیا؟" آفتاب اب ڈھل چکا تھا، اس لیے آپ وہاں سے روانہ ہوئے[۱]،

قریش نے اشتہار دیا تھا کہ جو شخص محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یا ابوبکرؓ کو گرفتار کر کے لائیگا، اس کو ایک خونبہا کے برابر (یعنی سو اونٹ)، انعام دیا جائیگا، سُراقہ بن جُعشم[۲] نے سنا تو انعام کی امید میں نکلا، عین اس حالت میں کہ آپ روانہ ہو رہے تھے، اس نے آپ کو دیکھ لیا اور گھوڑا دوڑا کر قریب آگیا، لیکن گھوڑے نے ٹھوکر کھائی، وہ گر پڑا، ترکش سے فال کے تیر نکالے کہ

---

[۱] یہ پوری تفصیل حرف بہ حرف صحیح بخاری باب مناقب المہاجرین میں ہے، ہم نے تمام جزئیات اس لیے نقل کیں کہ اس سے حضرت ابوبکرؓ کی صفائی پسندی کا بھی اندازہ ہوتا ہے [۲] سراقہ بعد میں اسلام لائے اور جب ایران فتح ہوا اور کسریٰ کے زیورات لوٹ میں آئے تو حضرت عمرؓ نے ان ہی کو وہ زیورات پہنا کر عالم کی نیرنگی کا تماشا دیکھا،

حملہ کرنا چاہیے یا نہیں؟ جواب مین نہین نکلا، لیکن سوادنٹون کا گرانبہا معاوضہ ایسا نہ تھا کہ تیر کی بات مان لی جاتی، دوبارہ گھوڑے پر سوار ہوا، اور آگے بڑھا، اِنکی گھوڑے کے پاؤن گھٹنون تک زمین مین دھنس گئے، گھوڑے سے اتر پڑا اور پھر فال دیکھی، اب بھی وہی جواب تھا، لیکن مکرر تجربہ نے اسکی ہمت پست کر دی اور یقین ہو گیا کہ یہ کچھ اور آثار ہین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آکر قریش کے اشتہار کا واقعہ سنایا اور درخواست کی کہ مجھکو امن کی تحریر لکھ دیجئے، حضرت ابوبکرؓ کے غلام عامر بن فہیرہ نے چمڑے کے ٹکڑے پر فرمان امن لکھ دیا،[1]

حسن اتفاق یہ کہ حضرت زبیرؓ شام سے تجارت کا سامان لیکر آرہے تھے، انھون نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور حضرت ابوبکرؓ کی خدمت مین چند بیش قیمت کپڑے پیش کیے جو اس بے سروسامانی مین غنیمت تھے،

ابن سعد نے طبقات مین اس مقدس سفر کی تمام منزلین گنائی ہین، اگرچہ عرب کے نقشون مین آج ان کا نشان نہین ملتا، تاہم عقیدت مند صرف نام سے لذت یاب ہو سکتے ہین، خرار، ثنیۃ المرۃ، لقف، مدلجۃ، مرجح، حداید، اذاخر، رابغ (یہ مقام آج بھی حجاج کے رستہ مین آتا ہے، یہان آپ نے مغرب کی نماز پڑھی) ذاسلم، عثانیۃ، قاحہ، عرج، جدوات، رکوبۃ، عقیق، جثجاثہ،

تشریف آوری کی خبر مدینہ مین پہلے پہنچ چکی تھی، تمام شہر ہمہ تن چشم انتظار تھا، معصوم بچے فخر اور جوش مین کہتے پھرتے تھے کہ پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) آرہے ہین، لوگ ہر روز تڑکے سے

---

[1] صحیح بخاری باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ پریشانی مین بھی دوات قلم ساتھ رہتا تھا۔

نکل نکل کر شہر کے باہر جمع ہوتے اور دوپہر تک انتظار کر کے حسرت کے ساتھ واپس چلے آتے، ایک دن انتظار کر کے واپس جا چکے تھے کہ ایک یہودی نے قلعہ سے دیکھا، اور قرائن سے پہچان کر پکارا کہ "اہل عرب لو تم جس کا انتظار کرتے تھے وہ آگیا"۔ تمام شہر تکبیر کی آواز سے گونج اٹھا، انصار ہتھیار سج سج کر بیتابانہ گھرون سے نکل آئے،

مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر جو بالائی آبادی ہے، اس کو عالیہ اور قباء کہتے ہین، یہان انصار کے بہت سے خاندان آباد تھے، ان مین سب سے زیادہ ممتاز عمرو بن عوف کا خاندان تھا، اور کلثوم بن الہدم خاندان کے افسر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہان پہنچے تو تمام خاندان نے جوش مسرت مین اللہ اکبر کا نعرہ مارا، یہ فخر ان کی قسمت مین تھا کہ میزبانِ دو عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان ہی کی مہمانی قبول کی، انصار ہر طرف سے جوق جوق آتے اور جوشِ عقیدت کے ساتھ سلام عرض کرتے، [1]

اکثر اکابر صحابہؓ جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے مدینہ مین آچکے تھے، وہ بھی ان ہی کے گھر مین اترے تھے، چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ، مقدادؓ، خبابؓ، سہیلؓ، صفوانؓ، عیاضؓ، عبد اللہ ابن مخرمہ، وہبؓ بن سعد، عمرؓ بن ابی سرح، عمیرؓ بن عوف ابتک ان ہی کے مہمان تھے، [2]

خباب امیرؓ، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے روانہ ہونے کے تین دن بعد مکہ سے چلے تھے، وہ بھی آگئے، اور یہیں ٹھہرے، تمام مورخین اور اربابِ سیر لکھتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہان صرف چار دن قیام فرمایا، لیکن صحیح بخاری مین چودہ دن ہے، اور یہی قرین قیاس ہے،

[1] صحیح بخاری صفحہ ۵۵۵ طبقات ابن سعد سیرۃ نبوی ص ۱۵۰ [2] ابن سعد تذکرۂ کلثوم بن ہدمؓ،

یہان آپؐ کا پہلا کام مسجد کا تعمیر کرانا تھا، حضرت کلثومؓ کی ایک افتادہ زمین تھی، جہان کھجورین سکھلائی جاتی تھین، یہین دستِ مبارک سے مسجد کی بنیاد ڈالی، یہی مسجد ہے جس کی شان مین قرآن مجید مین ہے،

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ	وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن پرہیزگاری
اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ	پر رکھی گئی ہے، وہ اس بات کی زیادہ مستحق ہے کہ
فِيْهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا	تم اس مین کھڑے ہو، اسمین ایسے لوگ ہین جنکو صفائی
وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (توبہ ۱۳)	بہت پسند ہے اور خدا صفائی رکھنے والون کو دوست رکھتا ہے،

مسجد کی تعمیر مین مزدورون کے ساتھ آپ خود بھی کام کرتے تھے، بھاری بھاری پتھرون کے اٹھاتے وقت جسم مبارک خم ہو جاتا تھا عقیدت مند آتے اور عرض کرتے "ہمارے مان باپ آپؐ پر فدا ہون، آپ چھوڑ دین ہم اٹھالین گے۔" آپؐ ان کی درخواست قبول فرماتے لیکن اسی وزن کا دوسرا پتھر اٹھا لیتے،[1]

حضرت عبداللہؓ بن رواحہ شاعر تھے، وہ بھی مزدورون کے ساتھ شریک تھے، اور جس طرح مزدور کام کرنے کے وقت تھکن مٹانے کو گاتے جاتے ہین، وہ یہ اشعار پڑھتے جاتے تھے،

افلح من يعالج المساجدا	وہ کامیاب ہے جو مسجد تعمیر کرتا ہے،
ويقرء القرآن قائما وقاعدا	اور اٹھتے بیٹھتے قرآن پڑھتا ہے،
ولا يبيت الليل عنه راقدا	اور رات کو جاگتا رہتا ہے،

[1] وفاء الوفا، بحوالہ طبرانی کبیر (ج ۱ ص ۱۸۰)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی ہر ہر قافیہ کے ساتھ آواز ملاتے جاتے تھے[1]

قُبا، میں آپ کا داخلہ اسلام کے دورِ خاص کی ابتدا ہے، اس لیے مورخین نے اس تاریخ کو زیادہ اہتمام کے ساتھ محفوظ رکھا ہے، اکثر مورخین کا اتفاق ہو کہ یہ ۸ ربیع الاول ۱۳ھ نبوی (مطابق ۲۰ ستمبر ۶۲۲ء) تھی، (محمد بن) موسیٰ خوارزمی نے لکھا ہے کہ جمعرات کا دن، اور فارسی ماہ تیر کی چوتھی تاریخ، اور رومی ماہ ایلول ۹۳۳ھ، اسکندری کی دسوین تاریخ تھی[2]، مورخ یعقوبی نے ہیئت دانون سے یہ زائچہ نقل کیا ہے۔

آفتاب	برج سرطان مین	۲۳ درجہ ۶ دقیقہ پر
زحل	برج اسد مین	۲ درجہ
مشتری	برج حوت مین	۹ درجہ
زہرہ	برج اسد مین	۱۳ درجہ
عطارد	برج اسد مین	۱۵ درجہ

چودہ دن کے بعد (جمعہ کو[3]) آپ شہر کی طرف تشریف فرما ہوئے (راہ مین بنی سالم کے محلہ مین نماز کا وقت آگیا، جمعہ کی نماز یہیں ادا فرمائی، نماز سے پہلے خطبہ دیا، یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے پہلی نماز جمعہ، اور سب سے پہلا خطبۂ نماز تھا، لوگوں کو جب تشریف آوری

[1] وفاء الوفا، بحوالہ حاشیہ ج ۱ ص ۱۸۰ مصر [2] عینی شرح بخاری جلد دوم ص ۴۴۵ (عینی مطبوعۂ قسطنطنیہ مین مطبع کی غلطی سے ۹۳۳ھ سبعمائۃ لکھا گیا ہی اس کو تسعمائۃ پڑھنا چاہیے، رومی ماہ ایلول کی آٹھوین کے بجائے جدید طریقۂ حساب سے بیسوین ثابت ہوتی ہو، خوارزمی نے جمعرات کا دن بتایا ہے لیکن جدید حساب سے دوشنبہ کا دن آتا ہے)

[3] خوارزمی کے حساب کے مطابق روز ورود (جمعرات) نہ لیا جاوے تو ۱۴ دن کے بعد جمعہ ہوگا،

کی خبر معلوم ہوئی تو ہر طرف سے لوگ جوشِ مسرت سے پیشقدمی کے لیے دوڑے، آپؐ کے ننہالی رشتہ دار بنو نجار ہتھیار سج سج کر آئے[1]، قبا سے مدینہ تک دورویہ جان نثارون کی صفین تھین، راہ مین انصار کے خاندان آتے تھے، ہر قبیلہ سامنے آکر عرض کرتا "حضور یہ گھر ہے، یہ مال ہے، یہ جان ہے" آپؐ منت کا اظہار فرماتے، اور دعاے خیر دیتے، شہر قریب آگیا تو جوش کا یہ عالم تھا کہ پردہ نشین خاتونین چھتون پر نکل آئین اور گانے لگین،

طَلَعَ البدرُ علینا	چاند نکل آیا ہے،
من ثنیات الوداع	کوہ وداع کی گھاٹیون سے
وجب الشکر علینا	ہم پر خدا کا شکر واجب ہے
ما دعا للہ داع	جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگین

معصوم لڑکیان دف بجا بجا کر گاتی تھین

نحنُ جوارٌ من بنی النجار	ہم خاندان نجار کی لڑکیان ہین،
یا حبذا محمدٌ من جار	محمد صلی اللہ علیہ وسلم کیا اچھا ہمسایہ ہے،

آپؐ نے ان لڑکیون کی طرف خطاب کرکے فرمایا "کیا تم مجھ کو چاہتی ہو؟" بولین "ہان" فرمایا کہ "مین بھی تم کو چاہتا ہون"۔

[1] یہ واقعہ بخاری کے متعدد ابواب مسجد ہجرت وغیرہ مین مذکور ہے[2] وفاء الوفا، جلد اول ص ۱۸۰، پہلے اشعار کے متعلق زرقانی مین نہایت محققانہ، محدثانہ بحث کی ہے اور ابن قیم کے اس اعتراض کا جواب دیا ہے کہ ثنیۃ الوداع شام کی طرف ہے، نہ کہ مکہ کی طرف، مواہب مین لکھا ہے کہ یہ اشعار حلوانی نے شیخین کی شرط پر روایت کیے ہین، بخاری مین بھی یہ اشعار منقول ہین، مگر غزوہ تبوک کے موقع پر لیکن ان دونون روایتون مین کچھ تناقض نہین، ممکن ہے دونون موقعون پہ یہ اشعار پڑھے گئے ہون۔

جہان اب مسجد نبوی ہے، اس سے متصل حضرت ابوایوب انصاریؓ کا گھر تھا کوکبۂ نبوی یہان پہنچا، سخت کشمکش تھی کہ آپ کی میزبانی کا شرف کس کو حاصل ہو؟ قرعہ ڈالا گیا اور آخر یہ دولت حضرت ابوایوبؓ کے حصہ مین آئی[1]،

حضرت ابوایوبؓ کا مکان دو منزلہ تھا، انھون نے بالائی منزل پیش کی لیکن آپؐ نے زائرین کی آسانی کے لیے نیچے کا حصہ پسند فرمایا، ابوایوبؓ دو وقتہ آپؐ کی خدمت مین کھانا بھیجتے، اور آپ جو چھوڑ دیتے، ابوایوبؓ اور ان کی زوجہ کے حصہ مین آتا، کھانے مین جہان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیون کا نشان پڑا ہوتا، ابوایوبؓ بھی تبرکاً وہین انگلیان ڈالتے،

ایک دن اتفاق سے بالائی منزل مین پانی کا برتن ٹوٹ گیا، اندیشہ ہوا کہ پانی بہ کر نیچے جائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہو، گھر مین اوڑھنے کا صرف ایک لحاف تھا حضرت ابوایوبؓ نے اس کو ڈال دیا کہ پانی جذب ہو کر رہ جائے[2]،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے سات مہینہ تک یہین قیام فرمایا، اس اثنا مین جب مسجد نبویؐ اور آس پاس کے حجرے تیار ہو گئے تو آپؐ نے نقل مکان فرمایا، تفصیل آگے آتی ہے،

---

[1] ابوایوب کا نام خالد ہے، اصابہ فی احوال الصحابہ مین اسی نام سے ان کا ذکر کیا ہے اور وہین یہ واقعہ لکھا ہے، اکثر سیر اور تواریخ کی کتابون مین لکھا ہے کہ چونکہ ہر شخص اپنے گھر مین اتارنے کی درخواست کرتا تھا، آپؐ نے فرمایا کہ "میرے ناقہ کو چھوڑ دو، وہ خدا کی طرف سے مامور ہے" چنانچہ ناقہ حضرت ابوایوبؓ کے گھر کے سامنے جا کر بیٹھ گیا اسلیے آپؐ نے ان ہی کے گھر پر قیام فرمایا، لیکن صحیح مسلم باب الہجرۃ مین ہے کہ جب لوگون مین آپ کی میزبانی کے متعلق جھگڑا ہوا تو آپؐ نے کہا کہ "مین بنونجار کے ہان اترون گا جو عبد المطلب کے مامون ہین"، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمداً ایسا کیا تھا، حضرت ابوایوبؓ اسی خاندان سے تھے، امام بخاری نے تاریخ صغیر مین تصریح کی ہے کہ ابوایوبؓ کے گھر اترنا اسی قرابت کی وجہ سے تھا۔

[2] اصابہ ذکر ابوایوب اور زرقانی بہ حوالہ قاضی ابویوسف و حاکم و وفاء الوفاء

مدینہ میں آکر آپ نے حضرت زیدؓ (اور اپنے غلام ابو رافع) کو دو اونٹ اور پانسو درہم دے کر بھیجا کہ مکہ جا کر صاجزادیوں اور حرم نبویؐ کو لے آئیں، حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبد اللہؓ کو لکھا کہ وہ بھی اپنی ماں اور بہنوں کو لے کر چلے آئیں، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاجزادیوں میں سے صرف رقیہؓ، حضرت عثمانؓ کے ساتھ حبش میں تھیں، حضرت زینبؓ کو ان کے شوہر نے آنے نہ دیا، زیدؓ صرف حضرت فاطمہ زہراؓ (اور حضرت ام کلثومؓ) اور حضرت سودہؓ (زوجہ محترم نبوی) کو لے کر آئے، حضرت عائشہؓ اپنے بھائی عبد اللہؓ کے ساتھ آئیں۔[1]

مسجد نبویؐ اور ازواج مطہراتؓ کے حجروں کی تعمیر

مدینہ میں قیام کے بعد سب سے پہلا کام ایک خانۂ خدا کی تعمیر تھی، اب تک یہ معمول تھا کہ مویشی خانہ میں (یا جہاں موقع ملتا تھا) آپؐ نماز پڑھا کرتے تھے[2]، دولتکدہ کے قریب خاندانِ نجار کی زمین تھی جس میں کچھ قبریں تھیں، کچھ کھجور کے درخت تھے، آپ نے ان لوگوں کو بلا کر فرمایا "میں یہ زمین بہ قیمت لینا چاہتا ہوں"۔ وہ بولے کہ "ہم قیمت لیں گے لیکن آپ سے نہیں، بلکہ خدا سے"۔ چونکہ اصل میں وہ زمین دو یتیم بچوں کی تھی، آپ نے خود ان یتیموں کو بلا بھیجا، ان یتیم بچوں نے بھی اپنی کائنات نذر کرنی چاہی، لیکن آپ نے گوارا نہ کیا، حضرت ابوایوبؓ نے قیمت ادا کی، قبریں اکھڑوا کر زمین ہموار کر دی گئی، اور مسجد کی تعمیر شروع ہوئی، شہنشاہ دو عالمؐ، پھر مزدوروں کے لباس میں تھا، صحابہؓ پتھر اٹھا اٹھا کر لاتے تھے، اور رجز پڑھتے جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ آواز ملاتے اور فرماتے[3]

[1] ابن سعد (جزء النساء ص ۳۴) (۲) ابوداؤد باب بناء المسجد) [3] بخاری باب مقدم النبیؐ وباب الہجرۃ وج ا باب البیوع و عینی شرح بخاری جلد ۲ ص ۳۰۷ و زرقانی؛

اللھم لا خیر الا خیر الآخرۃ — اے خدا! کامیابی صرف آخرت کی کامیابی ہے

فاغفر الانصار والمھاجرۃ — اے خدا! مہاجرین اور انصار کو بخش دے

یہ مسجد ہر قسم کے تکلفات سے بری اور اسلام کی سادگی کی تصویر تھی، یعنی کچی اینٹون کی دیوارین، برگ خرما کا چھپر، کھجور کے ستون تھے، قبلہ بیت المقدس کی طرف رکھا گیا، لیکن جب قبلہ بدل کر کعبہ کی طرف ہوگیا تو شمالی جانب ایک نیا دروازہ قائم کردیا گیا، فرش چونکہ بالکل خام تھا، بارش مین کیچڑ ہوجاتی تھی، ایک دفعہ صحابہ نماز کے لیے آئے تو کنکریان لیتے آئے، اور اپنی اپنی نشستگاہ پر بچھالین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پسند فرمایا اور سنگریزون کا فرش بنوادیا،

مسجد کے ایک سرے پر ایک مسقف چبوترہ تھا، جو صفہ کہلاتا تھا، یہ ان لوگون کے لیے تھا جو اسلام لاتے تھے اور گھر بار نہین رکھتے تھے،

مسجد نبوی جب تعمیر ہوچکی تو مسجد سے متصل ہی آپ نے ازواج مطہرات رض کے لیے مکان بنوائے، اس وقت تک حضرت سودہ رض اور حضرت عائشہ رض عقد نکاح مین آچکی تھین، اس لیے دو ہی حجرے بنے جب اور ازواج آتی گئین تو اور مکانات بنتے گئے، یہ مکان کچی اینٹون کے تھے، ان مین سے پانچ کھجور کی ٹٹیون سے بنے تھے، جو حجرے اینٹون کے تھے ان کے اندرونی حجرے بھی ٹٹیون کے تھے، ترتیب یہ تھی کہ حضرت ام سلمہ رض، حضرت ام حبیبہ رض، حضرت زینب رض، حضرت جویریہ رض، حضرت میمونہ رض، حضرت زینب رض بنت جحش کے مکانات شامی جانب تھے، اور حضرت عائشہ رض

حضرت صفیہؓ، حضرت سودہؓ مقابل جانب تھیں[۱]، یہ مکانات مسجد سے اس قدر متصل تھے کہ جب آپؐ مسجد مین اعتکاف مین ہوتے تو مسجد سے سر نکال دیتے، اور ازواج مطہراتؓ گھر مین بیٹھے بیٹھے آپؐ کے بال دھو دیتی تھین،

یہ مکانات چھ چھ، سات سات ہاتھ چوڑے اور دس دس ہاتھ لانبے تھے، چھت اتنی اونچی تھی کہ آدمی کھڑا ہو کر چھت کو چھو لیتا تھا، دروازون پر کمبل کا پردہ پڑا رہتا تھا[۲]، راتون کو چراغ نہین جلتے تھے[۳]،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ہمسایہ مین جو انصار رہتے تھے، اُن مین حضرت سعدؓ بن عبادہ، حضرت سعدؓ بن معاذ، حضرت عمارہؓ بن حزم، اور حضرت ابوایوبؓ رئیس اور دولت مند تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین دودھ بھیجا کرتے تھے، اور اسی پر آپؐ بسر فرماتے تھے، حضرت سعدؓ بن عبادہ نے التزام کر لیا تھا کہ رات کے کھانے پر ہمیشہ اپنے ہاں سے ایک بڑا بادیہ بھیجا کرتے تھے، جس مین کبھی سالن، کبھی دودھ، کبھی گھی ہوتا تھا[۴]، حضرت انسؓ کی ماں حضرت ام انسؓ نے اپنی جائداد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین پیش کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرما کر اپنی دایہ حضرت ام ایمنؓ کو دے دیا[۵]،

---

[۱] طبقات ابن سعد، جلد سیرت نبوی صفحہ ۱۶۱ [۲] منازل نبوی کا حال طبقات ابن سعد جزء ۸ ص ۱۱۷ اور وفاء الوفا مین تفصیلاً ہے [۳] بخاری باب الصلوٰۃ علی الفراش [۴] طبقات ابن سعد جلد کتاب النساء ص ۱۱۶

[۵] صحیح بخاری ص ۳۵۰ باب فضل المنیحہ

اور خود فقر و فاقہ اختیار فرمایا،

اذان کی ابتدا اسلام تمام عبادات کا اصلی مرکز وحدت و اجتماع ہے، اس وقت تک کسی خاص علامت کے نہ ہونے کی وجہ سے نماز جماعت کا کوئی انتظام نہ تھا، لوگ وقت کا اندازہ کرکے آتے تھے اور نماز پڑھتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ پسند نہ تھا، آپنے ارادہ فرمایا کہ کچھ لوگ مقرر کردیے جائین جو وقت پر لوگون کو گھرون سے بلا لائین، لیکن اس مین زحمت تھی صحابہؓ کو بلا کر مشورہ کیا، لوگون نے مختلف رائین دین، کسی نے کہا نماز کے وقت مسجد پر ایک علم کھڑا کردیا جائے، لوگ دیکھ دیکھ کر آتے جائین گے، آپ نے یہ طریقہ ناپسند فرمایا، عیسائیون اور یہودیون کے یہان اعلان نماز کے جو طریقے ہین وہ بھی آپ کی خدمت مین عرض کیے گئے، لیکن آپنے حضرت عمرؓ کی رائے پسند کی اور حضرت بلالؓ کو حکم دیا کہ اذان دین[۱]، اس سے ایک طرف تو نماز کی اطلاع عام ہوجاتی تھی، دوسری طرف دن مین پانچ دفعہ دعوت اسلام کا اعلان ہوجاتا تھا،

صحاح ستہ کی بعض کتابون مین ہے کہ اذان کی تجویز عبد اللہ بن زیدؓ نے پیش کی تھی، جو انھون نے خواب مین دیکھی تھی، ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت عمرؓ کو بھی خواب مین توارد ہوا، لیکن صحیح بخاری کی روایت کے مقابلہ مین کسی اور روایت کو ترجیح نہین دیجا سکتی،[۲]

---

[۱] ابوداؤد باب بدء الاذان و بخاری باب الاذان بخاری مین زید کے واقعہ کا ذکر نہین [۲] یہ روایت صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم، نسائی اور ترمذی مین بھی ہے لیکن تمام روایات کو اور علماء کی تحقیقات کو سامنے رکھنے سے مسئلہ کی صحیح صورت یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوسرے لوگون کی رایون کے مقابلہ مین اپنی رائے یہ پیش کی تھی جیسا کہ بخاری والی روایت مین ہے کہ "اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوٰۃ" کہ ایک آدمی بھیجا جائے جو پکار کر نماز کا اعلان کردے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

بخاری میں صاف تصریح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بوق اور ناقوس کی تجویزیں پیش کی گئیں، لیکن حضرت عمرؓ نے اذان کی تجویز پیش کی، اور آپ نے اس کے موافق حضرت بلالؓ کو بلا کر اذان کا حکم دیا، خواب کا ذکر نہیں،

مواخاۃ مہاجرین مکہ معظمہ سے بالکل بے سر و سامان آئے تھے، گو ان میں دولت مند اور خوشحال بھی تھے، لیکن کافروں سے چھپ کر نکلے تھے، اس لیے کچھ ساتھ نہ لا سکے تھے،

اگرچہ مہاجرین کے لیے انصار کا گھر مہمان خانۂ عام تھا، تاہم ایک مستقل انتظام کی ضرورت تھی، مہاجرین نذر اور خیرات پر بسر کرنا پسند نہیں کرتے تھے، وہ دست بازو سے کام لینے کے خوگر تھے، تاہم چونکہ بالکل نکھرے تھے، اور ایک حبہ تک پاس نہ تھا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خیال فرمایا کہ انصار اور ان میں رشتۂ اخوت قائم کر دیا جائے، جب مسجد کی تعمیر قریب ختم ہوئی تو آپ نے انصار کو طلب فرمایا، حضرت انسؓ بن مالک جو اس وقت دس سالہ تھے، ان کے مکان میں لوگ جمع ہوئے، مہاجرینؓ کی تعداد پینتالیس تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی طرف خطاب کر کے فرمایا "یہ تمہارے بھائی ہیں"، پھر مہاجرین اور انصار میں سے دو دو شخص کو بلا کر فرماتے گئے کہ یہ اور تم بھائی بھائی ہو، اور اب وہ درحقیقت بھائی بھائی تھے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۵۳) ذکی رائے کو پسند فرمایا اور الصلوٰۃ جامعۃ کے لفظ سے اس کا اعلان کر دیا، اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی اور بعض دوسرے صحابہ نے بھی خواب میں اذان کو مروجہ الفاظ کیساتھ اذان کو خواب میں دیکھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو منجانب اللہ سمجھ کر قبول فرمایا، اور اسی کے مطابق اذان مروجہ جاری فرمائی گئی، فتح الباری و نووی و زرقانی و روض الانف باب بدء الاذان میں یہ تفصیلات بحوالۂ سند مذکور ہیں) "س"

انصار نے مہاجرین کو ساتھ لے جا کر گھر کی ایک ایک چیز کا جائزہ دیدیا کہ آدھا آپ کا اور آدھا ہمارا ہے، سعد بن الربیع جو عبدالرحمٰن بن عوف کے بھائی قرار پائے، انکی دو بیویان تھین، عبدالرحمٰن سے کہا کہ ایک کو مین طلاق دیتا ہون، آپ اس سے نکاح کر لیجئے، لیکن انھون نے احسان مندی کے ساتھ انکار کیا،[1]

انصار کا مال و دولت، جو کچھ تھا، نخلستان تھے، روپے پیسے تو اس زمانہ مین تھے نہین،[2] انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ یہ باغ ہمارے بھائیون مین بانٹ تقسیم کر دیے جائین، مہاجرین تجارت پیشہ تھے، اور اس وجہ سے کھیتی کے فن سے بالکل ناآشنا تھے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف سے انکار کیا، انصار نے کہا سب کاروبار ہم خود انجام دے لین گے، جو کچھ پیداوار ہوگی اس مین نصف حصہ مہاجرین کا ہوگا، مہاجرین نے اس کو منظور کیا،[3]

یہ رشتہ بالکل حقیقی رشتہ بن گیا، کوئی انصاری مرتا تھا تو اس کی جائداد اور مال مہاجر کو ملتا تھا، اور بھائی بند محروم رہتے،[4] یہ اس فرمان الٰہی کی تعمیل تھی،

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ ھَاجَرُوْا	جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور خدا کی
وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ	راہ مین مال و جان سے جہاد کیا اور وہ لوگ جنھون
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ	نے ان لوگون کو پناہ دی اور انکی مدد کی یہ لوگ

[1] مواخاۃ کا ذکر اور ایک ایک کام ابن ہشام ص ۱۸۰، اور یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کا واقعہ صحیح بخاری کتاب المناقب باب اخاء النبی مین ہے، [2] صحیح بخاری ص ۳۱۲، [3] ایضاً ص ۳۱۲، [4] صحیح بخاری کتاب التفسیر آیہ واولوا الارحام بعضھم اولی

اَوَّ وَّ اَوَّنَصَرُوْٓا اُولٰٓئِكَ بَعْضُهُمْ | باہم بھائی بھائی ہین۔
اَوْلِیَآءُ بَعْضٍ (انفال-۱۰)

جنگِ بدر کے بعد جب مہاجرین کو اعانت کی ضرورت نہ رہی، تو یہ آیت اتری،

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ | اربابِ قرابت ایک دوسری کے
اَوْلٰی بِبَعْضٍ (انفال-۱۰) | زیادہ حقدار ہین،

اس وقت سے یہ قاعدہ جاتا رہا، چنانچہ کتب تفسیر وحدیث مین بہ تصریح مذکور ہے۔

سنہ ۴ھ مین بنو نضیر جب جلا وطن ہوئے اور ان کی زمین اور نخلستان قبضہ مین آئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ "مہاجرین نادار ہین، اگر تمھاری مرضی ہو تو یہ مقبوضات تنہا ان کو دیئے جائین، اور تم اپنے نخلستان واپس لے لو" انصار نے عرض کی کہ نہین ہمارے نخلستان بھائیون ہی کے قبضہ مین رہنے دیجئے، اور یہ بھی ان ہی کو عنایت فرمایئے[۱]،

دنیا انصار کے اس ایثار پر ہمیشہ ناز کرے گی، لیکن یہ بھی دیکھو کہ مہاجرین نے کیا کیا؟ حضرت سعد بن الربیع رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو ایک ایک چیز کا جائزہ دے کر نصف بٹے لینے کی درخواست کی تو انھون نے کہا خدا یہ سب آپ کو مبارک کرے مجھ کو صرف بازار کا راستہ بتا دیجئے" انھون نے قینقاع کا جو مشہور بازار تھا، جا کر راستہ بتا دیا، انھون نے کچھ گھی، کچھ پنیر خریدا، اور شام تک خرید و فروخت کی، چند روز مین اتنا

[۱] فتوح البلدان، مطبوعۂ یورپ ص ۲۰،

سرمایہ ہو گیا کہ شادی کر لی،[۱] رفتہ رفتہ ان کی تجارت کو یہ ترقی ہوئی کہ خود ان کا قول تھا کہ خاک پر ہاتھ ڈالتا ہون تو سونا بنجاتی ہے، ان کا اسباب تجارت سات سات سو اونٹون پر لد کر آتا تھا، اور جب دن مدینہ پہنچتا تمام شہر مین دھوم مچ جاتی،[۲]

بعض صحابہؓ نے دکانین کھول لین، حضرت ابو بکرؓ کا کارخانہ مقام سنح مین تھا، جہان وہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے،[۳] حضرت عثمانؓ بنو قینقاع کے بازار مین کھجور کی خرید و فروخت کرتے تھے،[۴] حضرت عمرؓ بھی تجارت مین مشغول ہو گئے تھے،[۵] اور شاید ان کی اس تجارت کی وسعت ایران تک پہنچ گئی تھی، اور صحابہؓ نے بھی اسی قسم کی چھوٹی بڑی تجارت شروع کر دی تھی، صحیح بخاری مین روایت ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ پر لوگون نے جب کثرت روایت کی بنا پر اعتراض کیا کہ اور صحابہؓ تو اس قدر روایت نہین کرتے تو انھون نے کہا "اس مین میرا کیا قصور ہے، اور لوگ بازار مین تجارت کرتے تھے اور مین رات دن بارگاہ نبوت مین حاضر رہتا تھا،

پھر جب خیبر فتح ہوا تو تمام مہاجرین نے یہ نخلستان انصار کو واپس کر دیے، صحیح مسلم باب الجہاد مین ہے،

اِنَّ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما فرغ	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگ خیبر سے فارغ ہو گئے،

۱؎ صحیح بخاری مین دو مختلف موقعون پر یہ واقعہ مذکور ہے (کتاب البیوع، و باب کیف آخی النبی صلی اللہ علیہ وسلم باب اخاء النبی بین المہاجرین والانصار، باب الولیمہ، ولو بشاۃ) ۲؎ اسد الغابہ ج ۳ ص ۳۱۴ و ۳۱۵ وغیرہ مین یہ واقعہ مذکور ہے ۳؎ ابن سعد جلد ۳ ص ۱۳۰ ۴؎ مسند امام حنبل جلد ۱ ص ۶۲ ۵؎ مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۴۰۰ ۶؎ ابن حنبل جلد ۳ ص ۳۴۷

من قتال اهل خيبر وانصرف الى المدينة رد المهاجرون الى الانصار منائحهم التى كانوا منحوهم من ثمار

اور مدینہ واپس آئے تو مہاجرین نے انصار کے عطیے جو نخلستان کی صورت مین تھے واپس کر دیے،

مہاجرین کے لیے مکانات کا یہ انتظام ہوا کہ انصار نے اپنے گھرون کے آس پاس جو افتادہ زمینین تھین ان کو دیدین، اور جن کے پاس زمین نہ تھی انھون نے اپنے مسکونہ مکانات دیدیئے، سب سے پہلے حضرت حارثہ بن نعمان نے اپنی زمین پیش کی، بنو زہرہ مسجد نبوی کے عقب مین آباد ہوئے، حضرت عبد الرحمن بن عوف نے یہان ایک قلعہ (جس کو گڑھی کہنا زیادہ موزون ہوگا) بنوایا، حضرت زبیر بن العوام کو ایک وسیع زمین ہاتھ آئی حضرت عثمان، حضرت مقداد، حضرت عبید کو انصار نے اپنے مکانات کے پہلو مین زمینین دین،[۱]

مواخاۃ کے رشتہ سے جو لوگ آپس مین بھائی بھائی بنے ان مین سے بعض حضرات کے نام یہ ہین:[۲]

مہاجرین	انصار
حضرت ابوبکرؓ	حضرت خارجہ بن زید انصاری
حضرت عمرؓ	حضرت عتبان بن مالک انصاری
حضرت عثمانؓ	حضرت اوس بن ثابت انصاری
حضرت ابوعبیدہ جراحؓ	حضرت سعد بن معاذ انصاری

۱ے یہ پوری تفصیل معجم البلدان مدینہ منورہ کے ذکر مین ہے، ۲ے یہ تفصیل ابن ہشام ص ۱۷۹ مین ہے،

انصار	مہاجرین
حضرت سلامہ بن وقش	حضرت زبیر بن العوام
حضرت ابوایوب انصاری	حضرت مصعب بن عمیر
حضرت حذیفہ بن یمان	حضرت عمار بن یاسر
حضرت منذر بن عمرو	حضرت ابوذر غفاری
حضرت ابو درداء	حضرت سلمان فارسی
حضرت ابو رویحہ	حضرت بلال
حضرت عباد بن بشر	حضرت ابو حذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ
حضرت ابی بن کعب	حضرت سعید بن زید بن عمرو بن نفیل

مواخات کا رشتہ بظاہر ایک عارضی ضرورت کے لیے قائم کیا گیا کہ بے خانمان مہاجرین کا چندروزہ انتظام ہوجائے لیکن درحقیقت یہ عظیم الشان اغراضِ اسلامی کی تکمیل کا سامان تھا، اسلام تہذیب اخلاق و تکمیلِ فضائل کی شہنشاہی ہے، اس سلطنتِ الٰہی کے لیے وزراء، ارباب تدبیر، سپہ سالارانِ لشکر، ہر قابلیت کے لوگ درکار ہین، شرفِ صحبت کی برکت سے مہاجرین مین ان قابلیتون کا ایک گروہ تیار ہو چکا تھا، اور اُن مین یہ وصف پیدا ہو چکا تھا کہ ان کی درسگاہ تربیت سے اور اربابِ استعداد بھی تربیت پاکر نکلین، اس بنا پر جن لوگون مین رشتہ اخوت قائم کیا گیا، ان مین اس بات کا لحاظ رکھا گیا کہ استاد اور شاگرد مین وہ اتحاد مذاق موجود ہو جو تربیت پذیری کے لیے ضرور ہے، تفحص اور

استقصاء سے معلوم ہوتا ہی کہ جو شخص جس کا بھائی بنایا گیا، دونون مین یہ اتحاد مذاق ملحوظ رکھا گیا، اور جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ اتنی کم مدت مین سیکڑون اشخاص کی طبیعت اور فطرت اور مذاق کا صحیح اور پورا اندازہ کرنا قریباً ناممکن ہے، تو تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ شان نبوت کی خصوصیات مین سے ہے،

حضرت سعید بن زید رضؓ عشرہ مبشرہ مین ہین، اُن کے والد زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے ملت ابراہیمی کے پیرو ہو چکے تھے، اور گویا اسلام کے مقدمۃ الجیش تھے حضرت سعید رضؓ نے ان ہی کے دامنِ تربیت مین پرورش پائی تھی، اس لیے اسلام کا نام سنتے کے ساتھ انھون نے لبیک کہا، ان کی مان بھی ان کے ساتھ یا ان سے پہلے اسلام لائین حضرت عمر رضؓ ان ہی کے گھر مین اور اُن ہی کی ترغیب سے اسلام کی طرف مائل ہوئے تھے، علم و فضل کے لحاظ سے فضلاے صحابہ مین تھے، ان کی اخوت حضرت ابی بن کعب رضؓ سے قائم کی گئی، جنھون نے یہ مرتبہ حاصل کیا کہ حضرت عمر رضؓ ان کو سید المسلمین کہتے تھے، بارگاہ نبوت مین منصبِ انشاء پر سب سے پہلے وہی ممتاز ہوئے، فن قرأت کے وہ امام تسلیم کیے جاتے ہین،[۱]

حضرت ابو حذیفہ رضؓ عتبہ بن ربیعہ کے فرزند تھے، جو قریش کا رئیس اعظم تھا، اس مناسبت سے ان کو حضرت عباد رضؓ بن بشر کا بھائی بنایا گیا، جو قبیلۂ اشہل کے سردار تھے،

حضرت ابو عبیدہ رضؓ جراح جن کو رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے امین الامۃ کا خطاب دیا تھا، ایک طرف تو فاتحِ شام ہونے کی قابلیت رکھتے تھے، دوسری طرف اسلام کے

---

[۱] اصابہ ذکر ابی رضؓ بن کعب

مقابلہ میں پدری اور فرزندی کے جذبات اُن پر کچھ اثر نہین کر سکتے تھے، چنانچہ غزوۂ بدر مین جب ان کے باپ ان کے مقابلہ مین آئے تو انھون پہلے حقوقِ ابوت کی مراعات کی، لیکن بالآخر اسلام پر باپ کو نثار کر دینا پڑا، ان کی تربیت مین حضرت سعدؓ بن معاذ دیے گئے، جو قبیلۂ اوس کے رئیس اعظم تھے، اُن مین بھی ایثار کا وصف نمایان طور پر نظر آتا ہے، بنو قریظہ ان کے حلیف تھے، اور عرب مین حلیف کا رشتہ اخوت اور ابوت کے برابر ہوتا تھا تاہم غزوۂ بنی قریظہ مین جب اسلام کا مقابلہ پیش آیا تو انھون نے اپنے چار سو حلیفون کو اسلام پر نثار کر دیا

حضرت بلالؓ اور حضرت ابو رویحہؓ حضرت سلمان فارسیؓ اور حضرت ابو درداؓ، حضرت عمارؓ بن یاسر اور حضرت حذیفہؓ بن یمان، حضرت مصعبؓ اور حضرت ابو ایوبؓ مین وہ وحدت موجود تھی جس کی بدولت نہ صرف شاگرد، بلکہ استاد بھی شاگرد سے اثر پذیر ہو سکتا تھا حضرت عبدالرحمنؓ بن عوف مدینہ مین آئے تو سبز سر پر رکھکر بیچتے تھے، حضرت سعدؓ بن الربیع کی صحبت مین جو امیرالامرا تھے، دولت اور امارت کے جس درجہ پر پہنچے، ہم اوپر لکھ آئے ہین،

انصار نے مہاجرین کی بھائی اور ہمدردی کا حق ادا کیا دنیا کی تاریخ مین اس کی نظیر نہین مل سکتی، بحرین جب فتح ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر فرمایا کہ مین اس کو انصار مین تقسیم کر دینا چاہتا ہون، انھون نے عرض کی کہ "پہلے ہمارے بھائی مہاجرون کو اتنی ہی زمین عنایت فرمایئے، تب ہم لینا منظور کرینگے"؛

ایک دفعہ ایک فاقہ زدہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آیا کہ سخت

لہ صحیح بخاری فضائل انصارؓ،

بھوکا ہون، آپ نے گھر مین دریافت فرمایا کہ کچھ کھانے کو ہے؟ جواب آیا کہ "صرف پانی"، آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہوکر فرمایا کوئی ہے؛ جو ان کو آج اپنا مہمان بنائے، حضرت ابوطلحہؓ نے عرض کی "مین حاضر ہون" غرض وہ اپنے گھر لوا گئے لیکن وہان بھی برکت تھی، بیوی نے کہا صرف بچون کا کھانا موجود ہے، انھون نے بیوی سے کہا چراغ بجھا دو، اور وہی کھانا مہمان کے سامنے لاکر رکھ دو، تینون ساتھ کھانے پر بیٹھے، میان بیوی بھوکے بیٹھے رہے، اور اس طرح ہاتھ چلاتے رہے کہ گویا کھا رہے ہین، اسی واقعہ[1] کے بارہ مین یہ آیت اتری ہے،

وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (حشر-۱)

اور گو ان کو خود تنگی ہو تاہم اپنے اوپر دوسرون کو ترجیح دیتے ہین،

صفہ اور اصحاب صفہ اصحاب صُفہ اسلامی لغت کا ایک متداول لفظ ہے، گو اس کی حقیقت سے لوگ اچھی طرح واقف نہین،

"صفہ" سائبان کو کہتے ہین، یہ ایک سائبان تھا جو مسجد نبویؐ کے ایک کنارہ پر مسجد سے ملا ہوا تیار کیا گیا تھا، صحابہؓ مین سے اکثر تو مشاغلِ دینی کے ساتھ ہر قسم کے کاروبار یعنی تجارت یا زراعت وغیرہ بھی کرتے تھے، لیکن چند لوگون نے اپنی زندگی صرف عبادت اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تربیت پذیری پر نذر کر دی تھی، ان لوگون کے بال بچے نہ تھے، اور جب شادی کر لیتے تھے تو اس حلقہ سے نکل آتے تھے، ان مین ایک ٹولی دن کو جنگل سے لکڑیان چن کر لاتی اور بیچ کر اپنے بھائیون کے لیے کچھ کھانا مہیا کرتی،

[1] صحیح بخاری و فتح الباری، فضائل انصار۔

یہ لوگ دن کو بارگاہ نبوت مین حاضر رہتے اور حدیثین سنتے اور رات کو اسی چبوترہ (صفہ) پر پڑ رہتے، حضرت ابوہریرہؓ بھی ان ہی لوگون مین تھے، ان مین سے کسی کے پاس چادر اور تہمد دونون چیزین کبھی ساتھ مہیا نہ ہوسکین، چادر کو گلے سے اس طرح باندھ لیتے کہ رانون تک لٹک آتی، اکثر انصار کھجور کی پھلی ہوئی شاخین توڑ کر لاتے اور چھت مین لگا دیتے، کھجورین جو ٹپک ٹپک کر گرتین، یہ اٹھا کر کھا لیتے، کبھی دو دو دن کھانے کو نہین ملتا تھا، اکثر ایسا ہوتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد مین تشریف لاتے اور نماز پڑھاتے، یہ لوگ آکر شریک نماز ہوتے لیکن بھوک اور ضعف سے عین نماز کی حالت مین گر پڑتے، باہر کے لوگ آتے اور ان کو دیکھتے تو سمجھتے کہ دیوانے ہین، [1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کہین سے صدقہ کا کھانا آتا تو مُسلّم ان کے پاس بھیج دیتے، اور جب دعوت کا کھانا آتا تو ان کو بلا لیتے اور ان کے ساتھ بیٹھکر کھاتے، اکثر ایسا ہوتا کہ راتون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو مہاجرین اور انصار پر تقسیم کر دیتے، یعنی اپنے مقدور کے موافق ہر شخص ایک ایک دو دو کو اپنے ساتھ لے جائے اور ان کو کھانا کھلائے،

حضرت سعد بن عبادہؓ نہایت فیاض اور دولت مند تھے، وہ کبھی کبھی اسّی اسّی مہمانون کو اپنے ساتھ لے کر جاتے، [2] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگون کا اس قدر خیال رکھتے تھے کہ جب ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت فاطمہ زہراؓ نے درخواست کی کہ میرے ہاتھون مین چکی پیستے پیستے نیل پڑ گئے ہین، مجھ کو ایک کنیز عنایت ہو تو فرمایا کہ "یہ نہین ہو سکتا کہ

[1] صحیح ترمذی باب معیشۃ اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم [2] زرقانی (ج ا ص ۵۳۰ مصر) ذکر اصحاب صفہ و مسجد نبوی،

میں تم کو دون اور صفہ والے بھوکے رہتے[1]، راتوں کو عموماً یہ لوگ عبادت کرتے، اور قرآن مجید پڑھا کرتے، ان کے لیے ایک معلم مقرر تھا، اُس کے پاس جاکر پڑھتے[2]، اسی بناپر ان میں سے اکثر قاری کہلاتے تھے، دعوتِ اسلام کے لیے کہیں بھیجنا ہوتا تو یہ لوگ بھیجے جاتے تھے، غزوہ معونہ[3] میں ان ہی میں سے ستر آدمی اسلام سکھانے کے لیے بھیجے گئے تھے،

ان کی تعداد گھٹتی اور بڑھتی رہتی تھی، کل مجموعی تعداد ۴۰۰ تک پہنچی تھی لیکن[4] کبھی ایک زمانہ میں اس قدر تعداد نہیں ہوئی، نہ صفہ میں اس قدر گنجایش تھی، ان لوگوں کا مفصل حال[5] ابن الاعرابی احمد بن محمد البصری المتوفی ۳۴۱ھ (جو ابن مندہ کے استاذ تھے) نے ایک الگ تصنیف میں لکھا ہے، سلمی نے بھی ان کے حالات میں ایک الگ کتاب لکھی ہے،[6]

مدینہ کے یہود اور ان سے معاہدہ

مورخین عرب کا بیان ہے کہ مدینہ کے یہود نسلاً یہودی تھے، اور اس تقریب سے عرب میں آئے تھے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو عمالقہ کے مقابلہ کے لیے بھیجا تھا لیکن تاریخی قرائن سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، یہود گو تمام دنیا میں پھیلے لیکن انھوں نے اپنا نام کہیں نہیں بدلے، آج بھی وہ جہاں ہیں، اسرائیلی نام رکھتے ہیں، بخلاف اس کے عرب کے یہودیوں کے نام نضیر، قینقاع، مرحب،

---

[1] زرقانی (ج اول ص ۳۴۰ مصر) ذکر اصحاب صفہ [2] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۳۷، [3] (حافظ سیوطی نے دو صفحہ کا ایک رسالہ اصحاب صفہ کے نام میں لکھا ہے، اس رسالہ میں سو آدمیوں کے نام بہ ترتیب ہجا مذکور ہیں) [4] اصحاب صفہ کا حال بخاری باب المغازی وغیرہ اور صحیح مسلم میں جستہ جستہ مذکور ہے، زرقانی نے اور کتابوں سے لیکر اضافہ کیا ہے، نے میں یہ واقعات بخاری ومسلم کے علاوہ زرقانی ہی کے حوالہ سے لکھے ہیں (نیز مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۱۳۷ میں بھی ہیں)

حارث وغیرہ ہوتے تھے، جو خالص عربی نام ہین، یہود عموماً بزدل اور دنی الطبع ہوتے ہین، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے لڑنے کے لیے کہا تو بولے،

فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ	تم اپنے خدا کے جاؤ، اور لڑو، ہم
اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ (مائدہ-۴)	یہان بیٹھے رہین گے،

بخلاف اس کے مدینہ کے یہود نہایت دلیر، شجاع اور بہادر تھے،

ان قرائن عقلی کے علاوہ ایک بڑے مورخ (یعقوبی) نے صاف تصریح کی ہے کہ قریظہ اور نضیر عرب تھے، جو یہودی بن گئے تھے،

ثم کانت وقعۃ بنی نضیر	پھر بنو نضیر کا معرکہ ہوا، یہ قبیلہ جذام کا
وھم فخذ من جذام الا انھم	ایک خاندان تھا لیکن یہودی ہوگیا تھا
تھودوا..... وکذالک قریظۃ[۲]	اور اسی طرح قریظہ بھی،

مورخ مسعودی نے بھی کتاب الاشراف والتنبیہ[۳] مین ایک اور روایت لکھی ہو کہ "یہ جذام کے قبیلہ سے تھے، کسی زمانہ مین عمالقہ سے اور ان کی بت پرستی سے بیزار ہوکر حضرت موسیٰ پر ایمان لائے اور شام سے نقل مکان کرکے حجاز چلے آئے"

یہ تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور قریظہ مدینہ کے اطراف مین آباد تھے، اور

[۱] مسٹر مرگولیس نے یہود کے متعلق تفصیل سے محققانہ بحث کی ہو، ان کا میلان رائے یہ ہے اور غالباً صحیح ہو کہ یہودیون کی اس بڑی آبادی مین ایک دو خاندان اصلی یہود بھی تھے، عرب جو یہودی ہوتے گئے، وہ بھی ان مین شامل ہوتے گئے، [۲] یعقوبی جلد ۲ ص ۴۹ [۳] مطبوعۂ یورپ ص ۲۴۷

اور مضبوط برج اور قلعے بنالیے تھے،

انصار کے جو دو قبیلے تھے یعنی اوس اور خزرج ان مین باہم جو اخیر معرکہ ہوا تھا، (جنگ بعاث) اس نے انصار کا زور بالکل توڑ دیا تھا، یہود اس مقصد کو ہمیشہ پیش نظر رکھتے تھے کہ انصار باہم کبھی متحد نہ ہونے پائین،

ان اسباب کی بنا پر جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو پہلا کام یہ تھا کہ مسلمانون اور یہودیون کے تعلقات واضح اور منضبط ہو جائین، آپ نے انصار اور یہود کو بلا کر حسب ذیل شرائط پر ایک معاہدہ لکھوایا، جس کو دونون فریق نے منظور کیا، یہ معاہدہ ابن ہشام مین پورا مذکور ہے، خلاصہ یہ ہے،

۱- خونبہا اور فدیہ کا جو طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا، اب بھی قائم رہے گا،

۲- یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائیگا،

۳- یہود اور مسلمان باہم دوستانہ برتاؤ رکھیں گے،

۴- یہود یا مسلمانون کو کسی سے لڑائی پیش آے گی تو ایک فریق دوسرے کی مدد کریگا،

۵- کوئی فریق قریش کو امان نہ دیگا،

۶- مدینہ پر کوئی حملہ ہوگا تو دونون فریق شریک یکدگر ہون گے،

۷- کسی دشمن سے اگر ایک فریق صلح کرے گا تو دوسرا بھی شریک صلح ہوگا، لیکن مذہبی لڑائی اس سے مستثنیٰ ہوگی،

واقعات متفرقہ | اس سال انصار مین سے دو نہایت معزز شخصون نے جو مقربین خاص

مین تھے۔ وفات پائی، حضرت کلثومؓ بن ہدم اور حضرت اسعد بنؓ زرارہ، کلثومؓ وہ شخص ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قبا مین تشریف لائے، تو ان ہی کے مکان مین ٹھہرے اکثر بڑے بڑے صحابہ بھی ان ہی کے گھر اترے تھے، حضرت اسعد بنؓ زرارہ اُن چھ شخصون مین ہین، جنھون نے سب سے پہلے مکہ مین جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور ابن سعد کی روایت کے موافق ان چھ شخصون مین جس نے سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا، یہی اسعدؓ تھے، یہ فخر بھی ان ہی کو حاصل ہے کہ سب سے پہلے ان ہی نے مدینہ مین آکر جمعہ کی نماز قائم کی۔

چونکہ یہ قبیلۂ بنی نجار کے نقیب تھے، اس لیے ان کی وفات کے بعد اس قبیلہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ اُن کے بجائے کوئی شخص اس منصب پر مقرر کیا جائے، چونکہ یہ احتمال تھا کہ کوئی شخص مقرر ہوگا تو اورون کو رشک ہوگا، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "مین خود تمھارا نقیب ہون"[1] چونکہ آپ کی ننہال اسی قبیلہ مین تھی، اس لیے اور قبائل کو رشک اور منافست کا موقع نہ تھا۔

حضرت اسعدؓ کی وفات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت صدمہ ہوا، منافقین اور یہود نے یہ طعنہ دینا شروع کیا کہ "محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر پیغمبر ہوتے، تو اُن کو یہ صدمہ کیون پہنچتا"، آپ نے سنا تو فرمایا،

لا املک لنفسی ولا لصاحبی — مین اپنے لیے اور اپنے ساتھیون کے لیے

---

[1] طبری ص ۱۲۶۱ و ۱۲۶۲۔

من اللہ شیئاً (طبری ص۱۲۶۱) خدا کے ہان کوئی اختیار نہین رکھتا،

یہ عجیب اتفاق ہے کہ عین اسی زمانہ مین دو بڑے رئیسانِ کفر نے بھی وفات پائی،
یعنی ولید بن المغیرہ جو حضرت خالدؓ کا باپ تھا، اور عاص بن وائل سہمی جس کے بیٹے حضرت
عمرو بن عاصؓ ہین جو فاتح مصر اور حضرت امیر معاویہؓ کے وزیر اعظم تھے،

اسی زمانہ مین حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ کی ولادت ہوئی، ان کے والد حضرت
زبیرؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پھوپھیرے بھائی تھے، اور ان کی والدہ (حضرت اسمارؓ)
حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی اور حضرت عائشہؓ کی بے مات بہن تھین، اب تک مہاجرین
مین سے کسی کے اولاد نہین ہوئی تھی، اس لیے یہ مشہور ہوگیا تھا کہ یہودیون نے جادو کردیا
ہے، حضرت عبد اللہ بن زبیرؓ پیدا ہوئے تو مہاجرین نے خوشی کا نعرہ مارا،

اب تک نمازون مین صرف دو رکعتین تھین، اب ظہر وعصر وعشا مین چار چار
ہوگئین، لیکن سفر کے لیے اب بھی وہی دو رکعتین قائم رہین۔

سنہ ۲ھ

تحویلِ قبلہ و آغازِ غزوات

(اس سال سے اسلام کی زندگی مین دو عظیم الشان واقعات پیدا ہوتے ہین، ایک یہ کہ اسلام اپنے لیے ایک خاص قبلہ قرار دیتا ہے، جو اب ۴۵ کرور قلوب کا مرکز ہے، دوسرا یہ کہ دشمنانِ اسلام اب مخالفت کے لیے تلوار اٹھاتے ہین، اور مسلمان اس کی مدافعت کے لیے تیار ہوتے ہین)

تحویلِ قبلہ، شعبان سنہ ۲ھ

ہر گروہ، ہر قوم اور ہر مذہب کے لیے ایک خاص امتیازی شعار ہوتا ہے، جس کے بغیر اس قوم کی مستقل ہستی قائم نہین ہو سکتی، اسلام نے یہ شعار قبلۂ نماز قرار دیا جو اصل مقصد کے علاوہ اور بہت سے حکم و اسرار کا جامع ہے، اسلام کا خاص نمایان وصف مساواتِ عام، جمہوریت اور توحید عمل ہے یعنی تمام مسلمان یکسان اور متحد الجہۃ نظر آئین، مذہبِ اسلام کا رکنِ اعظم نماز ہے، جس سے ہر روز پانچ وقت کام پڑتا ہے، نماز کی اصلی صورت یہ ہے کہ جمعیت اور افراد کثیر کے ساتھ ادا کی جائے، لیکن اس طرح کہ ہزارون لاکھون اشخاص کی منفرد ہستیان مٹ کر ایک ہستی بن جائے، اسی بنا پر نمازِ جماعت مین ایک امام ہوتا ہے کہ مقتدیون کی ایک ایک حرکت اس کے اشارون

وابستہ ہوتی ہی، اس لیے ضرور ہے کہ سب کا مرجع عمل بھی ایک نظر آئے، یہی اصول ہی جسکی بنا پر نماز کا ایک قبلہ قرار پایا، اور اس شعار کا دائرہ، سقدر وسیع کیا گیا کہ اس قبلہ کی طرف رُخ کرنا ہی کفر کے دائرہ سے نکل آنا ہے، اب صرف یہ بحث باقی تھی کہ قبلہ کس سمت قرار دیا جائے، یہودی اور عیسائی بیت المقدس کو قبلہ سمجھتے تھے، کیونکہ ان کی قومی و مذہبی ہستی بیت المقدس سے وابستہ تھی، لیکن ابراہیمؑ بت شکن کے جانشین کیلئے صرف کعبہ قبلہ ہو سکتا تھا، جو اُس موحد اعظم کی یادگار اور توحید خالص کا سب سے بڑا مظہر ہے،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جب تک مکہ مین تھے، دو ضرورتین ایک ساتھ درپیش تھین، ملتِ ابراہیمی کی تاسیس و تجدید کے لحاظ سے کعبہ کی طرف رخ کرنے کی ضرورت تھی، لیکن یہ مشکل تھی کہ قبلہ کی جو اصلی غرض ہے، یعنی امتیاز اور اختصاص، وہ نہین حاصل ہوتی تھی، کیونکہ مشرکین اور کفار بھی کعبہ ہی کو اپنا قبلہ سمجھتے تھے، اس بنا پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مقامِ ابراہیم کے سامنے نماز ادا کرتے تھے، جس کا رخ بیت المقدس کی طرف تھا، اس طرح دونون قبلے سامنے آجاتے تھے، مدینہ مین دو گروہ آباد تھے، مشرکین جن کا قبلہ کعبہ تھا، اور اہلِ کتاب جو بیت المقدس کی سمت نماز ادا کرتے تھے، شرک کے مقابلہ مین یہودیت اور نصرانیت دونون کو ترجیح تھی، اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مدت یعنی (۱۶) مہینے تک بیت المقدس کی طرف نماز ادا کی، لیکن جب مدینہ مین اسلام زیادہ پھیل گیا تو اب کوئی ضرورت نہ تھی کہ اصل قبلہ چھوڑ کر دوسری طرف رخ کیا جاتا، اس بنا پر یہ آیت اتری اور دفعۃً

قبلہ بدل گیا[1]

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ (بقرہ - ۱۸)	تو اپنا منہ مسجد الحرام کی طرف پھیر دو اور جہان کہین رہو اسی طرف منہ پھیر دو،

تحویل قبلہ نے یہودیون کو سخت برہم کر دیا، ان کو مشرکین کے مقابلہ مین مذہبی تفوق کا دعویٰ تھا اور اسلام سے پہلے مشرکین بھی ان کے مذہبی امتیاز کے معترف تھے، یہان تک کہ (جیسا ابوداؤد مین روایت ہی) جن لوگون کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی، وہ منتین مانتے تھے کہ بچہ زندہ رہے گا، تو ہم اس کو یہودی بنائینگے، اسلام نے ان کے اس مذہبی اعزاز کو صدمہ پہنچایا، تاہم چونکہ اب تک اسلام کا قبلہ بیت المقدس ہی تھا، اس لیے وہ فخر کرتے تھے کہ اسلام بھی ان ہی کے قبلہ کی طرف رخ کرتا ہے، جب اسلام نے قبلہ بھی بدل دیا تو اُن کی ناراضی اور برہمی کا پیالہ بالکل لبریز ہو گیا، انھون نے طعنہ دینا شروع کیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چونکہ ہر بات مین ہماری مخالفت کرنا چاہتے ہین، اس لیے قبلہ بھی مخالفت کے ارادہ سے بدل دیا ہی، دو دلے اور ضعیف الایمان مسلمانون کو یہ بات کھٹکتی تھی کہ قبلہ بدلنے کی چیز نہین، اور اس سے بے استقلالی اور تزلزلِ اعتقاد کا اظہار ہوتا ہے، اس بنا پر قبلہ کی اصلیت اور ضرورت اور تحویلِ قبلہ کے مصالح کے متعلق چند آیتین اتری جن سے یہ مشکلین حل ہوتی ہین،

[1] اس مضمون مین جس قدر واقعات ہین وہ صحیح بخاری (حدیث قبلہ نماز) اور فتح الباری شرح صحیح بخاری سے ماخوذ ہین،

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاۗءُ مِنَ النَّاسِ
مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا
عَلَيْهَا قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ
وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ
عَلَيْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ
الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى
عَقِبَيْهِ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً
اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ

(بقرہ - ۱۷)

سفہا یہ اعتراض کریں گے کہ مسلمانوں کا
جو قبلہ تھا، اس سے ان کو کس نے پھیر دیا،
کہدو کہ مشرق و مغرب سب خدا ہی کا
ہے، تیرا جو پہلے قبلہ تھا (کعبہ) اس کو
جو ہم نے پھر قبلہ کر دیا، تو اس کی وجہ یہ ہے
کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پیغمبر کا پیرو کون ہے،
اور پیچھے پھر جانے والا کون ہے، اور بے شبہہ
یہ قبلہ نہایت گران اور ناگوار ہے، بجز ان
لوگوں کے جن کو خدا نے ہدایت کی ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ
قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ
الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
وَالْمَلٰۗىِٕكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَ
اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى
وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ
وَالسَّاۗىِٕلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ

(بقرہ - ۲۲)

پورب پچھم رخ کرنا ہی کوئی ثواب کی بات نہیں،
ثواب تو یہ ہے کہ آدمی خدا پر، قیامت پر،
ملائکہ پر، خدا کی کتابوں پر، پیغمبروں پر
ایمان لائے، اور خدا کی محبت میں
عزیزوں کو، یتیموں کو، مسکینوں
کو، مسافروں کو، سائلوں کو، غلاموں
کو آزاد کرانے میں اپنی دولت
دیدے۔

ان آیتون مین خدا نے پہلے یہ بتایا کہ قبلہ خود کوئی مقصود بالذات چیز نہیں، خدا کی عبادت کے لیے پورب پچھم سب برابر ہین، خدا ہر جگہ ہے، ہر سمت ہے، ہر طرف ہے، پھر قبلہ کی تعین کی ضرورت بتائی کہ وہ اختصاصی شعار ہے، اور اصلی اور نمائشی مسلمانون کو الگ کر دیتا ہے، بہت سے یہودی تھے، جو منافقانہ اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، اور مسلمانون کے ساتھ نماز مین بھی شرکت کرتے تھے، یہ اسلام کے لیے مار آستین تھے، لیکن جب قبلہ بیت المقدس کے بجائے کعبہ سے بدل گیا تھا، تو نفاق کا راز بالکل فاش ہو گیا، کوئی یہودی کسی طرح یہ گوارا نہین کر سکتا تھا کہ جو چیز اس کی قومیت، مذہب بلکہ اس کی ہستی کی بنیاد ہے، (یعنی بیت المقدس) اسی سے اس کا رشتہ ٹوٹ جائے، پھر دوبارہ خدا نے اس نکتہ کو زیادہ واضح کر دیا کہ کسی خاص قبلہ کی طرف رخ کرنا اصلی ثواب نہین، بلکہ ثواب درحقیقت ایمان اور اعمالِ صالحہ کا نام ہے،

سلسلۂ غزوات[۱]

کیا عجیب بات ہے، ارباب سیر، مغازی کی داستان جس قدر زیادہ دراز نفسی اور بلند آہنگی سے بیان کرتے ہین، یورپ اسی قدر اس کو زیادہ شوق سے جی لگا کر سنتا ہے، اور چاہتا ہے کہ یہ داستان اور پھیلتی جائے، کیونکہ اس کو اسلام کے جور و ستم کا جو مرقع آراستہ کرنا ہی، اس کے نقش و نگار کے لیے لہو کے چند قطرے نہین، بلکہ چشمہ ہاے خون درکار ہین،

یورپ کے تمام مورخون نے سیرتِ نبوی کو اس انداز مین لکھا ہے کہ وہ لڑائیون کا ایک مسلسل سلسلہ ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ لوگ زبردستی مسلمان بنائے جائین،

لیکن یہ خیال چونکہ واقع مین غلط اور سرتاپا غلط ہے، اس لیے مغازی کی ابتدا سے پہلے ضرور ہے کہ اس بحث کا فیصلہ کیا جائے،

عام خیال یہ ہے کہ اسلام جب تک مکہ مین تھا مصائب گوناگون کا آماجگاہ تھا، مدینہ مین آکر اس کی کلفتین دور ہوئین، مگر یہ خیال صحیح نہین مکہ مین جو مصیبت تھی گو سخت تھی

---

[۱] غزوات کا سلسلہ جن اسباب سے پیدا ہوا اور جس قسم کے واقعات غزوات مین پیش آئے ان کے لیے ہم نے ایک مستقل عنوان قائم کیا ہے، کیونکہ ضمنی طریقے سے وہ ادا نہین ہو سکتے تھے، لیکن یہ عنوان اچھی طرح سے اسی وقت ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ تمام غزوات سرسری نظر سے گذر جائین، اس لیے ہم نے اس کو تمام غزوات کے بعد لکھا ہے، ناظرین ابھی سے اس کا خیال رکھین،

لیکن تنہا اور منفرد تھی، مدینہ میں آکر وہ متعدد اور گوناگون بن گئی، مکہ کل ایک قوم تھا، مدینہ مین انصار کے ساتھ یہود بھی تھے، جو عادات خصائل، مذہب اور دیانت مین انصار سے بالکل مختلف اور اُن کے حریفِ مقابل تھے، اس پر ایک تیسری قسم (منافقین) کا اضافہ ہوا، جو مارِ آستین ہونے کی وجہ سے دونون سے زیادہ خطرناک تھے، مکہ اگر قابو مین آجاتا تو حرم کی وسعتِ اثر کی وجہ سے تمام عرب کی گردنین خم ہو جاتین لیکن مدینہ کا اثر چار دیواری تک محدود تھا، مدینہ اب تک بیرونی خطرات سے بالکل مطمئن تھا، لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی قیامگاہ ہونے نے اس کو قریش کے غیظ و غضب کا تاراج گاہ بنا دیا،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مکہ سے چلے آئے تو چند ہی روز کے بعد قریش نے عبد اللہ ابن اُبی کو جو واقعۂ ہجرت کے قبل رئیس الانصار تھا، اور انصار نے اس کی تاجپوشی کی، شاہانہ رسم ادا کرنے کے لیے تیاری کر لی تھی[1] خط لکھا، جس کے الفاظ یہ تھے،

انکم آویتم صاحبنا وانا نقسم	تم نے ہمارے آدمی کو اپنے ہان پناہ دی ہے،
باللہ لتقاتلنہ او تخرجنہ	ہم خدا کی قسم کھاتے ہین کہ یا تو تم لوگ
او لنسیرن الیکم باجمعنا	ان کو قتل کر ڈالو، یا مدینہ سے نکال دو،
حتی نقتل مقاتلتکم و نستبیح	ورنہ ہم سب لوگ تم پر حملہ کرین گے اور تم کو
نسائکم (سنن ابو داؤد ص جلد ۲ باب خبر النضیر)	فنا کر کے تمھاری عورتون پر تصرف کرین گے،

جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ عبد اللہ کے پاس تشریف لے گئے،

[1] بخاری باب (التسلیم فی مجلسٍ فیہ اخلاط من المسلمین و المشرکین) "ص"

اس کو سمجھایا کہ "کیا تم خود اپنے بیٹون اور بھائیون سے لڑو گے" چونکہ انصار اکثر مسلمان ہو چکے تھے، اس لیے عبد اللہ اس نکتہ کو سمجھا اور قریش کے حکم کی تعمیل نہ کر سکا، بدر کے بعد پھر قریش نے اسی مضمون کا خط لکھا، چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی،

(تاہم قریش کی شہ سے منافقین و یہود مدینہ کا سر پھر چکا تھا، اسی زمانہ مین یعنی بدر سے پہلے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بنو الحارث بن خزرج کے محلہ مین سوار ہو کر تشریف لے گئے، ایک جگہ مشرکین و منافقین مدینہ، یہود اور بعض مسلمان بیٹھے تھے، گدھے کے چلنے سے گرد اڑی، تو عبد اللہ بن ابی نے منہ پر کپڑا ڈال دیا، اور حقارت سے بولا، "گرد نہ اڑاؤ" آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجمع کو سلام کیا، اور کچھ قرآن کی آیتین سنائین، عبد اللہ نے کہا، "اے شخص مجھ کو یہ پسند نہین، اگر تمھاری بات سچ بھی ہو تو ہماری مجلس مین آکر ہم کو نہ ستایا کرو، جو تمھارے پاس جائے اس سے بیان کیا کرو" مسلمان اس تحقیر سے برافروختہ ہو گئے، اور قریب تھا کہ کشت و خون ہو جائے، آخر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دونون کو ٹھنڈا کیا)[1]

اسی زمانہ کے قریب حضرت سعد بن معاذ جو قبیلہ اوس کے رئیس الاعظم تھے، عمرہ کرنے کے لیے مکہ معظمہ گئے، امیہ بن خلف سے اور اُن سے مدت کا یارانہ تھا، اور یہ تعلق اسلام کے بعد بھی قائم رہا، اس تعلق سے حضرت سعد اب بھی امیہ ہی کے مہمان ہوئے، ایک دن وہ امیہ کو لے کر کعبہ کے طواف کو نکلے، اتفاق سے ابو جہل سامنے سے آگیا، امیہ سے اس نے پوچھا کہ یہ تمھارے ساتھ کون ہے؟ امیہ نے کہا "سعد ہین"، ابو جہل نے کہا تم لوگون نے

[1] صحیح مسلم صفحہ ۹۳ جلد ۲ و بخاری باب مذکور،

صابیون دکفار، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اہل اسلام کو صابی یعنی مرتد کہتے تھے) کو پناہ دی ہے، مین کبھی یہ نہیں دیکھ سکتا کہ تم کعبہ مین آسکو، خدا کی قسم اگر تم اُمیہ کے ساتھ نہ ہوتے، تو بچ کر واپس نہیں جا سکتے تھے" حضرت سعدؓ نے کہا "اگر تم نے ہم کو حج سے روکا تو ہم تمہارا مدینہ کا راستہ روک دینگے۔" (یعنی شام کی تجارت کا راستہ)

حرم کی تولیت اور مجاورت کی وجہ سے تمام عرب قریش کا احترام کرتا تھا، اور مکہ سے مدینہ تک جو قبائل پھیلے ہوئے تھے، سب قریش کے زیر اثر تھے، اس بناپر قریش نے تمام قبائل کو اسلام کا مخالف بنا دیا، ہجرت کے چھٹے سال تک یمن وغیرہ کے لوگ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس نہین پہنچ سکتے تھے، چنانچہ ۵ھ مین جب بحرین سے عبد القیس کی سفارت آئی تو لوگون نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ مضر کے قبائل ہم کو آپ تک پہنچنے نہین دیتے، اس لیے ہم ایام حج مین جب کہ لڑائی عموماً موقوف ہوجاتی ہے، آپ کی خدمت مین آسکتے ہین۔

قریش نے ان ہی باتون پر اکتفا نہین کیا، بلکہ جیسا کہ انھون نے عبد اللہ بن ابی کو لکھا تھا، اس کی تیاریان کر رہے تھے کہ مدینہ پر حملہ کر کے اسلام کا استیصال کر دین، مدت تک یہ حال رہا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) راتون کو جاگ جاگ کر بسر کرتے تھے، صحیح نسائی مین ہے۔

---

[1] یہ پورا واقعہ مزید تفصیل کیساتھ صحیح بخاری باب المغازی کی ابتدا مین مذکور ہے [2] ابن ہشام واقعات وفود بنی ہجود (؟) بلدہ ان قریشا کانوا امام الناس ....وقادۃ العرب لاینکرون ذلک وکانت قریش ھی التی نصبت الحرب لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [3] وفد بنی عبد القیس کے ذکر میں صحیح بخاری اور دیگر تمام کتابون میں یہ واقعہ مذکور ہے۔

كان رسول الله صلى الله عليه وسلم اول ما قدم المدينة يسهر من الليل

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اول جب مدینہ مین آئے تو راتون کو جاگا کرتے تھے۔

صحیح بخاری باب الجہاد مین ہے کہ ایک دفعہ آپ نے فرمایا کہ "آج کوئی اچھا آدمی پہرہ دیتا"، چنانچہ حضرت سعدؓ وقاص نے ہتھیار لگا کر رات بھر پہرہ دیا، تب آپ نے آرام فرمایا، اس سے بڑھ کر حاکم کی روایت ہے، جس کے الفاظ یہ ہین،

عن ابی بن كعب قال لما قدم رسول الله صلى الله عليه وسلم واصحابه المدينة واوتهم الانصار رمتهم العرب عن قوس واحدة وكانوا لا يبيتون الا بالسلاح ولا يصبحون الا فيه[1]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ جب مدینہ آئے، اور انصارؓ نے ان کو پناہ دی تو تمام عرب ایک ساتھ ان سے لڑنے کو آمادہ ہو گئے، صحابہ رضی اللہ عنہم صبح تک ہتھیار باندھکر سوتے تھے۔

مورخین مغازی کی ابتدا ان ہی واقعات سے کرتے ہین کہ اسی سال خدا نے جہاد کی اجازت دی، لیکن ایک دقیقہ بین انہی کی تصریحات سے پتہ لگا سکتا ہے کہ اصل واقعہ کیا تھا، مواہب لدنیہ اور زرقانی مین لکھا ہے کہ خدا نے ۱۲ صفر ۲ھ مین جہاد کی اجازت دی، اس کی سند مین امام زہری کا قول نقل کیا ہے،

[1] لباب فی اسباب النزول للسیوطی سورۂ نور آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ الخ مسند دارمی مین بھی یہ روایت مذکور ہے،

اول آیۃ نزلت فی الاذن	پہلی آیت جو قتال کی اجازت مین نازل ہوئی
بالقتال اذن للذین یقاتلون	وہ یہ ہی اُذِنَ لِلَّذِیۡنَ الخ یعنی جن سے لڑائی
بانھم ظلموا و ان اللہ علیٰ	کیجاتی ہی (مسلمان)، ان کو بھی اب لڑنے کی
نصرھم لقدیر	اجازت دیجاتی ہی کیونکہ ان پر ظلم کیا جارہا ہی
(زرقانی بحوالہ صحیح نسائی جلد ۱ ص ۴۴۴)	اور خدا ان کی مدد پر یقیناً قادر ہے،

تفسیر ابن جریر مین ہے کہ قتال کے متعلق سب سے پہلے جو آیت نازل ہوئی وہ یہ ہی

وَقَاتِلُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ الَّذِیۡنَ	اور خدا کی راہ مین ان لوگون سی لڑو
یُقَاتِلُوۡنَکُمۡ (بقرہ - ۲۴)	جو تم سے لڑتے ہین،

لیکن غور سے دیکھو دونون آیتون مین ان ہی لوگون سی لڑنے کی اجازت ہی جو پہلے مسلمانون سے لڑنے آتے ہین، اور اس سی ظاہر ہوتا ہی کہ مسلمان درحقیقت لڑنے پر مجبور کیے جاتے تھے، بہرحال واقعہ یہ ہے کہ مدینہ مین آکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا سب سے پہلا کام حفاظت خوداختیاری کی تدبیر تھی، نہ صرف اپنی اور مہاجرین کی، بلکہ انصار کی بھی، کیونکہ اس جرم مین کہ انصار نے مسلمانون کو پناہ دی ہے، قریش نے مدینہ کی بربادی کا فیصلہ کرلیا، اور اپنے تمام قبائل متحدہ مین یہ آگ بھڑکا دی تھی، اس بنا پر آپ نے دو تدبیرین اختیار کین، اول یہ کہ قریش کی شامی تجارت جو ان کا مایۂ غرور تھی بند کردیجائے، تاکہ وہ صلح پر مجبور ہوجائین، اور یاد ہوگا کہ حضرت سعد بن معاذؓ نے مکہ مین ابوجہل کو اسی کی دھمکی دی تھی، دوسرے یہ کہ مدینہ کے قرب وجوار کے جو قبائل ہین، ان سے امن وامان کا معاہدہ ہوجائے،

بدر کے پہلے جو مہمیں بھیجی گئیں

(غرض ان حالات کی بناپر غزوۂ بدر سے پہلے سو سو پچاس پچاس کی ٹکڑیاں مکہ کی طرف روانہ کی جانے لگیں، ابواء کی مہم سے پہلے بذات خاص آپؐ نے کسی مہم میں شرکت نہیں کی، اس ابواء کی مہم سے پہلے جو صفر ۲؁ھ میں واقع ہوئی، اور جس میں آپؐ نے خود شرکت فرمائی تھی، آرباب سیر نے تین مہم کا ذکر کیا ہے، جن کو ان کی زبان میں "سریہ" کہتے ہیں، سریۂ حمزہؓ، سریۂ عبیدہ بن حارثؓ، سریۂ سعد بن ابی وقاصؓ، لیکن ان میں سے کسی مہم میں کوئی کشت و خون نہیں ہوا، یا بیچ بچاؤ ہوگیا یا بچ کر نکل گئے، ارباب سیر نے سرایا کا مقصد یہ بتایا ہے کہ یہ قریش کے تجارتی قافلہ کو چھیڑنے کے لیے بھیجے جاتے تھے، یعنی حضرت سعدؓ کی تصریح کے مطابق ان کی شامی تجارت کو بند کرنا مقصود تھا، مخالفین کہتے ہیں کہ صحابہ کو غارتگری کی تعلیم دی جاتی تھی لیکن یہ الزام کس قدر جہالت پر مبنی ہے کہ اول تو اسلام کی شریعت میں یہ سخت گناہ ہے، ثانیاً واقعہ کیا بتاتا ہے؟ کیا ان میں سے کسی مہم میں بھی یہ مذکور ہے کہ صحابہؓ نے قافلہ کا مال لوٹ لیا؟ ثالثاً اگر ان سرایا کا مقصد لوٹنا اور ڈاکہ ڈالنا ہی ہوتا تھا تو قریش کے قافلۂ تجارت کے سوا یہ مقصد کہیں اور نہیں حاصل ہو سکتا تھا؟)

جہینہ

اطراف کے جن قبائل کے پاس معاہدہ کے لیے مہم بھیجی گئی، ان میں سب سے پہلے جہینہ کا قبیلہ ہے، جہینہ کا قبیلہ مدینہ سے تین منزل پر آباد تھا، اور ان کا کوہستان دور تک پھیلا ہوا تھا، ان سے معاہدہ ہوا کہ وہ فریقین سے یکساںؐ تعلقات رکھیں گے، یعنی دونوں

[1] اس واقعہ کا ذکر مورخین نے مستقل طور پر نہیں کیا، بلکہ جہاں سب سے پہلے سریۂ ضمرہ کا ذکر کیا ہے وہاں مجدی جہنی رئیس قبیلہ کی نسبت لکھا ہے، کان موادعا للفریقین یعنی اس نے دونوں فریق سے صلح کر رکھی تھی،

سے الگ رہیں گے،

صفر ۲ھ میں آپ ساٹھ مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے، اور ابوا تک گئے (جس کے قریب ہی غزوۂ ابوا یا غزوۂ وَدّان واقع ہوا) اور جہان آپ کی والدہ ماجدہ کا مزار ہے، ابوا کا صدر مقام فرع ہے، جو ایک وسیع قصبہ ہے، اور جہان قبیلہ مزینہ آباد ہے، اور جو مدینہ سے تقریباً ۵ منزل (۸۰ میل) ہے، یہ مدینہ کی اخیر سرحد ہے، ان اطراف مین قبیلۂ بنو ضمرہ آباد تھا، اور یہ نواح اُن کی حدودِ حکومت مین داخل تھے، یہان آپ نے چند روز قیام کرکے بنو ضمرہ سے معاہدہ کیا، جن کا سردار مَخْشِیْ بن عمرو ضمری تھا، معاہدہ کے یہ الفاظ تھے،

هذا كتاب من محمد رسول الله	یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تحریر
لبنی ضمرة فانهم آمنون على	ہے، بنو ضمرہ کے لیے، ان لوگون کا جان
اموالهم وانفسهم وانّ لهم	اور مال محفوظ رہے گا، اور جو شخص
النصر على من رامهم الّا ان	ان پر حملہ کرے گا، اس کے مقابلہ
يحاربوا فى دين الله ما بلّ بحر	مین ان کی مدد کی جائے گی، بجز اس
صوفة وان النبى اذا دعاهم	صورت کے کہ یہ لوگ مذہب کے مقابلہ مین
لنصره اجابوه (الخ زرقانی روض الانف	لڑین اور پیغمبرؐ جب ان کو مدد کے لیے
(ج ۲ ص ۵۸) و زرقانی ج ۱ ص ۴۵۹	بلائین گے تو یہ مدد کو آئین گے۔

تمام محدثین مغازی کی ابتدا، اسی واقعہ سے کرتے ہین، صحیح بخاری مین بھی اسی کو اول الغزوات قرار دیا ہے،

قریباً ایک مہینہ کے بعد کرز بن جابر فہری نے جو مکہ کے رؤسا[1] مین تھا، مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مویشی لوٹ لیے، اس کا تعاقب کیا گیا لیکن وہ بچ کر نکل گیا تھا (کرز بعد کو مسلمان ہوئے اور فتح مکہ مین تنہا راہ چلتے شہید ہوئے)

جمادی الثانی یعنی اس واقعہ کے تیسرے مہینے آپ دو سو مہاجرین کے ساتھ مدینہ سے نکلے اور مقام ذو العشیرہ پہنچ کر بنو مدلج سے معاہدہ کیا، یہ مقام مدینہ سے ۹ منزل ینبوع کے نواحی مین ہے،

بنو مدلج، بنو ضمرہ کے حلیف تھے، اور چونکہ بنو ضمرہ پہلے اسلام کے معاہدہ مین داخل ہو چکے تھے، اس لیے انھون نے آسانی سے یہ شرطین منظور کر لین[2]،

چند روز کے بعد یعنی رجب سنہ ۲ھ مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ ابن جحش کو بارہ آدمیون کے ساتھ بطن نخلہ کی طرف بھیجا، یہ مقام مکہ اور طائف کے بیچ مین مکہ سے ایک شبانہ روز کی مسافت پر ہے، آپ نے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو ایک خط دیکر فرمایا تھا،

---

[1] اصابہ ذکر کرز فہری [2] مین تسلیم کرتا ہون کہ مورخین نے دونون پہلے واقعون کی نسبت لکھا ہے کہ "ان کا مقصد قریش کے کاروان کا لوٹنا تھا لیکن اتفاق سے کاروان ہاتھ نہ آیا، اور بچ کر نکل گیا"، لیکن مین واقعات کا پابند ہون، رائے اور قیاس سے غرض نہین، اس قدر واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان مقامات تک گئے اور وہان کے قبائل سے معاہدہ کیا، اس سے آگے مورخین کا قیاس ہے کہ قریش کے کاروان پر حملہ کرنا مقصود تھا، گو یہ مقصود نہ حاصل ہو سکا، اگر خدانخواستہ کاروان کا لوٹنا ہی مقصود ہوتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عیاذاً باللہ اس قدر بے تدبیر فرض کرنا پڑے گا کہ ہر مرتبہ ناکامیابی ہوتی تھی، اور قافلہ بچ کر نکل جاتا تھا، یہان تک کہ بار بار کے تجربہ کے بعد بھی بیدار نہ ہوئے؟ ... اس قسم کی ناکامیابی ہوئی، اور قافلہ صحیح و سلامت نکل گیا،

کر دو دن کے بعد اس کو کھولنا حضرت عبد اللہؓ نے خط کھولا تو لکھا تھا کہ "مقام نخلہ میں قیام کرو اور قریش کے حالات کا پتہ لگاؤ، اور اطلاع دو" اتفاق یہ کہ قریش کے چند آدمی جو شام سے تجارت کا مال لیے آتے تھے، سامنے سے نکلے، حضرت عبد اللہؓ نے ان پر حملہ کیا، ان میں سے ایک شخص عمرو بن الحضرمی مارا گیا، دو گرفتار ہوئے اور مال غنیمت ہاتھ آیا، حضرت عبد اللہؓ نے مدینہ میں آکر یہ واقعہ بیان کیا، اور غنیمت کی چیزیں پیش کیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "میں نے تم کو یہ اجازت نہیں دی تھی" غنیمت کے قبول کرنے سے بھی آپ نے انکار فرمایا صحابہؓ نے حضرت عبد اللہؓ سے نہایت برہم ہو کر کہا،

صنعتم مالم تومروا به وقاتلتم	تم نے وہ کام کیا (قافلہ لوٹنا) جس کا تم کو
فی الشهر الحرام ولم تومروا	حکم نہیں دیا گیا تھا، اور ماہ حرام میں لڑے
بقتال (طبری ص ۱۲۷۵)	حالانکہ اس مہینہ میں تم کو لڑنے کا حکم نہ تھا،

جو لوگ گرفتار اور قتل ہوئے وہ بڑے معزز خاندان کے لوگ تھے، عمرو بن الحضرمی جو مقتول ہوا، عبد اللہ حضرمی کا بیٹا تھا، جو حرب بن امیہ (امیر معاویہ کے دادا) کا حلیف تھا[1] حرب قریش کا رئیس اعظم تھا، اور عبد المطلب کے بعد ریاست عام اُسی کو حاصل ہوئی تھی، جو لوگ گرفتار ہوئے، یعنی عثمان و نوفل دونوں مغیرہ کے پوتے تھے[2]، مغیرہ ولید کا باپ حضرت خالدؓ کا دادا، اور حرب کے بعد دوسرے درجہ کا رئیس تھا، اس بنا پر اس واقعہ نے تمام قریش کو مشتعل کر دیا، اور ثار یعنی انتقام خون کی بنیاد قائم ہو گئی، معرکۂ بدر کا سلسلہ اسی واقعہ

[1] اصابہ ترجمہ علاء حضرمی [2] طبری ۱۲۷۴

سے وابستہ ہے، حضرت عروہؓ بن زبیر حضرت عائشہؓ کے بھانجے تھے، انھوں نے تصریح کی ہے کہ غزوۂ بدر اور تمام لڑائیاں جو قریش سے پیش آئیں سب کا سبب یہی حضرمی کا قتل ہے، علامہ طبری[1] لکھتے ہیں:-

وکان الذی ہاج وقعۃ بدرٍ	اور جس نے بدر کے واقعہ کو ابھارا اور
سائر الحروب التی کانت بین	وہ تمام لڑائیاں چھیڑ دیں، جو آنحضرت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین مشرکی	صلے اللہ علیہ وسلم اور مشرکین
قریش فیما قال عروۃ بن الزبیر	قریش میں پیش آئیں، سب کا سبب
ما کان من قتل واقد بن عبد اللہ	یہی تھا کہ واقد سہمی نے حضرمی کو
السھمی عمرو بن الحضرمی	قتل کر دیا تھا،

چونکہ غزوۂ بدر تمام غزوات کی اصلی بنیاد ہے، اس لیے ہم پہلے اس واقعہ کو سادہ صورت میں لکھ کر پھر تفصیل سے اس کے متعلق گفتگو کریں گے۔

---

(۱) ص ۱۲۸۴) س

غزوۂ بدر

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ. فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ

رمضان سنہ ۲ھ | بدر ایک گاؤن کا نام ہے، جہان سال کے سال میلہ لگتا ہی، یہ مقام اس نقطہ کے قریب ہے جہان شام سے مدینہ جانے کا راستہ دشوار گذار گھاٹیون مین سے ہوکر گذرتا ہے، مدینہ منورہ سے قریبًا ۸۰ میل کے فاصلہ پر ہے،

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین قریش نے ہجرت کے ساتھ ہی مدینہ پر حملہ کی تیاریان شروع کر دی تھین، عبد اللہ بن اُبی کو انھون نے خط لکھ بھیجا کہ یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر دو، یا ہم آکر اُن کے ساتھ تمھارا بھی فیصلہ کر دیتے ہیں، قریش کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان مدینہ کی طرف گشت لگاتی رہتی تھین، کرز فہری مدینہ کی چراگاہون تک آکر غارت گری کر گیا تھا،

حملہ کے لیے سب سے بڑی ضروری چیز مصارفِ جنگ کا بندوبست تھا، اس لیے اب کے موسم مین قریش کا جو کاروانِ تجارت شام کو روانہ ہوا، اس سر و سامان سے روانہ ہوا کہ مکہ کی تمام آبادی نے جس کے پاس جو رقم تھی، کل کی کل دے دی،[1]

---

[1] ابن سعد ص، مین ابوسفیان (سردار قافلہ) کا قول لکھا ہے واللہ ما بمکۃ من قرشی ولا قرشیۃ

نہ صرف مرد بلکہ عورتیں جو کاروبار تجارت مین بہت کم حصہ لیتی ہین، اُن کا بھی ایک ایک فرد اس مین شریک تھا، قافلہ ابھی شام سے روانہ نہین ہوا تھا کہ حضرمی کے قتل کا اتفاقیہ واقعہ پیش آگیا جس نے قریش کی آتشِ غضب کو اور بھڑکا دیا۔

اسی اثنا مین یہ غلط خبر مکہ معظمہ مین پھیل گئی کہ مسلمان قافلہ کے لوٹنے کو آرہے ہین، قریش کے غیظ و غضب کا بادل بڑے زور شور سے اٹھا اور تمام عرب پر چھا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے صحابہؓ کو جمع کیا، اور واقعہ کا اظہار فرمایا، حضرت ابوبکرؓ وغیرہ نے جان نثارانہ تقریرین کین، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی طرف دیکھتے تھے، کیونکہ انصار نے بیعت کے وقت صرف یہ اقرار کیا تھا کہ وہ اس وقت تلوار اٹھائین گے، جب دشمن مدینہ پر چڑھ آئین، حضرت سعدؓ بن عبادہ (سردار خزرج) نے اٹھ کر کہا "کیا حضورؐ کا اشارہ ہماری طرف ہے، خدا کی قسم آپ فرمائین تو ہم سمندر مین کود پڑین"۔

یہ صحیح مسلم کی روایت ہے، بخاری مین ہے کہ حضرت مقدادؓ نے کہا کہ "ہم موسیٰؑ کی قوم کی طرح یہ نہ کہین گے کہ آپ اور آپ کا خدا جاکر لڑین، ہم لوگ آپ کے داہنے سے، بائین سے، سامنے سے، پیچھے سے لڑین گے"۔ اُن کی اس تقریر سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمک اٹھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۱۵) لہٗ نش وصاعداً الی بعث بہ معنا ہمارے مورخین کو اسباب و نتائج کی جستجو نہین ہوتی، اس لیے انھون نے اس واقعہ کو محض ایک واقعہ کی حیثیت سے لکھ دیا، لیکن ان کو احساس نہین کہ مکہ کو تمام سرمایہ کے اگل دینے کی ضرورت کیا تھی۔

غرض ۱۲ رمضان ۲ھ کو آپ تقریباً تین سو جان نثارون کے ساتھ شہر سے نکلے، ایک میل چل کر فوج کا جائزہ لیا، جو کم عمر تھے واپس کردیے گئے[1] کہ ایسے پرخطر موقع پر بچون کا کام نہین، عمیرؓ بن ابی وقاص ایک کمسن بچہ تھے، جب ان سے واپسی کو کہا گیا تو رو پڑے، آخر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی، عمیرؓ کے بھائی حضرت سعدؓ بن ابی وقاص نے کمسن سپاہی کے گلے مین تلوار حمائل کی[2]، اب فوج کی کل تعداد ۳۱۳ تھی جس مین ساٹھ مہاجر اور باقی انصار تھے، چونکہ غیبت کی حالت مین منافقین اور یہود کی طرف سے اطمینان نہ تھا، اس لیے ابولبابہ بن عبد المنذر کو مدینہ کا حاکم مقرر فرمایا، اور حکم دیا کہ مدینہ کو واپس جائین، عالیہ (مدینہ کی بالائی آبادی) پر عاصم بن عدی کو مقرر فرمایا، ان انتظامات کے بعد آپ بدر کی طرف بڑھے، جدھر سے اہل مکہ کی آمد کی خبر تھی، دو خبر رسان بسبسہ اور عدی آگے روانہ کردیے گئے تھے کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائین، روحا، منصرفن ذات، اجذال، معلاۃ، اثیل سے گذرتے ہوئے ۱۷ رمضان کو بدر کے قریب پہنچے، خبر رسانون نے خبر دی کہ قریش وادی کے دوسرے سرے تک آگئے ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہیں رک گئے، اور فوجیں اتر پڑیں،

مکہ معظمہ سے قریش بڑے سروسامان سے نکلے تھے، ہزار آدمی کی جمعیت تھی، سو سوارون کا رسالہ تھا، رؤسائے قریش سب شریک تھے، ابولہب مجبوری کی وجہ سے نہ آسکا تھا، اس لیے اپنی طرف سے اس نے قائم مقام بھیج دیا تھا، رسد کا یہ انتظام تھا کہ امرائے قریش یعنی عباس (ابن مطلب)، عتبہ بن ربیعہ، حارث بن عامر، نضر بن الحارث، ابوجہل

[1] ابن سعد ص ۔ [2] منتخب کنز العمال بروایت ابن عساکر، بدر

امیہ وغیرہ وغیرہ باری باری ہر روز دس دس اونٹ ذبح کرتے، اور لوگون کو کھلاتے تھے، عتبہ بن ربیعہ جو قریش کا سب سے معزز رئیس تھا، فوج کا سپہ سالار تھا،

قریش کو بدر کے قریب پہنچکر جب معلوم ہوا کہ ابوسفیان کا قافلہ خطرہ کی زد سے نکل گیا ہے، تو قبیلۂ زہرہ، اور عدی کے سردارون نے کہا، "اب لڑنا ضرور نہیں"، لیکن ابوجہل نے نہ مانا، زہرہ اور عدی کے لوگ واپس چلے گئے، باقی فوج آگے بڑھی،

قریش چونکہ پہلے پہنچ گئے تھے، انھون نے مناسب موقعون پر قبضہ کر لیا تھا، بخلاف اسکے مسلمانون کی طرف چشمہ یا کنوان تک نہ تھا، زمین ایسی ریتلی تھی کہ اونٹون کے پانون ریتی مین دھنس دھنس جاتے تھے، حضرت حبابؓ بن منذر نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ جو مقام انتخاب کیا گیا ہے، وحی کی رو سے ہے یا فوجی تدبیر ہے؟ ارشاد ہوا کہ "وحی نہین ہے"۔ حضرت حبابؓ نے کہا، تو بہتر ہوگا کہ آگے بڑھ کر چشمہ پر قبضہ کر لیا جائے اور آس پاس کے کنوئین بیکار کر دیے جاءین"۔ آپ نے یہ راے پسند فرمائی، اور اسی پر عمل کیا گیا، تائید ایزدی اور حسن اتفاق سے مینہ برس گیا، جس سے گرد جم گئی، اور جابجا پانی کو روک کر چھوٹے چھوٹے حوض بنا لیے گئے کہ وضو، اور غسل کے کام آئین، اس قدرتی احسان کا خدا نے قرآن مجید مین بھی ذکر کیا ہے،

وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ	اور جب کہ خدا نے آسمان سے پانی
مَآءً لِّيُطَهِّرَكُمْ بِهٖ (انفال-۲)	برسایا کہ تم کو پاک کرے،

ل معارف ابن قتیبہ (باب اسماء المطعمین من قریش فی غزاۃ بدر، وسیرۃ ابن اسحاق بروایت ابن ہشام غزوۂ بدر، ۲ ابن ہشام

پانی پر اگرچہ قبضہ کر لیا گیا لیکن ساقی کوثر (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فیض عام تھا، اس لیے دشمنوں کو بھی پانی لینے کی عام اجازت تھی۔[1] یہ رات کا وقت تھا، تمام صحابہ نے کمر کھول کھول کر رات بھر آرام کیا، لیکن صرف ایک ذات تھی (ذات نبوی) جو صبح تک بیدار اور مصروف دعا رہی صبح ہوئی تو لوگوں کو نماز کے لیے آواز دی، بعد نماز جہاد پر وعظ فرمایا۔[2]

قریش جنگ کے لیے بیتاب تھے، تاہم کچھ نیک دل بھی تھے، جن کے دل خونریزی سے لرزتے تھے، ان میں حکیم بن حزام (جو آگے چل کر اسلام لائے) نے سردار فوج عتبہ سے جاکر کہا "آپ چاہیں تو آج کا دن آپ کی نیک نامی کی ابدی یادگار رہ جائے"۔ عتبہ نے کہا کیونکر؟ حکیم نے کہا قریش کا جو کچھ مطالبہ ہے وہ صرف حضرمی کا خون ہے، وہ آپ کا حلیف تھا، آپ اس کا خون بہا ادا کر دیجئے"۔ عتبہ نیک نفس آدمی تھا، اس نے نہایت خوشی سے منظور کیا، لیکن چونکہ ابوجہل کا اتفاق رائے ضرور تھا، حکیم عتبہ کا پیغام لیکر گئے، ابوجہل ترکش سے تیر نکال کر پھیلا رہا تھا، عتبہ کا پیغام سنکر بولا، ہاں عتبہ کی ہمت نے جواب دیدیا، عتبہ کے فرزند حضرت ابوحذیفہؓ اسلام لا چکے تھے، اور اس معرکہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ آئے تھے، اس بنا پر ابوجہل نے یہ بدگمانی کی کہ عتبہ اس لیے لڑائی سے جی چراتا ہے کہ اس کے بیٹے پر آنچ نہ آئے۔

ابوجہل نے حضرمی کے بھائی عامر کو بلا کر کہا، دیکھتے ہو تمہارا خون بہا تمہاری آنکھ کے سامنے آکر نکلا جاتا ہے، عامر نے عرب کے دستور کے مطابق کپڑے پھاڑ ڈالے اور گرد اڑا کر

[1] ابن ہشام جلد ۲ ص ۱۰۱ [2] منتخب کنز العمال غزوۂ بدر بروایت مسند ابن حنبل و ابن ابی شیبہ۔

واعموہ واعموہ کا نعرہ مارنا شروع کیا، اس واقعہ نے تمام فوج مین آگ لگادی،

عتبہ نے ابوجہل کا طعنہ سنا تو غیرت سے سخت برہم ہوا، اور کہا میدانِ جنگ بتادیگا کہ نامردی کا داغ کون اٹھاتا ہے، یہ کہکر مغفر مانگا لیکن اس کا سر اس قدر بڑا تھا کہ کوئی مغفر اس کے سر پر ٹھیک نہ اترا، مجبوراً سر سے کپڑا لپیٹا، اور لڑائی کے ہتھیار سجے،

چونکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ہاتھ کو خون سے آلودہ کرنا پسند نہیں فرماتے تھے صحابہؓ نے میدان کے کنارے ایک چھپر کا سائبان تیار کیا کہ آپؐ اس مین تشریف رکھیں، حضرت سعد بن معاذؓ دروازہ پر تیغ بکف کھڑے ہوئے کہ کوئی ادھر نہ بڑھنے پائے،

اگرچہ بارگاہِ الٰہی سے فتح و نصرت کا وعدہ ہوچکا تھا، عناصرِ عالم آمادۂ مدد تھے، ملائکہ کی فوجین ہمرکاب تھین، تاہم عالمِ اسباب کے لحاظ سے آپؐ نے اصولِ جنگ کے مطابق فوجین مرتب کین، مہاجرین کا علم حضرت مصعبؓ بن عمیر کو عنایت فرمایا، خزرج کے علمبردار حضرت خبابؓ ابن منذر، اور اوس کے حضرت سعد بن معاذؓ مقرر ہوئے،

صبح ہوتے ہوتے آپؐ نے صف آرائی شروع کی، دست مبارکؐ میں ایک تیر تھا، اس کے اشارے سے صفین قائم کرتے تھے کہ کوئی شخص تل بھر آگے یا پیچھے نہ رہنے پائے، لڑائی مین شور و غل عام بات ہے، لیکن منع کردیا گیا کہ کسی کے منہ سے آواز تک نہ نکلنے پائے،

اس موقع پر بھی جب کہ دشمن کی عظیم الشان تعداد مقابل تھی، اور مسلمانون کی طرف ایک آدمی بھی اگر بڑھ جاتا تو کچھ نہ کچھ مسرت ہوتی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمہ تن وفا تھے،

(حضرت) حذیفہ بن الیمانؓ اور (حضرت) حسیلؓ دو صحابی کہیں سے آرہے تھے، راہ مین کفار نے

روکا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی مدد کو جارہے ہو، انھوں نے انکار کیا، اور عدم شرکت کا وعدہ کیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس آئے تو صورت حال عرض کی، فرمایا ہم ہر حال میں وعدہ وفا کریں گے، ہم کو صرف خدا کی مدد درکار ہے[1]

اب دو صفیں آمنے سامنے مقابل تھیں، حق و باطل، نور و ظلمت، کفر و اسلام،

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ	جو لوگ باہم لڑے اُن میں تمھارے لیے
الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ	عبرت کا نشان ہے، ایک خدا کی راہ میں
وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ (اٰل عمران ۲)	لڑ رہا تھا اور دوسرا منکرِ خدا تھا،

یہ عجیب منظر تھا، اتنی بڑی وسیع دنیا میں توحید کی قسمت صرف چند جانوں پر منحصر تھی،

صحیحین میں ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سخت خضوع کی حالت طاری تھی، دونوں ہاتھ پھیلا کر فرماتے تھے "خدایا تو نے مجھ سے جو وعدہ کیا ہے آج پورا کر" محویت اور بے خودی کے عالم میں چادر کندھے پر سے گر گر پڑتی تھی، اور آپ کو خبر تک نہ ہوتی تھی، کبھی سجدے میں گرتے تھے اور فرماتے تھے کہ "خدایا! اگر یہ چند نفوس آج مٹ گئے، تو پھر قیامت تک تو نہ پوجا جائے گا"۔

اس بیقراری پر بندگانِ خاص کو رقت آگئی، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی حضور خدا اپنا وعدہ وفا کرے گا، آخر روحانی تسکین کے ساتھ

سَيُهْزَمُ الْجَمْعُ وَيُوَلُّوْنَ الدُّبُرَ	فوج کو شکست دیجائے گی، اور وہ
(قمر-۳)	پشت پھیر دیں گے،

---

[1] صحیح مسلم (باب الوفاء بالعہد کتاب الجہاد والسیر) "س"

بڑھتے ہوئے لب مبارک فتح کی پیشین گوئی سے آشنا ہوئے،

قریش کی فوجین اب بالکل قریب آگئین، تاہم آپؐ نے صحابہؓ کو پیش قدمی سے روکا اور فرمایا کہ جب دشمن پاس آجائین تو تیر سے روکو،

یہ معرکہ ایثار اور جانبازی کا سب سے بڑا حیرت انگیز منظر تھا، دونون فوجین سامنے آئین تو لوگون کو نظر آیا کہ خود ان کے جگر کے ٹکڑے تلوار کے سامنے ہین، حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے (جو اب تک کافر تھے) میدان جنگ مین بڑھے، تو حضرت ابوبکرؓ تلوار کھینچکر نکلے[1] عتبہ میدان مین آیا تو حضرت حذیفہؓ (عتبہ کے فرزند تھے) اس کے مقابلہ کو نکلے، حضرت عمرؓ کی تلوار ماموں کے خون سے رنگین تھی[2]،

لڑائی کا آغاز یون ہوا کہ سب سے پہلے عامر حضرمی جس کو بھائی کے خون کا دعویٰ تھا، آگے بڑھا، مِہجع حضرت عمرؓ کا غلام اس کے مقابلہ کو نکلا اور مارا گیا،

عتبہ جو سردارِ لشکر تھا، ابوجہل کے طعنہ سے سخت برہم تھا، سب سے پہلے وہی بھائی اور بیٹے کو لے کر میدان مین نکلا، اور مبارز طلبی کی، عرب مین دستور تھا کہ نامور لوگ کوئی امتیازی نشان لگا کر میدان جنگ مین جاتے تھے، عتبہ کے سینہ پر شتر مرغ کے پر تھے، حضرت عوفؓ حضرت معاذؓ، حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ مقابلہ کو نکلے، عتبہ نے نام پوچھا اور جب یہ معلوم ہوا کہ انصارؓ ہین، تو عتبہ نے کہا ہم کو تم سے غرض نہین، پھر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی طرف خطاب کر کے پکارا کہ محمدؐ! یہ لوگ ہمارے جوڑ کے نہین[3]، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ارشاد

---

[1] استیعاب ذکر عبد الرحمٰن بن ابی بکرؓ [2] سیرت ابن ہشام (۲۰۸ مطبع محمد علی مصر) [3] کتب حدیث

مطابق انصار ہٹ آئے اور حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبیدہؓ میدان میں آئے چونکہ یہ لوگ خود پہنے تھے جس سے چہرے چھپ گئے تھے) عتبہ نے پوچھا تم کون ہو؟ سب نے نام و نسب بتائے، عتبہ نے کہا "ہاں اب ہمارا جوڑ ہے۔"

عتبہ حضرت حمزہؓ سے اور ولید حضرت علیؓ سے مقابل ہوا اور یہ دونوں مارے گئے۔ لیکن عتبہ کے بھائی شیبہ نے حضرت عبیدہؓ کو زخمی کیا حضرت علیؓ نے بڑھ کر شیبہ کو قتل کر دیا، اور حضرت عبیدہؓ کو کندھے پر اٹھا کر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں لائے، حضرت عبیدہؓ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا کہ کیا میں دولتِ شہادت سے محروم رہا؟ آپ نے فرمایا "نہیں تم نے شہادت پائی"۔ حضرت عبیدہؓ نے کہا آج ابو طالب زندہ ہوتے تو تسلیم کرتے کہ ان کے اس شعر کا مستحق میں ہوں۔[۱]

ونسلمه حتى نصرع حوله — ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دشمنوں کے حوالہ کریں گے
ونذهل عن ابنائنا والحلائل — جب ان کے گرد لڑ کر مر جائیں اور ہم اپنے بیٹوں اور بیویوں کو بھول جائیں

(بقیہ حاشیہ ص ۳۴۲) میں جو الفاظ ہیں مختلف ہیں، ابو داؤد (کتاب الجہاد) میں ہے کہ عتبہ نے کہا کہ ہم کو اپنے برادرانِ عم زادہ سے غرض ہے، تم سے کام نہیں، انصاری محدثین نے اس کا مطلب قرار دیا ہے کہ اس سے انصار کی توہین منظور نہ تھی، بلکہ یہ غرض تھی کہ انتقام خون کا مطالبہ قریش سے ہے، انصار سے نہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ محض یہ نہیں ہو سکتا کہ مکہ والے انصار کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے تھے، صحیح روایتوں میں مذکور ہے کہ جب ابوجہل دو انصاری کے ہاتھ سے مارا گیا تو مرتے وقت اس نے کہا کاش مجھ کو غلاموں (کاشتکار) کے سوا کسی اور نے مارا ہوتا، انصار کھیتی کا پیشہ کرتے تھے، جو قریش کے نزدیک معیوب تھا۔ [۱] ابن سعد غزوۂ بدر و بدایہ و نہایہ ابن کثیر ج ۳ ص ۲۷۳ مصر۔

[۲] زرقانی ان واقعات میں روایتیں مختلف ہیں، اور قریباً سب ہم مرتبہ ہیں اسلیے جو روایت اختیار کر لیجائے قابلِ الزام نہیں۔

سعید بن العاص کا بیٹا (عبیدہ) سر سے پاؤن تک لوہے مین ڈوبا ہوا صف سے نکلا، اور پکارا کہ "مین ابو کرش ہون" حضرت زبیرؓ اس کے مقابلہ کو نکلے، اور چونکہ صرف اس کی آنکھیں نظر آتی تھین، تاک کر آنکھ مین برچھی ماری، وہ زمین پر گرا اور مرگیا، برچھی اس طرح پیوست ہوگئی تھی کہ حضرت زبیرؓ نے اس کی لاش پر پاؤن اڑا کر کھینچا، تو بڑی مشکل سے نکلی لیکن دونون سرے خم ہوگئے، یہ برچھی یادگار رہی یعنی حضرت زبیرؓ سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مانگ لی، پھر چارون خلفاء کے پاس منتقل ہوتی رہی، پھر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس آئی،[1]

حضرت زبیرؓ نے اس معرکہ مین کئی کاری زخم اٹھائے، شانہ پر جو زخم تھا اتنا گہرا تھا کہ اچھے ہوجانے پر اس مین انگلی چلی جاتی تھی، چنانچہ ان کے بیٹے (عروہ) بچپن مین ان زخمون سے کھیلا کرتے تھے، جس تلوار سے لڑے تھے، وہ لڑتے لڑتے کر گئی تھی، چنانچہ جب حضرت عبداللہؓ ابن زبیرؓ شہید ہوئے تو عبدالملک نے عروہ سے کہا تم زبیرؓ کی تلوار پہچان لوگے؟ انھون نے کہا ہان، عبدالملک نے پوچھا کیونکر؟ بولے کہ بدر کے معرکہ مین اس مین دندانے پڑ گئے تھے، عبدالملک نے تصدیق کی، اور یہ مصرع پڑھا، بھن فلول من قراع الکتاب عبدالملک نے تلوار عروہ کو دیدی، انھون نے اس کی قیمت انکوائی تو تین ہزار ٹھہری، اس کے قبضہ پر چاندی کا کام تھا،[2]

اب عام حملہ شروع ہوگیا، مشرکین اپنے بل بوتے پر لڑ رہے تھے، لیکن ادھر سرور عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) سر بسجدہ صرف خدا کی قوت کا سہارا ڈھونڈھ رہا تھا،

[1] صحیح بخاری غزوۂ بدر مین پورا واقعہ منقول ہے [2] یہ پوری تفصیل صحیح بخاری غزوۂ بدر کے ذکر مین ہے،

ابوجہل کی شرارت اور دشمنیِ اسلام کا عام چرچا تھا، اس بنا پر انصار مین سے معوذؓ اور معاذؓ دو بھائیون نے عہد کیا تھا کہ یہ شقی جہان نظر آئے گا، یا اس کو مٹا دین گے یا خود مٹ جائین گے،

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا بیان ہو کہ مین صف مین تھا کہ دفعۃً مجھکو داہنے بائین دو نوجوان نظر آئے، ایک نے مجھ سے کان مین پوچھا کہ ابوجہل کہان ہے؟ مین نے کہا برادر زادہ! ابوجہل کو پوچھ کر کیا کرے گا؟ بولا کہ "مین نے خدا سے عہد کیا ہے کہ ابوجہل کو جہان دیکھ لون گا یا اُسے قتل کر دون گا، یا خود لڑکر مارا جاؤن گا؟ مین جواب نہین دینے پایا تھا کہ دوسرے نوجوان نے بھی مجھ سے کانون مین یہی باتین کہین، مین نے دونون کو اشارہ سے بتایا کہ ابوجہل وہ ہے، بتانا تھا کہ دونون باز کی طرح جھپٹے اور ابوجہل خاک پر تھا، دونون جوان عفرا[1] کے بیٹے تھے' معوذ و معاذ" ابوجہل کے بیٹے عکرمہ نے عقب سے آکر معاذ کے بائین شانہ پر تلوار ماری جس سے بازو کٹ گیا، لیکن تسمہ باقی لگا رہا، معاذؓ نے عکرمہ کا تعاقب کیا، وہ بچ کر نکل گیا، معاذؓ اسی حالت مین لڑ رہے تھے، لیکن ہاتھ کے لٹکنے سے زحمت ہوتی تھی، ہاتھ کو پاؤن کے نیچے دبا کر کھینچا کہ تسمہ بھی الگ ہوگیا، اور اب وہ آزاد تھے .

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لڑائی سے پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ "کفار کے ساتھ جو لوگ آئے ہین، ان مین ایسے بھی لوگ ہین، جو خوشی سے نہیں بلکہ قریش کے جبر سے آئے ہین"، ان لوگون کے نام بھی آپؐ نے بتا دیے تھے، ان مین ابوالبختری بھی تھا، مجذر کی نظر (جو انصار کے حلیف تھے) ابوالبختری پر پڑی، مجذر نے کہا چونکہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

---

[1] بعض روایتون مین معاذ بن عمرو و معاذ بن عفرا ہے،

تیرے قتل سے منع فرمایا ہے، اس لیے تجھ کو چھوڑ دیتا ہون، ابوالبختری کے ساتھ اس کا ایک رفیق بھی تھا، ابوالبختری نے کہا اس کو بھی؟ مجذر نے کہا "نہین"، ابوالبختری نے کہا تو مین خاتونانِ عرب کا یہ طعنہ نہین سن سکتا کہ ابوالبختری نے اپنی جان بچانے کے لیے رفیق کا ساتھ چھوڑ دیا، یہ کہکر ابوالبختری یہ رجز پڑھتا ہوا مجذر پر حملہ آور ہوا اور مارا گیا۔

لن یسلم ابن حرۃٍ زمیلہ	شریف زادہ اپنے رفیق کو چھوڑ نہین سکتا
حتی یموت اویری سبیلہ	جبتک کہ مر نہ جائے یا وہ اپنا راستہ نہ دیکھ لے

عتبہ اور ابوجہل کے مارے جانے سے قریش کا پائے ثبات اکھڑ گیا، اور فوج مین بے دلی چھا گئی،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا شدید دشمن امیہ بن خلف بھی جنگ بدر مین شریک تھا، حضرت عبدالرحمن بن عوف رض نے اس سے کسی زمانہ مین معاہدہ کیا تھا کہ وہ مدینہ مین آئے گا تو یہ اس کی جان کے ضامن ہون گے، بدر مین اس دشمنِ خدا سے انتقام لینے کا خوب موقع تھا، لیکن چونکہ عہد کی پابندی اسلام کا شعار ہے، حضرت عبدالرحمن بن عوف رض نے چاہا کہ وہ بچکر نکل جائے، اس کو لے کر ایک پہاڑ پر چلے گئے، اتفاق یہ کہ حضرت بلال رض نے دیکھ لیا، انصار کو خبر دی، دفعۃً لوگ ٹوٹ پڑے، انھون نے امیہ کے بیٹے کو آگے کر دیا، لوگون نے اس کو قتل کر دیا، لیکن اس پر بھی قناعت نہین کی اور امیہ کی طرف بڑھے، انھون نے امیہ سے کہا کہ تم زمین پر لیٹ جاؤ، یہ لیٹ گیا تو اس پر چھا گئے کہ اس کو مارنے نہ پائین، لیکن لوگون نے ان کی ٹانگون کے اندر سے ہاتھ ڈال کر اس کو قتل کر دیا، حضرت عبدالرحمن رض

کی بھی ایک ٹانگ زخمی ہوئی اور زخم کا نشان مدتون تک قائم رہا۔[1]

ابوجہل اور عتبہ وغیرہ کے قتل کے بعد قریش نے سپر ڈالدی اور مسلمانون نے ان کو گرفتار کرنا شروع کردیا،

حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی) نوفل، اسود بن عامر، عبداللہ بن زمعہ، اور بہت سے بڑے بڑے معزز لوگ گرفتار ہوئے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم دیا کہ کوئی شخص جاکر خبر لائے، ابوجہل کا کیا انجام ہوا، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے جاکر لاشون مین دیکھا تو زخمی پڑا ہوا دم توڑ رہا تھا، بولے تو ابوجہل ہے، اس نے کہا ایک شخص کو اس کی قوم نے قتل کردیا، تو یہ فخر کی کیا بات ہے۔[2] ابوجہل نے ایک دفعہ ان کو پتھر مارا تھا، انھون نے اس کے انتقام مین اس کی گردن پر پاؤن رکھا، ابوجہل نے کہا او بکری چرانے والے! دیکھ تو کہان پاؤن رکھتا ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود اس کا سر کاٹ لائے، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قدمون پر ڈال دیا،[3]

مغربی مورخین کہ جن کے نزدیک عالم اسباب مین جو کچھ ہے صرف اسباب ظاہری کے نتائج ہین، حیرت ہے کہ تین سو پیدل آدمیون نے ایک ہزار جن مین سو سوارون کا رسالہ تھا، کیونکر فتح پائی لیکن تائید آسمانی نے بارہا ایسے حیرت انگیز مناظر دکھائے ہین، تاہم اس واقعہ مین ظاہر بینون کے اطمینان کے سامان بھی موجود ہین، اول تو قریش مین باہم اتفاق

---

[1] یہ پورا واقعہ صحیح بخاری مین ہے لیکن چونکہ کتاب المغازی مین نہین بلکہ کتاب الوکالہ مین ہے اس لیے ارباب سیر کی نظر نہیں پڑی۔ [2] بخاری غزوۂ بدر) [3] ایضاً

نہ تھا، عتبہ سردار لشکر لڑنے پر راضی نہ تھا، قبیلۂ زہرہ کے لوگ بدر تک آکر واپس چلے گئے، پانی برسنے سے موقع جنگ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ قریش جہان صف آرا تھے، وہان کیچڑ اور دلدل کی وجہ سے چلنا پھرنا مشکل تھا، قریش مرعوب ہوکر اسلامی فوج کا تخمینہ غلط کر رہے تھے یعنی اپنی تعداد سے دوگنا، چنانچہ قرآن مجید مین ہے،

يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَأْيَ الْعَيْنِ (آل عمران - ۲) وہ اپنی آنکھون سے مسلمانون کو اپنے آپ سے دوگنا دیکھ رہے تھے،

کفار کی فوج مین کوئی ترتیب اور صف بندی نہ تھی، بخلاف اس کے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود دست مبارک مین تیر لے کر نہایت ترتیب سے صفین درست کی تھین، مسلمان رات کو اطمینان سے سوئے تھے، صبح اٹھے تو تازہ دم تھے، بخلاف اس کے کفار بے اطمینانی کی وجہ سے رات کو سو نہ سکے تھے،

تاہم یہ اسباب ہین، ان کا اجتماع ادرتھیہ یہی تائید الٰہی ہے، پھر قریش اور مسلمانون کی فوج کا باہم مقابلہ کرو تو نظر آئے گا کہ عام فوجی نظر کیا مسلمانون کی فتح کی مقتضی تھی، قریش کی فوج مین بڑے بڑے دولتمند تھے، جو تنہا تمام فوج کی رسد کا سامان کرتے تھے، مسلمانون کے پاس کچھ نہ تھا، قریش کی تعداد ایک ہزار تھی، مسلمان صرف ۳۰۰ سو تھے، قریش مین ۱۰۰ سوار تھے، مسلمانون کی فوج مین صرف دو گھوڑے تھے، مسلمانون مین بہت کم سپاہی تمام ہتھیارون سے پورے تھے، اور ادھر قریش کا ہر سپاہی لوہے مین غرق تھا،

باین ہمہ خاتمۂ جنگ پر معلوم ہوا کہ مسلمانون مین سے صرف ۱۴ شخصون نے شہادت پائی

جن میں ۶ مہاجر اور باقی انصار تھے لیکن دوسری طرف قریش کی اصلی طاقت ٹوٹ گئی، اور رؤسائے قریش جو شجاعت میں نامور اور قبائل کے سپہ سالار تھے، ایک ایک کرکے مارے گئے، ان میں شیبہ، عتبہ، ابو جہل، ابو البختری، زمعہ بن الاسود، عاص بن ہشام، امیہ بن خلف، منبہ بن الحجاج، قریش کے سرتاج تھے، قریباً ۷۰ آدمی قتل اور اسی قدر گرفتار ہوئے، اسیران جنگ میں سے عقبہ اور نضر بن حارث قتل کردیے گئے، باقی گرفتار ہوکر مدینہ میں آئے، ان میں حضرت عباسؓ، عقیل (حضرت علیؓ کے بھائی)، ابو العاص (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد) بھی تھے،[1]

لڑائیوں میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا معمول تھا کہ جہاں کوئی لاش نظر آتی تھی، آپؐ اسکو زمین میں دفن کرادیتے تھے لیکن اس موقع پر کشتوں کی تعداد زیادہ تھی، اس لیے ایک ایک کا الگ الگ دفن کرانا مشکل تھا، ایک وسیع کنواں تھا، تمام لاشیں آپؐ نے اس میں ڈلوادیں لیکن امیہ کی لاش پھول کر اس قابل نہیں رہی تھی کہ جگہ سے ہٹائی جاوے، اس لیے وہیں خاک میں دبادی گئی،

اسیرانِ جنگ جب مدینہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے آئے تو حضرت سودہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ محترمہ) بھی تشریف رکھتی تھیں، ان قیدیوں میں ان کے عزیز سہیل بن عمرو بھی تھے، ان پر نگاہ پڑی تو بے ساختہ بول اٹھیں کہ تم نے بھی عورتوں کی طرح خود بیڑیاں پہن لیں، یہ نہ ہوسکا کہ لڑکر مر جاتے،[2]

اسیرانِ جنگ دو دو، چار چار صحابہؓ کو تقسیم کردیے گئے، اور ارشاد ہوا کہ آرام کے ساتھ

---

[1] روض الانف [2] ابن ہشام

رکھے جائیں صحابہؓ نے ان کے ساتھ یہ برتاؤ کیا کہ ان کو کھانا کھلاتے تھے، اور خود کھجور کھا کر رہ جاتے تھے، ان قیدیوں میں ابو عزیز بھی تھے جو حضرت مصعبؓ بن عمیر کے بھائی تھے، ان کا بیان ہے کہ مجھ کو جن انصاریوں نے اپنے گھر میں قید کر رکھا تھا جب صبح یا شام کا کھانا لاتے تو روٹی میرے سامنے رکھدیتے، اور خود کھجوریں اٹھا لیتے، مجھ کو شرم آتی، اور میں روٹی ان کے ہاتھ میں دیدیتا، لیکن وہ ہاتھ بھی نہ لگاتے، اور مجھی کو واپس دیتے، اور یہ اس بنا پر تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تاکید کی تھی کہ قیدیوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے[1]،

قیدیوں میں ایک شخص سہیل بن عمرو تھا جو نہایت فصیح اللسان تھا، اور عام مجمعوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف تقریریں کیا کرتا تھا، حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ! اس کے دو نیچے کے دانت اکھڑوا دیجئے کہ پھر اچھا نہ بول سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اگر اس کے عضو بگاڑوں گا، (مثلہ) تو گو نبی ہوں، لیکن خدا اس کی جزا میں میرے اعضا بھی بگاڑے گا[2]،

حضرت عباسؓ (کے بدن پر کرتہ نہ تھا لیکن ان) کا قد اس قدر اونچا تھا کہ کسی کا کرتہ ان کے بدن پر ٹھیک نہیں اترتا تھا، عبد اللہ بن ابی (رئیس المنافقین) نے کہ حضرت عباسؓ کا ہم قد تھا، اپنا کرتہ منگوا کر دیا، صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ کے کفن کیلئے جو اپنا کرتہ عنایت فرمایا تھا، وہ اسی احسان کا معاوضہ تھا[3]،

عام روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آ کر صحابہ سے مشورہ کیا کہ اسیران جنگ

[1] طبری ص ۱۳۳۸ [2] ایضاً ص ۱۳۴۴ [3] صحیح بخاری ص ۴۲۲ (باب الکسوۃ للاساری)

کے معاملہ مین کیا کیا جائے، حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ سب اپنے ہی عزیز و اقارب ہین فدیہ لے کر چھوڑ دیے جائین، لیکن حضرت عمرؓ کے نزدیک اسلام کے مسئلہ مین دوست و دشمن عزیز و بیگانہ، قریب و بعید کی تمیز نہ تھی، اس لیے انھون نے یہ رائے دی کہ سب قتل کردیے جائین اور ہم مین سے ہر شخص اپنے عزیز کو آپ قتل کرے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کی رائے پسند کی، اور فدیہ لیکر چھوڑ دیا، اس پر خدا کا عتاب آیا، اور یہ آیت اتری،

لَوْلَا كِتَابٌ مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ (انفال-۹)

اگر خدا کا نوشتہ پہلے نہ لکھا جاچکا ہوتا تو جو کچھ تم نے لیا، اس پر بڑا عذاب نازل ہوتا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ یہ عتاب ربانی سن کر رو پڑے،

یہ روایت تمام تاریخون مین مذکور اور احادیث مین بھی موجود ہے، لیکن سبب عتاب کے بیان مین اختلاف ہے، ترمذی مین جو روایت ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ اس وقت تک مال غنیمت کے متعلق احکام نہین آئے تھے، عرب کے عام دستور کے موافق صحابہ غنیمت مین مصروف ہو گئے، اس پر عتاب آیا، لیکن چونکہ اس کے متعلق پہلے کوئی حکم نہین دیا گیا تھا، اس لیے یہ جرم معاف کردیا گیا، اور حکم آیا کہ مال غنیمت جو ہاتھ آچکا حلال ہے،

قرآن مجید مین عتاب کے بعد یہ الفاظ ہین،

فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا (انفال-۹)

تو جو تم نے لوٹا ہے اب کھاؤ کہ حلال طیب ہے،

اس آیت مین صاف تصریح ہے کہ مال جو ہاتھ آیا تھا، وہ حلال کردیا گیا، اور وہ مال غنیمت

تھا، غرض صحیح مسلم اور ترمذی دونوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عتاب فدیہ لینے، یا مال غنیمت کے لوٹنے پر تھا، صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہین کہ جب عتاب کی آیت نازل ہوئی تو آپؐ رونے لگے، اور حضرت عمرؓ نے سبب دریافت کیا، تو آپ نے فرمایا ابکی ی عرض علی اصحابک[1] من اخذ هم الفداء یعنی تمھارے ساتھیوں نے جو فدیہ لیا، اس پر جو خدا کی طرف سے پیش کیا گیا اس پر مین رو رہا ہون" عموماً لوگوں نے غلط فہمی سے یہ سمجھا ہو کہ عتاب اس پر آیا کہ اسیران جنگ کو قتل کیوں نہین کر ڈالا چنانچہ لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے،

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ	کسی نبی کو یہ مناسب نہین کہ بغیر اچھی
اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ	طرح خونریزی کرنے کے لیے لوگون کو
(انفال ۹)	قیدی بنائے،

لیکن اس آیت کا صرف یہ ما حصل ہے کہ میدان جنگ مین جب تک کافی خونریزی نہ ہو چکے، قیدی بنانا مناسب نہین، اس سے یہ کیونکر ثابت ہوسکتا ہے کہ اگر خونریزی سے پہلے لوگ گرفتار کرلیے گئے تو لڑائی کے بعد بھی وہ قتل کیے جا سکتے ہین،

بہرحال اسیران جنگ سے چار چار ہزار درہم فدیہ لیا گیا، لیکن جو لوگ ناداری کی وجہ سے فدیہ ادا نہین کر سکتے تھے، وہ چھوڑ دیے گئے، ان مین سے جو لکھنا جانتے تھے، ان کو حکم ہوا کہ دس دس بچون کو لکھنا سکھا دین تو چھوڑ دیے جائین گے۔ حضرت زیدؓ بن ثابت نے اسی طرح لکھنا سکھا تھا،[2]

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۳۰۲، [2] طبقات ابن سعد ص ۱۴

انصار نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ حضرت عباسؓ ہمارے بھانجے ہین، ہم ان کا فدیہ چھوڑ دیتے ہین لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مساوات کی بنا پر گوارا نہین فرمایا[1]، اور ان کو بھی فدیہ ادا کرنا پڑا، فدیہ کی عام مقدار ۴ ہزار درہم تھی لیکن امراء سے زیادہ لیا گیا، حضرت عباسؓ دولتمند تھے، اس لیے ان سے بھی زیادہ رقم وصول کی گئی، انھون نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شکایت کی لیکن ان کو کیا معلوم تھا کہ اسلام نے جو مساوات قائم کی، اس مین قریب وبعید، عزیز وبیگانہ، عام وخاص کے تمام تفرقے مٹ چکے تھے (لیکن ایک طرف تو اداے فرض کی یہ مساوات تھی، دوسری طرف محبت کا یہ تقاضا تھا کہ حضرت عباسؓ کی کراہ سن کر رات کو آپؐ آرام نہ فرما سکے، لوگون نے ان کی گرہ کھولی تو آپؐ نے فرمایا)

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے داماد ابوالعاص بھی اسیران جنگ مین آئے تھے، ان کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو (جو ان کی زوجہ تھین اور مکہ مین تھین) کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیجدین، حضرت زینبؓ کا جب نکاح ہوا تھا تو حضرت خدیجہؓ نے جہیز مین ان کو ایک قیمتی ہار دیا تھا، حضرت زینبؓ نے زر فدیہ کے ساتھ وہ ہار بھی گلے سے اتار کر بھیجدیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا تو ۲۵ برس کا محبت انگیز واقعہ یاد آگیا، آپ بے اختیار رو پڑے، اور صحابہ سے فرمایا کہ تمھاری مرضی ہو تو بیٹی کو مان کی یادگار واپس کردو سب نے تسلیم کی گردنین جھکادین اور ہار واپس کردیا،

---

[1] بخاری ص ۵۷۲ جلد اول کتاب المغازی [2] تاریخ طبری ص ۱۳۴۴ [3] ابوداؤد

(ابو العاص رہا ہو کر مکہ آئے، اور حضرت زینب ؓ کو مدینہ بھیج دیا، ابو العاص بہت بڑے تاجر تھے، چند سال کے بعد بڑے سر و سامان سے شام کی تجارت لیکر نکلے، واپسی مین مسلمان دستون نے ان کو مع تمام مال و اسباب گرفتار کر لیا، اسباب ایک ایک سپاہی پر تقسیم ہو گیا، یہ چھپ کر حضرت زینب ؓ کے پاس پہنچے، انھون نے پناہ دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون سے فرمایا کہ اگر مناسب سمجھو تو ابو العاص کا اسباب واپس کر دو، پھر تسلیم کی گردنین جھک گئین، اور سپاہیون نے ایک ایک دھاگا تک لا لا کر واپس کر دیا، اب یہ دار ایسا نہ تھا جو خالی جاتا، ابو العاص مکہ آئے، اور تمام شرکاء کو حساب سمجھا کر دولت اسلام سے فائز ہوئے، اور کہدیا کہ مین اس لیے یہان آکر اور حساب سمجھا کر جاتا ہون تاکہ یہ نہ کہو کہ ابو العاص ؓ ہمارا روپیہ کھا کر تقاضے کے ڈر سے مسلمان ہو گیا)لہ

بدر کی خبر مکہ مین پہنچی تو گھر گھر ماتم تھا، لیکن غیرت کی وجہ سے قریش نے منادی کرا دی کہ کوئی شخص رونے نہ پائے، اس لڑائی مین اسود کے تین لڑکے مارے گئے تھے، اس کا دل امنڈا آتا تھا، لیکن قومی عزت کے خیال سے رو نہین سکتا تھا، اتفاق یہ کہ ایک دن کسی طرف سے رونے کی آواز آئی، سمجھا کہ قریش نے رونے کی اجازت دے دی ہے، نوکر سے کہا دیکھنا کون روتا ہے؟ کیا رونے کی اجازت ہو گئی، میرے سینہ مین آگ لگ رہی ہے، جی کھول کر رو لون تو تسکین ہو جائے، آدمی نے آکر کہا کہ ایک عورت کا اونٹ گم ہو گیا ہے اس کے لیے رو رہی، اسود کی زبان سے بے اختیار یہ شعر نکلے،

ابتکی ان یضل لها بعیر — اونٹ کے گم ہونے پر روتی ہے

ویمنعها من النوم السهود — اور اس کو نیند نہین آتی (اونٹ

ولا تبکی علی بکر ولکن — پر مت رو، بدر پر آنسو بہا، جہان

علی بدر تقاصرت الجدود — قسمت نے کمی کی، تجھکو رونا ہے

فبکی ان بکیت علی عقیل — تو عقیل پر رو اور حارث پر رو

وبکی حارثا اسد الاسود — جو شیرون کا شیر تھا"

(عمیر بن وہب قریش مین اسلام کا سخت دشمن تھا، وہ اور صفوان بن امیہ حجر مین بیٹھے ہوئے مقتولین بدر کا ماتم کر رہے تھے صفوان نے کہا خدا کی قسم اب جینے کا مزہ نہین" عمیر نے کہا سچ کہتے ہو، اگر مجھ پر قرض نہ ہوتا اور بچون کا خیال نہ ہوتا تو مین سوار ہو کر جاتا اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر آتا میرا بیٹا بھی وہان قید ہے صفوان نے کہا تم قرض کی اور بچون کی فکر نہ کرو ان کا مین ذمہ دار ہون، عمیر نے گھر آکر تلوار زہر مین بجھائی، اور مدینہ پہنچا، حضرت عمرؓ نے اس کے تیور دیکھ لیے، گلا دبائے اس کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین لائے آپ نے فرمایا عمرؓ چھوڑ دو، عمیر قریب آجاؤ، پوچھا کس ارادہ سے آئے، جواب دیا کہ بیٹے کو چھڑانے آیا ہون، فرمایا تلوار کیون حمائل ہے؟ عمیر نے کہا آخر تلوارین بدر مین کس کام آئین" فرمایا کیون نہیں، تم نے اور صفوان نے حجر مین بیٹھکر میرے قتل کی سازش نہین کی؟ عمیر یہ بات سن کر سناٹے مین آگیا بے اختیار ہو کر بولا محمد صلی اللہ علیہ وسلم بیشک تم پیغمبر ہو، بخدا میرے اور صفوان کے سوا اس معاملہ کی کسی کو خبر نہ تھی. قریش جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر سننے کے منتظر تھے، انھون نے عمیر کے مسلمان ہونے کی خبر سنی،

حضرت عمیرؓ مسلمان ہو کر بہادرانہ مکہ مین آئے، جہان کا ہر ذرہ اس وقت مسلمانون کے خون کا پیاسا تھا، ان کو اسلام کے دوستون سے جس شدت کے ساتھ عداوت تھی، اسی شدت سے وہ دشمنانِ اسلام کے دشمن تھے، یہان پہنچکر انھون نے اسلام کی دعوت کو پھیلایا، اور ایک مجمعِ کثیر کو اس روشنی سے منور کر دیا[1]،

غزوۂ بدر کا بیان قرآن مین

(اس غزوہ کو دیگر غزوات پر جو امتیازات حاصل ہین، ان مین ایک یہ بھی ہے کہ خود خدا نے اپنے کلام پاک مین اس کا مفصل ذکر کیا ہے، اور ایک خاص سورہ (انفال) بدر کے احسانات و نعم کی تفصیل اور بعض مسائل متعلقۂ بدر کی توضیح کے لیے مخصوص کر دیا ہے، واقعہ کی اصل حقیقت جاننے کے لیے آسمان کے نیچے اس سے زیادہ کوئی صحیح ماخذ موجود نہین،

(۱) اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ	مومن وہ ہین کہ جب خدا کا نام لیا جائے
اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا	تو ان کے دل دہل جائین اور جب اسکی
تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ	آیتین پڑھ کر سنائی جائین تو ان کا ایمان
اِيْمَانًا وَّعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ	بڑھ جاتا ہے اور وہ اپنے خدا پر بھروسہ کرتے
الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا	ہین، جو نماز بہ پابندی پڑھتے ہین، اور
رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ، اُولٰٓئِكَ	خدا نے جو ان کو روزی دی ہے اس سے
هُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجٰتٌ	راہِ خدا مین بھی کچھ دیتے ہین، یہ ہین سچے

[1] (یہ تمام واقعات تاریخ طبری مین بحوالۂ عروہ بن زبیر مذکور ہین، ص ۱۳۵۴)

عِنْدَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَّرِزْقٌ
كَرِيْمٌ ۝ كَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ
مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ ص وَاِنَّ
فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ
يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا
تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ
وَهُمْ يَنْظُرُوْنَ ۝ وَاِذْ يَعِدُكُمُ
اللّٰهُ اِحْدَى الطَّآئِفَتَيْنِ اَنَّهَا
لَكُمْ وَتَوَدُّوْنَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ
الشَّوْكَةِ تَكُوْنُ لَكُمْ وَيُرِيْدُ اللّٰهُ
اَنْ يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ
دَابِرَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ لِيُحِقَّ الْحَقَّ
وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ
اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ
لَكُمْ اَنِّيْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ
الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ ۝ وَمَا جَعَلَهُ
اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَئِنَّ بِهٖ

مومن، اُن کے لیے خدا کے پاس رتبے ہیں،
بخشش ہے، اور اچھی روزی ہو جس طرح
اے پیغمبر تیرا خدا تجھ کو حق پر تیرے گھر سے
(بدر تک) نکال لایا، حالانکہ مسلمانوں کا
ایک گروہ اس سے ناخوش تھا، وہ تجھ سے
حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی جھگڑتا ہے، گویا
کہ وہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہیں
اور وہ موت کو دیکھ رہے ہیں، اور جب
خدا تم سے قریش کے قافلہ اور قریش کی
فوج میں سے ایک کا وعدہ کرتا ہے کہ
وہ تمہارے لیے ہو، تم چاہتے ہو کہ بےخرخشہ
والا گروہ تم کو مل جائے (یعنی قافلہ) اور
خدا یہ چاہتا ہے کہ حق کو اپنے حکم سے ثابت
کرے اور باطل کو مٹائے، گو گنہگار اس سے
رنجیدہ ہوں، یاد کرو جب تم اپنے
پروردگار سے فریاد کر رہے تھے، اس نے
تمہاری سنی (اور کہا) میں تمہاری لگاتار

قُلُوبُكُمْ وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ
عِنْدِ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
إِذْ يُغَشِّيكُمُ النُّعَاسَ أَمَنَةً مِنْهُ
وَيُنَزِّلُ عَلَيْكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً
لِيُطَهِّرَكُمْ بِهِ وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ
رِجْزَ الشَّيْطَانِ وَلِيَرْبِطَ عَلَى
قُلُوبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ الْأَقْدَامَ
إِذْ يُوحِي رَبُّكَ إِلَى الْمَلَائِكَةِ أَنِّي
مَعَكُمْ فَثَبِّتُوا الَّذِينَ آمَنُوا سَأُلْقِي
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ وَاضْرِبُوا
مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُّوا
اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَمَنْ يُشَاقِقِ اللّٰهَ
وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللّٰهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ
ذٰلِكُمْ فَذُوقُوهُ وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ
عَذَابَ النَّارِ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا
إِذَا لَقِيتُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحْفًا

ہزار فرشتون سی مدد کرون گا، خدا نے یہ صرف
مسلمانوں کی خوشی اور اطمینان قلب کے لئے کیا،
اور فتح تو صرف خدا کے پاس ہی، خدا غالب
دانا ہی، یاد کرو جب تمہارے چین کے لیے اپنی
طرف سے اونگھ تم پر طاری کر رہا تھا، اور آسمان
سے پانی برسا رہا تھا کہ تم کو پاک کرے اور
شیطان کی ناپاکی تم سے دور کرے اور تمہارے
دل مضبوط کرے، اور ثابت قدم رکھے، یاد کرو
جب خدا فرشتون کو حکم دے رہا تھا کہ مین تمہارے
ساتھ ہون مسلمانون کو ثابت قدم رکھنا، مین
کافرون کے دل مین رعب ڈال دونگا، کافرون
کی گردنین مارو اور ہر جوڑ پر مارو، یہ اسلیے کہ
انھون نے خدا اور خدا کے رسول سے دشمنی کی ہی، اور جو
خدا اور خدا کے رسول سے دشمنی کریگا، خدا اسکو
سخت عذاب دینے والا ہی، یہ ہے عذاب،
اس کا مزہ چکھو، کافرون کے لیے عذاب دوزخ ہے،
مسلمانو جب میدان جنگ مین کافرون کے

فَلَا تُوَلُّوهُمُ الْأَدْبَارَ ۝ وَمَنْ
يُوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا
لِقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ
بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ
جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝ فَلَمْ
تَقْتُلُوهُمْ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۚ وَ
مَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ
رَمَىٰ ۚ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ
بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ۝
ذَٰلِكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ
الْكَافِرِينَ ۝ إِن تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ
جَاءَكُمُ الْفَتْحُ ۖ وَإِن تَنتَهُوا فَهُوَ
خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ وَإِن تَعُودُوا نَعُدْ ۝ وَ
لَن تُغْنِيَ عَنكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَلَوْ
كَثُرَتْ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ
(۳) وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُم مِّن شَيْءٍ فَأَنَّ
لِلَّهِ خُمُسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ

(انفال ۲)

مقابل آؤ تو پشت نہ پھیرو اور بجز اس کے کر
لڑنے کے لیے مڑے یا کسی دستہ کی طرف پھرے،
جو کوئی پشت پھیرے وہ خدا کا غضب لائیگا
اور اسکا ٹھکانا جہنم ہوگا اور کیا برا ٹھکانا ہے،
مسلمانو! ان کافروں کو تم نے نہیں مارا لیکن
خدا نے مارا، اور اے محمدؐ! تم نے نہیں پھینکا،
جب تم نے پھینکا لیکن خدا نے پھینکا تاکہ اپنی
طرف سے اہل ایمان کو اچھا انعام دے، خدا دانا
اور بینا ہے، اور کافروں کے داؤ پیچ کو کمزور
کرنے والا ہے، اگر فتح چاہتے تھے تو فتح آ چکی،
اب اگر رک جاؤ تو بہتر ہے، اور تم پھر مخالفت پر
آمادہ ہوگے، تو ہم پھر مسلمانوں کی مدد کرینگے،
یاد رکھو کہ تمھاری جمعیت کچھ مفید نہیں،
گو وہ کتنی ہی کثیر ہو، اور خدا مومنوں
کے ساتھ ہے،
(۳) اور جان لو کہ جو مال غنیمت ملے تو اسکا
پانچواں حصہ خدا کے لیے اور اسکے رسول

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ
اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ وَمَآ
اَنْزَلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ
يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ وَاللّٰهُ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ اِذْ اَنْتُمْ
بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ
الْقُصْوٰى وَالرَّكْبُ اَسْفَلَ مِنْكُمْ
وَلَوْ تَوَاعَدْتُّمْ لَاخْتَلَفْتُمْ فِى
الْمِيْعٰدِ وَلٰكِنْ لِّيَقْضِىَ اللّٰهُ اَمْرًا
كَانَ مَفْعُوْلًا لِّيَهْلِكَ مَنْ
هَلَكَ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَّيَحْيٰى
مَنْ حَىَّ عَنْۢ بَيِّنَةٍ وَاِنَّ
اللّٰهَ لَسَمِيْعٌ عَلِيْمٌ اِذْ يُرِيْكَهُمُ
اللّٰهُ فِىْ مَنَامِكَ قَلِيْلًا وَلَوْ
اَرٰىكَهُمْ كَثِيْرًا لَّفَشِلْتُمْ وَ
لَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَلٰكِنَّ
اللّٰهَ سَلَّمَ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ

کے لیے، اہل قرابت کے لیے، یتیمون کے لیے،
مسکینون کے لیے اور مسافرون کے لیے ہے،
اگر خدا پر تم ایمان لا چکے ہو اور حق و باطل مین
فرق کر دینے والے دن مین (یعنی بدر مین)
خدا نے اپنے بندے پر جو فتح اتاری، اسکو
مان چکے جب دونون فوجین آمنے سامنے
آگئین، اور خدا ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے،
جب تم قریب کے میدان مین اور قریش کی فوج
دور کے میدان مین اور قافلہ تم سے نیچے تھا،
اگر تم ایک دوسرے سے وقت مقرر کر کے
آتے تو وقت مین اختلاف ہو جاتا، لیکن خدا
نے یہ اس لیے کر دیا، تاکہ جو ہونے والا تھا،
خدا اس کو کر دے تاکہ جس کو مرنا ہو وہ بھی
دلیل دیکھ کر مرے، اور جس کو زندہ رہنا ہے
وہ بھی دلیل دیکھ کے زندہ رہے، اور بیشک
خدا سننے والا اور جاننے والا ہے، یاد کرو جب
خدا تم کو جنگ کی حالت مین ان کو تھوڑا

الصُّدُوْرِ ۞ وَاِذْ يُرِيْكُمُوْهُمْ | دکھا رہا تھا، اگر زیادہ کرکے دکھاتا تو تم
اِذِ الْتَقَيْتُمْ فِيْٓ اَعْيُنِكُمْ قَلِيْلًا وَّ | سست پڑ جاتے اور باہم جھگڑ پڑتے، لیکن خدا
يُقَلِّلُكُمْ فِيْٓ اَعْيُنِهِمْ لِيَقْضِيَ اللّٰهُ | نے محفوظ رکھا، وہ سینون کے بھید سے واقف ہے،
اَمْرًا كَانَ مَفْعُوْلًا ؕ وَاِلَى اللّٰهِ | جب تمھاری نظر مین خدا ان کو تھوڑا دکھا رہا
تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ | تھا اور تم کو ان کی نگاہ مین تاکہ جو ہونے والا
اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا | ہے خدا اس کو پورا کرے اور اسی کی طرف تمام
وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ | معاملے پھرتے ہین، مسلمانو! جب کسی دستہ فوج
وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَا | سے مقابلہ آپڑے تو ثابت قدم رہو اور خدا
تَنَازَعُوْا فَتَفْشَلُوْا وَتَذْهَبَ | کو اکثر یاد کیا کرو تاکہ کامیاب ہو، اور خدا اور
رِيْحُكُمْ وَاصْبِرُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ | اس نے رسول کی اطاعت کرو اور جھگڑا نہ کرو،
الصّٰبِرِيْنَ ۞ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ | ورنہ سست پڑ جاؤ گے اور تمھاری ہوا اکھڑ جائیگی،
خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَآءَ | مستقل رہو، خدا مستقل لوگون کے ساتھ ہے، اور
النَّاسِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ | ان لوگون (یعنی قریش) کی طرح نہ بنو جو اپنے گھرون
اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ | سے مغرورانہ، نمایش اور دکھاوے کیساتھ اور
مُحِيْطٌ ۞ (انفال) | خدا کی راہ سے لوگون کو روکتے ہوئے نکلے اور خدا
(۳) مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗٓ | (۳) پیغمبر کیلئے یہ مناسب نہ تھا کہ اسکے پاس قیدی
اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِي الْاَرْضِ ؕ | ہون تا آنکہ خوب زمین مین لڑ نہ لے، تم دنیا کی

(۱) [illegible]

تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ
يُرِيدُ الْآخِرَةَ وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ
لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ
فِيمَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا
وَاتَّقُوا اللّٰهَ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (انفال ۹)

دولت چاہتے ہو (قیدی ہونگے تو فدیہ ہاتھ آئیگا)
اور خدا آخرت چاہتا ہے خدا دانا اور توانا ہے اگر خدا
کی تقدیر پہلے نہ ہو چکی ہوتی تو تم نے جو قیدیوں سے لیا
اس پر دردناک عذاب پہنچتا، اب جو کچھ تم کو
غنیمت میں ملا، کھاؤ وہ حلال طیب ہے اور
خدا سے ڈرا کرو، خدا آمرزگار اور مہربان ہے،

(۴۴) يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ
مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنْ يَعْلَمِ اللّٰهُ فِي
قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِمَّا
أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُورٌ
رَحِيمٌ وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ
فَقَدْ خَانُوا اللّٰهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ
مِنْهُمْ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ (انفال ۱۰)

(۴۴) اے پیغمبر تمہارے ہاتھ میں جو قیدی
ہیں ان سے کہو کہ خدا اگر تمہارے دلوں میں
کچھ نیکی دیکھیگا تو تم سے جو لیا گیا ہے اس کے
بدلہ وہ نیکی عطا کریگا اور تمہیں معاف کریگا وہ بخشش
اور مہربانی والا ہے اور اگر یہ قیدی تجھ سے خیانت کرنا
چاہتے ہیں تو اس سے پہلے وہ خدا کیساتھ خیانت کر چکے
ہیں اسی لئے تو خدا نے ان کو تمہارے قابو میں کر دیا ہے

خدا دانا اور با خبر ہے

خدا نے اسی احسان کو احد کے موقع پر یاد دلایا ہے،

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ
وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ (آل عمران ۱۳)

یقیناً خدا نے تمہاری بدر میں مدد کی جب
تم کمزور تھے، تو خدا سے ڈرو تا کہ تم
شکر گذار بن جاؤ،

غزوۂ بدر پر دوبارہ نظر

سادہ واقعات بیان کرنے کے بعد اب وقت آیا ہے کہ محققانہ طور سے اس بات پر بحث کی جائے کہ غزوۂ بدر کا مقصد جیسا کہ عام مورخین نے بیان کیا ہے، کاروانِ تجارت کو لوٹنا تھا، یا قریش کے حملہ کا دفاع تھا،

مین اس بات سے خوب واقف ہوں کہ تاریخ اور محکمۂ عدالت مین فرق ہے مجھ کو یہ بھی معلوم ہے کہ تاریخ کا اندازِ بیان مقدمۂ دیوانی یا فوجداری کے فیصلہ لکھنے سے بالکل مختلف ہے مین اس کو بھی تسلیم کرتا ہون کہ میرا منصب واقعہ نگاری ہے، فیصلہ نویسی نہین لیکن موقع ایسا آپڑا ہے کہ ایک واقعۂ تاریخی نے مقدمۂ عدالت کی حیثیت حاصل کرلی ہی، اس لیے مجھ کو اپنے منصب سے ہٹ کر فصلِ مقدمہ کا قلم ہاتھ مین لینا پڑتا ہے،

اس بات کا مجھ کو مطلق خوف نہین کہ اس فیصلہ مین عام مورخین اور اربابِ سیر میرے حریفِ مقابل ہین، نہایت جلد نظر آجائے گا کہ حق اکیلا تمام دنیا پر فتح پا سکتا ہے، سلسلۂ کلام کے اچھی طرح پیشِ نظر رکھنے کے لیے سب سے پہلے ہم کو بتا دینا چاہیے کہ (ہماری تحقیقات کے رو سے) واقعہ کی اصلی صورت کیا تھی،

واقعہ یہ ہے کہ حضرمی کے قتل نے تمام مکہ کو جوشِ انتقام سے لبریز کردیا تھا اور اس سلسلہ

مین چھوٹی چھوٹی لڑائیان بھی پیش آگیئن، دونون فریق ایک دوسرے سے پُرحذر رہتے تھے، اور جیسا کہ ایسی حالتون مین عام قاعدہ ہے، غلط خبرین خودبخود مشہور ہوکر پھیل جاتی ہین اسی اثنا مین ابوسفیان قافلۂ تجارت کے ساتھ شام گیا، اور ابھی وہ شام مین تھا کہ یہ خبر وہان مشہور ہوگئی کہ مسلمان قافلہ پر حملہ کرنا چاہتے ہین، ابوسفیان نے وہین سے مکہ کو آدمی دوڑایا کہ قریش کو خبر ہوجائے، قریش نے لڑائی کی تیاریان شروع کردین، مدینہ مین یہ مشہور ہوا کہ قریش ایک جمعیت عظیم لے کر مدینہ آرہے ہین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدافعت کا قصد کیا، اور بدر کا معرکہ پیش آیا،

اس بحث کے فیصلہ کے لیے سب سے پہلے ان واقعات کو یکجا لکھ دینا چاہیے جن پر دونون فریق کا اتفاق ہے تاکہ وہ انفصالِ بحث مین اصولِ موضوعہ کے طور پر کام آئین، وہ یہ ہین،

(۱) قرآن مجید مین اگر کسی واقعہ کا صاف ذکر ہے تو اُس کے مقابلہ مین کسی اور روایت کا اعتبار نہ کیا جائے گا،

(۲) کتبِ حدیث مین صحت کے لحاظ سے باہم جو فرق مراتب ہے اس کا لحاظ رکھا جائے گا،

اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبر معلوم ہوئی کہ قریش بڑی تیاری کے ساتھ مکہ سے نکلے ہین، تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہوکر ان کا استمزاج کیا، مہاجرین نے نہایت جوش کے ساتھ آمادگی ظاہر کی لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) انصار کی مرضی دریافت کرنا چاہتے تھے، یہ دیکھ کر سعدؓ یا اور کوئی معزز انصاری اٹھے اور کہا، یارسول اللہ! کیا آپ کا روے سخن ہماری طرف ہے، ہم وہ لوگ نہین ہین جنھون نے موسیٰؑ سے کہا تھا کہ تم اور تمھارا خدا دونون

جا کر لڑو ہم یہین بیٹھے رہین گے، خدا کی قسم اگر آپ حکم دین تو ہم آگ اور سمندر مین کود پڑین۔

یہ بھی مسلّم ہے کہ صحابہ مین کچھ ایسے لوگ بھی تھے جو شرکت سے ہچکچاتے تھے، چنانچہ خود قرآن مجید مین تصریح ہے،

وَاِنَّ فَرِیْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ لَکَارِهُوْنَ (انفال-۱) اور مسلمانون کا ایک گروہ قطعاً ناخوش تھا،

عموماً ارباب سیر اور محدثین نے تصریح کی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے انصار کی رضامندی جو خاص طور پر دریافت کی اس کی وجہ یہ تھی کہ انصار نے مکہ مین جب آپ کے ہاتھ پر بیعت کی تو صرف یہ اقرار کیا تھا کہ "جب کوئی دشمن خود مدینہ پر حملہ آور ہوگا تو انصار مقابلہ کرین گے، یہ اقرار نہ تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر بھی لڑین گے، ان واقعات کے بعد اب مرکز بحث یہ ہے کہ "یہ واقعات کہان پیش آئے" ارباب سیر لکھتے ہین کہ مدینہ سے جب آپ نکلے تو صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود تھا، دو چار منزل چل کر معلوم ہوا کہ قریش فوجین لیے چلے آتے ہین، اس وقت آپ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا کہ ان کا عندیہ دریافت فرمائین، آگے کے واقعات یہین پیش آئے، لیکن کتب سیر، تاریخ اور تمام دیگر شہادتون سے بالاتر ایک اور چیز ہمارے پاس موجود ہے، (قرآن) جس کے آگے ہم سب کو گردن جھکا دینی چاہیے،

کَمَآ اَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْۢ بَيْتِكَ	جس طرح تجھ کو تیرے خدا نے تیرے گھر سے حق
بِالْحَقِّ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ	پر نکالا در انحالیکہ مسلمانون کا ایک گروہ اسکو
لَكٰرِهُوْنَ ۙ يُجَادِلُوْنَكَ فِي الْحَقِّ	پسند نہین کرتا تھا، یہ لوگ حق کے ظاہر ہوئے
بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ	پیچھے تجھ سے حق بات مین جھگڑا کرتے تھے، گویا

إِلَى الْمَوْتِ وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۝ وَ
إِذْ يَعِدُكُمُ اللّٰهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ
أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ
الشَّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ
أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعَ
دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۝ (انفال - ۱)

کہ موت کی طرف ہنکائے جا رہے ہین، اور موت کو
آنکھون سے دیکھ رہے ہین، اور جبکہ خدا تم سے یہ وعدہ
کرتا تھا کہ دو جماعتون مین کوئی جماعت تم کو ہاتھ
آئیگی اور تم یہ چاہتے تھے کہ بے کھٹکے والی جماعت تم کو
ہاتھ آجائے اور اللہ یہ چاہتا تھا کہ حق کو اپنی باتون
سے قائم کرے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے،

(۱) ترکیب نحوی کے رو سے وَاِنَّ مین جو واو ہے، حالیہ ہے جس کے یہ معنی ہین کہ مسلمانون کا ایک گروہ جو لڑائی سے جی چراتا ہے، یہ موقع عین وہ موقع تھا جب آپ مدینہ سے نکل رہے تھے نہ کہ مدینہ سے نکل کر جب آپ آگے بڑھے، کیونکہ واو حالیہ کے لحاظ سے خروج من البیت اور اس گروہ کے جی چرانے کا وقت اور زمانہ ایک ہی ہونا چاہیے،

(۲) آیت مذکورہ مین بہ تصریح مذکور ہے کہ یہ جس وقت کا واقعہ ہے اُس وقت دو گروہ سامنے تھے، ایک کاروانِ تجارت، اور ایک قریش کی فوج جو مکہ سے آرہی تھی، ارباب سیر کہتے ہین کہ آیت قرآنی میں یہ اس وقت کا واقعہ مذکور ہے جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بدر کے قریب پہنچ چکے تھے، لیکن بدر کے قریب پہنچ کر تو کاروان تجارت صحیح سلامت بچکر نکل گیا تھا، اس وقت یہ کیونکر صحیح ہوسکتا ہے کہ "دونون میں سے ایک کا وعدہ ہے" اسلیے یہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن مجید کے نص کے مطابق یہ واقعہ اس وقت کا ہونا چاہیے جب دونون گروہ کے ہاتھ آنے کا احتمال ہوسکتا ہو، اور یہ صرف وہ وقت ہوسکتا ہے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

مدینہ مین تھے، اور دونون طرف کی خبرین آگئی تھین کہ اُدھر ابوسفیان کاروانِ تجارت لیکر چلا ہے اور ادھر قریش جنگ کے سروسامان کے ساتھ مکہ سے نکل چکے ہین،

(۳) سب سے زیادہ قابلِ لحاظ یہ امر ہے کہ قرآن مجید کی آیت مذکورۂ بالا مین کفار کے دو فریق کا خدا نے بیان کیا ہے، ایک قافلۂ تجارت اور دوسرا صاحبِ شوکت یعنی کفارِ قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے آرہے تھے، آیت مین تصریح ہے کہ مسلمانون کی ایک جماعت ایسی تھی جو چاہتی تھی کہ کاروانِ تجارت پر حملہ کیا جائے، خدا نے ان لوگون پر ناراضی ظاہر کی اور فرمایا،

وَتَوَدُّونَ اَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشَّوْكَةِ	اور تم چاہتے ہو کہ بے خرخشہ والا گروہ
تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللّٰهُ اَنْ	تم کو ہاتھ آجائے، اور خدا یہ چاہتا ہے کہ
يُّحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ وَيَقْطَعَ دَابِرَ	اپنی باتون سے حق کو قائم کردے، اور
الْكٰفِرِيْنَ (انفال۔ ۱)	کافرون کی جڑ کاٹ دے،

ایک طرف وہ لوگ ہین جو قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا چاہتے ہین، دوسری طرف خدا ہے، جو چاہتا ہے کہ حق کو قائم کردے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے، اب سوال یہ ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان دو مین سے کس کے ساتھ ہین؟ عام روایتون کے مطابق اس سوال کا کیا جواب ہوگا، مین اس تصور سے کانپ اٹھتا ہون،

(۴) اب واقعہ کی نوعیت پر غور کرو۔ واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ منورہ سے اس سروسامان کے ساتھ نکل رہے ہین کہ تین سو سے زیادہ جانباز مہاجر و انصار ساتھ ہین، اُن مین فاتحِ خیبرؓ اور حضرت امیر حمزہؓ سید الشہدا بھی ہین، جن مین سے ہر ایک بجائے خود

ایک لشکر ہے، باوجود اس کے (جیسا کہ قرآن مجید مین بہ تصریح مذکور ہے) ڈر کے مارے کچھ صحابہ کا دل بیٹھا جاتا ہے، اور اُن کو نظر آتا ہے کہ کوئی ان کو موت کے منہ مین لیے جاتا ہے،

وَاِنَّ فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ	اور مسلمانوں کی ایک جماعت کارہ
لَكَارِهُونَ، يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ	تھی، وہ تجھ سے حق ظاہر ہوئے پیچھے بھی
بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ	جھگڑا کرتی تھی، گویا کہ موت کی طرف
إِلَى الْمَوْتِ (انفال - ۱)	ہنکائے جارہے ہین،

اگر صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو یہ خوف، یہ اضطراب، یہ پہلو تہی کس بنا پر تھی، اس سے پہلے بارہا (بقول ارباب سیر) قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کے لیے تھوڑے تھوڑے آدمی بھیج دیئے گئے تھے، اور کبھی ان کو ضرر نہین پہنچا تھا، اس دفعہ اسی قافلہ کا اتنا ڈر ہے کہ تین سو چیدہ اور منتخب فوج ہے اور پھر لوگ ڈر کے مارے سہمے جاتے ہین، یہ قطعی دلیل ہی کہ مدینہ ہی مین خبر آگئی تھی کہ قریش مکہ سے جمعیت عظیم لے کر مدینہ پر آرہے ہین،

(۵) قرآن مجید مین ایک اور آیت اسی بدر کے واقعہ کے متعلق نازل ہوئی ہے اور اس وقت جب آپ مدینہ ہی مین تشریف رکھتے تھے، چنانچہ صحیح بخاری تفسیر سورہ نساء مین تصریحاً مذکور ہے، آیت یہ ہے

لَا يَسْتَوِي الْقَاعِدُونَ مِنَ	بجز معذوروں کے، وہ لوگ جو بیٹھ رہے،
الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ	اور وہ لوگ جو خدا کی راہ مین اپنے مال اور جان
وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ	سے جہاد کرتے ہین، برابر نہین ہو سکتے

بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللّٰهُ	خدا نے مجاہدین کو جو مال اور جان
الْمُجَاهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ	سے جہاد کرتے ہین، درجہ مین
عَلَى الْقَاعِدِيْنَ دَرَجَةً (نساء-۱۳)	فضیلت دی ہے،

صحیح بخاری مین اس آیت کے متعلق حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ یعنی وہ لوگ جو بدر مین نہین شریک ہوئے اور جو شریک ہوئے، دونون برابر نہین ہوسکتے۔ صحیح بخاری مین یہ بھی ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو پہلے غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ کا جملہ نہ تھا، یہ آیت سن کر حضرت عبد اللہ بن ام مکتومؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور اپنے اندھے پن کا عذر کیا، اس پر وہین یہ جملہ نازل ہوا "غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ" یعنی معذورون کے سوا یہ صاف اس بات کی دلیل ہے کہ مدینہ ہی مین معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ پر حملہ کرنا نہین، بلکہ لڑنا اور جان دینا ہے،

(۶) کفار قریش جو مکہ سے لڑنے کے لیے بدر مین آئے اُن کی نسبت قرآن مجید مین ہے،

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ	اور (ان لوگون کی طرح نہ بنو) جو اپنے
دِيَارِهِمْ بَطَرًا وَّرِئَاءَ النَّاسِ وَ	گھرون سے مغرورانہ نمایشی اور خدا
يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (انفال ۶)	کی راہ سے روکتے ہوئے نکلے،

اگر قریش صرف قافلۂ تجارت کے بچانے کے لیے نکلتے تو خدا یہ کیون کہتا کہ وہ اظہار شان اور دکھاوے کے لیے خدا کی راہ سے لوگون کو روکتے ہوئے نکلے؟ اس مین اظہار شان اور دکھاوے کی کیا بات تھی، اور خدا کی راہ سے لوگون کو روکنا کیا تھا؟ البتہ چونکہ درحقیقت

مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے نکلے تھے، جس سے مقصود اپنے زور اور قوت کا اعلان و نمایش اور اسلام کی ترقی کا انسداد تھا، اس لیے خدا نے اس کو غرور و نمایش اور صد عن سبیل اللہ کہا،

(قرآن مجید کے بعد احادیث نبوی کا درجہ ہے، احادیث کی متعدد کتابون مین غزوۂ بدر کا مفصل و مجمل ذکر ہے، لیکن حضرت کعبؓ بن مالک والی حدیث کے سوا اور کسی حدیث مین یہ واقعہ میری نظر سے نہین گذرا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بدر مین قریش کے قافلۂ تجارت کے لوٹنے کے لیے نکلے تھے،

حضرت کعبؓ کی حدیث یہ ہے:۔

عن عبد اللہ بن کعب قال کعب	کعبؓ کہتے ہین کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
لم اتخلف عن رسول اللہ صلی اللہ	کو چھوڑ کر کسی غزوہ سے پیچھے نہین رہا،
علیہ وسلم فی غزوۃ غزاھا الا فی غزوۃ	بجز غزوۂ تبوک کے، اور ہان غزوۂ بدر مین
تبوک غیر انی کنت تخلفت فی	بھی شریک نہ تھا، اور جو اس مین شریک نہ ہوا
غزوۃ بدر ولم یعاتب احد	اس پر کچھ عتاب نہین ہوا کیونکہ آنحضرت
تخلف عنھا، انما خرج النبی	صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے قافلہ کے لیے نکلے
صلی اللہ علیہ وسلم یرید عیر قریش	تھے کہ خدا نے دونون فریق کو اچانک
حتی جمع اللہ بینھم وبین عدوھم علی غیر میعاد	مقابل کر دیا،

اس کے برخلاف حضرت انسؓ کی حدیث ہے جو صحیح مسلم مین ہے:۔

۱۔ عن انس ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	۱۔ انسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

شاور حين بلغه اقبال ابى سفيان
قال فتكلم ابوبكر فاعرض عنه
ثم تكلم عمر فاعرض عنه فقام
سعد بن عبادة فقال ايانا
تريد يا رسول الله والذى نفسى
بيده لو امرتنا ان نخضيها البحر
لاخضناها. ولو امرتنا ان نضرب
اكبارها الى برك الغماد لفعلنا قال
فندب رسول الله صلى الله عليه وسلم
الناس فانطلقوا حتى نزلوا
بدراً
٢. وورد ت عليهم روايا قريش و
فيهم غلام اسود لبنى الحجاج فاخذوه
فكان اصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم
يسئلونه عن ابى سفيان واصحابه
فيقول مالى علم بابى سفيان ولكن
هذا ابوجهل وعتبة وشيبة و

کو جب ابوسفیان کے آنے کی خبر معلوم ہوئی
تو آپ نے مشورہ طلب کیا۔ حضرت ابوبکرؓ
بولے تو آپ نے توجہ نہ فرمائی، پھر حضرت عمرؓ
بولے، آپ نے ان کی طرف بھی توجہ نہ کی، پھر
حضرت سعدؓ بن عبادہ کھڑے ہوئے، اور
کہا یا رسول اللہ! کیا آپ کا روئے خطاب
ہم انصار کی طرف ہے؟ خدا کی قسم اگر دریا میں
سواری ڈالنے کا آپ حکم دیں تو ہم ڈال دیں گے،
اور اگر برک الغماد تک جانے کا حکم دیجئے تو ہم
کریں گے حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ اس کے
بعد آپ نے لوگوں کو شرکت جنگ کی دعوت
(۲) اور (پہلے) قریش کا ہراول آگرا اترا، اس
میں بنی حجاج کا ایک حبشی غلام تھا مسلمانوں
نے اس کو گرفتار کر لیا، اور اس سے ابوسفیان
کا حال پوچھنے لگے۔ وہ کہتا تھا کہ مجھ کو ابوسفیان
کی خبر نہیں لیکن ابوجہل، عتبہ، شیبہ، امیہ بن خلف
آ رہے ہیں، جب وہ یہ کہتا تو لوگ اس کو مارتے،

دی گئی تھی [illegible]

امية بن خلف فاذا قال ذلك ضربوه
فقال نعم انا اخبركم هذا ابو سفيان
فاذا تركوه فسألوه فقال مالي بابي
سفيان علم ولكن هذا ابو جهل و
وعتبة وشيبة وامية بن خلف في
الناس فاذا قال هذا ايضا ضربوه
ورسول الله صلى الله عليه وسلم قائم يصلي
ولما رأى ذلك انصرف قال والذي
نفسي بيده لتضربوه اذا صدقكم
وتتركوه اذا كذبكم (صحیح مسلم باب غزوہ بدر)

وہ کہتا اچھا ابو سفیان کو بتاتا ہون، تب اسکو
چھوڑ دیتے، تو پھر پوچھتے تو وہ کہتا مجھ کو
ابو سفیان کی خبر نہین لیکن ابو جہل، عتبہ شیبہ
امیہ بن خلف رؤسائے قریش آرہے ہین،
لیکن جب وہ یہ کہتا تب بھی اس کو مارتے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز مین مشغول تھے آپ نے
یہ دیکھ کر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے
ہاتھ مین میری جان ہے، جب وہ سچ کہتا ہے
تو تم اس کو مارتے ہو اور جب جھوٹ
بولتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو،

حدیث کے پہلے ٹکڑے سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب ابو سفیان کے آنے کا حال معلوم ہوا، اسی وقت آپ نے مہاجرین وانصار سے مشورہ کیا اور انصار سے اعانت کی خواہش کی، اور یہ متفقاً ثابت ہے کہ ابو سفیان کی آمد کا حال مدینہ ہی مین معلوم ہو چکا تھا، اس بنا پر یہ محقق طور پر ثابت ہو گیا کہ اس غزوہ کی شرکت کے لیے آپ نے انصار سے مدینہ ہی مین خواہش کی تھی، ورنہ اگر باہر نکل کر یہ معاملہ پیش آتا جیسا کہ کتب سیرت مین مذکور ہے تو اس وقت انصار وہان کہان ہوتے؟ اور نیز اسی ٹکڑے مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کے بعد لوگون کو شرکت کی دعوت دی، حالانکہ ارباب سیر کے مطابق واقع یہ ہونا چاہیے کہ انصار معاہدہ اور معمول سابق کے

خلاف شرکت کے لیے نکلے! آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پھر ان کا عذر یہ دریافت فرمایا، اور اس کے بعد شرکت کے لیے آمادہ کیا، ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ یہ ایک مجنونانہ بات ہے؟

حدیث کے دوسرے ٹکڑے سے یہ وضاحت تمام محقق ہوتا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو وحی کے ذریعہ سے یا کسی اور طریقہ سے یہ پہلے ہی سے معلوم تھا کہ تجارتی قافلہ کا نہیں بلکہ جنگی فوج کا مقابلہ ہے، گو عام لوگوں کو یہ معلوم نہ ہو،

اس حدیث مین ایک گرہ اور کھولنا ہے، اگر پہلے صرف ابو سفیان کا آنا معلوم ہوا تھا، اور قریش کے حملہ کی خبر نہ تھی، تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اس اصرار اور سرو سامان سے کیون اجتماع کا اہتمام فرماتے ہ؟ اس لیے ابو سفیان کی آمد کے بجائے موقع کا اقتضاء یہ ہو کہ "جب مشرکین مکہ کی آمد کی خبر معلوم ہوئی" چنانچہ اسی واقعہ کو ان ہی الفاظ کیساتھ امام احمد بن حنبل نے مسند[1] مین، ابن ابی شیبہ نے مصنف مین، ابن جریر نے تاریخ[2] مین اور بیہقی نے دلائل مین روایت کیا ہے اور اس کو صحیح کہا ہے، اور اس کے راوی معرکہ بدر کے ہیرو اسد اللہ علی بن ابی طالب ہین،

عن علی قال لما قدمنا المدینة	حضرت علیؓ فرماتے ہین کہ جب ہم مدینہ آئے
اصبنا من ثمارها فاجتویناها	تو وہان پھل کھانے کو ملے جو ہمارے ناموافق
واصابنا بها وعك وكان النبي	مزاج تھے، اس لیے ہم لوگ بیمار ہوگئے آنحضرت
(صلی اللہ علیہ وسلم) يتخبر عن بدر فلما	صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو پوچھا کرتے تھے، جب
بلغنا ان المشركين قد اقبلوا سار	ہم کو خبر ملی کہ مشرکین آرہے ہین تو

[1] جلد اول ص ۱۱۷ [2] منتخب کنز العمال غزوۂ بدر [3] جلد ۳ صفحہ ۱۲۸۹

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی بدر و	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بدر کو چلے، بدر ایک
بدر بئر فسبقنا المشرکین الیہا،	کنوئیں کا نام ہے، جہاں ہم مشرکین
(اسکے بعد بدر کے تمام واقعات وجزئیات مذکور ہین)	سے پہلے پہنچ گئے،

اس مین صاف تصریح ہے کہ مشرکین مکہ کے حملہ کی خبر سن کر آپ نکلے تھے اور بدر آکر قیام فرمایا تھا، اس پوری حدیث مین ابوسفیان کے قافلۂ تجارت کا ذکر تک نہین ہے)

ان قطعی نصوص کے بعد اگرچہ کسی اور استدلال کی ضرورت نہین لیکن لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِی کے طور پر واقعات ذیل پر لحاظ کرنا چاہیے،

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پہلے قریش کے قافلون پر حملہ کرنے کے لیے جسقدر سرایا بھیجے اورجن مین بیس تیس آدمی سے لیکر ستر ستر، دو دو سو کی جمعیت تھی، ان مین کبھی کسی انصاری کو نہین بھیجا، ارباب سیر اس خاص امر کو بہ تصریح لکھتے ہین، اوراس تصریح کی اس لیے ضرورت سمجھتے ہین کہ انصار نے بیعت کے وقت مدینہ سے باہر نکلنے کا اقرار نہین کیا تھا، اس بنا پر اگر اس دفعہ بھی مدینہ سے نکلنے کے وقت صرف قافلۂ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو انصار ساتھ نہ ہوتے، حالانکہ اس واقعہ مین انصار کی تعداد مہاجرین سے زیادہ تھی یعنی کل فوج ۳۰۵ تھی جن مین ۸۳ مہاجرین اور باقی سب انصار تھے،

یہ اس بات کی قطعی دلیل ہو کہ جس وقت مدینہ سے آپ نکلے یہ خبر آچکی تھی کہ قریش مدینہ پر آرہے ہین، اسی بنا پر آپ نے انصار کو مخاطب کیا، کیونکہ معاہدۂ بیعت کے موافق اب انصار سے کام لینے کا وقت آچکا تھا،

(۲) مکہ سے جو قافلہ تجارت کے لیے شام کو جایا کرتا تھا، مدینہ کے پاس سے ہو کر گذرتا تھا، مدینہ سے مکہ تک جس قدر قبائل آباد تھے، عموماً قریش کے زیر اثر تھے، بخلاف اس کے مدینہ سے شام تک کے حدود تک قریش کا اثر نہ تھا، اس بنا پر اگر کاروانِ تجارت پر حملہ کرنا مقصود ہوتا تو شام کی طرف بڑھنا تھا، یہ بالکل خلاف قیاس ہے کہ کاروانِ تجارت شام سے آرہا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو چکی ہے، اور آپ بجائے اس کے کہ شام کی طرف بڑھیں مکہ کی طرف جاتے ہیں، اور پانچ منزل مکہ کی طرف جا کر خبر آتی ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا، اور قریش سے جنگ پیش آجاتی ہے،

(۳) واقعات کی ترتیب یہ ہے :-

۱- قریش نے عبد اللہ بن اُبی کو خط لکھا کہ "محمدؐ اور ان کے رفقاءؓ کو مدینہ سے نکال دو، ورنہ ہم مدینہ آکر تم کو برباد کر دیں گے"۔ (بحوالہ سنن ابی داؤد اوپر گذر چکا)

۲- ابو جہل نے سعد بن معاذ سے کہا کہ تم نے ہمارے مجرموں کو پناہ دی ہے، اگر امیہ کی ضمانت نہ ہوتی تو میں تم کو قتل کر دیتا،

۳- کرز بن جابر نے جمادی الثانی ۲ھ میں مدینہ کی چراگاہ پر حملہ کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ لوٹ لیے،

۴- اس کے بعد ہی رجب ۲ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبد اللہ بن جحشؓ کو تجسس کے لیے بھیجا کہ قریش کی نقل و حرکت کی خبر لائیں،

۵- عبد اللہ بن جحشؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف) قریش کا ایک مختصر

قافلہ لوٹ لیا، اور ایک آدمی قتل اور دو اسیر کیے،

قریش نے مکہ مین جو کچھ مسلمانون کے ساتھ کیا تھا، اس کو پیش نظر رکھو، پھر یہ خیال کرو کہ انکا جوش انتقام کسی طرح کم نہین ہوتا، اور وہ عبد اللہ بن ابی کو لکھتے ہین کہ ہم مدینہ آکر تم کو اور محمد دونون کو فنا کردین گے، کرز فہری مدینہ پر چھاپہ مارتا ہے، اسی اثنا مین قریش کا اشتعال اس سے اور بڑھ جاتا ہے کہ حضرت عبد اللہؓ بن جحش نے ان کا قافلہ لوٹ لیا، اور ان کے دو معزز خاندان کے ممبر اسیر کرلیے، ان تمام باتون کے ساتھ قریش صبر کرتے ہین، اور کسی قسم کے انتقام کا ارادہ نہین کرتے، جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قافلہ کو جس مین مکہ کی کل کائنات تھی، لوٹنے کے لیے نکلتے ہین، تب مجبوراً ان کو مدافعت کے لیے نکلنا پڑتا ہے، اس پر بھی بدر کے قریب پہنچکر جب ان کو معلوم ہوتا ہے کہ قافلہ بچ کر نکل گیا تو ان کے بڑے بڑے سردار اور خود عتبہ جو سالار لشکر تھا، رائے دیتا ہے کہ اب لڑنے کی ضرورت نہین، واپس چلنا چاہیے، کیا واقعات کا یہ نقشہ قریش کے جوش عداوت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان نبوت کے موافق ہے،

۴۔ ارباب سیر عموماً لکھتے ہین کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ مین صحابہؓ کو کاروان تجارت پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو لوگون نے چندان مستعدی ظاہر نہین کی کیونکہ لوگ سمجھے کہ کوئی مہم اور معرکہ وجہاد نہین ہے، بلکہ صرف تحصیل غنیمت ہے، اس لیے جن لوگون کو مال کی حاجت تھی، وہ گئے، لیکن ہم دیکھتے ہین کہ انصار مین جس قدر اعیان قوم اور سرلشکر تھے سب گئے، زر و مال کے محتاج اگر تھے تو مہاجرین تھے، لیکن جانے والون مین انصار کی تعداد

مہاجرین سے دو گنی تھی ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استمزاج کے جواب میں جن لوگوں نے جان نثارانہ فقرے کہے تھے، مہاجرین میں حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و مقدادؓ تھے، اور انصار میں حضرت سعدؓ بن عبادہ تھے[1]، حضرت سعدؓ بن عبادہ غزوۂ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اور مدینہ سے باہر نہیں جا سکے تھے، اس لیے قطعاً یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت سعدؓ نے یہ جواب مدینہ ہی میں دیا تھا، اور وہیں قریش کے حملہ کا حال معلوم ہو گیا تھا، اور اس لیے یہ قطعی ہے کہ مدینہ ہی میں اس بات کی ضرورت پیش آئی تھی کہ انصار کا استمزاج لیا جائے،

۸۔ عام ارباب سیر، بلکہ احادیث کی کتابوں میں بھی منقول ہے کہ غزوۂ بدر میں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کی ترغیب دی تو کچھ لوگ آمادہ نہ ہوئے اور کسمسائے، جس کی وجہ یہ تھی کہ وہ جانتے تھے کہ جہاد یا غزوہ نہیں ہے، صرف قافلہ کا مال لوٹنا ہے، اس لیے یہ اپنی مرضی پر موقوف ہے، جس کا جی چاہے جائے جس کا جی چاہے نہ جائے، طبری میں ہے،

قالوا لما سمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	لوگوں نے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت
بابی سفیان مقبلا من الشام ندب	صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوسفیان کا شام سے روانہ
المسلمین الیھم وقال ھذہ	ہونا سنا تو مسلمانوں کو بلایا، اور فرمایا کہ یہ
عیر قریش فیھا اموالھم فاخرجوا	قریش کا قافلہ آرہا ہے جس میں ان کا مال ہے،
الیھا لعل اللہ ان ینفلکموھا فانتدب	چلو شاید خدا تم کو اس میں سے مال غنیمت

[1] صحیح مسلم و صحیح بخاری غزوۂ بدر

الناس فخف بعضهم وثقل	دلدادی، لوگ آمادہ ہوئے لیکن بعضوں نے پہلو تہی
بعضهم وذلك انهم لم يظنوا	کی کیونکہ وہ سمجھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
ان رسول الله يلقي حربًا (ص۲۹۳)	کو کوئی لڑائی تو پیش نہین آئے گی،

لیکن یہ واقعات صریح آیاتِ قرآنی کے خلاف ہین، قرآن مجید مین بہ تصریح موجود ہی کہ جو لوگ مدینہ سے نکلتے ہوئے کسمساتے تھے، وہ عدمِ ضرورت کی بنا پر نہین، بلکہ اس کی وجہ سے کہ ان کو یہ نظر آتا تھا کہ موت کے منہ مین جا رہے ہین،

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ	اور مسلمانون کا ایک فریق نکلنے سے ناراض
يُجَادِلُوْنَكَ فِى الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ	تھا، وہ تجھ سے حق کے متعلق جھگڑتا تھا، بعد
كَاَنَّمَا يُسَاقُوْنَ اِلَى الْمَوْتِ۔	اس کے کہ حق ظاہر ہو گیا تھا، وہ گویا موت
(انفال - ۱)	کی طرف ہنکائے جا رہے ہین،

۲- تمام کتبِ احادیث اور سیر مین تصریح ہے کہ مدینہ منورہ سے ایک میل چل کر (مقام بیر ابی عنبہ مین) آپ نے فوج کا جائزہ لیا، اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ وغیرہ اس بنا پر واپس بھیج دیئے گئے کہ ان کی عمرین پندرہ برس سے کم تھین، یا یہ کہ سنِ بلوغ کو نہین پہنچے تھے، اگر صرف قافلہ کا لوٹنا مقصود ہوتا تو یہ کام نوخیز نوجوان زیادہ خوبی سے انجام دے سکتے ہین، لیکن چونکہ واقع مین جہاد مقصود تھا جو ایک فریضۂ الٰہی ہے، اور اس کے لیے بلوغ کی قید ہے، اس لیے نابالغ لوگ واپس کر دیے گئے کہ ابھی اس کے اہل نہین،

۱۔ حافظ ابن عبد البر نے استیعاب[1] مین روایت کی ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون کو قافلۂ قریش پر حملہ کرنے کی ترغیب دی تو خثیمہؓ نے جو ایک انصاری تھے، اپنے بیٹے سعدؓ سے کہا کہ مجھے جانے دو، اور تم یہان مستورات کی خبرگیری کرو، سعدؓ نے کہا "حضور! اگر کوئی اور موقع ہوتا تو ضرور مین آپ کو اپنے اوپر ترجیح دیتا لیکن یہ شہادت کا درجہ ہے، مین اس کو کیونکر چھوڑ سکتا ہون"۔ چنانچہ قرعہ اندازی ہوئی، اور سعدؓ کے نام قرعہ نکلا، سعدؓ شریک جنگ ہو کر شہید ہوے،

اس سے صاف ثابت ہے کہ قافلہ لوٹنا نہین بلکہ جہاد پیشِ نظر تھا، اور لوگون کو دولتِ شہادت کے حاصل ہونے کی آرزو ہے،

غزوۂ بدر کا اصلی سبب عرب کا خاصۂ قومی تھا کہ جب کسی قبیلہ کا کوئی آدمی کسی طریقے سے کسی کے ہاتھ سے قتل ہو جاتا تھا، تو ایک سخت ہنگامۂ کارزار قائم ہو جاتا تھا، دونون طرف ٹڈی دل امنڈ آتا تھا، اور خون کی ندیان بہ جاتی تھین، یہ لڑائیان مدتون تک قائم رہتی تھین، قبیلے کے قبیلے کٹ جاتے تھے، تاہم یہ سلسلہ بند نہین ہوتا تھا، عرب لکھے پڑھے نہ تھے، تاہم مقتول کا نام کاغذ پر درج ہو کر خاندان مین وراثۃً چلا آتا تھا، بچون کو یہ نام یاد کرایا جاتا تھا کہ بڑے ہو کر اس خون کا انتقام لینا ہے، داحس اور بسوس کی قیامت خیز لڑائیان جو چالیس چالیس برس قائم رہین، اور جن مین ہزارون لاکھین جانین برباد ہو گئین، اسی بنا پر ہوئین، عربی زبان مین اس انتقام کو ثار کہتے ہین، اور یہ عرب کی قومی تاریخ کا

[1] استیعاب تذکرہ سعد بن خثیمہ، اصابہ اور طبقات مین یہ واقعہ باختلاف الفاظ منقول ہے،

سب سے بڑا اہم لفظ ہے،

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، حضرت عبداللہ بن جحشؓ کے واقعہ میں عمرو بن حضرمی قتل کر دیا گیا تھا، حضرمی عتبہ بن ربیعہ کا حلیف تھا، جو تمام قریش کا سردار تھا، بدر اور تمام غزوات کا سلسلہ اسی خون کا انتقام تھا، عروہ بن زبیر (حضرت عائشہؓ کے بھانجے) نے اس واقعہ کو بتصریح بیان کیا ہے،

وکان الذی هاج وقعة بدر و	جس چیز نے غزوۂ بدر اور دیگر وہ تمام لڑائیان
سائر الحروب التی کانت بین	برپا کین جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین عرب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وبین مشرکی	کے درمیان واقع ہوئیں، وہ جیسا کہ عروۂ
قریش فیما قال عروة بن الزبیر	ابن زبیر کا بیان ہو کہ عروہ بن حضرمی کا قتل
ما کان من قتل واقد بن عبد اللہ	کیا جانا ہے، جس کو واقد بن عبد اللہ تمیمی
التمیمی عمرو بن الحضرمی (تاریخ طبری ۱۲۸۴)	نے قتل کر دیا تھا،

ایک عام غلطی جس نے واقعۂ بحث طلب میں غلطی پیدا کر دی ہے، یہ ہے کہ سب سے پہلے جو لڑائی کفار سے ہوئی وہ بدر تھی حالانکہ بدر سے پہلے لڑائیان شروع ہو چکی تھیں، عروہ بن الزبیر نے غزوۂ بدر کے متعلق عبدالملک کو جو خط لکھا تھا، اس کے ابتدائی فقرے یہ ہیں:-

ـــــــــــــــــــــ

لہ عبداللہ بن جحشؓ جن کی سرداری میں یہ قتل واقع ہوا، حضرت حمزہؓ کے بھانجے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں زاد بھائی تھے، قاتل یعنی واقد بن عبداللہ حضرت عمرؓ کے خاندان کے حلیف، اور حضرت عمرؓ کے آغاز خلافت تک زندہ رہے، دیکھو طبقات ابن سعد ذکر عبداللہ بن جحش و واقد بن عبداللہ،

ان اباسفیان بن حرب اقبل
من الشام فی قریب من سبعین
راکباً من قبائل قریش فذکروا
لرسول الله صلی الله علیه وسلم واصحابه
وقد کانت الحرب بینهم
فقتلت قتلی وقتل ابن الحضرمی
فی اناس بنخلة واسرت اساری
من قریش .... وکانت
تلک الوقعة هاجت الحرب
بین رسول الله صلی الله علیه وسلم وبین
قریش واول ما اصاب به بعضهم
بعضاً من الحرب وذلک قبل
مخرج ابی سفیان واصحابه الی
الشام (طبری ص ١٢٨٥)

ابوسفیان بن حرب تقریباً ستر سوار کے
ساتھ شام سے آرہا تھا، جو کل کے کل قریشی
تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ سے اس کا
تذکرہ ہوا اور دونون فریق مین لڑائی
شروع ہو چکی تھی، اور ادھر کے چند لوگ
جن مین ابن حضرمی بھی تھا، مارے جا چکے
تھے، اور کچھ قیدی بھی ہو چکے تھے....
..........اور اسی واقعہ
نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش مین جنگ
برپا کر دی تھی، اور یہی سب سے پہلا واقعہ
تھا جس مین دونون فریق نے ایک دوسرے
کو صدمہ پہنچایا، اور یہ لڑائی ابوسفیان
کی روانگی شام سے پہلے وقوع مین
آچکی تھی،

اس مین تصریح ہے کہ ابوسفیان جب شام کو روانہ بھی نہین ہوا تھا، اسی وقت لڑائی شروع ہو چکی تھی، غزوۂ بدر ابوسفیان کی واپسی شام کے بعد واقع ہوا ہے، اصلیتِ واقعہ کی تحقیق کا سب سے بڑا اصلی ذریعہ یہ ہے کہ خود حریفانِ جنگ کی شہادت

بہم پہنچائی جائے، اس قسم کی شہادتیں بہت کم ہاتھ آسکتی ہین، لیکن خوش قسمتی سے یہان اس قسم کی شہادت موجود ہے، حضرت حکیم بن حزامؓ (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) غزوۂ بدر مین شریک تھے، اور اس وقت تک کافر تھے، وہ عمر مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پانچ برس بڑے تھے، اور گو زمانۂ جاہلیت مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے نہایت محبت رکھتے تھے، اور نبوت کے بعد بھی یہ محبت قائم رہی، تاہم فتح مکہ تک ایمان نہین لائے، وہ رؤسائے قریش مین تھے، حرم کا ایک بڑا منصب یعنی رفادہ ان ہی کے ہاتھ مین تھا، دار الندوہ کے مہتمم اور مالک بھی وہی تھے[1]، وہ مروان بن حکم کے زمانۂ خلافت تک زندہ رہے، ایک دفعہ وہ مروان سے ملنے گئے، مروان نے نہایت تعظیم و تکریم کی، صدر مجلس سے اٹھ کر ان کے پاس آبیٹھا، اور کہا بدر کا واقعہ بیان کیجئے، انھون نے واقعہ کے ابتدائی حالات بیان کرکے کہا کہ جب ہماری فوجین میدان مین اتریں تو مین عتبہ کے پاس گیا اور مین نے اس سے کہا:-

یا ابا الولید هل لك ان تذهب	اے ابو الولید! کیا تم چاہتے ہو کہ تمام عمر
بشرف الیوم الیوم ما بقیت	کے لیے ساری نیکنامی تم ہی کو ہاتھ آئے؟
قال افعل ماذا؟ قلت انکم	عتبہ نے کہا کیونکر؟ مین نے کہا، تم (یعنی
لا تطلبون من محمد الا دم	قریش) محمد سے ابن حضرمی کے خون کے سوا
ابن الحضرمی وهو حلیفك	اور کچھ نہین چاہتے، اور وہ تمھارا حلیف تھا
فتحمل دینه فترجع بالناس[2]	اس لیے تم اس کا خون بہا ادا کردو کہ سب لوگ

[1] اصابہ تذکرۂ حکیم بن حزام [2] طبری ص ۱۳۱۳، (سیرت ابن ہشام بمضاہ ذکر غزوۂ بدر" س"

عتبہ نے یہ تجویز پسند کی لیکن ابوجہل نے نہ مانا، اور حضرمی کے بھائی عامر حضرمی کو بلا کر کہا کہ خون کا بدلا سامنے ہے، کھڑے ہو کر قوم سے دہائی دو، عامر عرب کے دستور کے مطابق ننگا ہو گیا اور پکارا[1]،

واعمراہ واعمراہ، ہائے عمر (حضرمی) ہائے عمر!

آغاز جنگ کے وقت سب سے پہلے جو شخص میدان جنگ مین نکلا، وہی عامر حضرمی تھا،

حکیم بن حزام اور عامر حضرمی غزوۂ بدر تک کافر تھے، عتبہ و ابوجہل جو سرداران قریش تھے، کفر پر تادم مرگ قائم رہے، اگر اس درجہ کے لوگ غزوۂ بدر کو حضرمی کے خون کا انتقام سمجھتے تھے، اور سمجھتے رہے تو ہم کو کچھ پروا نہین کرنی چاہیے کہ اور دلن نے جو اس کے سیکڑون برس بعد پیدا ہوئے، اس کا سبب قافلۂ تجارت کا بچانا سمجھا، وشتان بینھما۔

ایک ضروری نکتہ | گو یہ امر اب قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ غزوۂ بدر کا سبب کاروان تجارت پر حملہ کرنا نہ تھا، تاہم اس گرہ کا کھولنا ضرور ہے کہ ایسے صاف اور صریح واقعہ کے متعلق تمام ارباب سیر نے متفقاً کیون غلطی کی؟ اور صحیح بخاری وغیرہ مین یہ تصریحات کیون پائی جاتی ہین کہ بدر کی ابتدا قافلہ ہی پر حملہ کرنے کی غرض سے ہوئی تھی،

اصل یہ ہے کہ اصول جنگ کے موافق، اکثر غزوات مین یہ ظاہر نہیں کیا جاتا تھا کہ کدھر جانا اور کس غرض سے جانا مقصود ہے؟ صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) مین حضرت کعبؓ بن مالک جو مشہور صحابی ہین، اُن کا قول نقل کیا ہے،

---

[1] پوری تفصیل طبری ص ۱۳۱۴ تا ۱۳۱۶ مین ہے،

ولم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یرید غزوۃ الا ورّیٰ بغیرھا،	اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی غزوہ کا ارادہ فرماتے تھے تو کسی اور موقع کا توریہ فرماتے تھے،

"توریہ" کے معنی شارحین بخاری نے یہ لکھے ہین کہ "آپ ایسے موقع پر مبہم اور محتمل المعنیین الفاظ استعمال فرماتے تھے" گو میرے نزدیک یہ کلیہ اس معنی مین صحیح نہین، تاہم واقعات کے استقصا، سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ بعض موقعون پر واقعہ اس طرح مبہم رکھا جاتا تھا کہ لوگ مختلف قیاس پیدا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ جنگ بدر مین سعد بن خیثمہ کو پہلے ہی یہ معلوم ہوگیا تھا کہ قافلہ نہین بلکہ فوج کا مقابلہ ہے، بخلاف اس کے صحیح بخاری مین ان ہی کعب بن مالک کا قول منقول ہے کہ بدر مین صرف قافلہ سے تعرض کرنا مقصود تھا،

دیباچہ مین ہم لکھ آئے ہین کہ راوی (جس مین صحابہ بھی داخل ہین) بہت سے موقعون پر جو واقعہ بیان کرتا ہے، وہ حقیقت مین واقعہ نہین، بلکہ اس کا استنباط ہوتا ہے، یعنی اس نے اس کو یونہی سمجھا، بدر مین بھی یہی صورت پیش آئی، اور اس لیے یہ کوئی تعجب کی بات نہین کہ صحابہؓ نے مختلف قیاس کیے، اور جو قیاس مذاق عام کے مناسب تھا وہی پھیل گیا،

بدر کے نتائج (بدر کے معرکہ نے مذہبی اور ملکی حالت پر گوناگون اثرات پیدا کیے اور حقیقت مین یہ اسلام کی ترقی کا قدم اولین تھا، قریش کے تمام بڑے بڑے رؤسا جن مین سے ایک ایک اسلام کی ترقی کی راہ مین سدّ آہن تھا، فنا ہوگئے، عتبہ اور ابوجہل کی موت نے قریش کی ریاستِ عامہ کا تاج ابوسفیان کے سر پر رکھا، جس سے دولت اموی کا آغاز ہوا، لیکن

قریش کے اصلی زور وطاقت کا معیار گھٹ گیا،

مدینہ مین اب تک عبداللہ بن ابی بن سلول علانیہ کافر تھا، لیکن اب بظاہر وہ اسلام کے دائرہ مین آگیا، گو تمام عمر منافق رہا، اور اسی حالت مین جان دی، قبائلِ عرب جو سلسلۂ واقعات کا رخ دیکھتے تھے، اگرچہ رام نہیں ہوئے، لیکن سہم گئے،

ان موافق حالات کے ساتھ مخالف اسباب مین بھی انقلاب شروع ہوگیا، یہود سے معاہدہ ہو چکا تھا کہ وہ ہر معاملہ مین یکسو رہین گے، لیکن اس فتح نمایان نے ان مین حسد کی آگ بھڑکا دی، اور وہ اس کو ضبط نہ کر سکے، چنانچہ اس کی تفصیل یہودیون کے واقعات مین بالتفصیل آتی ہے،

قریش کو پہلے صرف حضرمی کا رونا تھا، بدر کے بعد ہر گھر ماتم کدہ تھا، اور مقتولین بدر کے انتقام کے لیے مکہ کا بچہ بچہ مضطر تھا، چنانچہ سویق کا واقعہ اور احد کا معرکہ اسی جوش کا مظہر تھا،

غزوۂ سویق، ذی الحجہ ۲ھ

ابو سفیان اب قریش کا رئیس تھا، اور اس منصب کا سب سے بڑا فرض غزوۂ بدر کا انتقام تھا، اس نے بدر سے مشرکین کی واپسی پر منت مانی تھی کہ جب تک مقتولانِ بدر کا انتقام لے گا، نہ غسل جنابت کرے گا، نہ سر مین تیل ڈالے گا، چنانچہ دو سو شتر سوارون کے ساتھ مدینہ پر بڑھا، یہود کی نسبت معلوم تھا کہ وہ مسلمانون کے مقابلہ مین مدد دین گے، اس لیے پہلے حیی بن اخطب کے پاس گیا، لیکن اس نے دروازہ نہ کھولا، مایوس ہو کر سلام بن مشکم کے پاس آیا، وہ یہود بنو نضیر کا سردار تھا، اور تجارتی خزانہ اسی کے زیر اہتمام رہتا تھا، اس نے بڑے جوش سے استقبال کیا، خوشگوار کھانے کھلائے، شراب

بلوائی، مدینہ کے مخفی راز بتائے، صبح کو ابوسفیان عُریض پر حملہ آور ہوا، جو مدینہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر ہے، ایک انصاری کو جن کا نام سعد بن عمرو تھا قتل کیا، چند مکانات اور گھانس کے انبار جلا دیے، ان باتون سے اس کے نزدیک قسم پوری ہو گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی، تو آپ نے تعاقب کیا، ابوسفیان کے پاس رسد کا سامان صرف ستو تھا گھبرا ہٹ مین ستو کے بورے پھینکتا گیا، جو مسلمانون کے ہاتھ آئے، عربی مین ستو کو سویق کہتے ہین، اس لیے یہ واقعہ غزوۂ سویق کے نام سے مشہور ہے،

حضرت فاطمہ زہراؓ کی شادی ذی الحجہ ۲ھ

حضرت فاطمہؓ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیون مین سب سے کمسن تھین، اب ان کی عمر ۱۸ برس کی ہو چکی تھی، اور شادی کے پیغام آنے لگے تھے، ابن سعد نے روایت کی ہے کہ سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی، آپ نے فرمایا کہ جو خدا کا حکم ہوگا، پھر حضرت عمرؓ نے جرات کی، ان کو بھی آپ نے کچھ جواب نہین دیا، بلکہ وہی الفاظ فرمائے، لیکن بظاہر یہ روایت صحیح نہین معلوم ہوتی، حافظ ابن حجر نے اصابہ مین ابن سعد کی اکثر روایتین حضرت فاطمہؓ کے حال مین روایت کی ہین، لیکن اس کو نظر انداز کر دیا ہے،

بہر حال حضرت علیؓ نے جب درخواست کی تو آپ نے حضرت فاطمہؓ کی مرضی دریافت کی، وہ چپ رہین، یہ ایک طرح کا اظہار رضا تھا، آپ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ تمھارے پاس مہر مین دینے کے لیے کیا ہے، بولے کچھ نہین، آپ نے فرمایا "اور وہ حطمیہ زرہ کیا ہوئی (جنگ بدر مین ہاتھ آئی تھی)، عرض کی وہ تو موجود ہے، آپ نے فرمایا بس وہ کافی ہے،

ناظرین کو خیال ہوگا کہ بڑی قیمتی چیز ہوگی، لیکن اگر وہ اس کی مقدار جاننا چاہتے ہین تو جواب یہ ہے کہ صرف سوا سو روپئے [1]، زرہ کے سوا اور جو کچھ حضرت علیؓ کا سرمایہ تھا، وہ ایک بھیڑ کی کھال اور ایک بوسیدہ یمنی چادر تھی، حضرت علیؓ نے یہ سب سرمایہ حضرت فاطمہ زہرا کے نذر کیا، حضرت علیؓ اب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے پاس رہتے تھے، شادی کے بعد ضرورت ہوئی کہ الگ گھر لین، حضرت حارثہؓ بن نعمان انصاری کے متعدد مکانات تھے، جن مین سے وہ کئی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نذر کر چکے تھے، حضرت فاطمہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ان ہی سے کوئی اور مکان دلوا دیجئے، آپ نے فرمایا کہ کہان تک؟ اب ان سے کہتے شرم آتی ہے، حضرت حارثہؓ نے سنا تو دوڑے آئے کہ حضور مین اور میرے پاس جو کچھ ہے، سب آپ کا ہے، خدا کی قسم میرا جو مکان آپ لے لیتے ہین، مجھ کو اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ وہ میرے پاس رہ جائے، غرض انھون نے اپنا ایک مکان خالی کر دیا، حضرت فاطمہؓ اس مین اٹھ گئین،

شہنشاہ کونین ؐ نے سیدۂ عالم کو جو جہیز دیا، وہ بان کی چارپائی، چمڑے کا گدا جس کے اندر روئی کے بجائے کھجور کے پتے تھے، ایک چھاگل، ایک مشک، دو چکیان اور مٹی کے دو گھڑے حضرت فاطمہؓ جب نئے گھر مین جالین تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لے گئے دروازہ پر کھڑے ہو کر اذن مانگا، پھر اندر آئے، ایک برتن مین پانی منگوایا، دونون ہاتھ اس مین ڈالے، اور حضرت علیؓ کے سینہ اور بازوؤن پر پانی چھڑکا، پھر حضرت فاطمہؓ کو بلایا، وہ شرم سے

[1] غلطی سے پہلے اور دوسرے اڈیشن مین سوا روپیہ چھپ گیا ہے، اس کی تصحیح کرلی جائے، "س، م"

لڑکھڑاتی آئین، ان پر بھی پانی چھڑکا، اور فرمایا کہ مین نے اپنے خاندان مین سب سے افضل تر شخص سے تمھارا نکاح کیا ہے[1]،

واقعات متفرقہ ۲ھ | (مورخین کے بیان کے مطابق اسی سال رمضان مبارک کے روزے فرض ہوئے،

صدقۂ عید الفطر کا حکم بھی اسی سال سے جاری ہوا، پہلے آپ نے ایک خطبہ دیا جس مین اس صدقہ کے فضائل بیان فرمائے، پھر صدقہ کا حکم دیا،

عید الفطر کی نماز با جماعت عید گاہ مین بھی اسی سال ادا فرمائی، اس سے پہلے عید کی نماز نہین ہوتی تھی،

ارباب سیر کی ترتیب کے مطابق غزوۂ بنی قینقاع کا ذکر بھی اسی سال کے واقعات مین ہونا چاہئے تھا، لیکن اتصال و تسلسلِ واقعہ کی بنا پر وہ آیندہ مذکور ہوگا)

---

[1] یہ پوری تفصیل طبقات ابن سعد اور اصابہ سے ماخوذ ہے،

سنہ ۳ھ

غزوہ اُحد[1]

(وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ (آل عمران)[2]

عرب مین صرف ایک شخص کا قتل لڑائی کا ایک سلسلہ چھیڑ دیتا تھا، جو سینکڑون برس تک ختم نہیں ہو سکتا تھا، طرفین مین سے جس کو شکست ہوتی تھی، وہ انتقام کو ایسا فرض مؤبد جانتا تھا جس کے ادا کئے بغیر اس کی ہستی قائم نہیں رہ سکتی تھی، بدر مین قریش کے ستر آدمی مارے گئے تھے، جن مین اکثر وہ تھے جو قریش کے تاج وافسر تھے، اس بنا پر تمام مکہ جوشِ انتقام سے لبریز تھا،

قریش کا کاروانِ تجارت جو جنگِ بدر کے زمانہ مین نفعِ کثیر کے ساتھ شام سے واپس آرہا تھا، اس کا راس المال حصہ دارون کو تقسیم کر دیا گیا تھا، لیکن زرِ منافع امانت کے طور پر محفوظ تھا،

قریش کو کشتگانِ بدر کے ماتم سے فرصت ملی تو اس فرض کے ادا کا خیال آیا، چند سردارانِ قریش جن مین ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، اُن لوگون کو جن کے عزیز واقارب جنگِ بدر مین قتل

---

[1] مدینہ منورہ سے شمالی جانب قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑ کا نام ہے [2] (صحیح بخاری باب غزوۂ احد مین ہے کہ یہ آیت غزوۂ اُحد مین نازل ہوئی،)

ہو چکے تھے، ساتھ لے کر ابوسفیان کے پاس گئے، اور کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ہماری قوم کا خاتمہ کر دیا، اب انتقام کا وقت ہے، ہم چاہتے ہین کہ مالِ تجارت کا جو نفع اب تک جمع ہے، وہ اس کام مین صرف کیا جائے، یہ ایک ایسی درخواست تھی جو پیش ہونے سے پہلے قبول کر لی گئی تھی، لیکن قریش کو اب مسلمانون کے قوت وزور کا اندازہ ہو چکا تھا، وہ جانتے تھے کہ جنگِ بدر مین جس سامان سے وہ گئے تھے، اُس سے اب کچھ زیادہ درکار ہی، عرب مین جوش پھیلانے اور لوگون کے گرمانے کا سب سے بڑا آلہ شعر تھا، قریش مین دو شاعر شاعری مین مشہور تھے، عمرو جمحی اور مسافع، عمرو جمحی غزوۂ بدر مین گرفتار ہو گیا تھا، لیکن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اقتضاے رحم سے اس کو رہا کر دیا تھا، قریش کی درخواست پر وہ اور مسافع مکہ سے نکلے اور تمام قبائلِ قریش مین اپنی آتش بیانی سے آگ لگا آئے،[1]

لڑائیون مین ثابت قدمی اور جوشِ جنگ کا بڑا ذریعہ خاتونانِ حرم تھین، جس لڑائی مین خاتونین ساتھ ہوتی تھین، عرب جانون پر کھیل جاتے تھے کہ شکست ہو گی تو عورتین بے حرمت ہون گی، بہت سی عورتین ایسی تھین جن کی اولاد جنگِ بدر مین قتل ہو چکی تھی، اس لئے وہ خود جوشِ انتقام سے لبریز تھین، اور انھون نے منتین مانی تھین کہ اولاد کے قاتلون کا خون پی کر دم لین گے، غرض جب فوجین تیار ہوئین، تو بڑے بڑے معزز گھرانون کی عورتین بھی فوج مین شامل ہوئین، اُن مین سے بعض کے نام حسب ذیل ہین[2]،

[1] طبری (ج ۳ ص ۱۳۸۶) زرقانی (جلد ۲ ص ۳۰) نے ان ۶ خواتین کے سوا سلافہ بنت سعد اور عمیرہ بنت علقمہ دو اور خاتونون کا ذکر کیا ہے، ان مین خناس اور عمیرہ کے سوا باقی خواتین بعد کو مسلمان ہو گئین، خناس اور عمیرہ کے اسلام کے متعلق کچھ معلوم نہین، (زرقانی علی المواہب) "س"

۱۔ ہند	عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہؓ کی مان،
۲۔ اُم حکیم	عکرمہ (فرزند ابوجہل) کی بیوی۔
۳۔ فاطمہ (بنت ولید)	حضرت خالدؓ کی بہن
۴۔ برزۃ	مسعود ثقفی جو طائف کا رئیس تھا، اس کی بیٹی،
۵۔ ریطہ،	عمرو بن العاص کی زوجہ،
۶۔ خناس	حضرت مصعبؓ بن عمیر کی مان،

حضرت حمزہؓ نے ہند کے باپ عتبہ کو بدر مین قتل کیا تھا، جبیر بن مطعم کا چچا بھی حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے مارا گیا تھا، اس بنا پر ہند نے وحشی کو جو جبیر کا غلام اور حربہ اندازی مین کمال رکھتا تھا، حضرت حمزہؓ کے قتل پر آمادہ کیا، اور یہ اقرار ہوا کہ اس کارگذاری کے صلہ مین وہ آزاد کر دیا جائے گا،

حضرت عباسؓ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چچا گو اسلام لا چکے تھے لیکن اب تک مکہ ہی مین مقیم تھے، انھون نے تمام حالات لکھ کر ایک تیز رو قاصد کے ہاتھ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھیجے، اور قاصد کو تاکید کی کہ تین رات دن مین مدینہ پہنچ جائے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو یہ خبرین پہنچین تو آپ نے پانچوین شوال ۳ھ کو دو خبر رسان جن کے نام انسؓ اور مونسؓ تھے، خبر لانے کے لئے بھیجے، انھون نے آکر اطلاع دی کہ قریش کا لشکر مدینہ کے قریب آگیا، اور مدینہ کی چراگاہ (عریض) کو اُن کے گھوڑون نے صاف کر دیا،

آپ نے حبابؓ بن منذر کو بھیجا کہ فوج کی تعداد کی خبر لائین، انھون نے آکر صحیح تخمینہ سے اطلاع دی، چونکہ شہر پر حملہ کا اندیشہ تھا، ہر طرف پہرے بٹھا دیئے گئے، حضرت

سعدؓ بن عبادہؓ، اور حضرت سعدؓ بن معاذ ہتھیار لگا کر تمام رات مسجد نبویؐ کے دروازہ پر پہرہ دیتے رہے،

صبح کو آپؐ نے صحابہ سے مشورہ کیا، مہاجرین نے عموماً اور انصار میں سے اکابر نے رائے دی کہ عورتیں باہر قلعوں میں بھیج دی جائیں، اور شہر میں پناہ گیر ہو کر مقابلہ کیا جائے، عبداللہ ابن ابی بن سلول جو اب تک کبھی شریک[1] مشورہ نہیں کیا گیا تھا، اس نے بھی یہی رائے دی لیکن ان نوخیز[2] صحابہ نے جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے، اس بات پر اصرار کیا کہ شہر سے نکل کر حملہ کیا جائے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تشریف لے گئے، اور زرہ پہن کر باہر تشریف لائے، اب لوگوں کو ندامت ہوئی کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خلاف مرضی نکلنے پر مجبور کیا، سب نے عرض کی کہ ہم اپنی رائے سے باز آتے ہیں، ارشاد ہوا کہ پیغمبر کو زیبا نہیں کہ ہتھیار پہن کر اتار دے،

قریش بدھ کے دن مدینہ کے قریب پہنچے اور کوہ احد پر پڑاؤ ڈالا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن نماز جمعہ پڑھ کر ایک ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے نکلے، عبداللہ بن ابی تین سو کی جمعیت لے کر آیا تھا، لیکن یہ کہہ کر واپس چلا گیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میری رائے نہ مانی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ اب صرف سات سو صحابہؓ رہ گئے، ان میں ایک سو زرہ پوش تھے، مدینہ سے نکل کر فوج کا جائزہ لیا گیا، اور جو لوگ کمسن تھے، واپس کر دیئے گئے، ان میں حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت براء بنؓ عازب، حضرت ابو سعیدؓ خدری، حضرت

[1] طبری (ج ۳ ص ۱۳۸۹ مطبوعہ یورپ) [2] زرقانی ج ۲ ص ۲۵

عبداللہ بن عمرؓ اور حضرت عرابہؓ اوسی بھی تھے، لیکن جان نثاری کا یہ ذوق تھا کہ نوجوانون مین سے جب حضرت رافع بن خدیجؓ سے کہا گیا کہ تم عمر مین چھوٹے ہو واپس جاؤ، تو وہ انگوٹھون کے بل تن کر کھڑے ہو گئے، کہ قد اونچا نظر آئے، چنانچہ اُن کی یہ ترکیب چل گئی، اور وہ لے لیے گئے[1]، سمرۃ ایک نوجوان، جو اِن کے ہمسن تھے، انھون نے یہ دلیل پیش کی کہ مین رافع کو لڑائی مین پچھاڑ لیتا ہون، اس لئے اگر اُن کو اجازت ملتی ہے تو مجھ کو بھی ملنی چاہیئے، دونون کا مقابلہ کرایا گیا اور سمرۃؓ نے رافع کو زمین پر دے مارا، اس بنا پر اُن کو اجازت مل گئی،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُحد کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی، حضرت مصعب ابن عمیرؓ کو علم عنایت کیا، حضرت زبیر بن العوامؓ رسالے کے افسر مقرر ہوئے، حضرت حمزہؓ کو اس حصہ فوج کی کمان ملی، جو زرہ پوش نہ تھے[2]، پشت کی طرف احتمال تھا کہ دشمن اُدھر سے آئین، اس لئے پچاس تیراندازون کا ایک دستہ متعین فرمایا اور حکم دیا کہ گو لڑائی فتح ہو جائے تاہم وہ جگہ سے نہ ہٹین، حضرت عبداللہ بن جبیرؓ تیراندازون کے افسر مقرر ہوئے،

قریش کو بدر مین تجربہ ہو چکا تھا، اس لئے انھون نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی، میمنہ پر خالد بن ولید کو مقرر کیا، میسرہ عکرمہ کو دیا جو ابوجہل کے فرزند تھے، سوارون کا دستہ

---

[1] طبری جلد ۲ ص ۱۳۹۱ (یہ طبری کی روایت ہے، لیکن بعض دوسری روایتون سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت رافعؓ کو اجازت مل جانے کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس نوجوانی ہی مین تیراندازی مین کمال رکھتے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب ان کا یہ حال معلوم ہوا تو اُن کو شرکت کی اجازت دیدی، ابن ہشام ذکر غزوۂ اُحد و زرقانی ج ۲ ص ۲۹ و بدایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۵)؛ [2] ایضاً ص ۱۳۹۴،

صفوان بن امیہ کی کمان مین تھا جو قریش کا مشہور رئیس تھا، تیراندازون کے دستے الگ تھے، جن کا افسر عبد اللہ بن ابی ربیعہ تھا طلحہ علمبردار تھا، دوسو گھوڑے کوتل رکاب مین تھے کہ ضرورت کے وقت کام آئین،

سب سے پہلے طبل جنگ کے بجائے خاتونان قریش دف پر اشعار پڑھتی ہوئی بڑھیں، جن مین کشتگان بدر کا ماتم اور انتقام خون کے رجز تھے، ہند (ابوسفیان کی بیوی) آگے آگے اور چودہ عورتین ساتھ تھین، اشعار یہ تھے،

نحن بنات طارق	ہم آسمان کے تارون کی بیٹیان ہین،
نمشی علی النمارق	ہم قالینوں پر چلنے والیان ہین،
ان تقبلوا نعانق	اگر تم بڑھ کر لڑوگے تو ہم تم سے گلے ملین گے،
او تدبروا نفارق	اور پیچھے قدم ہٹایا تو ہم تم سے الگ ہو جائین گے،

لڑائی کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابوعامر جو مدینہ منورہ کا ایک مقبول عام شخص تھا، اور مدینہ چھوڑ کر مکہ مین آباد ہو گیا تھا، ڈیڑھ سو آدمیون کے ساتھ میدان مین آیا، اسلام سے پہلے زہد اور پارسائی کی بنا پر تمام مدینہ اُس کی عزت کرتا تھا، چونکہ اس کو خیال تھا کہ انصار جب اس کو دیکھین گے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ چھوڑ دین گے، میدان مین آکر پکارا "مجھ کو پہنچانتے ہو؟ مین ابوعامر ہون"۔ انصار نے کہا "ہان او بدکار! ہم تجھ کو پہچانتے ہین، خدا تیری آرزو بر نہ لائے"۔

قریش کا علمبردار طلحہ صف سے نکل کر پکارا، کیون مسلمانو! تم مین کوئی ہے؟ کہ یا

مجھ کو جلد دوزخ مین پہنچادو، یا خود میرے ہاتھون بہشت مین پہنچ جاؤ، حضرت علی مرتضیٰ رضؓ نے صف سے نکل کر کہا "مین ہون" یہ کہکر تلوار ماری، اور طلحہ کی لاش زمین پر تھی، طلحہ کے بعد اُس کے بھائی عثمان نے جس کے پیچھے پیچھے عورتین اشعار پڑھتی آتی تھین علم ہاتھ مین لیا، اور رجز پڑھتا ہوا حملہ آور ہوا،

ان علی اھل اللواء حقا	علم بردار کا فرض ہے کہ نیزہ کو خون
ان تخضب الصعدۃ او تندقا	مین رنگ دے یا وہ ٹکرا کر ٹوٹ جائے

حضرت حمزہ رضؓ مقابلہ کو نکلے اور شانہ پر تلوار ماری کہ کمر تک اُتر آئی، ساتھ ہی ان کی زبان سے نکلا کہ "مین ساقی حجاج کا بیٹا ہون"

اب عام جنگ شروع ہو گئی، حضرت حمزہ رضؓ، حضرت علی رضؓ، حضرت ابو دجانہ رضؓ، فوجون کے دل میں گھُسے اور صفین کی صفین صاف کر دین، حضرت ابو دجانہ رضؓ عرب کے مشہور پہلوان تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دستِ مبارک مین تلوار لے کر فرمایا "کون اس کا حق ادا کرتا ہے؟" اس سعادت کے لئے دفعۃً بہت سے ہاتھ بڑھے، لیکن یہ فخر حضرت ابو دجانہ رضؓ کے نصیب مین تھا، اس غیر متوقع عزت نے اُن کو بادۂ شجاعت سے مست کر دیا، سر پر سرخ رومال باندھا اور اکڑتے تنتے ہوئے فوج سے نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "یہ چال خدا کو سخت ناپسند ہے، لیکن اس وقت پسند ہے" حضرت ابو دجانہ رضؓ فوجون کو چیرتے لاشوں پر لاشے گراتے بڑھتے چلے جاتے تھے، یہان تک کہ ہند سامنے آگئی، اس کے سر پر تلوار رکھکر اٹھالی

لہ یہ اس بات پر طنز تھا کہ مسلمان ایسا سمجھتے ہین،

کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تلوار اس قابل نہین کہ عورت پر آزمائی جائے،

حضرت حمزہؓ دو دستی تلوار مارتے جاتے تھے اور جس طرف بڑھتے تھے صفین کی صفین صاف ہوجاتی تھین، اسی حالت مین سباغ غبشانی سامنے آگیا، پکارے کہ "او ختانۃ النساء کے بچے؟ کہان جاتا ہے" یہ کہہ کر تلوار ماری وہ خاک پر ڈھیر تھا،

وحشی جو ایک حبشی غلام تھا اور جس سے جبیر بن مطعم اُس کے آقا نے وعدہ کیا تھا، کہ اگر وہ حمزہؓ کو قتل کردے تو آزاد کردیا جائے گا، وہ حضرت حمزہؓ کی تاک مین تھا حضرت حمزہؓ برابر آئے تو اُس نے چھوٹا سا نیزہ جس کو حربہ کہتے ہین، اور جو حبشیون کا خاص ہتھیار ہے پھینک کر مارا جو ناف مین لگا اور پار ہوگیا، حضرت حمزہؓ نے اس پر حملہ کرنا چاہا، لیکن لڑکھڑا کر گر پڑے، اور روح پرواز کرگئی، [1]

کفار کے علم بردار لڑلڑ کر قتل ہوجاتے تھے، تاہم علم گرنے نہین پاتا تھا ایک کے گرنے سے پہلے دوسرا جانباز بڑھ کر علم کو ہاتھ مین لے لیتا تھا، ایک شخص نے جس کا نام صواب تھا جب علم ہاتھ مین لیا تو کسی نے بڑھ کر اس زور سے تلوار ماری کہ دونون ہاتھ ساتھ کٹ کر گر پڑے، لیکن وہ قومی علم کو اپنی آنکھون سے خاک پر نہین دیکھ سکتا تھا علم کے گرنے کے ساتھ سینہ کے بل زمین پر گرا، اور علم کو سینہ سے دبالیا، اسی حالت مین یہ کہتا ہوا مارا گیا کہ کہ مین نے اپنا فرض ادا کردیا" [2] علم دیر تک خاک پر پڑا رہا، آخر ایک بہادر خاتون (عمرۃ بنت علقمہ) دلیرانہ بڑھی، اور علم کو ہاتھ مین لے کر بلند کیا، یہ دیکھ کر ہر طرف سے قریش سمٹ آئے اور اُکھڑے ہوے

---

[1] صحیح بخاری باب قتل حمزہ ص ۵۸۳ [2] ابن ہشام وطبری (ج ۳ ص ۱۴۰۱) "نس"

پانون پھر جم گئے،

ابو عامر کفار کی طرف سے لڑ رہا تھا، لیکن اس کے بیٹے حضرت حنظلہؓ اسلام لا چکے تھے، انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باپ کے مقابلہ مین لڑنے کی اجازت مانگی، لیکن رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا کہ بیٹا باپ پر تلوار اٹھائے، حضرت حنظلہؓ نے کفار کے سپہ سالار (یا بوسفیان) پر حملہ کیا، اور قریب تھا کہ اُن کی تلوار ابوسفیان کا فیصلہ کر دے، دفعۃً پہلو سے شداد بن الاسود نے جھپٹ کر اُن کے وار کو روکا، اور اُن کو شہید کر دیا، تاہم لڑائی کا پلہ مسلمانون ہی کی طرف بھاری تھا، علم بردارون کے قتل اور حضرت علیؓ اور حضرت ابودجانہؓ کے بے پناہ حملون سے فوج کے پانون اکھڑ گئے، بہادر نازنینیں جو رجز سے دلوں کو ابھار رہی تھین، بدحواسی کے ساتھ پیچھے ہٹین، اور مطلع صاف ہو گیا، لیکن ساتھ ہی مسلمانون نے لوٹ شروع کر دی، یہ دیکھ کر تیرانداز جو پشت پر مقرر کئے گئے تھے، وہ بھی غنیمت کی طرف جھکے،

حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے بہت روکا لیکن وہ رک نہ سکے،[1] تیراندازون کی جگہ خالی دیکھ کر خالد نے عقب سے حملہ کیا، عبداللہ بن جبیرؓ چند جانبازون کے ساتھ جم کر لڑے لیکن سب کے سب شہید ہوئے، اب راستہ صاف تھا، خالد نے سوارون کے دستہ کے ساتھ نہایت بے جگری سے حملہ کیا، لوگ لوٹنے مین مصروف تھے، مڑ کر دیکھا تو تلوارین برس رہی ہین، بدحواسی مین دونون فوجین اس طرح باہم مل گئین کہ خود مسلمان مسلمانون کے ہاتھ سے مارے گئے، حضرت

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ احد ص ۵۷۹،

مصعب بن عمیرؓ جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے صورت مین مشابہ اور علم بردار تھے، ابن قمیہ نے انُ کو شہید کردیا، اور غل مچ گیا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شہادت پائی، اس آواز سے عام بدحواسی چھا گئی، بڑے بڑے دلیرون کے پانوں اکھڑ گئے، بدحواسی مین اگلی صفین پچھلی صفون پر ٹوٹ پڑین، اور دوست دشمن کی تمیز نہ رہی، حضرت حذیفہؓ کے والد (یمان) اس کشمکش مین آگئے اور ان پر تلوارین برس پڑین، حضرت حذیفہؓ چلاتے رہے کہ میرے باپ ہین لیکن کون سنتا تھا، غرض وہ شہید ہو گئے، اور حضرت حذیفہؓ نے ایثار کے لہجہ مین کہا "مسلمانو! خدا تم کو بخش دے"[1] رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مڑ کر دیکھا تو صرف گیارہ جان نثار پہلو مین تھے جن مین حضرت علی مرتضیٰؓ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت زبیرؓ بن العوام، حضرت ابودجانہؓ، حضرت طلحہؓ کا نام بہ تخصیص معلوم ہے، صحیح بخاری مین یہ روایت ہے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ صرف حضرت طلحہؓ اور حضرت سعدؓ رہ گئے تھے،

اس ہلچل اور اضطراب مین اکثرون نے تو بالکل ہمت ہار دی لیکن جانبازون کا بھی زور نہین چلتا تھا، جو جہان تھا وہین گھر کر رہ گیا تھا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی کسی کو خبر نہ تھی، حضرت علیؓ تلوار چلاتے اور دشمنون کی صفین الٹتے جاتے تھے لیکن مقصود (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا پتہ نہ تھا، حضرت انسؓ کے چچا ابن نضرؓ لڑتے بھڑتے موقع سے آگے نکل گئے دیکھا تو حضرت عمرؓ نے مایوس[2] ہو کر ہتھیار پھینک دیا ہے، پوچھا یہان کیا کرتے ہو؟ بولے اب لڑ کر

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ اُحد ص ۵۸۱ [2] یہ عام ارباب سیر کی روایت ہے، صحیح بخاری مین یہ واقعہ مذکور ہے لیکن حضرت عمرؓ کا نام نہین،

کیا کریں! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے تو شہادت پائی" ابن نضرؓ نے کہا "اُن کے بعد ہم زندہ رہکر کیا کرینگے" یہ کہکر فوج مین گھس گئے، اور لڑکر شہادت پائی، لڑائی کے بعد جب اُن کی لاش دیکھی گئی تو اسّی سے زیادہ تیر، تلوار اور نیزے کے زخم تھے، کوئی شخص پہچان تک نہ سکا، اُن کی بہن نے انگلی دیکھ کر پہچانا،[1]

جان نثارانِ خاص برابر لڑتے جاتے تھے لیکن نگاہین سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ڈھونڈتی تھین، سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ کی نظر پڑی، چہرۂ مبارک پر مغفر تھا لیکن آنکھین نظر آتی تھین، حضرت کعبؓ نے پہچان کر پکارا "مسلمانو! رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ہین" یہ سُن کر ہرطرف سے جان نثار ٹوٹ پڑے، کفار نے اب ہرطرف سے ہٹ کر اسی رُخ پر زور دیا، دل کا دل ہجوم کرکے بڑھتا تھا لیکن ذوالفقار کی بجلی سے یہ بادل پھٹ پھٹ کر رہ جاتا تھا، ایک دفعہ ہجوم ہوا تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کون مجھ پر جان دیتا ہے؟ زیاد بن سکنؓ پانچ انصاری لے کر اس خدمت کے ادا کرنے کے لئے بڑھے، اور ایک ایک نے جانبازی سے لڑکر جانین فدا کردین،[2] حضرت زیادؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حکم دیا کہ اُن کا لاشہ قریب لاؤ، لوگ اُٹھا کر لائے، کچھ کچھ جان باقی تھی، قدمون پر منھ رکھدیا، اور اسی حالت مین جان دی،

بچہ نازِ رفتہ باشد زجہان نیازمندے ۔ کہ بہ وقت جان سپردن بسرش رسیدہ باشی

(1) صحیح بخاری غزوۂ اُحد ص ۵۷۹ و صحیح مسلم جلد ۲ ص ۱۳۸، باب ثبوت الجنۃ للشہید" (2) "صحیح مسلم غزوۂ اُحد مین ہے کہ سات انصاری تھے، اور ساتون نے باری باری اپنی جانین فدا کین)

(ایک بہادر مسلمان اس عالم مین بھی بے پروائی کے ساتھ کھڑا کھجورین کھا رہا تھا، اُس نے بڑھ کر پوچھا کہ "یارسول اللہ! اگر مین مارا گیا تو کہان ہون گا" آپ نے فرمایا "جنت" مین اُس بشارت سے بیخود ہو کر وہ اس طرح کفار پر ٹوٹ پڑا کہ مارا گیا[1])

عبداللہ بن قمیئہ جو قریش کا مشہور بہادر تھا صفون کو چیرتا پھاڑتا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے قریب آگیا، اور چہرۂ مبارک پر تلوار ماری، اس کے صدمہ سے مغفر کی دو کڑیان چہرۂ مبارک مین چبھ کر رہ گیئن، چارون طرف سے تلوارین اور تیر برس رہے تھے، یہ دیکھ کر جان نثارون نے آپ کو دائرہ مین لے لیا، ابو دجانہؓ جھک کر سپر بن گئے، اب جو تیر آتے تھے، اُن کی پیٹھ پر آتے تھے، حضرت طلحہؓ نے تلوارون کو ہاتھ پر روکا، ایک ہاتھ کٹ کر گر پڑا، بے درد رحمت عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) پر تیر برسا رہے تھے، اور آپ کی زبان پر یہ الفاظ تھے،

رب[2] اغفر قومی فانھم لا یعلمون — اے خدا میری قوم کو بخش دے وہ جانتے نہین،

حضرت ابو طلحہؓ جو حضرت انسؓ کے علاتی باپ تھے، مشہور قدر انداز تھے، انھون نے اس قدر تیر برسائے کہ دو تین کمانین اُن کے ہاتھ مین ٹوٹ ٹوٹ کر رہ گیئن، انھون نے سپر سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے چہرہ پر اوٹ کر لیا تھا کہ آپ پر کوئی وار نہ آنے پائے، آپ کبھی گردن اُٹھا کر دشمنون کی فوج کی طرف دیکھتے تو عرض کرتے کہ آپ گردن نہ اٹھائین ایسا نہ ہو کہ کوئی تیر لگ جائے یہ میرا سینہ سامنے ہے[3]، (حضرت سعد وقاصؓ بھی مشہور تیر انداز تھے، اور اس وقت آپ کے رکاب مین حاضر تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنا ترکش اُن کے آگے ڈال دیا اور فرمایا "تم پر میرے

---

[1] بخاری غزوۂ احد ص ۵۷۹ " (ملہ[2] صحیح مسلم غزوۂ احد ج ۲ ص ۹) [3] صحیح بخاری غزوۂ اُحد ص ۵۸۰ "

ماں باپ قربان" تیر مارتے جاؤ،[1]

اسی حالت میں آپ صلعم کی زبان سے عبرت کے لہجہ میں یہ لفظ نکلا، وہ قوم کیا فلاح پا سکتی ہے، جو اپنے پیغمبر کو زخمی کرتی ہے"، بارگاہ خداوندی میں یہ الفاظ پسند نہ آئے، اور یہ آیت اتری،

لَیْسَ لَکَ مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ — تم کو اس معاملہ میں کچھ اختیار نہیں،

چنانچہ صحیح بخاری غزوہ احد میں یہ واقعہ مذکور ہے،

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ثابت قدموں کے ساتھ پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ گئے کہ دشمن ادھر نہیں آسکتے تھے، ابو سفیان نے دیکھ لیا، فوج لے کر پہاڑی پر چڑھا لیکن حضرت عمرؓ اور چند صحابہؓ نے پتھر برسائے جن سے وہ آگے نہ بڑھ سکا،[2]

آپ صلعم کی وفات کی خبر مدینہ میں پہنچی، تو اخلاص شعار نہایت بے تابی کے ساتھ دوڑے، جناب فاطمہ زہراؓ نے آکر دیکھا، تو ابھی تک چہرۂ مبارک سے خون جاری ہے، حضرت علیؓ سپر میں بھر کر پانی لائے، جناب سیدہؓ دھوتی تھیں، لیکن خون نہیں تھمتا تھا، بالآخر چٹائی کا ایک ٹکڑا جلایا، اور زخم پر رکھدیا، خون فوراً تھم گیا،[3]

ابو سفیان سامنے کی پہاڑی پر چڑھ کر پکارا کہ یہاں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہیں؟ آپ نے حکم دیا کوئی جواب نہ دے، ابو سفیان نے حضرت ابو بکرؓ اور عمرؓ کا نام لے کر پکارا، اور جب کچھ آواز نہ آئی تو پکار کر بولا، سب مارے گئے، حضرت عمرؓ سے ضبط نہ ہو سکا، بول اٹھے" او دشمنِ خدا! ہم سب زندہ ہیں"

[1] صحیح بخاری غزوہ احد ص ۵۸۰) [2] طبری ۱۴۱۰ و ۱۴۱۱ [3] صحیح بخاری غزوہ احد (ج ۲ ص ۵۸۴)

ابوسفیان نے کہا،

اعل ھبل[۱] — اے ہبل تو اونچا رہ،

صحابہ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حکم سے کہا،

اللہ اعلیٰ واجل — خدا اونچا اور بڑا ہے،

ابوسفیان نے کہا:۔

لنا العزیٰ ولا عزیٰ لکم — ہمارے پاس عزیٰ[۲] ہے تمھارے پاس نہین،

صحابہؓ نے کہا:۔

اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم، — خدا ہمارا آقا ہے اور تمھارا کوئی آقا نہین،

ابوسفیان نے کہا آج کا دن بدر کے دن کا جواب ہے، فوج کے لوگون نے مردون کے ناک کان کاٹ لئے ہین مین نے یہ حکم نہین دیا تھا لیکن مجھ کو معلوم ہوا تو کچھ رنج بھی نہین ہوا[۳]، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مستورات اور بچون کو حضرت یمانؓ اور حضرت ثابتؓ کی حفاظت مین مدینہ کے پاس کے قلعون مین بھیج دیا تھا، ان لوگون کو شکست کی خبر معلوم ہوئی، تو سب کو چھوڑ کر اُحد کی طرف بڑھے، حضرت ثابتؓ مشرکون کے ہاتھ سے مارے گئے، حضرت یمانؓ کو مسلمان ہجوم عام مین پہچان نہ سکے، اُن پر تلوارین برس پڑین، اُن کے صاحبزادے حضرت حذیفہؓ نے ہر چند "ہان ہان" کہا، اور سمجھوایا کہ میرے باپ ہین لیکن ہنگامہ مین کون سنتا تھا، حذیفہؓ کہہ کر رہ گئے کہ مسلمانو! خدا تمھارے اس گناہ کو بخش دے"، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت

۱؎ بُت کا نام ۲؎ بت کا نام ہے لفظی معنی عزت کے ہین ۳؎ یہ تمام تفصیل بخاری غزوۂ اُحد کے ذکر مین ہے

یمانؓ کا خونبہا مسلمانون کی طرف سے ادا کرنا چاہا لیکن حضرت حذیفہؓ نے معاف کر دیا، ابن ہشام مین یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور ہے، صحیح بخاری مین بھی ہی لیکن مختصر ہی،

خاتونانِ قریش نے انتقام بدر کے جوش مین مسلمانون کی لاشون سے بھی بدلہ لیا، اُن کے ناک کان کاٹ لئے، ہند (حضرت امیر معاویہؓ کی ماں) نے ان پھولون کا ہار بنایا، اور اپنے گلہ مین ڈالا، حضرت حمزہؓ کی لاش پر گئی، اور اُن کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکالا، اور چبا گئی، لیکن گلے سے اتر نہ سکا، اس لئے اگل دینا پڑا، تاریخون میں ہند کا لقب جو جگر خوار لکھا جاتا ہے اسی بنا پر لکھا جاتا ہے، ہند فتحِ مکہ مین ایمان لائی لیکن جس طرح ایمان لائی وہ عبرت خیز ہے، تفصیل آگے آئے گی،

اس غزوہ مین اکثر خاتونانِؓ اسلام نے بھی شرکت کی، حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلیمؓ جو حضرت انسؓ کی ماں تھین، زخمیون کو پانی پلاتی تھین، صحیح بخاری مین حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ مین نے حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا کہ پائنچے چڑھائے ہوئے مشک بھر بھر کر لاتی تھین، اور زخمیون کو پانی پلاتی تھین، مشک خالی ہو جاتی تھی جو جاکر بھر لاتی تھین[1] ایک اور روایت مین ہے کہ حضرت اُم سلیطؓ نے بھی جو حضرت ابو سعید خدریؓ کی ماں تھیں، یہی خدمت انجام دی،[2]

عین اس وقت جب کہ کافرون نے عام حملہ کر دیا تھا، اور آپؐ کے ساتھ صرف چند جان نثار رہ گئے تھے، حضرت اُم عمارہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچین اور سینہ سپر ہو گئین،

[1] صفحہ ۵۸۱ کتاب المغازی غزوہ احد [2] صحیح بخاری صفحہ ۴۰۳ ذکر ام سلیط،

کفار جب آپ پر بڑھتے تھے، تو تیر اور تلوار سے روکتی تھیں، ابن قمیئہ جب دراتا ہوا آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچ گیا، تو حضرت اُمّ عمارہؓ نے بڑھ کر روکا چنانچہ کندھے پر زخم آیا اور غار پڑ گیا، انھون نے بھی تلوار ماری لیکن وہ دُہری زرہ پہنے ہوئی تھا، اس لئے کارگر نہ ہوئی،

حضرت صفیہؓ حضرت حمزہؓ کی بہن شکست کی خبر سنکر مدینہ سے نکلین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کے صاحبزادے حضرت زبیرؓ کو بلا کر ارشاد کیا کہ حمزہ کی لاش نہ دیکھنے پائین، حضرت زبیرؓ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا پیغام سنایا بولین کہ مین اپنے بھائی کا ماجرا سُن چکی ہون لیکن خدا کی راہ مین یہ کوئی بڑی قربانی نہین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اجازت دی، لاش پر گئین، خون کا جوش تھا، اور عزیز بھائی کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے لیکن اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ کہکر چپ ہو رہین، اور مغفرت کی دعا مانگی،

انصار مین سے ایک عفیفہ کے باپ، بھائی، شوہر سب اس معرکہ مین مارے گئے تھے، باری باری مین سخت حادثون کی صدا اس کے کانون مین پڑتی جاتی تھی لیکن وہ ہر بار صرف یہی پوچھتی تھی کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیسے ہین؟ لوگون نے کہا بخیر ہین، اس نے پاس آکر چہرۂ مبارک دیکھا، اور بے اختیار پکار اٹھی،

كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ، — تیرے ہوتے سب مصیبتین ہیچ ہین،

مین بھی اور باپ بھی شوہر بھی برادر بھی فدا — اے شہِ دین تیرے ہوتے کیا چیز ہین ہم

(مسلمانون کی طرف ستر آدمی مارے گئے جن مین زیادہ تر انصار تھے لیکن مسلمانون

ؐ ابن ہشام ص ۵۸۰ (مطبع محمد علی مصر) ؐ طبری (۱۴۲۱) ؐ طبری ص ۱۴۲۵

کے افلاس کا یہ حال تھا کہ اتنا کپڑا بھی نہ تھا کہ شہدا کی پردہ پوشی ہو سکتی حضرت مصعبؓ بن عمیر ایک صحابی تھے کہ ان کا پانون چھپایا جاتا تو سر کھل جاتا اور سر ڈھانکا جاتا تو پانون کھل جاتا، آخر پانون اذخر کی گھانس سے چھپا دیئے گئے، یہ وہ حیرت انگیز منظر تھا کہ بعد کو بھی یہ واقعہ مسلمانون کو یاد آجاتا، تو آنکھین تر ہو جاتین، شہدا بے غسل اسی طرح خون مین لتھڑے ہوئے دو دو ملا کر ایک ایک قبر مین دفن کئے گئے، جس کو قرآن زیادہ یاد ہوتا اس کو مقدم کیا جاتا ان شہدا پر نماز جنازہ بھی اس وقت نہین پڑھی گئی،[1] آٹھ برس کے بعد وفات سے ایک دو برس پہلے جب آپؐ ادھر سے گذرے تو بے اختیار آپؐ پر رقت طاری ہوئی، اور اس طرح آپؐ نے پر درد کلمات فرمائے جیسے کوئی زندون اور مردون سے رخصت ہو رہا ہو، اور اس کے بعد آپؐ نے ایک خطبہ دیا کہ "مسلمانو! تم سے یہ خوف نہین کہ پھر مشرک بن جاؤ گے لیکن یہ ڈر ہے کہ دنیا مین نہ پھنس جاؤ"[2]

دونون فوجین جب میدان سے الگ ہوئین تو مسلمان زخم سے چور تھے، تاہم یہ خیال کر کے کہ ابوسفیان مسلمانون کو مغلوب سمجھ کر دوبارہ حملہ آور نہ ہو، آپؐ نے مسلمانون کی طرف روے خطاب کر کے فرمایا کہ کون اُن کا تعاقب کرے گا، فوراً ستر آدمیون کی ایک جماعت

---

[1] یہ صحیح بخاری کی روایت ہے لیکن دوسری کتابون مین بعض ایسی روایتین بھی ہین جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حمزہؓ پر تو خصوصیت کے ساتھ اور دوسرے شہدا پر بھی نماز جنازہ پڑھی، یہ شہدا ایک ایک کر کے اور بعض مین ہے کہ دس دس کر کے لائے جاتے تھے، اور آپؐ اُن پر نماز جنازہ پڑھتے تھے، اور حضرت حمزہؓ کی لاش مبارک پر ہر جماعت کے ساتھ گویا ستر دفعہ یا سات دفعہ نماز ادا کی گئی، شرح معانی الآثار طحاوی باب الصلوٰۃ علی الشہدا و نصب الرایہ زیلعی باب احادیث الصلوٰۃ علی الشہید و مغازی واقدی ص ۳۰۰ مطبوعہ کلکتہ [2] یہ تمام واقعات صحیح بخاری غزوۂ اُحد کے متفرق ابواب مین ہین،

اس مہم کے لئے تیار ہو گئی، جن مین حضرت ابو بکرؓ و زبیرؓ بھی داخل[1] تھے،

ابو سفیان اُحد سے روانہ ہو کر جب مقام روحا پہنچا، یہان خیال آیا کہ کام ناتمام رہ گیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پہلے ہی سے گمان تھا، دوسرے ہی دن آپ نے اعلان کرا دیا کہ کوئی واپس نہ جائے، چنانچہ حمراء اسد تک جو مدینہ سے ۸ میل ہے، تشریف لے گئے، قبیلہ خزاعہ اس وقت تک ایمان نہین لایا تھا، لیکن در پردہ اسلام کا طرفدار تھا، اس کا رئیس معبد خزاعی شکست کی خبر سن کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوا، اور واپس جا کر ابو سفیان سے ملا، ابو سفیان نے اپنا ارادہ ظاہر کیا، معبد نے کہا "مین دیکھتا آتا ہون محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس سر و سامان سے آراستہ ہین کہ ان کا مقابلہ ناممکن ہے" غرض ابو سفیان واپس[2] گیا، یہی واقعہ ہے جس کو مؤرخین نے تکثیرِ غزوات کے شوق مین ایک نیا غزوہ بنا لیا ہے، اور حمراء الاسد کا ایک نیا عنوان قائم کیا ہے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) مدینہ مین تشریف لائے تو تمام مدینہ ماتم کدہ تھا، آپ جس طرف سے گذرتے تھے، گھرون سے ماتم کی آوازین آتی تھین، آپ کو عبرت ہوئی کہ سب کے عزیز و اقارب ماتم داری کا فرض ادا کر رہے ہین، لیکن حمزہؓ کا کوئی نوحہ خوان نہین ہے، رقت کے جوش مین آپ کی زبان سے بے اختیار نکلا،

اما حمزۃ فلا بواکی لہٗ — لیکن حمزہ کا کوئی رونے والا نہین،

انصارؓ نے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اُٹھے، سب نے جا کر اپنی بیویون کو حکم دیا کہ دولت کدہ

(۱) صحیح بخاری ص ۵۸۴) ش"۲ طبری ص ۱۴۲۸، ۱۴۲۹ (۳) مسند احمد ج ۲ ص ۸۴) ش"

پر جاکر حضرت حمزہؓ کا ماتم کرو، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا تو دروازہ پر پردہ نشینانِ انصار کی بھیڑ تھی، اور حضرت حمزہؓ کا ماتم بلند تھا، اُن کے حق مین دعاے خیر کی، اور فرمایا مین تمھاری ہمدردی کا شکر گذار ہون لیکن مُردون پر نوحہ کرنا جائز نہین (عرب مین دستور تھا کہ مردون پر عورتین زور زور سے نوحہ اور بین کرتی تھین، کپڑے پھاڑ لیتی تھین، گال نوچتی، گالون پر تھپڑ مارتی تھین اور چیختی چلاتی تھین، یہ رسم بد اسی دن سے بند کر دی گئی، اور فرمایا گیا کہ آج سے کسی مردہ پر نوحہ نہ کیا جائے[۱]، یہ بھی بعد کو ارشاد ہوا کہ اس طرح ماتم کرنا مسلمان کی شان نہین[۲])

(قرآن مجید مین سورۂ آلِ عمرآن مین غزوۂ احد کا مفصل ذکر موجود ہے)

واقعاتِ متفرقہ ۳ھ اسی سال یعنی ۳ھ حضرت امام حسن (رضی اللہ عنہ) کی ولادت ہوئی، رمضان کی پندرہوین تاریخ تھی، اسی سال آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت حفصہؓ سے جو حضرت عمرؓ کی صاحبزادی تھین، اور غزوۂ بدر کے زمانہ مین بیوہ ہوگئی تھین، نکاح کیا، اسی سال حضرت عثمانؓ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی صاحبزادی حضرت ام کلثومؓ سے شادی کی

وراثت کا قانون بھی اسی سال نازل ہوا، اب تک وراثت مین ذوی الارحام کا کوئی حصہ نہ تھا، اُن کے حقوق کی بھی تفصیل کی گئی، مشرکہ کا نکاح مسلمان سے اب تک جائز تھا اس سال اس کی بھی تحریم نازل ہوئی۔)

[۱] ابن ہشام (غزوۂ احد) اور مسند احمد (جلد ۲ ص ۸۴) [۲] صحیح بخاری کتاب الجنائز "س"

سنہ ۴ھ

سلسلۂ غزوات و سرایا[1]

تمام قبائلِ عرب، بجز ایک دو کے، اسلام کے دشمن تھے، دشمنی زیادہ تر اس بنا پر تھی کہ ہر قبیلہ بُت پرستی کو اپنا دین و آئین سمجھتا تھا، اسلام اسی کو مٹاتا تھا، اس کے ساتھ قریش کا اثر تمام عرب پر تھا، حج کے زمانہ مین تمام قبائل مکّہ مین جمع ہوتے تھے، اور قریش اُن کو اسلام دشمنی پر برانگیختہ کرتے تھے، ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ تمام قبائل کی وجہ معاش لوٹ اور غارتگری تھی، اور اسلام اس کو نہ صرف قولاً بلکہ عملاً بھی روکتا تھا، اس لئے وہ جانتے تھے کہ اسلام اگر قائم ہو گیا تو ہمارے ذرائعِ معاش بند ہوجاینگے، تاہم بدر کی فتح نے ایک عام رعب بٹھا دیا تھا، جس کی وجہ سے تمام قبیلے اپنی اپنی جگہ خاموش بیٹھ گئے، لیکن اُحد کی شکست نے حالت بدل دی، اور دوبارہ تمام قبائل دفعۃً اٹھ کھڑے ہوئے، سیرتِ نبویؐ مین سرایا (چھوٹی چھوٹی لڑائیان) کا جو ایک وسیع سلسلہ پھیلا ہوا نظر آتا ہے اسی زنجیر کی کڑیان ہین، عام مورخون نے اگرچہ اپنی عادت کے موافق

---

[1] غزوہ اور سریہ میں جو فرق ہے اس کی نسبت علمائے سیرت مختلف الرائے ہین، زیادہ مقبول یہ راے ہے کہ جس واقعہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود شریک ہوئے وہ غزوہ کے نام سے موسوم ہے، اور جس مین صحابہ افسر مقرر کرکے بھیجدئیے جاتے تھے، وہ سریہ کہلاتا تھا،

ان لڑائیون کے ذکر مین اُن کے اسباب سے بحث نہین کی ہیکن ابن سعد نے طبقات مین، اور اور ائمۂ فن نے قریبًا ہر واقعہ کا سبب لکھدیا ہے، یعنی کسی خاص قبیلہ نے مدینہ پر چڑھائی کا ارادہ کیا، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مدافعت کے لئے فوجین بھیجیں،

اسب سے پہلے ا رمحرم ۴ھ مین طلحہ اور خویلد نے اپنے قبیلہ کو جو فید کے کوہستانی علاقہ قطن مین رہتا تھا، مدینہ پر حملہ کرنے کے لئے آمادہ کیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو خبر ہوئی، توآپ نے حضرت ابو سلمۃ رضؓ کو ایک سو پچاس مہاجرین اور انصار کے ساتھ اس طرف روانہ کیا، یہ خبر سُن کر اُن کی جماعت منتشر ہو گئی،[1]

۲- اس کے بعد محرم ۴ھ مین سفیان بن خالد جو قبیلہ لحیان کا تھا، اور جو کوہستان عُرنہ کا رئیس تھا، مدینہ پر حملہ کا قصد کیا، اس کے مقابلہ کے لئے آپ نے حضرت عبداللہ بن اُنیس رضؓ کو بھیجا، جنھون نے لطائف الحیل سے موقع حاصل کیا اور سفیان کو قتل کر دیا،[2]

صفر ۴ھ مین اُبو براء کلابی[3] جو قبیلہ کلاب کا رئیس تھا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین حاضر ہوا، اور درخواست کی کہ چند لوگون کو میرے ساتھ کر دیجئے کہ میری قوم کو اسلام کی دعوت دین، آپ نے فرمایا "مجھ کو نجد کی طرف سے ڈر ہے"[4] ابو براء نے کہا "اُن کا مین ضامن ہون" آپ نے منظو

[1] ابن سعد صفحہ ۳۵ (ج ۲ قسم اول) اصل عبارت یہ ہے بلغ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ان طلیحۃ وسلمۃ ابنی خویلد قد سارا فی قومھما ومن اطاعھما یدعوانھم الی حرب رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) [2] طبقات ابن سعد ص ۳۶، اصل عبارت یہ ہے ذلک انہ بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سفین بن خلد الھذلی ... قد جمع الجموع لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم [3] ابو براء بعد کو اسلام لائے یا نہین اس مین اہل علم کا اختلاف ہے، ذہبی کہتے ہین کہ صحیح یہ ہے کہ یہ اسلام نہین لائے، اصابہ مین ہے کہ ان کے قبول اسلام کی کوئی روایت نہین ہے، تاہم بعض روایات کی بنا پر ایک جماعت کا خیال ہے کہ اسلام لائے تھے (زرقانی ج ۲ ص ۷۴) [4] ابن سعد ص ۳۶ (ج ۲) یہ کچھ بیجا بھی نہ تھا عامر بن طفیل جو ان اطراف کا رئیس تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ میرے تمھارے درمیان تین باتین

فرمایا، اور ستر انصار ساتھ کر دیئے، یہ لوگ نہایت مقدس اور درویش تھے، اور اکثر اصحابِ صفہ میں سے تھے، ان کا معمول تھا کہ دن بھر لکڑیان چنتے شام کو فروخت کرکے کچھ اصحاب صفہ کے نذر کرتے، کچھ اپنے لئے رکھتے،

اُن لوگون نے بیرِ معونہ پہنچ کر قیام کیا، اور حرام بن ملحان کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خط دیکر عامر بن طفیل (بن مالک بن جعفر کلابی عامری) کے پاس بھیجا، جو قبیلہ کا رئیس تھا، عامر نے حرام کو قتل کر دیا، اور آس پاس کے جو قبائل تھے یعنی عُصَیّہ، رعل، ذکوان، سب کے پاس آدمی دوڑا دیئے کہ تیار ہو کر آئین، ایک بڑا لشکر تیار ہو گیا، اور عامر کی سرداری مین آگے بڑھا صحابہؓ حرام کی واپسی کے منتظر تھے، جب دیر لگی، تو خود روانہ ہوئے، راستہ مین عامر کی فوج کا سامنا ہوا، کفار نے اُن کو گھیر لیا، اور سبؓ کو قتل کر دیا، صرف عمرو (بن امیہ) امیہ کو عامر نے یہ کہہ کر چھوڑ دیا کہ میری مان نے ایک غلام آزاد کرنے کی منت مانی تھی، مین تجھ کو آزاد کرتا ہون، یہ کہکر اُن کی چوٹی کاٹی اور چھوڑ دیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اس واقعہ کی خبر ہوئی تو اس قدر صدمہ ہوا کہ تمام عمر کبھی نہین ہوا مہینہ بھر نمازِ فجر مین ان ظالمون کے حق مین بد دعا کی، حضرت عمرو بن امیہ نے واپسی

(بقیہ حاشیہ صفحہ ٣٨٩) بادیہ کے مالک تم ہو، اور شہرون کا مین ہون، یا اپنے بعد مجھ کو اپنا جانشین بناؤ، ورنہ غطفان کو لے کر مین چڑھ آؤنگا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور نہین فرمایا تھا، اس لئے اُسکی طرف سے ڈر تھا (صحیح بخاری غزوۃ الرجیع و رعل و ذکوان)

(۱) صحابہ کی اس جماعت مین حضرت کعب بن زیدؓ بھی تھے، کفار نے سمجھا کہ یہ بھی شہید ہو گئے ہین لیکن اُن مین جان باقی تھی اور بعد کو زندہ بچ گئے، اور غزوۂ خندق مین شہید ہوئے، زرقانی ج ٢ ص ٨٠، "س" (۲) حضرت عمرو بن امیہؓ اور حضرت منذر بن محمد عقبہ انصاریؓ پیچھے تھے جب یہ مقام حادثہ پر پہنچے تو حضرت منذرؓ کو شہید کر دیا گیا، اور حضرت عمروؓ بن امیہ کو قید کر لیا گیا، اور بعد کو وہ چھوڑ دیئے گئے، زرقانی ج ٢ ص ٨٩ "س"

مین راستہ میں بنی عامر کے) دو آدمیون کو قتل کردیا تھا (جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) امان دے چکے تھے، مگر حضرت عمروؓ بن امیہ کو اس کا علم نہ تھا، وہ یہ نہ سمجھے کہ ہم نے بنی عامر سے ان کی اس بیوفائی کا بدلہ لے لیا، جو انھون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے ساتھ کیا ہے[1]، (جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سنا تو) اس پر آپ نے ناراضی ظاہر فرمائی، اور دونون کے خونبہا ادا کردینے کا اعلان فرمایا،

واقعۂ رجیع

انھی دنون عضل اور قارۃ جو دو مشہور قبیلے ہین، اُن کے چند آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے کہ ہمارے قبیلہ نے اسلام قبول کرلیا ہے، چند لوگون کو ہمارے ہان بھیجیے کہ اسلام کے احکام اور عقائد سکھائین، آپ نے دس شخص ساتھ کردیئے جن کے سردار حضرت عاصمؓ بن ثابت تھے، یہ لوگ جب مقامِ رجیع پر پہنچے، جو عسفان اور مکہ کے وسط میں ہے، تو ان غدارون نے بدعہدی کی، اور قبیلۂ بنو لحیان کو اشارہ کیا کہ ان کا کام تمام کردین، بنو لحیان دو سو آدمی لے کر جن مین ایک سو تیرانداز تھے، ان لوگون کے تعاقب مین چلے، اور اُن کے قریب آگئے، اُن لوگون نے بڑھ کر ایک ٹیکرے پر پناہ لی، تیراندازون نے اُن سے کہا کہ "اُترآؤ ہم تم کو امن دیتے ہین" حضرت عاصمؓ نے کہا مین کافر کی پناہ مین نہین آتا" یہ کہہ کر خدا سے خطاب کیا کہ "اپنے پیغمبر کو خبر پہنچا دے" غرض وہ مع سات آدمیون کے لڑکر تیراندازون کے ہاتھ سے شہید ہوئے، (قریش نے چند آدمیون کو بھیجا کہ

(۱ البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۳، زرقانی ج ۲ ص ۹۲) (۲ بخاری (کتاب المغازی) نے اس موقع پر جن تیسرے بزرگ کا ذکر کیا ہے، ان کا نام نہین لکھا ہے، ابن اسحاق نے ان کا نام حضرت عبداللہؓ بن طارق بتلایا ہے، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہؓ اسی وقت اسی موقع پر شہید کردیئے گئے لیکن دوسری روایتون مین ہے کہ یہان سے آگے چل کر مکہ کے راستہ مین بہ مقام ظہران اُن کی شہادت کا واقعہ پیش آیا، زرقانی ج ۲ ص ۷۰، "س"

عاصم کے بدن سے گوشت کا ایک لوتھڑا کاٹ لائیں کہ اُن کی شناخت ہو، قدرتِ خداوندی نے شہید مسلم کی یہ تحقیر گوارا نہ کی، شہد کی مکھیون نے لاش پر پرا ڈال دیا، قریش ناکام پھر گئے) لیکن (تین شخصوں نے جن (میں سے دو) کے نام حضرت خبیبؓ اور حضرت زیدؓ (بن الدثنہ) تھے، کافرون کے وعدہ پر اعتماد کیا اور ٹیکرے سے اُتر آئے، کافرون نے بدعہدی کر کے اُن کی مشکیں کس لین، اور مکہ میں لے جا کر بیچ ڈالا، حضرت خبیبؓ نے جنگِ اُحد میں حارث بن عامر کو قتل کیا تھا اس لئے اُن کو حارث کے لڑکون نے خریدا کہ باپ کے بدلہ میں قتل کرین گے، چند روز انہی کے گھر میں رہے، ایک دن حارث کی نواسی کو کھلا رہے تھے، اتفاق سے ہاتھ میں چھری تھی، بچی کی ماں اتفاقاً کہیں سے آگئی، دیکھا کہ حضرت خبیبؓ کے ہاتھ مین ننگی چھری ہے کانپ اٹھی، حضرت خبیبؓ نے کہا کیا تو یہ سمجھی کہ میں اس کو قتل کر دون گا؟ ہمارا یہ کام نہین، خاندانِ حارث اُن کو حرم کے حدود سے باہر لے گیا، اور قتل کرنا چاہا، انھون نے دو رکعت نماز پڑھنے کی اجازت مانگی، قاتلون نے اجازت دی، انھون نے دو رکعت نماز پڑھ کر کہا دیر تک پڑھنے کو جی چاہتا تھا لیکن تم کو خیال ہوگا کہ موت سے ڈرتا ہون، پھر یہ اشعار پڑھے،

وما ان ابالی حین اقتل مسلما	جب میں اسلام کے لئے قتل کیا جا رہا ہون تو
علی ای شق کان للہ مصرعی	مجھ کو اس کی پروا نہین کہ کس پہلو قتل کیا جاؤنگا،
وذلک فی ذات الالہ ان یشأ	یہ جو کچھ ہے خالص خدا کے لئے ہے، اگر وہ چاہیگا تو
یبارک علی اوصال شلو ممزع	جسم کے اُن پارہ پارہ ٹکڑون پر برکت نازل کریگا۔

ہ حارث کے بیٹے ابو سروعہ جنھون نے حضرت خبیبؓ کو شہید کیا تھا، بعد کو مسلمان ہوئے اور شرفِ صحابیت سے سرفراز

اسی زمانہ سے دستور ہے کہ کسی کو قتل کرتے ہین، تو مقتول پہلے دو رکعت نماز ادا کر لیتا ہے اور یہ مستحب سمجھا جاتا ہے)

دوسرے صاحب حضرت زید رض تھے، اُن کو صفوان بن اُمیہ نے قتل کے ارادہ سے خرید اتھا، ان کے قتل کے وقت قریش کے معزز سردار تماشا دیکھنے آئے جن مین ابو سفیان بھی تھا جب قاتل نے تلوار ہاتھ مین لی، تو ابو سفیان نے کہا "سچ کہنا اس وقت تمہارے بدلے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) قتل کیے جاتے تو کیا تم اس کو اپنی خوش قسمتی نہ سمجھتے" بولے خدا کی قسم مین تو اپنی جان کو اس کے برابر بھی عزیز نہین رکھتا کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے تلوون مین کانٹا چبھ جائے" صفوان کے غلام نسطاس نے ان کی گردن ماردی،

ان لڑائیون کا سلسلہ یہود کی لڑائیون سے مل جاتا ہے، اور چونکہ یہود کے واقعات اور اُن کی سرگذشت تاریخ اسلام سے گوناگون تعلقات رکھتی ہے، اس لیے ہم اُن کے واقعات مستقل حیثیت سے لکھتے ہین، اور اس غرض کے لیے کسی قدر ہم کو پچھلے زمانہ کی طرف واپس آنا پڑے گا،

(بقیہ حاشیہ ص ۳۹۲) ہوئے، زرقانی ج ۲ ص ۸۲ (س ۳ صحیح بخاری مین استرہ لکھا ہے) (س

سلہ طبری ص ۱۴۳۵ و طبقات ابن سعد اشعار اور اکثر جزئیات واقعہ صحیح بخاری غزوۃ الرجیع سے لئے گئے ہین، نیز صحیح بخاری ہل یستاسر من لعدیتا سر صلی رکعتین عند القتل، (۵۲ اس نماز کے استحباب کی اصل وجہ یہ ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خبیب رض کے اس فعل کی اطلاع ملی تو آپنے اسکو پسند فرمایا (شرح سیر کبیر سرخسی اول ص ۱۵۱ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے استحسان نے اس نماز کو استحباب کا درجہ عطا فرمایا (الروض الانف جلد ۲ ص ۱۷۱) محدثین کی اصطلاح میں اس صورت حال کو تقریر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کہتے ہین یعنی حضور کے سامنے کوئی فعل کیا گیا ہو یا حضور کی عدم موجودگی مین کیا گیا ہو، اور حضور کو اسکی اطلاع ملی ہو مگر آپ نے اس کا انکار نہ فرمایا ہو تو اس سے بھی اس فعل کا مسنون و مستحب یا جائز ہونا سمجھا جائیگا (س ۵۳ زرقانی نے بعد کو اسلام قبول کیا، زرقانی ج ۲ ص ۸۳) (س

واقعات متفرقہ ۴ھ | اسی سال شعبان مین حضرت حسین رضی اللہ عنہ کی ولادت ہوئی،

اسی سال ازواج مطہراتؓ مین سے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ نے انتقال فرمایا جن سے اسی سال نکاح بھی ہوا تھا،

اسی سال آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو حکم دیا کہ وہ عبرانی زبان لکھنا پڑھنا سیکھ لین، اور فرمایا کہ مجھ کو یہود پر اطمینان نہین، تاریخون مین لکھا ہو کہ حضرت زیدؓ نے صرف پندرہ دن مین عبرانی زبان سیکھ لی، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ مین عبری زبان سے لوگ بہت کچھ آشنا تھے،

اسی سال شوال مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت ام سلمہؓ سے نکاح فرمایا،

اسی سال یہودیون نے آپکے سامنے ایک یہودی کا مقدمہ پیش کیا، اور آپؐ نے توراۃ کے مطابق رجم کا حکم دیا، (تفصیل ان واقعات کی دوسرے حصون مین آئے گی)

بعض مورخون کے نزدیک شراب کی حرمت کا حکم بھی اسی سال نازل ہوا لیکن اس مین روایتین نہایت مختلف ہین، پوری تحقیق احکام شرعیہ کے ذکر مین آئے گی،

یہودیون کے ساتھ معاہدہ اور جنگ

سنہ ۲ و سنہ ۴

اوپر گذر چکا ہی کہ یہود، مدت دراز سے مدینہ پر فرماں روا تھے، انصار نے آکر اُن کے ساتھ تعلقات پیدا کئے، اور رفتہ رفتہ حریفانہ اقتدار حاصل کیا، لیکن جنگِ بعاث نے اُن کی قومی طاقت توڑ دی، اور اب وہ اس قابل نہین رہے تھے، کہ یہود سے ہمسری کا دعوی کر سکتے،

یہود کے تین قبیلے تھے، قینقاع، نضیر، قریظہ، یہ سب مدینہ کے اطراف اور حوالی مین آباد تھے، اور عموماً زمیندار، دولتمند، تجارت پیشہ، اور صناع تھے، قینقاع زرگری کا پیشہ کرتے تھے، اور چونکہ سب مین زیادہ بہادر اور شجاع تھے، اس لئے ہمیشہ اُن کے پاس اسلحۂ جنگ کے ذخیرے تیار رہتے تھے، انصار عموماً اُن کے مقروض اور زیر بار تھے، ملکی اور تجارتی افسری کے ساتھ اُن لوگون کو مذہبی اور علمی اثر بھی تھا، انصار عموماً بت پرست اور جاہل تھے، اس بنا پر وہ یہود کو عزت کی آنکھ سے دیکھتے، اور ان کو اپنے سے زیادہ مہذب اور شایستہ سمجھتے تھے، جن لوگون کے بچے زندہ نہین رہتے تھے، وہ منت مانتے تھے کہ ہمارا بیٹا زندہ رہے گا تو ہم اس کو یہود بنا دین گے، چنانچہ ۱؎ مدینہ مین اس قسم کے بہت سے جدید الیہودیۃ موجود تھے،

۱؎ ابوداؤد جلد ۲ صفحہ ۹ کتاب الجہاد باب الاسیر

یہود میں امتداد زمانہ سے نہایت اخلاقِ ذمیمہ پیدا ہو گئے تھے، اُن کے امتیازی خصائص زندگی یہ تھے کہ ہر طرف لین دین کا کاروبار پھیلا رکھا تھا، اور تمام آبادی اُن کے قرضوں میں زیر بار تھی اور چونکہ تنہا وہی صاحبِ دولت تھے، اس لیے نہایت بے رحمی سے سود کی بڑی شرحیں مقرر کرتے تھے، اور قرضہ کی کفالت میں لوگوں کے بال بچے، یہان تک کہ مستورات کو رہن رکھواتے تھے، کعب اشرف نے خود اپنے انصاری دوستوں سے یہی درخواست کی تھی[1] اور مختلف طریقوں سے لوگوں کے مال اور جائداد پر تصرف کرتے تھے،

طماعی اور حرص کی شدت سے یہ حالت تھی کہ معصوم بچوں کو دو چار روپیے کے زیور کے لئے پتھر سے مار ڈالتے تھے،[2] دولت کی بہتات سے زنا اور بدکاری کا عام رواج تھا، اور چونکہ زیادہ تر امراء اس کے مرتکب ہوتے تھے، اس لئے ان کو سزا نہیں دے سکتے تھے، ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی سے دریافت فرمایا کہ کیا تمھاری شریعت میں زنا کی سزا صرف درہ مارنا ہے؟ اس نے کہا نہیں، بلکہ سنگسار کرنا ہے لیکن ہمارے شرفا میں زنا کی کثرت ہو گئی، اور جب کوئی شریف اس جرم میں پکڑا جاتا تو ہم اس کو چھوڑ دیتے تھے، البتہ عام آدمیوں کو یہ سزا دیتے تھے، بالآخر یہ قرار پایا کہ سنگسار کرنے کی سزا درہ سے بدل دی جائے تاکہ شریف اور رذیل سب کو یکسان سزا دی جا سکے،[3]

اسلام مدینہ میں آیا تو یہود کو نظر آیا کہ اب اُن کا جابرانہ اور خود غرضانہ اقتدار قائم نہیں

---

[1] بخاری و مسلم ذکر قتل کعب اشرف [2] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۱۶ (کتاب الدیات، باب: اذا قتل بحجر او بعصا) "س"

[3] اسباب النزول، واحدی ص ۱۴۵ مصر (و صحیح مسلم (ص ۴۹) ذکر رجم الیہود) "س"

رہ سکتا، اسلام جس قدر روز بروز مدینہ مین پھیلتا جاتا تھا، اسی قدر یہودیون کے مذہبی وقار کو جو اُن کو مدتون سے حاصل تھا، زوال ہوتا جاتا تھا، مدینہ کے مشرکین مین یہودیت جو تدریجًا پھیل رہی تھی، دفعۃً رک گئی، نئے نئے فتوحات کی بدولت، انصار جس قدر دولت مند ہوتے جاتے تھے، یہودیون کے قرض کے شکنجون سے آزاد ہوتے جاتے تھے، یہودیون مین جو اخلاق بد عمومًا پھیلے ہوئے تھے، اور جن پر دولتمندی اور مذہبی پیشوائی نے پردہ ڈال رکھا تھا اب اُن کا راز فاش ہونے لگا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ ان سے معاہدہ کیا تھا کہ ان کے جان و مال سے کچھ تعرض نہین کیا جائے گا، اور ان کو ہر قسم کی مذہبی آزادی حاصل ہوگی، لیکن منصب نبوت کی حیثیت سے، ذمائم اخلاق پر وعظ اور تذکیر آپ کا فرض نبوت تھا، قرآن مجید مین اُن کے اخلاق کی پردہ دری پر صاف صاف آیتیں نازل ہوتی تھین،

سَمّٰعُوْنَ لِلْكَذِبِ اَكّٰلُوْنَ لِلسُّحْتِ (مائدہ-٦)	وہ جھوٹ باتون کے سننے والے اور مال حرام کے بڑے کھانے والے ہین،
وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ (مائدہ ٩)	اور تو ان مین سے اکثرون کو دیکھے گا کہ گناہ اور تعدی کی طرف بڑی تیزی سے بڑھتے ہین،
وَاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ (نساء-٢٢)	اور چونکہ یہ سود خواری کرتے ہین، حالانکہ ان کو سود سے منع کر دیا گیا تھا، اور چونکہ یہ لوگون کا مال خورد برد کر جاتے ہین،

ان اسباب نے تمام یہودیون مین اسلام کی طرف سے سخت ناراضی پھیلا دی، انھون نے

طرح طرح سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اذیتین دینی اور اسلام کے خلاف کوششیں کرنی شروع کین، لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو حکم تھا کہ اُن کی ہر طرح کی ایذا رسانیون کی برداشت کرین،

وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ	اور اہلِ کتاب اور مشرکون سے تم
مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا	بہت سی ایذا (کی باتین) سنوگے، اور
اَذًى كَثِيْرًا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا	اگر صبر کیے رہو، اور پرہیز گاری پر قائم
فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (آل عمران - ۱۹)	رہو تو یہ ہمت کے کام ہین،

یہودیون نے معمول کر لیا تھا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے سلام علیکم کرتے تو بجاے السلام علیک کے السام علیک کہتے تھے جس کے معنی یہ ہین کہ تجھ کو موت آے"! ایک دفعہ حضرت عائشہؓ بھی موجود تھین، انھون نے سُنا تو اُن کو سخت غصہ آیا اور بے اختیار ہوکر بول اٹھین کہ کمبختو! تم کو موت آے"! آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا کہ نرمی سے کام لو" حضرت عائشہؓ نے کہا "آپ نے کچھ سنا بھی کہ ان لوگون نے کیا کہا"؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہان لیکن کافی ہے کہ مین نے علیک کہہ دیا[1]،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) صرف معاملت اور درگذر ہی پر اکتفا نہین فرماتے تھے، اکثر معاشرت کی باتون مین یہود کے ساتھ اتفاق فرماتے، اور اُن کی مذہبی توقیر رکھنا چاہتے تھے، اہلِ عرب کی عادت تھی کہ بالون مین مانگ نکالتے تھے، بخلاف اُس کے یہودی بالون کو یون ہی چھوڑ دیتے تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی یہودیون ہی کی موافقت کرتے تھے، صحیح بخاری مین ہے،

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب مین مذکور ہے،

وکان یحب موافقة اھل الکتاب فیما لم یؤمر فیہ بشئی،	اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان چیزون مین جن مین کوئی خاص حکم الٰہی نہین ہوتا تھا، اہل کتاب کی موافقت پسند فرماتے تھے،
(بخاری کتاب اللباس باب الفرق (جلد ۲ ص ۸۷۷))	

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) جب مدینہ مین تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورہ کے دن روزہ رکھتے تھے، آپ نے بھی حکم دیا کہ لوگ عاشورہ کا روزہ رکھین[1] کسی یہودی کا جنازہ گذرتا تو آپ تعظیماً کھڑے ہوجاتے[2]،

ایک دفعہ ایک یہودی نے حضرت موسیٰؑ کی فضیلت اس طرح بیان کی جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بھی افضل ہین، اس پر ایک انصاری کو غصہ آگیا، انھون نے اس کو تھپڑ مارا، یہودی نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے شکایت کی، آپ نے فرمایا "مجھ کو اور پیغمبرون پر (ایسی) فضیلت نہ دو (جس سے اُن کا نقص لازم آئے) قیامت کے دن لوگ بیہوش ہوجائین گے، اور سب سے پہلے مجھ کو ہوش آئے گا، اس وقت مین دیکھون گا کہ موسیٰؑ عرش کا پایہ تھامے کھڑے ہین[3]،

احکام الٰہی جو قرآن مجید مین نازل ہورہے تھے، سرتاپا اہل کتاب کے ساتھ مدارات آمیز معاشرت کی ترغیب مین تھے،

---

[1] بخاری جلد اول ص ۵۶۲ (باب اتیان الیھود النبی صلی اللہ علیہ وسلم حین قدم المدینۃ) "س"

[2] بخاری جلد ۱ ص ۱۷۵ "س" کتاب الجنائز [3] بخاری جلد ۲ ص ۶۶۰ تفسیر سورۂ اعراف،

وَطَعَامُ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حِلٌّ لَّکُمْ، (مائدہ - ۱)

اور اہلِ کتاب کا کھانا تمھارے لئے حلال ہے،

عموماً اُن کی قدر و منزلت کا خیال دلایا جاتا تھا،

یٰبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ اذْکُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْکُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (بقرۃ)

اے بنی اسرائیل! میری نعمتوں کا خیال کرو، جو میں نے تم کو دیں اور یہ کہ میں نے تم کو تمام عالم پر فضیلت دی،

تبلیغِ اسلام کی حیثیت سے جو کچھ اس وقت اُن کے سامنے پیش کیا جاتا تھا صرف اس قدر تھا،

قُلْ یٰٓاَھْلَ الْکِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَّلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (اٰل عمران - ع ۷)

کہدو کہ اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات کی طرف آؤ جس کو ہم تم دونوں یکساں مانتے ہیں، وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا کسی کو نہ پوجیں اور اس کا کسی کو شریک نہ بنائیں اور ہم میں سے کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی کو خدا نہ بنائے تو اگر وہ منھ پھیر لیں تو تم کہدو کہ اچھا تم گواہ رہو، ہم تو مسلمان ہیں،

ان باتوں میں سے ایک بھی اُن کے معتقدات اور مزعومات کے خلاف نہ تھی لیکن ان تمام مہربانیوں اور اظہارِ لطف و مدارات کا جو صلہ تھا، یہ تھا کہ انھوں نے ہر طرح سے

اسلام کی خانہ براندازی کا عزم کرلیا،

اسلام کی عظمت اور وقار کم کرنے کے لئے مشرکون سے کہتے تھے کہ مذہب مین مسلمانون سے تو تم ہی اچھے ہو،

وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا (نسآء) — اور کافروں کی نسبت کہتے ہین کہ مسلمانون سے زیادہ ہدایت یافتہ ہین،

مذہب اسلام کی بے اعتباری پھیلانے کیلئے یہان تک آمادہ ہوے کہ مسلمان ہوکر پھر مرتد ہوجاتے ہین تاکہ لوگون کو خیال ہوکہ اگر یہ مذہب سچا ہوتا تو اس کو قبول کرکے کوئی کیون چھوڑ دیتا،

وَقَالَت طَّائِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ (آلِ عمران - ۸) — اور اہل کتاب مین سے ایک گروہ کہتا ہی کہ مسلمانون پر جو اترا ہے، اس پر صبح کو ایمان لاؤ اور شام کو اس سے پھر جاؤ، شاید کہ وہ لوگ (مسلمان) بھی پھر جائین،

ان باتون کے علاوہ، اسلام کی بربادی کی ملکی تدبیرین اختیار کین، وہ یہ جانتے تھے کہ مسلمانون کو جو قوت ہی، وہ اس وجہ سے ہے کہ انصار کے دو قبیلے "اوس" اور "خزرج" جو باہم لڑتے بھڑتے رہتے تھے، اسلام نے ان کو باہم متحد کردیا ہے، ان دونون کو اگر پھر لڑا دیا جائے تو اسلام خود بخود فنا ہوجائے گا، عرب مین پچھلی کینہ آوریون کو تازہ کردینا نہایت آسان کام تھا، ایک دفعہ دونوں قبیلون کے بہت سے آدمی جلسہ مین بیٹھ کر بات چیت کررہے تھے، چند یہودیون نے اس صحبت مین جاکر جنگ بعاث کا تذکرہ چھیڑا، یہ وہ لڑائی تھی جس مین انصار کے یہ دونون

قبیلے آپس مین لڑے تھے، اور اسی لڑائی نے اُن کی تمام قوت برباد کر دی تھی، اس لڑائی کے تذکرہ نے دونون کو پُرانے واقعے یاد دلائے، اور دفعۃً عداوت کی دبی ہوئی آگ بھڑک اٹھی، لعن وطعن سے گذر کر تلوارین کھنچ گئین، حُسنِ اتفاق سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی آپ نے فوراً موقع پر پہنچ کر وعظ و پند سے دونون فریق کو ٹھنڈا کیا، اُس پر یہ آیت اُتری،[1]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تُطِيعُوا	مسلمانو! اگر تم اہلِ کتاب کے بعض لوگون
فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ	کا کہا مانوگے. تو وہ تم کو ایمان لائے
يَرُدُّوكُم بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ (آل عمران-۱۰)	بعد پھر کافر بنا دین گے،

منافقین کا ایک گروہ پہلے سے موجود تھا، جو اگرچہ بظاہر مسلمان ہو گیا تھا، لیکن درحقیقت اسلام کا سخت دشمن تھا، اس گروہ کا سردار عبد اللہ بن اُبیّ بن سلول تھا، یہودیون نے اس کو نہایت آسانی سے درپردہ ملا لیا، اور اُن کے ساتھ مل کر سازش شروع کی، اتفاق یہ کہ عبد اللہ ابن ابیّ پہلے سے بھی بنی نضیر کا حلیف اور ہم پیمان تھا،

قریش نے بدر سے پہلے عبد اللہ بن اُبیّ کو لکھا تھا کہ مسلمانون کو نکال دو، ورنہ ہم آکر تمھارا استیصال کر دین گے لیکن جب اس مین کامیابی نہین ہوئی، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے تو بدر کے بعد انھون نے یہود کو خط لکھا،

انکم اهل الحلقة والحصون	تم لوگون کے پاس اسلحۂ جنگ اور قلعہ جات
وانکم تقاتلن صاحبنا او لنفعلن	ہین، تم ہمارے حریف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ للحافظ ابن حجر العسقلانی، مطبوعۂ مصر جلد ا ص ۰۰.

كن اوكذا، ولا يحول بيننا وبين — سے لڑو، ورنہ ہم تمھارے ساتھ یہ یہ کرینگے،
خدم نسائکم شیئ،[1] — اور یہ کوئی چیز ہم کو تمھاری عورتون کے کردن
تک پہنچنے سے روک نہ سکے گی،

ابوداؤد نے چونکہ بنونضیر کے ذکر مین اس واقعہ کا ذکر کیا ہے، اس لیے صرف بنونضیر کا نام لیا ہے ورنہ قریش کا خطاب عام یہود کے نام تھا، اور نتیجہ بھی عام تھا، اسی بنا پر محدث حاکم نے بنونضیر اور قینقاع دونون کے واقعہ کو ایک ہی واقعہ خیال کیا ہے، غرض اب حالت یہ ہو گئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم راتون کو گھر سے نکلتے تھے، تو یہودیون کی وجہ سے جان خطرہ رہتا تھا حضرت طلحہ بن براء ایک صحابی تھے، (انھون نے انتقال کے وقت) وصیت کی کہ اگر مین رات کے وقت مرون تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر نہ کرنا، اس لئے کہ یہود کی طرف سے ڈر ہے ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے آپ پر حادثہ گذر جائے، چنانچہ حافظ ابن حجر نے اصابہ مین ابوداؤد وغیرہ کی سند سے پورا واقعہ نقل کیا ہے،[2]

شوال سنہ ۲ھ
غزوۂ بنی قینقاع

بدر کی فتح نے یہود کو زیادہ اندیشہ ناک کر دیا، ان کو علانیہ نظر آیا کہ اسلام اب ایک طاقت بنا جاتا ہے اور چونکہ قبائل یہود مین سب سے زیادہ جری اور بہادر قینقاع تھے،[3] اس لئے سب سے پہلے انھی نے اعلان جنگ کی جرأت کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جو معاہدہ کیا تھا سب سے پہلے انھی نے اس کی عہد شکنی کی، ابن ہشام وطبری نے ابن اسحاق

---

[1] سنن ابی داؤد ذکر نضیر (کتاب الخراج والامارہ) "س" [2] دیکھو اصابہ ترجمہ طلحہؓ بن براء) [3] طبقات ابن سعد (جلد ۲ قسم اول ص ۱۹) "س"

کی روایت سے عاصم بن قتادہ انصاری کی روایت نقل کی ہے،

ان بنی قینقاع کانوا اوّل یھودٍ	بنو قینقاع پہلے یہود تھے جنھون نے اس
نقضوا ما بینھم و بین رسول اللہ	معاہدہ کو جو اُن مین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
صلی اللہ علیہ وسلم) وحاربوا فیما بین بدرٍ	مین تھا، توڑ ڈالا، اور بدر و اُحد کے درمیانی
و اُحدٍ،	زمانہ مین مسلمانون سے لڑائی کی،

ابن سعد نے غزوۂ بنو قینقاع کے ذکر مین لکھا ہے،

فلما کانت وقعۃ بدرٍ اظھروا البغی	(زرقانی جلد ا صفحہ ۴۵۵)	واقعۂ بدر مین یہودیون نے شورش اور
والحسد ونبذوا العھد والمرۃ		حسد ظاہر کیا اور عہد کو توڑ دیا،

ایک اتفاقیہ سبب پیش آگیا جس نے اس آگ کو اور بھڑکا دیا، ایک انصاری (کی بیوی) مدینہ کے بازار مین ایک یہودی کی دوکان مین (نقاب پوش آئیں) یہودیون نے اُن کی بیحرمتی کی، ایک مسلمان یہ دیکھ کر غیرت سے بے تاب ہوگیا اور اس نے یہودی کو مار ڈالا، یہودیون نے مسلمان کو قتل کردیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو اُن کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ خدا سے ڈرو ایسا نہ ہو تم پر بھی بدر والون کی طرح عذاب آئے" بولے کہ "ہم قریش نہین ہین، ہم سے معاملہ پڑیگا تو ہم دکھا دین گے کہ لڑائی اس کا نام ہے"، چونکہ اُن کی طرف سے نقضِ عہد اور اعلانِ جنگ ہوگیا تھا، مجبور ہو کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لڑائی کی، وہ قلعہ بند ہوئے، پندرہ دن تک محاصرہ رہا، بالآخر اس پر راضی ہوئے کہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) جو فیصلہ کرین گے اُن کو منظور ہوگا، عبداللہ بن اُبی ان کا حلیف تھا، اس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے

درخواست کی کہ وہ جلاوطن کردیئے جائیں[1]، غرض وہ اذرعات مین جو شام کے علاقہ مین ہی جلاوطن کردیئے گئے، یہ سات سو شخص تھے جن مین تین سو زرہ پوش تھے، یہ شوال سنہ ۲ھ کا واقعہ ہی،

قتل کعب بن اشرف ربیع الاول سنہ ۳ھ

یہودیون مین کعب بن اشرف ایک مشہور شاعر تھا، اس کے باپ اشرف نے جو قبیلۂ طے سے تھا، مدینہ مین بنو نضیر کا حلیف ہو کر اس قدر عزت اور اعتبار پیدا کیا کہ ابو رافع بن ابی الحقیق جو یہود کا مقتدا اور تاجر الحجاز جس کا خطاب[2] تھا، اس کی لڑکی سے شادی کی، کعب[3] اس کے بطن سے پیدا ہوا، اس دو طرفہ رشتہ داری کی بنا پر کعب یہود اور عرب سے برابر کا تعلق رکھتا تھا، اور شاعری کی وجہ سے قوم پر اس کا عام اثر تھا، رفتہ رفتہ دولت مندی کی وجہ سے تمام یہودیان عرب کا رئیس بن گیا، یہودی علما، اور پیشوایان[4] مذہب کی تنخواہین مقرر کین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ مین تشریف لائے، اور علماے یہود اس سے ماہوارین لینے آئے تو اس نے ان لوگون سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق راے دریافت کی، اور جب اپنا ہم خیال بنالیا، تب ان کے مقررہ روزینے جاری[5] کئے،

اس کو اسلام سے سخت عداوت تھی، بدر کی لڑائی مین سرداران قریش مارے گئے، تو اسکو نہایت صدمہ ہوا، تعزیت کے لئے مکہ گیا، کشتگان بدر کے پر درد مرثیے جن مین انتقام کی ترغیب تھی لوگون کو جمع کر کے نہایت درد سے پڑھتا، اور روتا اور رلاتا تھا، ابن ہشام نے ان واقعات کے ساتھ اشعار بھی نقل کئے ہین، اگرچہ اس قسم کے اشعار اکثر مصنوعی ہین تاہم جہان تک اس

---

[1] عام ارباب سیر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قتل کر دینا چاہتے تھے، عبد اللہ بن ابی کے اصرار سے مجبور ہو گئے لیکن سنن ابی داؤد مین جس طرح یہ واقعہ مذکور ہے، اس سے اس قیاس کی غلطی ثابت ہوتی ہی [2] صحیح بخاری باب قتل النائم المشرک [3] خمیس ص ۴۰۶ [4] [5] زرقانی ج ۲ ص ۹ بحوالہ ابن اسحاق وغیرہ،

زمانہ کی زبان معلوم ہوتی ہے ہم ایک دو شعر نقل کرتے ہین :

طحنت رحی بدر لمھلک اھلہ	جنگِ بدر کی چکی نے اہلِ بدر کو پیس ڈالا
ولمثل بدر تستھل وتدمع	بدر جیسے واقعات کے لئے رونا پٹنا چاہئے،
کم قد اصیب بہ من ابیض ماجد	کتنے شریف سپید و بارونق چہرے جن کے
ذی بھجۃ تاوی الیہ الضیع	یہان اہلِ حاجت پناہ لیتے تھے مارے گئے،

مدینہ مین واپس آیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو مین اشعار کہنا، اور لوگون کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے برخلاف برانگیختہ کرنا شروع کیا[1]،

عرب مین شاعری کا وہ اثر تھا، جو آج یورپ مین بڑے بڑے ملکی مدبرون کی پرجوش تقریرون اور نامور اخبارات کی تحریرون کا ہوتا ہے، تنہا ایک شاعر قبیلہ کے قبیلہ مین شعر کے اثر سے آگ لگا دیتا تھا،

ایک روایت مین ہے کہ مکہ مین چالیس آدمی لے کر گیا وہان ابوسفیان سے ملا، اور اس کو بدر کے انتقام پر برانگیختہ کیا، اور ابوسفیان سب کو لے کر حرم مین آیا، سب نے حرم کا پردہ تھام کر معاہدہ کیا کہ بدر کا انتقام لین گے[2]،

---

[1] ابوداؤد مین ہے و کان کعب بن الاشرف یھجو النبی صلی اللہ علیہ وسلم و یحرض علیہ کفار قریش (ابوداؤد جلد دوم باب کیف کان اخراج الیھود کتاب الخراج والامارۃ) "ابن سعد مین ہے کان رجلا شاعرا یھجو النبی و اصحابہ و یحرض علیہ (تفسیر ابن جریر طبری ج ۵ ص ۹، مین ہے ان کعب بن اشرف انطلق الی المشرکین من کفار قریش فاستجاشھم علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم و امرھم ان یغزوہ)"

[2] خمیس ص ۵۱، غالباً یہ وہی پہلا واقعہ ہے، ابن خمیس نے اس کے متعلق مزید تفصیل بیان کی ہے،

اس پر اکتفانہ کرکے قصد کیا کہ چپکے سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرادے، علامہ یعقوبی اپنی تاریخ مین بنو نضیر کے واقعہ مین لکھتے ہین،

کعب بن الاشرف الیھودی الذی	کعب بن اشرف یہودی جس نے آنحضرت
اراد ان یمکر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکے مین قتل کردینا چاہا[1]

اس روایت کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے، جو حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ذکر کعب اشرف) مین[2] عکرمہ کی سند سے نقل کی ہے کہ کعب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت مین بلایا، اور لوگون کو متعین کردیا کہ جب آپ تشریف لائین تو دھوکے سے آپ کو ہلاک کردین، حافظ ابن حجر نے گو لکھا ہے کہ اس روایت کی سند مین ضعف ہے، لیکن جب قرائن اور دیگر شواہد موجود ہین تو یہ ضعف رفع ہوجاتا ہے،

فتنہ انگیزی کا زیادہ اندیشہ ہوا تو آپ نے بعض صحابہؓ سے شکایت کی، اور آپ کی مرضی سے حضرت محمد بن مسلمہؓ نے مشورہ رؤسائے[3] اوس جاکر اس کو ربیع الاول ۳؁ھ مین قتل کردیا، ارباب روایت نے لکھا ہے کہ حضرت محمد بن مسلمہؓ نے آپ کی خدمت مین یہ بھی عرض کیا تھا کہ ہم کو کچھ کہنے کی اجازت دیجائے، ارباب سیر نے اس کے معنی یہ لگائے ہین کہ انھون نے جھوٹ باتین کہنے کی اجازت مانگی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی، کیونکہ الحرب خدعۃ "یعنی لڑائی مین دھوکہ دینا جائز ہے، لیکن بخاری کی روایت مین صرف یہ لفظ ہین،

فاذن لی ان اقول	ہم کو اجازت دیجائے کہ ہم گفتگو کرین،

[1] جلد، ص ۵۹ ؍ [2] "س" [3] ابن سعد مغازی ص ۲۱،

اس سے غلط گوئی کی اجازت کہان نکلتی ہے؟ لیکن جو گفتگو ہوئی، اُس سے کعب اور عموماً یہود کے اخلاق اور دلی خیالات کا پتہ چلتا ہے، حضرت محمد بن مسلمہؓ نے کہا "ہم نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو پناہ دے کر تمام عرب کو اپنا دشمن بنالیا، اور ہم سے بار بار صدقہ مانگا جاتا ہے، اب تمھین سے کچھ رکھکر قرض لینا ہے" کعب نے کہا تم خود محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اکتا جاؤ گے، اچھا قرض کے لئے اپنی بیویان گرو رکھو" محمد بن مسلمہؓ نے کہا "تمھاری اس حسنِ جمال کے سبب سے ہم کو اپنی بیویون پر وفاداری کا یقین نہین" اُس نے کہا "اچھا اپنے بچون کو گرو رکھو" انھون نے کہا اس سے تو تمام عرب مین ہماری بدنامی ہوگی، ہم اپنے ہتھیار گرو رکھین گے، اور تم جانتے ہو آج کل اُن کی جیسی ضرورت ہے"[1]

صحیح بخاری مین جو روایت ہے، اس مین قتل کا واقعہ اس طرح منقول ہے کہ ان لوگون نے دوستانہ طریقہ سے اس کو گھر سے بلایا، پھر بال سونگھنے کے بہانہ سے اس کی چوٹی پکڑ لی، اور قتل کر ڈالا[2] لیکن روایت مین یہ مذکور نہین کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان باتون کی اجازت دی تھی، اس وقت تک عرب مین ان طریقون سے قتل کرنا معیوب بات نہ تھی، آگے چل کر نہایت مفصل طور سے ایک مستقل عنوان مین یہ بحث آئے گی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے کس طرح تدریج کے ساتھ عرب کے ان طریقون کی اصلاح کی،

غزوۂ بنو نضیر
ربیع الاول ۴ھ

حضرت عمروؓ بن اُمیہ نے قبیلۂ عامر کے (جو) دو آدمی قتل کر دیئے تھے، اور جن کا خونبہا اب تک واجب الادا تھا، اور جس کا ایک حصہ معاہدہ کے رو سے یہود بنو نضیر پر واجب الادا تھا، اُس کے مطالبہ[3] کے لئے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بنو نضیر کے پاس تشریف

(۱) زرقانی جلد ۲ ص ۱۳ و صحیح بخاری قتل کعب بن اشرف ص (۲) صحیح بخاری باب قتل کعب (کتاب المغازی) ص (۳) بنی نضیر کی

لے گئے، انھوں نے قبول کیا، لیکن درپردہ یہ سازش کی کہ ایک شخص چھپکے سے بالاخانہ پر چڑھکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر گرادے، اتفاق سے اُس وقت آپؐ بالاخانہ کی دیوار کے سایہ مین کھڑے تھے، عمرو بن حجاش ایک یہودی اس ارادہ سے کوٹھے پر چڑھا، آپؐ کو اُس کے ارادہ کا حال معلوم ہوگیا، اور آپ فوراً مدینہ واپس چلے آئے،[1]

اوپر گذر چکا ہے کہ قریش نے بنو نضیر کو کہلا بھیجا تھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کردو، ورنہ ہم خود آکر تمہارا استیصال کردین گے، بنو نضیر پہلے سے اسلام کے دشمن تھے، قریش کے پیغام نے ان کو اور زیادہ آمادہ کیا، بنو نضیر نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ تیس آدمیون کو لے کر آئین، ہم بھی اپنے احبار لے کر آئین گے، آپؐ کا کلام سُن کر اگر ہمارے احبار آپ کی تصدیق کرین گے تو ہم کو بھی کچھ عذر نہ ہوگا، چونکہ وہ بغاوت کی تیاری کرچکے تھے، آپؐ نے کہلا بھیجا کہ جب تک تم ایک معاہدہ نہ لکھدو، مین تم پر اعتماد نہین کرسکتا، لیکن وہ اس پر راضی نہ ہوئے، آپؐ یہود بنی قریظہ کے پاس تشریف لے گئے، اور اُن سے تجدید معاہدہ کی درخواست کی، انھون نے تعمیل کی، بنو نضیر کے لئے یہ نظیر موجود تھی کہ اُن کے برادرانِ دینی نے معاہدہ لکھدیا ہے، لیکن وہ کسی

(بقیہ حاشیہ ص ۴۰۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیت کے متعلق جو گفتگو فرمائی اس کی دو تشریحین کی گئی ہین، ایک تشریح تو وہ ہے جس کو مصنف نے اختیار فرمایا ہے، دوسری تشریح یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر سے جو گفتگو فرمائی تھی اس کا ماحصل یہ ہے کہ قبیلۂ عامر کو دیت کس طرح ادا کی جائے، اور اُن کے یہان دیت کا دستور کیا ہے، بنی نضیر اور قبیلۂ عامر کے باہم تعلقات اچھے تھے، اس لئے اُن سے اس مسئلہ میں گفتگو قرین قیاس بھی ہے (سیرۃ حلبیہ جلد ۲ ص ۲۷۰) [1] یہ روایت ابن ہشام وغیرہ مین مذکور ہے، زرقانی نے موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے جو صحیح ترین مغازی ہے یہ عبارت نقل کی ہے، وکانوا قد دسوا الی قریش فی قتالہ صلی اللہ علیہ وسلم فحضوھم علی القتال ودلوھم علی العورۃ (زرقانی صفحہ ۹۳ جلد ۲) یعنی ان لوگون نے قریش سے درپردہ سازش کر کے ان کو آمادۂ جنگ کیا، اور اُن کو مخفی موقع بتائے،

طرح معاہدہ کرنے پر راضی نہ ہوئے[1]، بالآخر انہون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین پیغام بھیجا کہ آپ تین آدمی لے کر آئین، ہم بھی تین عالم ساتھ لے کر آتے ہین، یہ علماء اگر آپ پر ایمان لائین گے، تو ہم بھی لائین گے، آپنے منظور فرمایا، لیکن راہ مین آپ کو ایک صحیح ذریعہ سے معلوم ہوا کہ یہود تلوارین باندھ کر تیار ہین کہ جب آپ تشریف لائین تو آپ کو قتل کر دین[2]،

بنو نضیر کی سرکشی کے مختلف اسباب تھے، وہ نہایت مضبوط قلعون مین پناہ گزین تھے، جن کا فتح کرنا آسان نہ تھا، اس کے ساتھ عبد اللہ بن اُبی نے کہلا بھیجا تھا کہ تم اطاعت نہ کرنا، بنو قریظہ تمہارا ساتھ دین گے اور مین دو ہزار آدمی لے کر تمہاری اعانت کو آؤن گا" قرآن مجید مین ہے؛

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ	تم نے دیکھا! منافق اپنے کافر بھائیون سے
لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ	کہتے ہین کہ تم نکلو گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ
اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ	نکلین گے، اور ہم تمہارے باب مین کسی کا
مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا	کہنا نہ مانین گے اور اگر تم سے کوئی لڑا تو
وَاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ (سورۂ حشر)	ہم بھی تمہاری مدد کو آئین گے،

لیکن بنو نضیر کے تمام خیالات غلط نکلے، بنو قریظہ نے ان کا ساتھ نہین دیا، اور منافق علانیہ اسلام

---

[1] یہ تمام تفصیل سنن ابی داؤد (خیبر النضیر کتاب الخراج والامارۃ "مس") مین ہے، تعجب ہے کہ ارباب سیرت ابو داؤد کی اس روایت سے بالکل بے خبر ہین۔ [2] فتح الباری واقعۂ غزوۂ بنو نضیر جلد سابع ص ۲۵۵، فتح الباری مین یہ روایت ابن مردویہ سے نقل کی ہے، اور لکھا ہے کہ اس کی سند صحیح ہے، صحیح بخاری سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بنو نضیر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس قسم کی عیاری کا ارادہ کیا تھا، بخاری مین ترجمۃ الباب یہ ہے، باب حدیث بنی النضیر ومخرج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیھم فی دیۃ الرجلین وما ارادوا من الغدر برسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،

کے مقابلہ مین نہین آسکتے تھے،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا قلعہ کے گرد جو اُن کے نخلستان تھے، اُن کے چند درخت کٹوا دیئے، سہیلی نے روض الانف مین لکھا ہی کہ سب نخلستان نہین کاٹا گیا بلکہ صرف لینۃ جو ایک خاص قسم کی کھجور ہی، اور عرب کی عام خوراک نہین ہی، اُس کے درخت کٹوا دیئے گئے تھے، قرآن مجید مین بھی اس کا ذکر ہی،

مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ اَوْ تَرَكْتُمُوْهَا	تم نے لینۃ کے جو درخت کٹوائے اور جس قدر
قَائِمَةً عَلٰٓى اُصُوْلِهَا فَبِاِذْنِ اللّٰهِ	قائم رہنے دئے، سب خدا کے حکم سے تھا
وَلِيُخْزِيَ الْفٰسِقِيْنَ (سورۂ حشر-۱)	تا کہ خدا فاسقون کو رسوا کرے،

ممکن ہے کہ درختون کے جھنڈ سے کمین گاہ کا کام لیا جاتا ہو، اس لئے وہ صاف کرا دیئے گئے کہ محاصرہ مین کوئی چیز حائل نہ ہو،[۱]

۴ ہجری ۶۲۵ع بالآخر بنو نضیر اس شرط پر راضی ہوئے کہ جس قدر مال و اسباب اونٹون پر لے جاسکین لیجائین اور مدینہ سے باہر نکل جائین، چنانچہ سب گھرون کو چھوڑ چھوڑ کر نکل گئے، اُن مین سے معزز رؤسا مثلاً سلام بن ابی الحقیق، کنانہ بن الربیع، حُیَی بن اخطب خیبر چلے گئے، وہان لوگون نے ان کا اس قدر احترام کیا کہ خیبر کا رئیس تسلیم کرلیا،[۲] اس واقعہ کو اس غرض سے یاد رکھنا چاہیے کہ یہ غزوۂ خیبر کی داستان

(۱) مصنف کے اس خیال کی تائید اس سے بھی ہوتی ہی کہ امام احمد کے نزدیک درخت وغیرہ میدان جنگ مین اسی وقت کاٹے جاتے ہین جب کہ کاٹے بغیر چارہ کار نہ ہو، محدثین نے امام احمد کا یہ قول اسی واقعہ کے ضمن مین لکھا ہی، نیز اس موقع پر یہ بھی لکھا ہو کہ اسحاق کا قول ہی کہ اگر دشمن درختون (کے آڑ) مین ہو تو اُن مین آگ لگا دینا سنت ہی، اس سے معلوم ہوا کہ ان ائمہ کے نزدیک اس موقع پر درخت کا کاٹنا جنگی ضرورت کا اقتضا تھا، عمدۃ القاری جلد ۵ ص ۱۹۱ "س"

کا دیباچہ ہی،

بنو نضیر اگرچہ وطن چھوڑ کر نکلے لیکن اس شان سے نکلے کہ جشن کا دھوکا ہوتا تھا، اونٹون پر سوار تھے، ساتھ ساتھ باجا بجتا جاتا تھا، مطربہ عورتین دف بجاتی اور گاتی تھین، عروۃ بن الورد عبسی مشہور شاعر کی بیوی کو یہود نے خرید لیا تھا، وہ بھی ساتھ ساتھ تھی، اہل مدینہ کا بیان ہی کہ اس سر و سامان کی سواری کبھی اُن کی نظر سے نہین گذری تھی[1] ہتھیارون کا ذخیرہ جو اُن لوگون نے چھوڑا، اس مین پچاس زرہین، پچاس خود، اور تین سو چالیس تلوارین تھین، اُن کے جانے کے بعد یہ جھگڑا پیش آیا کہ انصار کی اولاد جنھون نے یہودی مذہب اختیار کر لیا تھا، اور یہودی اُن کو اتحادِ مذہب کی وجہ سے ساتھ لئے جاتے تھے، انصار نے اُن کو روک لیا کہ ہم اُن کو نہ جانے دین گے اس پر قرآن مجید کی یہ آیت اُتری،

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۔ یعنی مذہب مین زبردستی نہین ہی،

ابوداؤد نے کتاب الجہاد باب فی الاسیر یکرہ علی الاسلام کے عنوان کے نیچے اس واقعہ کو حضرت عبد اللہ بن عباس رضی کی روایت سے نقل کیا ہی،

---

[1] یہ تفصیل طبری مین ہی ص ۱۴۵۲، "س"

سنہ ۵ھ

غزوۂ مریسیع، واقعۂ افک، و غزوۂ احزاب

قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے اب مکہ سے لیکر مدینہ تک آگ لگا دی، جس قدر قبائل تھے، سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں، سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہو گئی، ۱۰ محرم سنہ ۵ھ کو آپ مدینہ سے چار سو صحابہ کو لیکر نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے، لیکن آپ کی آمد سن کر وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے[۱]

ربیع الاول سنہ ۵ھ میں یہ خبر آئی کہ دومۃ الجندل میں کفار کی ایک عظیم الشان فوج جمع ہو رہی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہزار کی جمعیت لیکر مدینہ سے نکلے انکو خبر ہوئی تو وہ بھاگ گئے،

غزوۂ مریسیع[۲] یا بنی مصطلق شعبان سنہ ۵ھ | خزاعۃ ایک قبیلہ تھا جو قریش کا حلیف تھا اور باہم عہد تھا، قریش

---

[۱] ابن سعد غزوۂ ذات الرقاع ص ۴۳، صحیح بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع خندق کے بعد واقع ہوا، صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ میں ادا کی گئی، [۲] ابن اسحاق نے جس کی پیروی طبری اور ابن ہشام نے کی ہے اس غزوہ کو سنہ ۶ھ میں ذکر کیا ہے موسیٰ بن عقبہ کی روایت ہے کہ سنہ ۵ھ میں واقع ہوا، امام بخاری نے بھی صحیح میں اس اختلاف کا ذکر کیا ہے لیکن غلطی سے سنہ ۵ھ کے بجائے ابن عقبہ کی طرف سنہ ۴ھ کی نسبت کی ہے، علامہ ابن حجر نے فتح الباری ج ۷ ص ۳۳۲ میں بیہقی، حاکم، موسیٰ ابن عقبہ اور ابو معشر کی روایتوں سے سنہ ۵ھ کو ترجیح دی ہے ابن سعد نے بھی سنہ ۵ھ ہی لکھا ہے تفصیل کیلئے دیکھو (فتح الباری)

کو ایک زمانہ مین یہ خیال آیا کہ ہم ابراہیم کی نسل سے ہین، اس لئے ہم کو اورون سے ہر باب مین ممتاز
ہونا چاہئے، حج کا ایک بڑا رکن عرفات کے میدان مین قیام کرنا ہی لیکن چونکہ یہ میدان حرم کی حدود
سے باہر ہے قریش نے یہ قاعدہ قرار دیا کہ لوگ عرفات جائین لیکن ہم کو عرفات کے بجائے مزدلفہ
مین ٹھہرنا چاہئے، جو حدودِ حرم کے اندر ہے، اسی قسم کی اور امتیازی باتین قائم کین، ان خصائص
کی بنا پر اپنا لقب احمس رکھا لیکن اس قدر فیاضی کی کہ جو لوگ ان پابندیون کو قبول کر لیتے تھے ان
کو بھی یہ لقب دیدیتے، اور اُن سے رشتہ ناتہ کرتے تھے، قبیلۂ خزاعہ[1] کو بھی یہ شرف عطا کیا تھا،

خزاعہ کا ایک خاندان بنو المصطلق کہلاتا تھا، وہ مقام مریسیع مین جو مدینہ منورہ سے ۹ منزل ہے
آباد تھا، اس خاندان کا رئیس حارث بن ابی ضرار تھا، اُس نے قریش کے اشارہ سے یا خود مدینہ
پر حملہ کی تیاریان شروع کین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر ہوئی تو مزید تحقیقات کے لئے
حضرت زید بن خصیبؓ کو بھیجا، انھون نے واپس آکر خبر کی تصدیق کی، آپؐ نے صحابہؓ کو تیاری کا
حکم دیا، ۲ شعبان کو فوجین مدینہ سے روانہ ہوئین، مریسیع مین خبر پہنچی، تو حارث کی جمعیت
منتشر ہوگئی، اور وہ خود بھی کسی طرف نکل گیا، لیکن مریسیع مین جو لوگ آباد تھے، انھون نے
صف آرائی کی، اور دیر تک جم کر تیر برساتے رہے، مسلمانون نے دفعۃً ایک ساتھ حملہ کیا، تو ان کے
پاؤن اکھڑ گئے، دس آدمی مارے گئے، اور باقی گرفتار ہوگئے جن کی تعداد تقریبًا ۶۰۰ تھی غنیمت مین
دو ہزار اونٹ اور پانچ ہزار بکریان ہاتھ آئین،

یہ ابن سعد کی روایت ہی، صحیح بخاری[2] اور صحیح مسلم[3] مین ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے

---

[1] یہ واقعات ابنِ ہشام نے تفصیل سے لکھے ہین (ص ۷۲۵، جلد اول) [2] باب العتق [3] کتاب الجہاد والسیر،

بنو المصطلق پر اس حالت مین حملہ کیا کہ وہ بالکل بے خبر اور غافل تھے، اور اپنے مویشیون کو پانی پلا رہے تھے، ابن سعدؒ نے اس روایت کو بھی نقل کیا ہے لیکن لکھا ہے کہ پہلی روایت زیادہ صحیح ہے، اس پر حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین لکھا کہ صحیحین کی روایت پر سیرت کی روایتون کو ترجیح نہین ہو سکتی، لیکن واقعہ یہ ہے کہ صحیحین کی روایت بھی اصولِ حدیث کے رو سے قابلِ حجت نہین کہ اس روایت کا سلسلہ نافع تک پہنچ کر ختم ہو جاتا ہے، اور جنگ مین شریک ہونا تو ایک طرف نافع نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھا بھی نہ تھا، اس لئے یہ روایت اصطلاحِ محدثین مین منقطع ہے[1]۔

یہ لڑائی ایک معمولی لڑائی تھی لیکن اتفاق سے بعض شہرت پذیر واقعات ایسے پیش آئے جن کی وجہ سے اس لڑائی کا خاص عنوان قائم کیا جاتا ہے، اس جنگ کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ غنیمت کے لالچ سے بہت سے منافقین بھی فوج مین داخل ہو گئے تھے، یہ بدباطن ہر موقع پر فتنہ گری کی کوشش کرتے تھے، ایک دن چشمہ سے پانی لینے پر ایک مہاجر اور انصاری مین جھگڑا ہو گیا، انصاری نے عرب کے قدیم طریقہ پر یا للانصار کا نعرہ مارا (انصار کی جے) مہاجر نے بھی یا معاشر المہاجرین کے نعرہ سے جواب دیا، نعرے سُن کر قریش وانصار نے تلوارین کھینچ لین، اور قریب تھا کہ جنگ چھڑ جائے لیکن چند لوگون نے

---

[1] طبقات ابن سعد جلد مغازی ص ۴۵ و ۴۶ (؎ معلوم ہوتا ہے کہ مصنف نے صرف آغازِ سند کو ملاحظہ فرما کر اس روایت کو منقطع قرار دیا ہے، ورنہ متن حدیث کے بعد تصریح ہے کہ حدثنی ھذا الحدیث عبد اللہ ابن عمر و کان فی ذالک الجیش یعنی نافع نے اس روایت کو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے سُنا جو اس لڑائی مین شریک تھے (مسلم کتاب الجہاد و بخاری کتاب العتق) اب تصریح کے بعد یہ روایت منقطع نہین باقی رہتی ہے۔) "س"

بیچ بچاؤ کرا دیا، عبداللہ بن ابی جو رئیس المنافقین تھا، اس کو موقع ہاتھ آیا، انصار سے مخاطب ہو کر کہا تم نے یہ بلا خود مول لی، مہاجرین کو تم نے بلا کر آشنا کر دیا کہ اب وہ خود تم سے برابر کا مقابلہ کرتے ہیں، اب بھی ہاتھ سے نہیں گیا ہے، تم دستگیری سے ہاتھ اٹھالو تو وہ خود یہاں سے نکل جائیں گے"،

یہ واقعہ لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر کہا حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، غصہ سے بے تاب ہو گئے اور عرض کی کہ کسی کو ارشاد ہو اس منافق کی گردن اڑا دے، آپنے فرمایا کہ کیا تم یہ چرچا پسند کرتے ہو کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنے ساتھ والوں کو قتل کر دیا کرتے ہیں"[1]

یہ عجیب بات ہے کہ عبداللہ بن اُبی جس درجہ کا منافق اور دشمنِ اسلام تھا، اس کے صاحبزادے کہ اُن کا نام بھی عبداللہ تھا، اسی قدر اسلام کے جان نثار تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ناراضی کی بنا پر یہ خبر پھیل گئی تھی کہ آپ عبداللہ بن اُبی کے قتل کا حکم دینے والے ہیں، یہ سُن کر وہ خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ دنیا جانتی ہے کہ میں باپ کا کس قدر خدمت گذار ہوں لیکن اگر یہ مرضی ہے تو مجھی کو حکم ہو میں ابھی اس کا سر کاٹ لاتا ہوں، ایسا نہ ہو کہ آپ کسی اور کو حکم دیں اور میں غیرت و محبت کے جوش میں آکر قاتل کو قتل کر دوں"

آپ نے اطمینان دلایا کہ قتل کی بجائے میں اس پر مہربانی کروں گا،[2] یہ ارشاد اس طرح پورا ہوا کہ جب وہ مرا تو کفن کے لئے آپ نے خود پیراہن مبارک عنایت فرمایا، جنازہ

---

[1] دیکھو صحیح بخاری ص ۲۰۰، [2] یہ تمام واقعات نہایت تفصیل سے ابن سعد اور طبری نے لکھے ہیں، اور صحیح بخاری کے مختلف ابواب میں بھی مذکور ہیں،

کی نماز پڑھائی، حضرت عمرؓ نے دامن تھام لیا کہ منافق کے جنازہ کی نماز پڑھتے ہین! لیکن دریاے کرم کا بہاؤ کون روک سکتا تھا،

حضرت جویریہؓ کا واقعہ

لڑائی مین جو لوگ گرفتار ہوے، اُن مین حضرت جویریہؓ بھی تھین، جو حارث بن ابی ضرار کی بیٹی تھین، ابن اسحاق کی روایت ہے، جو بعض حدیث کی کتابون مین بھی ہے کہ تمام اسیران جنگ لونڈی غلام بنا کر تقسیم کر دیے گئے، حضرت جویریہؓ حضرت ثابتؓ بن قیس کے حصہ مین آئین، انھون نے حضرت ثابتؓ سے درخواست کی کہ "مکاتبت کرلو یعنی مجھ سے کچھ روپیہ لے کر چھوڑ دو" حضرت ثابتؓ نے منظور کیا، حضرت جویریہؓ کے پاس روپیہ نہ تھا، چاہا کہ لوگون سے چندہ مانگ کر یہ رقم ادا کر دین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس بھی آئین، حضرت عائشہؓ بھی وہان موجود تھین،

ابن اسحاق نے حضرت عائشہؓ کی زبانی روایت کی ہے جو یقیناً اُن کی ذاتی راے ہے کہ چونکہ حضرت جویریہؓ نہایت شیرین ادا تھین، مین نے اُن کو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس جاتے دیکھا تو سمجھی کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) پر بھی اُن کے حُسن وجمال کا وہی اثر ہوگا جو مجھ پر ہوا غرض وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس گئین تو آپ نے فرمایا اگر اس سے بہتر برتاؤ تمھارے ساتھ کیا جاے تو قبول کرو گی، انھون نے پوچھا وہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا تمھاری طرف سے مین روپیہ ادا کر دون، اور تم کو اپنی زوجیت مین لے لون، حضرت جویریہؓ نے کہا مین نے منظور کیا[1] آپ نے تنہا وہ رقم ادا کر دی، اور ان سے شادی کر لی،

---

[1] ابوداؤد کتاب العتاق،

یہ ابن اسحاق کی روایت ہے جو ابن ہشام اور ابو داؤد دونوں مین موجود ہے لیکن دوسرے طریق روایت مین اس سے زیادہ واضح بیان مذکور ہے،

اصل واقعہ یہ ہے کہ حضرت جویریہؓ کا باپ (حارث) رئیس عرب تھا، حضرت جویریہؓ جب گرفتار ہوئین تو حارث آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین آیا، اور کہا کہ میری بیٹی کنیز نہین بن سکتی میری شان اس سے بالاتر ہے، آپ اس کو آزاد کر دین، آپ نے فرمایا کہ کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ خود جویریہؓ کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے، حارث نے جاکر جویریہ سے کہا کہ محمدؐ نے تیری مرضی پر رکھا، دیکھنا مجھ کو رسوا نہ کرنا انھون نے کہا "مین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین رہنا پسند کرتی ہون" چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے شادی کر لی،

یہ روایت حافظ ابن حجر نے اصابہ مین ابن مندہ سے نقل کرکے لکھا ہے کہ "اس کی سند صحیح ہے"

ابن سعد مین بھی یہ روایت مذکور ہے، ابن سعد نے طبقات مین یہ روایت بھی کی ہے کہ حضرت جویریہؓ کے والد نے اُن کا زر فدیہ ادا کیا، اور جب وہ آزاد ہو گئین، تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن سے نکاح کیا،

اس نکاح کا اثر

حضرت جویریہؓ سے جب آپ نے نکاح کیا تو تمام اسیران جنگ جو اہل فوج کے حصہ مین آگئے تھے، دفعۃً رہا کر دیے گئے، فوج نے کہا کہ جس خاندان مین رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے شادی کر لی وہ غلام نہین ہو سکتا،[1]

واقعۂ افک

واقعۂ افک یعنی حضرت عائشہؓ پر منافقین نے جو تہمت لگائی تھی وہ اسی لڑائی سے

[1] سنن ابی داود کتاب العتق باب فی بیع المکاتب اذا فسخت المکاتبۃ، اتل"

واپسی میں پیش آیا تھا، احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس واقعہ کو نہایت تفصیل سے نقل کیا ہے لیکن جس واقعہ کی نسبت قرآن مجید میں صاف مذکور ہے کہ سننے کے ساتھ لوگوں نے یہ کیوں نہیں کہدیا کہ کھلا افترا ہے، اس کو تفصیل کے ساتھ لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں،

البتہ اس واقعہ سے یہ اندازہ کرنا چاہیے کہ محض جھوٹ اور بیہودہ خبر بھی کس طرح پھیل جاتی ہے، یہ خبر اصل میں منافقین نے مشہور کی تھی لیکن بعض مسلمان بھی دھوکے میں آ گئے جن کو تہمت لگانے کی سزا دی گئی، جیساکہ صحیح مسلم وغیرہ میں مذکور ہے،

آج کل کے عیسائی مؤرخوں نے بھی قدیم منافقوں کی طرح اس واقعہ کو اس جوشِ مسرت سے لکھا ہے کہ خود بخود اُن کے قلم میں روانی آگئی ہے، لیکن ہم اُن سے توقع بھی یہی کر سکتے تھے،

یہ تمام لڑائیاں اُس عام جنگ کا پیش خیمہ تھیں جو تمام عرب اور یہود متفقہ قوت سے کرنا چاہتے تھے، اور جس کو جنگِ احزاب کہتے ہیں،

غزوۂ احزاب
یعنی تمام عرب کی متحدہ جنگ
ذو قعدہ ۵ ھ

بنو نضیر مدینہ سے نکل کر خیبر پہنچے، تو انھوں نے ایک نہایت عظیم الشان سازش شروع کی، اُن کے رؤسا میں سے سلام بن ابی الحُقیق حیی بن اخطب

ؔ طبری میں ہے وکان الذی جرّ غزوۃ رسول اللہ الخندق فیما قیل ما کان من اجلاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر عن دیارھم (ج ۳ صفحہ ۱۴۶۳) مغازی کی سب سے معتبر کتاب مغازی موسیٰ بن عقبہ ہے، حافظ ابن حجر نے فتح الباری (ج ۷ ص ۳۰۱) غزوۂ احزاب کے ذکر میں اس کی عبارت نقل کی ہے، خرج حُیّی بن اخطب بعد قتل بنی النضیر الی مکۃ یحرض قریشا علی حرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وخرج کنانۃ بن الربیع بن ابی الحقیق یسعی فی بنی غطفان و یحضھم علی قتال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی ان لھم نصف تمر خیبر فاجابہ عیینۃ بن حصن بن حذیفۃ بن بدر الفزاری الی ذلک وکتبوا الی حلفائھم من بنی اسد، فاقبل الیھم طلحۃ ابن خویلد فیمن اطاعہ، الخ،

کنانہ بن الربیع وغیرہ مکہ معظمہ گئے اور قریش سے مل کر کہا اگر ہمارا ساتھ دو تو اسلام کا استیصال کر دیا جاسکتا ہے[1]، قریش اس کے لئے ہمیشہ تیار تھے، قریش کو آمادہ کرکے یہ لوگ قبیلہ غطفان کے پاس گئے، اور اُن کو لالچ دیا کہ خیبر کا نصف محاصل اُن کو ہمیشہ دیا کرین گے (اور یہ پہلے سے بھی تیار تھے، قصہ غزوہ معونہ مین یاد ہوگا کہ عامر رئیس قبیلہ نے اسی غطفان کے حملہ کی دھمکی دی تھی[2]، اس لئے یہ فوراً تیار ہوگئے) بنو اسد غطفان کے حلیف تھے، غطفان نے اُن کو لکھ بھیجا کہ تم بھی فوجین لیکر آؤ، قبیلہ بنو سُلیم سے قریش کی قرابت تھی، اس تعلق سے انھون نے بھی ساتھ دیا، بنو سعد کا قبیلہ یہود کا حلیف تھا، اس بنا پر یہود نے اُن کو بھی آمادہ کیا، غرض تمام قبائل عرب سے لشکر گران تیار ہوکر مدینہ کی طرف بڑھا، فتح الباری مین تصریح ہے کہ اُن کی تعداد (دس ہزار) تھی[2]،

یہ لشکر تین مستقل فوجون[3] مین تقسیم تھا، غطفان کی فوجین[4] عیینہ بن حصن فزاری کی کمان مین تھین، جو عرب کا مشہور سردار تھا، بنو اسد طلیحہ کی افسری مین تھے، اور ابو سفیان (بن حرب) سپہ سالار کل تھا[5]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر سُنیں تو صحابہ سے مشورہ کیا، حضرت سلمان رضی اللہ عنہ فارسی ایرانی ہونے کی وجہ سے خندق کے طریقہ سے واقف تھے، انھون نے رائے دی کہ کھلے میدان مین

---

[1] صحیح بخاری غزوۃ الرجیع (۲) طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اوّل ص ۴۸ و فتح الباری ج ۷ ص ۳۰۱ "س" (۳) طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اوّل ص ۴۷ "س" (۴) افسرون کی یہ تفصیل پورے لشکر کی نہین ہے بلکہ مصنف نے صرف مشہور قبائل کے فوجی افسرون کا تذکرہ کر دیا ہے، اس سلسلہ مین مورخین نے دوسرے قبائل کے فوجی افسرون کے نام بھی بتائے ہین، چنانچہ بنو سلیم سفیان بن عبد شمس کی افسری مین تھے، قبیلہ اشجع کا سردار مسعود بن رُخیلہ تھا، بنو مرہ حارث بن عوف کے ماتحت تھے، حارث اور طلیحہ بعد کو مسلمان ہوگئے تھے، زرقانی ج ۲ قسم اوّل ص ۴۷ "س" (۵) طبقات ابن سعد ج ۲ قسم اوّل ص ۴۷ "س"

نکل کر مقابلہ کرنا مصلحت نہین، ایک محفوظ مقام مین لشکر جمع کیا جائے اور گرد خندق کھودی جائے، خندق دراصل فارسی کندہ کا معرب ہے جس کے معنی کھودے گئے کے ہین، کاف، خ، سے، اور ہا ئے ہوز قاف سے بدل گئی ہے، جس طرح پیادہ سے بیدق ہوگیا ہے،

تمام لوگون نے اس رائے کو پسند کیا، اور خندق کھودنے کے آلات مہیا کئے گئے،

مدینہ مین تین جانب مکانات اور نخلستان کا سلسلہ تھا جو شہر پناہ کا کام دیتا تھا، صرف شامی رُخ کھلا ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار صحابہ کے ساتھ شہر سے باہر نکل کر اسی مقام مین خندق کی تیاریان شروع کین، یہ ذوقعدہ کی ۸ تاریخ تھی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدود خود قائم کئے، داغ بیل ڈال کر دس دس آدمیون پر دس دس گز زمین تقسیم کی، خندق کا عمق پانچ گز رکھا گیا، بیس دن مین ۳ ہزار متبرک ہاتھون سے انجام پائی،

یاد ہوگا کہ جب مسجد نبوی بن رہی تھی تو سرورِ دو جہان مزدورون کی صورت مین تھے، آج بھی وہی عبرت انگیز منظر ہے، جاڑے کی راتین ہین، تین تین دن کا فاقہ ہے، مہاجرین اور انصار اپنی پیٹھون پر مٹی لاد لاد کر پھینکتے ہین، اور جوشِ محبت مین ہم آواز ہوکر کہتے ہین،

نحن الذی بایعوا محمدا ‌ ‌ ‌ علی الجہاد ما بقینا ابدا

سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بھی مٹی پھینک رہے ہین، شکم مبارک پر گرد اَٹ گئی ہے، اسی حالت مین یہ رجز زبان پر ہے،

فاللہ لولا اللہ ما اھتدینا ‌ ‌ ‌ ولا تصدقنا ولا صلینا

فانزلن سکینۃ علینا — وثبت الاقدام ان لاقینا

ان الاولی قد بغوا علینا — اذا ارادوا فتنۃ ابینا

ابینا کا لفظ جب آتا تھا تو آواز زیادہ بلند ہو جاتی تھی، اور مکرر کہتے تھے[1] اُس کے ساتھ

انصار کے حق میں دعا بھی دیتے جاتے تھے، اور یہ موزون الفاظ زبان پر آتے تھے،

اللّٰھم انہ لا خیر الا خیر الاٰخرۃ — فبارک فی الانصار والمھاجرۃ

پتھر کھودتے کھودتے اتفاقاً ایک سخت چٹان آگئی کسی کی ضرب کام نہیں دیتی تھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، تین دن کا فاقہ تھا، اور پیٹ پر پتھر بندھا ہوا تھا

آپنے دستِ مبارک سے پھاوڑا مارا، تو چٹان ایک تودۂ خاک تھی[2]،

سلع کی پہاڑی کو پشت پر رکھ کر صف آرائی کی گئی، مستورات شہر کے محفوظ قلعوں میں بھیج دی

گئیں، اور چونکہ بنو قریظہ کے حملہ کا اندیشہ تھا، اس لئے حضرت سلمہ بن اسلم ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ

متعین کیے گئے کہ ادھر سے حملہ نہ ہونے پائے،

بنو قریظہ کے یہود اب تک الگ تھے لیکن بنو نضیر نے ان کے ملا لینے کی کوشش کی حیی بن

اخطب (حضرت صفیہؓ کا باپ) خود قریظہ کے سردار کعب بن اسد کے پاس گیا، اُس نے ملنے سے انکار

کیا، حیی نے کہا میں فوجوں کا دریاے بیکراں لایا ہوں قریش، اور تمام عرب اُمنڈ آیا ہے، اور

ایک محمدؐ کے خون کا پیاسا ہے، یہ موقع ہاتھ سے دینے کے قابل نہیں اب اسلام کا خاتمہ ہے، لیکن

کعب اب بھی راضی نہ تھا، اُس نے کہا میں نے محمدؐ کو ہمیشہ صادق الوعد پایا، اُن سے عہد شکنی

1. صحیح بخاری غزوۂ احزاب 2. ایضاً ۱۲

کرنا خلافِ مروّت ہو لیکن حمی کا جادو رائگان نہین جا سکتا تھا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حال معلوم ہوا تو تحقیق اور اتمام حجت کے لیے سعدؓ بن معاذ اورحضرت سعد بنؓ عبادہ کو بھیجا اور فرمایا کہ درحقیقت بنو قریظہ نے معاہدہ توڑ دیا ہے، تو وہان سے آکر اس خبر کو مبہم لفظون مین بیان کرنا کہ لوگون مین بے دلی نہ پھیلنے پائے، دونون صاحبون نے بنو قریظہ کا معاہدہ یاد دلایا، تو انھون نے کہا، ہم نہین جانتے محمدؐ کون ہین، اور معاہدہ کیا چیز ہے"

غرض بنو قریظہ نے اس بے شمار فوج مین اور اضافہ کر دیا، قریش، یہود، اور قبائل عرب کی دس ہزار فوجین تین حصون مین تقسیم ہوکر مدینہ کے تین طرف اس زور و شور سے حملہ آور ہوئین کہ مدینہ کی زمین دہل گئی،

اس معرکہ کی تصویر خود اللہ تعالیٰ نے کھینچی ہے،

اِذْ جَآءُوْکُمْ مِّنْ فَوْقِکُمْ وَمِنْ اَسْفَلَ	جب کہ دشمن اوپر کی طرف اور نشیب کی
مِنْکُمْ وَاِذْ زَاغَتِ الْاَبْصَارُ	طرف سے آپڑے، اور جب آنکھین پتھرا گئین،
وَبَلَغَتِ الْقُلُوْبُ الْحَنَاجِرَ وَ	اور کلیجے منھ مین آگئے، اور تم خدا کی نسبت
تَظُنُّوْنَ بِاللّٰہِ الظُّنُوْنَا ھُنَالِکَ	طرح طرح کے گمان کرنے لگے تب مسلمانون
ابْتُلِیَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَزُلْزِلُوْا	کی جانچ کا وقت آگیا، اور وہ بڑے زور
زِلْزَالًا شَدِیْدًا (سورۂ احزاب)	کے زلزلے مین ڈال دیے گئے،

فوجِ اسلام مین منافقون کی تعداد بھی شامل تھی، جو بظاہر مسلمانون کے ساتھ تھے، لیکن موسم کی سختی، رسد کی قلت، متواتر فاقے، راتون کی بے خوابی، بے شمار فوجون کا ہجوم، ایسے

واقفات تھے، جنھون نے اُن کا پردہ فاش کردیا، آآکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے اجازت مانگنی شروع کی کہ ہمارے گھر محفوظ نہیں، ہم کو شہر میں واپس چلے جانے کی اجازت دیجائے،

يَقُولُونَ إِنَّ بُيُوتَنَا عَوْرَةٌ وَمَا هِيَ — کہتے ہین کہ ہمارے گھر کھلے پڑے ہین، "

بِعَوْرَةٍ إِنْ يُرِيدُونَ إِلَّا فِرَارًا (احزاب-۲) — وہ کھلے نہین، بلکہ اُن کو بھاگنا مقصود ہے،

لیکن جان نثاران اسلام کا طلاے اخلاص اسی کسوٹی پر آزمانے کے قابل تھا،

وَلَمَّا رَأَى الْمُؤْمِنُونَ الْأَحْزَابَ — جب مسلمانون نے قبائل کی فوجین دیکھین

قَالُوا هَذَا مَا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ — تو بول اُٹھے کہ یہ وہی ہے جس کا وعدہ خدا

وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا — نے اور اس کے رسول نے کیا تھا، اور خدا

زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا — اور اس کا رسول دونون سچے تھے اور اس بات

(احزاب-۳) — نے اُن کے یقین اور اطاعت کو اور بھی بڑھا دیا

قریبًا ایک مہینہ تک اس سختی سے محاصرہ قائم رہا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) اور صحابہ پر تین تین فاقے گذر گئے، ایک دن صحابہ نے بیتاب ہوکر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے اپنے شکم کھول کر دکھائے کہ پتھر بندھے ہین، لیکن جب آپ نے شکم مبارک کھولا، تو ایک کے بجائے دو پتھر تھے،[1] محاصرہ اس قدر شدید اور پرخطر ہو گیا تھا کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے لوگون سے خطاب کرکے فرمایا کہ کوئی ہے جو باہر نکل کر محاصرین کی خبر لائے ؟ تین دفعہ آپ نے یہ الفاظ فرمائے، لیکن حضرت زبیرؓ کے سوا اور کوئی صدا نہیں آئی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اسی

[1] شمائل ترمذی، عرب کی عادت تھی کہ سخت بھوک مین پتھر باندھتے تھے جس سے کمر نہین جھکنے پاتی تھی،

موقع پر حضرت زبیرؓ کو حواری کا لقب دیا،

محاصرین نے ادھر تو خندق کا محاصرہ کر رکھا تھا، ادھر دوسری سمت اس غرض سے مدینہ پر حملہ کرنا چاہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے اہل و عیال جن قلعون مین پناہ گزین تھے،

محاصرین خندق کو عبور نہین کر سکتے تھے، اس لئے دور سے تیر اور پتھر برساتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے مختلف حصون پر فوجین تقسیم کر دی تھین، جو محاصرین کے حملون کا مقابلہ کرتی تھین ایک حصہ خود آپ کے اہتمام مین تھا،

محاصرہ کی سختی دیکھ کر آپ کو خیال ہوا کہ ایسا نہ ہو کہ انصار ہمت ہار جائین، اس لئے آپ نے غطفان سے اس شرط پر معاہدہ کرنا چاہا کہ مدینہ کی پیداوار کا ایک ثلث ان کو دیدیا جائے حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ کو جو رؤسائے انصار تھے، بلا کر مشورہ کیا، دونون نے عرض کی کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو انکار کی مجال نہین لیکن اگر رائے ہے تو یہ عرض ہے کہ کفر کی حالت مین بھی کوئی شخص ہم سے خراج مانگنے کی جرأت نہ کر سکا، اور اب تو اسلام نے ہمارا پایہ بہت بلند کر دیا ہے، یہ استقلال دیکھ کر آپ کو اطمینان ہوا حضرت سعدؓ نے معاہدہ کا کاغذ ہاتھ مین لیکر تمام عبارت مٹا دی، اور کہا ان لوگون سے جو بن آئے کر دکھائین،

۱؎ صحیح بخاری ذکر غزوۂ احزاب و صحیح مسلم کتاب الفضائل لیکن ابن ہشام مین اس موقع پر حضرت حذیفہؓ بن یمان کا نام ہے اس لئے محدثین مین ان دونون نامون کے واقعون کی تطبیق مین اختلاف ہے، حافظ ابن حجر، اور زرقانی نے بدلائل یہ ثابت کیا ہے کہ محاصرین مین سے قریش کی تحقیق حال کے لئے حضرت حذیفہؓ اور بنو قریظہ کی تحقیق خبر کیلئے حضرت زبیرؓ گئے تھے، یہ تفصیل واقدی اور نسائی نے اپنی روایتون مین کی ہے، فتح الباری ج ۷، ص ۳۱۲ و زرقانی ج ۲ ص ۱۳۸) س ۵ھ طبری (ج ۳) ص ۱۴۷۴

اب مشرکون کی طرف سے حملہ کا یہ انتظام کیا گیا کہ **قریش** کے مشہور جنرل یعنی ابوسفیان، خالد ابن ولید، عمرو بن العاص، ضرار بن الخطاب، جبیرہ کا ایک ایک دن مقرر ہوا، ہر جنرل اپنی باری کے دن پوری فوج کو لے کر لڑاتا تھا، خندق کو عبور نہین کر سکتے تھے، لیکن خندق کا عرض چونکہ زیادہ نہ تھا، اس لئے باہر سے تیر اور پتھر برساتے تھے،

چونکہ اس طریقہ مین کامیابی نہین ہوئی، اس لئے قرار پایا کہ اب عام حملہ کیا جائے، تمام فوجین یکجا ہوئین، قبائل کے تمام سردار آگے آگے تھے، خندق ایک جگہ سے اتفاقاً کم عریض تھی، یہ موقع حملہ کے لئے انتخاب کیا گیا، عرب کے مشہور بہادرون یعنی ضرار، جبیرہ، نوفل، عمرو بن عبد وُدّ نے خندق کے اس کنارے سے گھوڑون کو مہمیز کیا، تو اُس پار تھے، ان مین سب سے زیادہ مشہور بہادر عمرو بن عبد وُدّ تھا، وہ ایک ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، جنگِ بدر مین زخمی ہو کر واپس چلا گیا تھا، اور قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہ لون گا، بالون مین تیل نہ ڈالون گا، اس وقت اُس کی عمر ۹۰ برس کی تھی، تاہم سب سے پہلے وہی آگے بڑھا، اور عرب کے دستور کے موافق پکارا کہ مقابلہ کو کون آتا ہے، حضرت علیؓ نے اٹھ کر کہا "مین"، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے روکا کہ یہ عمرو بن عبد وُدّ ہے، حضرت علیؓ بیٹھ گئے، لیکن عمرو کی آواز کا اور کسی طرف سے جواب نہین آتا تھا، عمرو نے دوبارہ پکارا، اور پھر وہی صرف ایک صدا جواب مین تھی، تیسری دفعہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ عمرو ہے، تو حضرت علیؓ نے عرض کی، ہان مین جانتا ہون کہ یہ عمرو ہے، غرض آپؐ نے اجازت دی، خود دست مبارک سے تلوار عنایت کی، سر پہ عمامہ باندھا،

عمرو کا قول تھا کہ کوئی شخص دنیا مین اگر مجھ سے تین باتون کی درخواست کرے، تو ایک ضرور قبول کرونگا، حضرت علیؓ نے عمرو سے پوچھا کہ کیا واقعی یہ تیرا قول ہی، پھر حسبِ ذیل گفتگو ہوئی،

حضرت علیؓ — مین درخواست کرتا ہون کہ تو اسلام لا،

عمرو — یہ نہین ہو سکتا،

حضرت علیؓ — لڑائی سے واپس چلا جا،

عمرو — مین خاتونانِ قریش کا طعنہ نہین سُن سکتا،

حضرت علیؓ — مجھ سے معرکہ آرا ہو،

عمرو ہنسا، اور کہا مجھ کو امید نہ تھی کہ آسمان کے نیچے یہ درخواست بھی میرے سامنے پیش کی جائے گی، حضرت علیؓ پیادہ تھے، عمرو کی غیرت نے یہ گوارا نہ کیا، گھوڑے سے اتر آیا، اور پہلی تلوار گھوڑے کے پاؤن پر ماری کہ کونچین کٹ گئین، پھر پوچھا کہ تم کون ہو، آپ نے نام بتایا، اُس نے کہا مین تم سے لڑنا نہین چاہتا، آپنے فرمایا ہان "لیکن مین چاہتا ہون"، عمرو اب غصہ سے بیتاب تھا، پہلے سے تلوار نکالی، اور آگے بڑھ کر وار کیا، حضرت علیؓ نے سپر پر روکا، لیکن تلوار سپر مین ڈوب کر نکل آئی، اور پیشانی پر لگی، گو زخم کاری نہ تھا، تاہم یہ طغرا آپ کی پیشانی پر یادگار رہ گیا، قاموس مین لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کو ذو القرنین بھی کہتے تھے، جس کی وجہ یہ تھی کہ آپ کی پیشانی پر دو زخمون کے نشان تھے، ایک عمرو کے ہاتھ کا، اور ایک ابنِ ملجم کا، دشمن کا وار ہو چکا تو حضرت علیؓ نے وار کیا، اُن کی تلوار شانہ کاٹ کر نیچے اُتر آئی، ساتھ ہی حضرت علیؓ نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا، اور فتح کا اعلان ہو گیا، عمرو کے بعد ضرار اور جبیرہ نے حملہ کیا، لیکن جب ذو الفقار کا

ہاتھ بڑھا، تو پیچھے ہٹنا پڑا، حضرت عمرؓ فاروق نے ضرار کا تعاقب کیا، ضرار نے مڑکر برچھے کا وار کرنا چاہا، لیکن روک لیا، اور کہا عمر! اس احسان کو یاد رکھنا،

نوفل بھاگتے ہوئے خندق مین گرا، صحابہؓ نے تیر مارنے شروع کئے، اُس نے کہا مسلمانو! مین شریفانہ موت چاہتا ہون، حضرت علیؓ نے درخواست منظور کی، اور خندق مین اُترکر تلوار سے مارا کہ شریفون کے شایان تھا،[1]

حملہ کا یہ دن بہت سخت تھا، تمام دن لڑائی رہی، کفار ہر طرف سے تیر اور پتھرون کا مینھ برسا رہے تھے، اور ایک دم کے لئے یہ بارش تھمنے نہ پاتی تھی، یہی دن ہے جس کا ذکر احادیث مین ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی متصل[2] چار نمازین قضا ہوئین، متصل تیراندازی اور سنگ باری سے جگہ سے ہٹنا ناممکن تھا،

مستورات جس قلعہ مین تھین بنو قریظہ کی آبادی سے متصل تھا، یہودیون نے یہ دیکھ کر کہ تمام جمعیت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ ہے قلعہ پر حملہ کیا، ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک تک پہنچ گیا، اور قلعہ پر حملہ کرنے کا موقع ڈھونڈھ رہا تھا، حضرت صفیہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی) نے دیکھ لیا، مستورات کی حفاظت کے لئے حضرت حسانؓ (شاعر) متعین کر دیئے گئے تھے، حضرت صفیہؓ نے اُن سے کہا کہ اُترکر اُس کو قتل کر دو، ورنہ یہ جاکر دشمنون کو پتہ دے گا،

---

[1] یہ حالات اگرچہ اجمالاً تمام کتابون مین ہین، لیکن ہم نے جو تفصیل لکھی ہے ابن سعد اور خمیس سے ماخوذ ہے [2] اس امر مین محدثین مین سخت اختلاف ہے کہ چار نمازین قضا ہوئین، یا ایک، اور چار قضا ہوئین، تو ایک ہی دن یا کئی دن کی ملاکر، زرقانی مین یہ بحث مفصل ہے،

حضرت حسانؓ کو ایک عارضہ ہو گیا تھا، جس نے اُن مین اس قدر جبن پیدا کر دیا تھا کہ وہ لڑائی کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہین دیکھ سکتے تھے، اس بنا پر اپنی معذوری ظاہر کی، اور کہا کہ مین اس کام کا ہوتا تو یہان کیون ہوتا، حضرت صفیہؓ نے خیمہ کی ایک چوب اکھاڑ لی، اور اُتر کر یہودی کے سر پر اس زور سے ماری کہ سر پھٹ گیا، حضرت صفیہؓ چلی آئین، اور حسانؓ سے کہا کہ ہتھیار، اور کپڑے چھین لاؤ، حسانؓ نے کہا جانے بھی دیجئے مجھ کو اس کی کوئی ضرورت نہین، حضرت صفیہؓ نے کہا اچھا جاؤ، اس کا سر کاٹ کر قلعہ کے نیچے پھینک دو کہ یہودی مرعوب ہو جائین، لیکن یہ خدمت بھی حضرت صفیہؓ ہی کو انجام دینا پڑی، یہودیون کو یقین ہوا کہ قلعہ مین بھی کچھ فوج متعین ہے، اس خیال سے پھر انھون نے حملہ کی جرأت نہ کی،[۱]

محاصرہ کو جس قدر طول ہوتا جاتا تھا، محاصرہ کرنے والے ہمت ہارتے جاتے تھے، دس ہزار آدمیون کو رسد پہنچانا آسان کام نہ تھا، پھر باوجود سردی کے موسم کے اس زور کی ہوا چلی، کہ طوفان آگیا، خیمون کی طنابین اکھڑ اکھڑ گئین، کھانے کے دیگچے چولھون پر اُلٹ اُلٹ جاتے تھے، اس واقعہ نے فوجون سے بڑھ کر کام کیا، اسی بنا پر قرآن مجید نے اس بادِ صرصر کو عسکرِ الٰہی سے تعبیر کیا ہے،

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا	مسلمانو! خدا کے اس احسان کو یاد کرو
نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَآءَتْكُمْ	جب کہ تم پر فوجین آپڑین تو ہم نے اُن
جُنُوْدٌ فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيْحًا	پر آندھی بھیجی، اور فوجین بھیجین، جو تم کو

[۱] زرقانی بحوالہ طبرانی وبزاز وابو یعلی بہ سند (حسن) دیکھو ص ۱۲۹ جلد ۲، و ابن ہشام،

جُنُوۡدًا لَّمۡ تَرَوۡهَا (احزاب-۲) دکھائی نہین دیتی تھیں،

نعیم بن مسعود اشجعی ایک غطفانی رئیس تھے۔ قریش اور یہود دونون اُن کو مانتے تھے، وہ اسلام لا چکے تھے، لیکن کفار کو ابھی اس کا علم نہ تھا، انھون نے قریش اور یہود سے الگ الگ جا کر اس قسم کی باتین کین، جن سے دونون مین پھوٹ پڑگئی،

ابن اسحاق کی روایت ہے کہ نعیم نے اس تفرقہ اندازی مین دونون سے (ایسی) باتین کین، جن سے دونون سے دوسرے بدگمان ہوجائین) اور اس بنا پر کہین کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اَلۡحَرۡبُ خِدۡعَةٌ کی تعلیم کی تھی، لیکن ابن اسحاق نے روایت کی سند نہین نقل کی، اور اگر کرتے بھی تو ابن اسحاق کا یہ پایہ نہین کہ ایسا واقعہ محض اُن کی سند سے قبول کر لیا جائے، اس کے علاوہ واقعات اس قسم کے جمع تھے کہ دونون فریقون کا اتحاد بغیر اس کے توڑ دیا جا سکتا تھا کہ کوئی غلط بات بیان کی جائے، ابن اسحاق کی روایت مین بھی اس قدر مذکور ہے کہ نعیم نے یہود سے کہا کہ قریش تو چار دن کے بعد یہان سے چلے جائین گے، تمھارا اور مسلمانون کا ہم وطنی کا ساتھ ہے، اس لئے تم کیون بیچ مین پڑ کر ہمیشہ کے لئے لڑائی مول لیتے ہو، اور اگر اس پر آمادہ ہی ہو تو قریش سے کہو کہ وہ کچھ معزز آدمی ضمانت کے طور پر تمھارے ہان بھجوا دین کہ اگر قریش لڑائی کا فیصلہ کئے بغیر جانا چاہین تو تم اُن لوگون کو روک لینا،

یہ بھی ظاہر ہے کہ یہود بنی قریظہ اوّل اوّل نقض عہد پر راضی نہ تھے، اور کہتے تھے کہ ہم محمد سے معاہدہ کیون توڑین، لیکن حیی بن اخطب نے اسی شرط پر اُن کو راضی کیا تھا کہ قریش چلے گئے تو خیبر چھوڑ کر تمھارے پاس آجاؤن گا، قریش اس قسم کی ضمانت نہین منظور کر سکتے تھے،

اس لئے جب انھون نے انکار کیا ہوگا تو دونون مین خود پھوٹ پڑگئی ہوگی، اس کے لئے ایک صحابی کو دروغ بیانی کی کیا ضرورت[لہ] تھی،

بہرحال موسم کی سختی، محاصرہ کا امتداد، آندھی کا زور، رسد کی قلت، یہود کی علٰحدگی، یہ تمام اسباب ایسے جمع ہوگئے تھے کہ قریش کے پائے ثبات اب ٹھہر نہین سکتے تھے، ابوسفیان نے فوج سے کہا رسد ختم ہوچکی، موسم کا یہ حال ہے کہ یہود نے ساتھ چھوڑ دیا، اب محاصرہ بیکار ہے! یہ کہکر طبلِ رحیل بجنے کا حکم دیا، غطفان بھی اس کے ساتھ روانہ ہوگئے، بنو قریظہ محاصرہ چھوڑ کر اپنے قلعون مین چلے آئے اور مدینہ کا اُفق ۲۰-۲۲ دن تک غبار آلودہ رہ کر صاف ہوگیا،

وَرَدَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِغَيْظِهِمْ — اور خدانے کافرون کو غصہ مین بھرا ہوا

(لہ) مصنف کے اس قیاس کی تائید مغازی موسیٰ بن عقبہ کی روایت سے ہوتی ہو، جس کو مختصراً مصنف ابن ابی شیبہ مین اور تفصیل کے ساتھ ابن کثیر نے اپنی تاریخ مین نقل کیا ہے، اس روایت کے رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ بنو قریظہ نے اس جنگ مین شرکت اسی شرط کے ساتھ کی تھی کہ قریش ضمانت کے طور پر اپنے کچھ معزز آدمی بنو قریظہ کے سپرد کرین گے، لیکن انھون نے اپنی یہ شرط پوری نہین کی، اور اس سے اُن کے دل مین قریش کی طرف سے بے اطمینانی پیدا ہوئی، اور انھون نے خفیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس شرط کے ساتھ مصالحت کا پیغام بھیجا کہ بنو نضیر کو جو خیبر کو جلاوطن کردیئے گئے تھے، پھر مدینہ آنے کی اجازت دے دی جائے، نعیم بن مسعود ثقفی جو اسی موقع پر مسلمان ہونے آئے تھے، ایک ایسے آدمی تھے، جو پیٹ کے ہلکے تھے، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے دانستہ راز کے طور پر بنو قریظہ کے اس مخفی پیغام کا ذکر فرمادیا، انھون نے جاکر یہ قریش تک پہنچا دیا، اس سے قریش کو بنو قریظہ سے بدگمانی پیدا ہوگئی، اور اس طرح قریش اور بنو قریظہ کے اتفاق کا رشتہ ٹوٹ گیا، (دیکھئے مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی باب غزوۂ خندق والبدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۴ ص ۱۱۳ مصر) "س"

نَصَّ دِیْنَا لَوْ اَخَیْرًا وَکَفَی اللّٰہُ الْمُؤْمِنِیْنَ — ہٹا دیا کہ اُن کو کچھ ہات نہ آیا اور مسلمانون

الْقِتَالَ ۝ (احزاب ۳) — کو لڑنے کی نوبت نہ آنے دی،

اس معرکہ مین فوجِ اسلام کا جانی نقصان کم ہوا، لیکن انصار کا سب سے بڑا بازو ٹوٹ گیا، یعنی حضرت سعدؓ بن معاذ جو قبیلۂ اوس کے سردار تھے زخمی ہوئے، اور پھر جانبر نہ ہو سکے، اُن کے زخم کھانے کا واقعہ مؤثر اور عبرت انگیز ہے

حضرت عائشہؓ جس قلعہ مین پناہ گزین تھین، حضرت سعدؓ بن معاذ کی مان بھی وہین اُن کے ساتھ تھین، حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ مین قلعہ سے نکل کر باہر پھر رہی تھی، عقب سے پاؤن کی آہٹ معلوم ہوئی، مڑ کر دیکھا، تو سعد ہاتھ مین حربہ لئے جوش کی حالت مین بڑی تیزی سے بڑھے جا رہے ہین، اور یہ شعر زبان پر ہین،

لَبِّثْ قَلِیْلًا یَلْحَقِ الْھَیْجَا حَمَلْ — لَا بَاْسَ بِالْمَوْتِ اِذَا الْمَوْتُ نَزَلْ

ذرا ٹھہر جاؤ کہ لڑائی مین ایک اور شخص پہنچ جائے — وقت جب آگیا تو موت سے کیا ڈر ہے،

حضرت سعدؓ کی مان نے سُنا تو پکارین بیٹا دوڑ کر جا تو نے دیر لگا دی، سعدؓ کی زرہ اس قدر چھوٹی تھی، کہ اُن کے دونون ہاتھ باہر تھے حضرت عائشہؓ نے سعدؓ کی مان سے کہا کاش سعدؓ کی زرہ لمبی ہوتی، اتفاق یہ کہ ابن العرقہ نے تاک کر کھلے ہاتھ پر تیر مارا، جس سے اکحل کی رگ کٹ گئی، خندق کا معرکہ ہو چکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے لئے مسجد کے صحن مین ایک خیمہ کھڑا کرایا، اور اُن کی تیمارداری شروع کی، اس لڑائی مین رفیدہ ایک خاتون شریک تھین جو

ل ابن ہشام و طبری و خمیس، ۲ یہ خمیس کا بیان ہے کہ حافظ ابن حجر نے اصابہ (ذکر رفیدہ) مین امام بخاری کی

اپنے پاس دوائین رکھتی تھین اور زخمیون کی مرہم پٹی کرتی تھین، یہ خیمہ انہی کا تھا اور وہ علاج کی نگران تھین، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے خود دستِ مبارک مین مشقص[1] لیکر داغا، لیکن پھر ورم کرآیا، دوبارہ داغا، لیکن پھر فائدہ نہ ہوا، کئی دن کے بعد یعنی بنو قریظہ کی ہلاکت کے بعد زخم کھل گیا، اور انھون نے وفات پائی،

بنو قریظہ کا خاتمہ

اوپر گذر چکا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے آغازِ قیام مین یہود کے ساتھ معاہدہ کیا تھا، اور اُن کو جان و مال و مذہب ہر چیز مین امن و آزادی بخشی، لیکن جب قریش نے اُن کو تحریص و تہدید کا خط لکھا تو وہ آمادہ بغاوت ہو گئے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن لوگون سے تجدید معاہدہ کرنی چاہی، بنو نضیر نے انکار کیا، اور وہ جلاوطن کر دیئے گئے، لیکن بنو قریظہ نے نئے سرے سے معاہدہ کر لیا[2] چنانچہ اُن کو امن دیدیا گیا، صحیح مسلم مین ان واقعات کو اختصار کے ساتھ اُن الفاظ مین بیان کیا ہے:

عن ابن عمران یھود بنی النضیر وقریظة حاربوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبد اللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ بنو نضیر اور قریظہ کے یہود نے آنحضرت

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۲) ادب المفرد سے نقل کیا ہے کہ رفیدہ ایک خاتون تھین جو زخمیون کا علاج کرتی تھین، حضرت سعدؓ انہی کے پاس علاج کے لئے رکھے گئے تھے، ابن سعد نے رفیدہ کے ذکر مین لکھا ہے کہ ان کا ایک خیمہ مسجد نبوی ؐ کے پاس تھا، اسی مین وہ بیمارون اور زخمیون کا علاج کرتی تھین، صحیح بخاری مین بھی رفیدہ کے خیمہ اور اُن کے جراح خانہ کا ذکر ہے [1] مسلم باب التداوی [2] واقدی نے حُیَیّ بن اخطب کی زبانی بنو قریظہ کے اس معاہدہ کر کے ٹھر جانے کے واقعہ کو اُن کی سازشی چال ظاہر کیا ہے، حیی بن اخطب نے کہا کہ وہ اس لئے ٹھر گئے ہین، تاکہ موقع پاکر کفار سے مل کر مسلمانون پر حملہ کرسکین (مغازی واقدی ص ۳۶۲ کلکتہ) "س"

فاجلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنی النضیر واقرّ قریظۃ ومنّ علیہم (صحیح مسلم ذکر اجلاء الیہود من الحجاز)

صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑائی کی تو آپ نے بنو نضیر کو جلا وطن کر دیا، اور قریظہ کو رہنے دیا اور اُن پر احسان کیا،

بنو نضیر جب جلا وطن ہوئے تو اُن کے رئیس الاعظم حیّی بن اخطب ابو رافع، سلام ابن ابی الحُقیق خیبر مین جا کر آباد ہوئے، اور وہان ریاستِ عام حاصل کر لی، جنگِ احزاب انہی کی کوششون کا نتیجہ تھی، قبائلِ عرب مین دورہ کر کے تمام ملک مین آگ لگا دی، اور قریش کے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ آور ہوئے، اس وقت قریظہ معاہدہ پر قائم تھے، لیکن حیّی بن اخطب نے ان کو بہکا کر توڑ لیا، اور اُن سے وعدہ کیا کہ خدانخواستہ اگر قریش حملہ سے دست بردار ہو کر چلے گئے، تو مین خیبر چھوڑ کر یہین آ رہون گا، چنانچہ اُس نے یہ عہد وفا کیا،

قریظہ نے احزاب مین علانیہ شرکت کی،[1] اور شکست کھا کر ہٹ آئے، تو اسلام کے سب سے بڑے دشمن حیّی بن اخطب کو ساتھ لائے،[2]

اب اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اُن کا آخری فیصلہ کیا جائے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے احزاب سے فارغ ہو کر حکم دیا کہ ابھی لوگ ہتھیار نہ کھولین، اور قریظہ کی طرف بڑھین، قریظہ اگر صلح و آشتی سے پیش آتے تو قابلِ اطمینان تصفیہ کے بعد اُن کو امن دیا جاتا، لیکن وہ مقابلہ کا فیصلہ کر چکے تھے، فوج سے آگے بڑھ کر جب حضرت علیؓ اُن کے قلعون کے پاس پہنچے تو انھون نے

---

[1] سر ولیم میور صاحب ارباب سیر کی یہ روایت تسلیم نہین کرتے، کہ بنو قریظہ نے اس جنگ مین کوئی عملی حصہ لیا تھا، ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر ایسا ہوتا، تو قرآن مجید مین جہان احزاب کا ذکر ہے وہان اس کا ذکر ضرور ہوتا، لیکن

علانیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو (نعوذ باللہ) گالیان دین[1]، غرض اُن کا محاصرہ کیا گیا، اور تقریباً ایک مہینہ محاصرہ رہا، بالآخر انھون نے درخواست پیش کی کہ حضرت سعد بن معاذ جو فیصلہ کرین ہم کو منظور ہے،

حضرت سعدؓ بن معاذ اور اُن کا قبیلہ (اوس) قریظہ کا حلیف اور ہم عہد تھا، عرب مین یہ تعلق ہم نسبی سے بڑھکر تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی درخواست منظور کی،

قرآن مجید مین جب تک کوئی خاص حکم نہین آتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم توراۃ کے احکام کی پابندی فرماتے تھے، چنانچہ اکثر مسائل مثلاً قبلۂ نماز، رجم، قصاص، بالمثل وغیرہ وغیرہ مین جب تک خاص وحی نہین آئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے توراۃ ہی کی پابندی فرمائی، حضرت سعدؓ نے جو فیصلہ کیا، یعنی یہ کہ لڑنے والے قتل کئے جائین، عورتین اور بچے قید ہون، مال واسباب غنیمت قرار دیا جائے[2]، توراۃ کے مطابق تھا، توراۃ کتاب تثنیہ، اصحاح ۲۰- آیت ۱۰ مین ہے:

تجب کسی شہر پر حملہ کرنے کے لئے تو جائے تو پہلے صلح کا پیغام دے اگر وہ صلح تسلیم کرلین، اور تیرے لئے دروازے کھول دین تو جتنے لوگ، وہان موجود ہون سب تیرے غلام ہوجائین گے لیکن اگر صلح نہ کرین تو تو اُن کا محاصرہ کر اور جب تیرا خدا تجھ کو اُن پر قبضہ دلا دے تو جس قدر مرد ہون سب قتل کر دے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۴) قرآن مین صاف یہ الفاظ ہین، وانزل الذین ظاھروھم من اھل الکتاب، مظاہرہ (امداد) سے بڑھکر اور کون لفظ درکار ہے[1]، طبری (ج ۳ ص، ۱۴۸۴س) وابن ہشام صفحہ ۲۴۶ جلد دوم،

(1) طبری جلد ۳ ص ۱۴۸۵س مین ہے حتی اذا دنا من الحصون سمع منھا مقالۃ قبیحۃ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منھم

(2) صحیح مسلم جلد (۲) ص ۹۴ (باب جواز قتال من نقض العھد وجواز انزال اہل الحصون علی حکم حاکم عدل اہل للحکم س) اور نیز بخاری (باب مرجع النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الاحزاب س) مین یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، مارگولیس صاحب فرماتے ہین کہ چونکہ سعدؓ بن معاذ کو اس جنگ مین ایک قریظی نے تیر سے زخمی کیا تھا جس سے وہ بالآخر ہلاک ہو گئے، اس لئے انھون نے بنو قریظہ کی نسبت ایسا بیرحمانہ فیصلہ کیا، لیکن وہ تیرانداز ابن العرقہ قریشی تھا، قریظی نہ تھا، صحیح بخاری و مسلم مین صاف یہ تصریح ہے، ۱۲

باقی بچے، عورتیں، جانور، اور جو چیزیں شہر میں موجود ہوں سب تیرے لئے مالِ غنیمت ہوں گی"

احادیث میں مذکور ہے کہ سعد نے جب یہ فیصلہ کیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے یہ آسمانی فیصلہ کیا، یہ اسی توراۃ کے حکم کی طرف اشارہ تھا، یہودیوں کو جب یہ حکم سنایا گیا تو جو فقرے اُن کی زبان سے نکلے اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ وہ خود بھی اسی فیصلہ کو حکمِ الٰہی کے موافق سمجھتے تھے۔

حیی بن اخطب جو ان تمام فتن کا بانی تھا مقتل میں لایا گیا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُس نے نظر اٹھا کر دیکھا اور یہ فقرے کہے،

اما واللہ ما لمتُ نفسی فی عداوتک ولکنہ من یخذل اللہ یخذل،	ہان خدا کی قسم مجھ کو اس کا افسوس نہیں کہ مین نے کیون تیری عداوت کی، لیکن بات یہ ہے کہ جو شخص خدا کو چھوڑ دیتا ہے خدا بھی اس کو چھوڑ دیتا ہے،

پھر لوگون کی طرف مخاطب ہو کر کہا،

ایھا الناسُ انہ لا باس بامر اللہ کتاب وقدر وملحمۃ کتبھا اللہ علی بنی اسرائیل،[1]	لوگو! خدا کے حکم کی تعمیل مین کچھ مضائقہ نہین، یہ ایک حکم الٰہی تھا، یہ لکھا ہوا تھا، ایک سزا تھی، جو خدا نے بنو اسرائیل پر لکھی تھی،

حُیی بن اخطب کی نسبت یہ بات خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جب وہ جلاوطن ہو کر خیبر جا رہا تھا تو اُس نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت پر کسی کو مدد نہ دیگا،[2] اس

[1] یہ دونوں عبارتیں ابن ہشام (غزوۂ بنی قریظہ) میں ہیں، طبری میں بھی تقریباً یہی الفاظ ہیں [2] بلاذری مطبوعۂ یورپ

معاہدہ پر اس نے خدا کو ضامن کیا تھا، لیکن احزاب میں اس نے اس معاہدہ کی جس طرح تعمیل کی اس کا حال ابھی گذر چکا،

بنو قریظہ کے متعلق مخالفینِ اسلام نے بڑے زور کے ساتھ ظلم و بے رحمی کا اعتراض کیا ہے، لیکن واقعات حسب ذیل ہیں،

۱۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ میں آکر اُن کے ساتھ دوستانہ معاہدہ کیا، جس میں اُن کے مذہب کو پوری آزادی دی گئی، اور جان و مال کی حفاظت کا اقرار کیا گیا،

۲۔ بنو قریظہ رتبہ میں بنو نضیر سے کم تھے، یعنی بنو نضیر کا کوئی آدمی قریظہ کے کسی آدمی کو قتل کر دیتا تھا تو اس کو صرف آدھا خونبہا دینا پڑتا تھا، بخلاف اس کے بنو قریظہ، پورا خونبہا ادا کرتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ پر یہ احسان کیا کہ اُن کا درجہ بنو نضیر کے برابر کر دیا[۱]،

۳۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو نضیر کی جلا وطنی کے وقت بنو قریظہ سے دوبارہ تجدید معاہدہ کی،

۴۔ باوجود ان باتوں کے عہد شکنی کی اور جنگِ احزاب میں شریک ہوئے،

۵۔ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن قلعہ میں حفاظت کے لئے بھیج دی گئی تھیں، اُن پر حملہ کرنا چاہا،

۶۔ حیی بن اخطب جو بغاوت کے جرم میں جلا وطن کر دیا گیا تھا، جس نے تمام عرب کو برانگیختہ کر کے جنگِ احزاب قائم کر دی تھی، اس کو اپنے ساتھ لائے جو آتشِ جنگ کے اشتعال کا دیباچہ تھی،

ان حالات کے ساتھ بنو قریظہ کے ساتھ اور کیا سلوک کیا جا سکتا تھا،

(بقیہ حاشیہ ص ۴۳۶) صفحہ ۲۲ (یہ روایت مصنف ابن ابی شیبہ کتاب المغازی، باب بنی قریظہ میں بھی مذکور ہے" س"

[۱] ابوداؤد ج ۲ کتاب الدیات باب النفس بالنفس" س"

یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہئے کہ عرب مین محالفت کا معاہدہ اخوت حقیقی کے برابر تھا، بنو قریظہ انصار کے حلیف تھے، اور اسی بنا پر تمام انصار (اوس) نے اُن کی نہایت الحاح کے ساتھ سفارش کی، حضرت سعدؓ بن معاذ اوس کے سردار تھے، اور دراصل معاہدہ کے وہی ذمہ دار تھے، وہ سخت کشمکش مین تھے، اُن کے حلیفون کی موت وحیات کا مسئلہ تھا جن کی حمایت پر کل انصار (اوس) مصر تھے لیکن حضرت سعد بن معاذؓ اوس فیصلہ کے سوا اور کیا کرسکتے تھے؟

مقتولین کی تعداد ارباب سیر نے ۶۰۰ سے زیادہ بیان کی ہی لیکن صحاح میں ۴۰۰ ہی، اُن مین صرف ایک عورت تھی، اور وہ اس قصاص مین ماری گئی تھی کہ اس نے قلعہ پر سے ایک پتھر گرا کر ایک مسلمان (خلادؓ) کو قتل کر دیا تھا، اس عورت نے جس جرأت اور دلیری سے جان دی سنن ابی داؤد مین وہ حسب ذیل حیرت انگیز طریقہ سے مذکور ہی،

اُس کو معلوم ہوچکا تھا کہ مقتولین کی فہرست مین اس کا نام بھی ہے، قتل گاہ مین مجرم آتے اور عدم کو روانہ ہوتے جاتے تھے، ایک ایک کا نام پکارا جارہا تھا، اور یہ ہوش رُبا صدا بار بار اس کے کانون مین آتی تھی، لیکن وہ بے تکلف حضرت عائشہؓ سے باتین کرتی جاتی اور بات بات پر ہنستی جاتی تھی، دفعۃً قاتل نے اس کا نام پکارا وہ بے تکلف اٹھ کھڑی ہوئی، حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہان؟ بولی مین نے ایک جرم کیا تھا، اس کی سزا اُٹھانے جاتی ہون، خوشی خوشی قتل گاہ مین آئی اور تلوار کے نیچے سر رکھدیا،

حضرت عائشہؓ جب اس واقعہ کو بیان کرتی تھین تو نہایت حیرت کے لہجہ مین بیان کرتی تھین،

---

[1] ابن ہشام غزوۂ بنی قریظہ [2] ابوداؤد کتاب الجہاد باب قتل النساء، تس"

ریحانہ کا غلط واقعہ — متعدد ارباب سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریظہ کے قیدیون مین سے ایک یہودی عورت جس کا نام ریحانہ تھا، اُس کی نسبت حکم دیا کہ الگ کر لیجائے، اور پھر چند روز کے بعد اس کو اپنے حرم مین داخل کر لیا، چنانچہ جن مورخین نے لکھا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لونڈیون سے بھی متمتع ہوتے تھے، انھون نے دو مثالین پیش کی ہین، ایک یہی ریحانہ اور دوسری ماریہ قبطیہ، عیسائی مؤرخون نے اس واقعہ کو صحیح قرار دے کر نہایت ناگوار صورت مین دکھایا ہے، ایک مورخ نہایت طعن آمیز الفاظ مین لکھتا ہی کہ "بانی اسلام جب سات سو مقتولین کی لاشون کے تڑپنے کا تماشا دیکھ چکا تو گھر آ کر تفریح خاطر کے لئے..........

لیکن حقیقت یہ ہی کہ سرے سے یہ واقعہ ہی غلط ہی،

ریحانہ کے حرم مین داخل ہونے کی جس قدر روایتین ہین، سب واقدی یا ابن اسحاق سے ماخوذ ہین لیکن واقدی نے بتصریح بیان کیا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے نکاح کیا تھا، ابن سعد نے واقدی کی جو روایت کی ہی اس مین خود ریحانہ کے یہ الفاظ نقل کئے ہین،

فاعتقنی وتزوج بی	پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو آزاد اور مجھ سے نکاح کر لیا،

حافظ ابن حجر نے اصابہ مین محمد بن الحسن کی تاریخ مدینہ سے جو روایت نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہین :-

وکانت ریحانۃ القرظیۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم تسکنہ،	اور ریحانہ قرظیہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ (محترم) تھین، اس مکان مین رہتی تھین

حافظ ابن مندہ کی کتاب (طبقات الصحابہ) تمام محدثین مابعد کا ماخذ ہے اس میں یہ الفاظ ہیں[1]

واستسری ریحانة من بنی قریظة	ریحانہ کو گرفتار کیا اور پھر آزاد کر دیا، تو وہ
ثم اعتقها فلحقت باهلها واحتجبت	اپنے خاندان میں چلی گئیں، اور وہیں پردہ نشین
وهی عند اهلها،	ہو کر رہیں،

حافظ ابن حجر اس عبارت کو نقل کر کے لکھتے ہیں،

وهذه فائدة جليلة اغفلها ابن الاثير،

حافظ ابن مندہ کی عبارت سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کو آزاد کر دیا تھا، اور وہ اپنے خاندان میں جا کر بیویوں کی طرح پردہ نشین ہو کر رہیں،

ہمارے نزدیک محقق واقعہ یہی ہے اور اگر یہی مان لیا جائے کہ وہ حرم نبوی میں آئیں، تب بھی قطعاً وہ منکوحات میں تھیں، کنیز نہ تھیں،[2]

حضرت زینبؓ سے نکاح ۵ھ | اس سال آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت زینبؓ سے نکاح کیا،

---

[1] دیکھو اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر ریحانہؓ (ج ۴ ص ۳۰۹) "س" [2] حضرت ریحانہؓ کے متعلق کتب سیر میں تین قسم کی روایتیں ہیں، ایک یہ کہ آپ نے ان کو آزاد کر دیا، اور وہ اپنے خاندان والوں کے پاس جا کر پردہ نشین ہو کر رہیں، یہ روایت ابن مندہ کی ہے، مگر اس کی تائید میں کوئی دوسری روایت نہیں، دوسری قسم کی روایت یہ ہے کہ آپنے ان کو آزاد کر کے مثل دیگر امہات المومنین کے رکھنا چاہا، مگر انھوں نے اس کی غیر معمولی ذمہ داری محسوس کر کے باندی بن کر حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں رہنا قبول کیا، یہ روایت ابن اسحاق کی ہے، تیسری قسم کی روایت یہ ہے کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو مختار بنا دیا تو انھوں نے اسلام قبول کیا، تو آپ نے ان کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا، یہ روایت واقدی کی ہے، ابن سعد نے واقدی سے مختلف سلسلوں سے اس روایت کو ذکر کیا ہے، اور واقدی نے اسی کو اثبت کہا ہے (دیکھئے کتاب البدایہ ابن کثیر ج ۵ ص ۳۰۵) اور امام زہری نے بھی زوجیت ہی کی تائید کی ہے، بحوالہ سابق تفصیل کے لئے دیکھئے اصابہ ذکر ریحانہ "س"

نکاح ایک معمولی بات ہے اور اس کی تفصیل کا موقع ازواجِ مطہراتؓ کا عنوان ہے لیکن اس واقعہ میں ایسے حالات جمع ہو گئے جنھوں نے مخالفین کے نزدیک اس کو ایک مہتم بالشان مسئلہ بنادیا، عیسائی مورخوں نے اس واقعہ کو نہایت آب و رنگ سے لکھا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص و نکتہ چینی (عیاذاً باللہ) کیلئے ان کے نزدیک اس سے زیادہ اور کوئی واقعہ بکار آمد نہیں ہو سکتا،

ہم اس واقعہ کو تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے اس نکتہ کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا مقصود ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کے اخلاق و عادات پر نکتہ چینی کا موقع جو دشمنوں کو ہاتھ آتا ہے اس کا اصلی مخرج کیا ہے؟

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے زیدؓ کو جو آپ کے آزاد کردہ غلام تھے، متبنی بنالیا تھا جب وہ سنِ بلوغ کو پہنچے تو آپ نے ان کی شادی حضرت زینبؓ سے کرنی چاہی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں، (اُن کی ماں امیمہ عبدالمطلب کی بیٹی تھیں) لیکن چونکہ وہ غلام رہ چکے تھے، اس لئے حضرت زینبؓ کو یہ نسبت گوارا نہ تھی،

وکان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نکاح اپنے
اراد ان یزوجہا زید بن حارثۃ	غلام زید سے کر دینا چاہا، تو انھوں نے
مولاہ فکرہت ذلک[۱]	ناپسند کیا،

لیکن بالآخر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعمیلِ ارشاد کے لحاظ سے راضی ہو گئیں، قریباً ایک سال تک حضرت زیدؓ کے نکاح میں رہیں لیکن دونوں میں ہمیشہ شکر رنجی رہتی تھی، یہاں تک کہ زید نے

[۱] فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب بحوالہ ابن ابی حاتم،

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت میں آکر شکایت کی، اور اُن کو طلاق دینا چاہا،

جاءَ زَيدُ بنُ حارثةَ فقال يا	زید آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے
رسُولَ اللّٰه انّ زينب اشتدّ عليّ	اور عرض کی کہ زینبؓ مجھ سے زبان درازی
لسانها وانا اُريد ان اطلّقها[1]	کرتی ہیں، اور میں ان کو طلاق دینا چاہتا ہوں

لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) بار بار اُن کو سمجھاتے تھے کہ طلاق نہ دیں قرآن مجید میں ہے

وَاِذْ تَقُولُ لِلَّذِيٓ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ	اور جب کہ تم اس شخص سے جس پر خدا نے اور
وَاَنْعَمْتَ عَلَيْهِ اَمْسِكْ عَلَيْكَ	تم نے احسان کیا تھا یہ کہتے تھے کہ اپنی بیوی
زَوْجَكَ وَاتَّقِ اللّٰهَ، (احزاب ۵)	کو نکاح میں لئے رہو، اور خدا سے خوف کرو،

لیکن کسی طرح صحبت برآر نہ ہو سکے، اور آخر حضرت زیدؓ نے اُن کو طلاق دیدی، حضرت زینبؓ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بہن تھیں، اور آپ ہی کی تربیت میں پلی تھیں، آپکے فرمانے سے انھوں نے یہ رشتہ منظور کر لیا تھا، جو اُن کے نزدیک اُن کے خلافِ شان تھا، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) جو مساواتِ اسلامی قائم کرنا چاہتے تھے، اس میں آزاد و غلام کی کوئی تمیز نہ تھی، بہ حال جب وہ مطلقہ ہو گئیں تو آپ نے اُن کی دلجوئی کے لئے خود اُن سے نکاح کر لینا چاہا، لیکن عرب میں اس وقت متبنیٰ اصلی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا، اس لئے عام لوگوں کے خیال سے آپ تامّل فرماتے تھے، لیکن چونکہ یہ محض جاہلیت کی رسم تھی، اور اس کا مٹانا مقصود تھا، اس لئے یہ آیت نازل ہوئی:

---

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ احزاب، بحوالہ روایت عبد الرزاق از معمر از قتادہ،

وَتُخْفِي فِي نَفْسِكَ مَا اللَّهُ مُبْدِيهِ	اور تم اپنے دل مین وہ بات چھپاتے ہو جس کو
وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ	خدا ظاہر کردینے والا ہی اور تم لوگون سے ڈرتے
تَخْشَاهُ (احزاب ۵)	ہو حالانکہ ڈرنا خدا سے چاہیئے،

غرض آپ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کرلیا، اور جاہلیت کی ایک قدیم رسم کہ تبنیٰ اصلی بیٹے کا حکم رکھتی ہو مٹ گئی، اس پر منافقون اور بدگویون نے طعنے دیئے لیکن امرِ حق کے اجرار مین مطاعن کا آماجگاہ بننا لازمی ہی،

واقعہ کی اصلی اور سادہ حقیقت یہ تھی، مخالفون نے اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا ہی گو سرتاپا کذب وافترا ہے، لیکن ہم کو تسلیم کرنا پڑتا ہو کہ انھون نے رنگ آرائی کے لئے سیاہی ہمارے ہی ہان سے مستعار لی ہی،

تاریخ طبری مین ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) زیدؓ سے ملنے کے لیے اُن کے گھر گئے، زید نہ تھے حضرت زینبؓ کپڑے پہن رہی تھین، اسی حالت مین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اُن کو دیکھ لیا، اور یہ الفاظ کہتے ہوئے باہر نکل آئے،

سبحان اللہ العظیم سبحان اللہ	پاک ہو خدا ے برتر، پاک ہے وہ خدا جو
مصرف القلوبؔ،	دلون کو پھیر دیتا ہے،

حضرت زیدؓ کو یہ حالات معلوم ہوئے تو انھون نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی خدمت مین عرض کی کہ زینبؓ اگر آپ کو پسند آگئی ہون تو مین اُن کو طلاق دیدون،

ؔ تاریخ طبری آغاز واقعات ۵ھ ہجری

ہین نے یہ بیہودہ روایت اپنے دل پر سخت جبر کر کے نقل کی ہے نقلِ کفر کفر نہ باشد یہی روایت ہے جو عیسائی مؤرخوں کا مایۂ استناد ہے لیکن ان غریبوں کو یہ معلوم نہیں کہ اصولِ فن کے لحاظ سے یہ روایت کس پایہ کی ہے، مورخ طبری نے یہ روایت واقدی کے ذریعہ سے نقل کی ہے جو مشہور کذّاب اور دروغ گو ہے، اور جس کا مقصد اس قسم کی بیہودہ روایتوں سے یہ تھا کہ عباسیوں کی عیش پرستی کے لئے سند ہات آئے،

طبری کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اس قسم کی بیہودہ روایتیں نقل کی ہین لیکن محدثین نے اُن کو اس قابل نہین سمجھا کہ اُن سے تعرض کیا جائے، حافظ ابن حجر سخت روایت پرست ہین، تاہم فتح الباری (سورۂ احزاب کی تفسیر) مین جہان اس واقعہ سے بحث کی ہے لکھتے ہین،

وَرَدَت آثار اخریٰ اخرجھا	اور اور بہت سی روایتین آتی ہین جن کو
ابن ابی حاتم والطبری ونقلھا	ابن ابی حاتم اور طبری نے روایت کیا ہے
کثیرٌ مِنَ المفسرین لا ینبغی	اور اکثر مفسرین نے اُن کو نقل کر دیا ہے ان
التشاغل بھا	روایتون مین مشغول نہ ہونا چاہئے،

حافظ ابن کثیر جو مشہور محدثین مین ہین اپنی تفسیر مین لکھتے ہین،

ذکر ابن ابی حاتم وابن جریر	ابن ابی حاتم اور ابن جریر نے اس موقع
ھٰھنا آثارًا عن بعض السلف رضی اللہ عنھم	پر بعض اسلاف سے چند روایتین نقل کی
احببنا ان نضرب عنھا صفحًا لعدم	ہین جن کو ہم اس لئے نظر انداز کر دینا چاہتے
صحتھا فلا نوردھا وقد روی	ہین کہ وہ غلط ہین، اور امام احمد نے بھی اس

الامام احمد ههنا ايضًا من رواية حماد بن زيد عن ثابت عن انس رضى الله عنه فيه غرابة تركنا سياقه (ايضا)

واقعہ کے متعلق انس سے ایک روایت نقل کی ہی، جو غریب ہے، ہم نے اس کا ذکر بھی چھوڑ دیا ہے،

حقیقت یہ ہی کہ اُس وقت منافقون کا بہت زور تھا حضرت عائشہؓ پر لوگون نے جو تہمت لگائی وہ بھی اسی سال کا واقعہ ہی منافقین ان خبرون کو اس طرح پھیلاتے تھے کہ بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتی تھین، یہان تک کہ حضرت عائشہؓ کی تہمت مین خود چند مسلمان بھی آلودہ ہوگئے جن کو شریعت کے موافق قذف کی سزا دی گئی، یہی روایتین ہین جو کچھ کچھ غیر محتاط.... کتابون مین باقی رہ گیئن لیکن وہ محدثین جن کا معیارِ تحقیق بلند ہے، اور عدالتِ روایت کے حاکمان مجاز ہین، مثلاً امام بخاری امام مسلم وغیرہ اُن کے ہان ان روایتون کا ذکر تک نہین آتا،

واقعاتِ متفرقہ ۵ھ (اس سال کی تاریخ مذہبی مین سب سے اہم واقعات عورتون کے متعلق متعدد اصلاحی احکام کا نزول ہی، اب تک مسلمان عورتین عام جاہلانہ طریق سے چلتی پھرتی تھین، اور اس قسم کے لباس و زیور پہنتی تھین، اب حکم ہوا کہ شریف عورتین گھر سے نکلین تو ایک بڑی چادر اوڑھ کر گھونگھٹ نکال لیا کرین جس سے منھ بھی چھپ جائے، آنچل سینہ پر ڈال کر چلین، پانون جھٹک جھٹک کر نہ چلین، پردہ کی اوٹ سے بولین، تصنع اور بناؤ کی بولی نہ بولین، ازواجِ مطہراتؓ کے لئے غیر مردون کے سامنے آنا قطعاً ممنوع ہوا،

منھ بولے لڑکے کی بیوی سے جاہلیت مین بیاہ ناجائز تھا، اس رسم کی اصلاح بھی اسی سال ہوئی، زنا کی سزا سو کوڑے بھی اسی سال نازل ہوئی عفیف عورتون پر الزام لگانا جاہلیت

کا ایک معمولی فعل تھا، اور ان کمزورون کے پاس اس حملہ کے روکنے کے لئے کوئی قانونی سپر تھی؛ اس سال "حدِ قذف" نازل ہوئی، جس کے رو سے بغیر شہادت کے تہنا اتہام جرم قرار دیا گیا، بصورت عدم وجودِ شہادت لعان کا طریقہ بتایا گیا، یعنی زن وشو دونون اپنی سچائی اور فریقِ ثانی کی دروغ گوئی کا بحلف اظہار کرین، اور اس کے بعد اُن مین تفرقہ کرادیا جائے[1]،

عرب مین ایک قسم کی طلاق جاری تھی جسکو ظہار کہتے ہین، اس سال اس قسم کی طلاق غیر مؤثر قرار دی گئی، اور اس کے لئے کفارہ مقرر کیا گیا،

پانی نہ ملنے کی حالت مین تیمم کی مشروعیت بھی اسی سال کا حکم ہے بروایتِ صحیح نمازِ خوف کا حکم قرآنِ مجید مین اسی سال نازل ہوا جس کی تفصیل مناسب موقع پر آئے گی)

---

[1] بخاری جلد ۲ ص ۷۰۰، وسیرت گازرونی قلمی، ابوداؤد جلد ۲ ص ۲۱۲ نیز فتح الباری جلد ۲ ص ۱۰۶ دیکھنا چاہئے،
یہ تمام احکام سورۂ نور مین بتقریب واقعۂ افک سنہ ۵ھ مین نازل ہوئے،

سنہ ۶

صلح حدیبیہ و بیعت رضوان

ذوقعدہ سنہ ۶ھ

مکہ معظمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر ایک کنوان ہے جس کو حدیبیہ کہتے ہین گانون بھی اسی کوئین کے نام سے مشہور ہوگیا، چونکہ معاہدہ صلح یہین لکھا گیا، اسلئے اس واقعہ کو صلح حدیبیہ کہتے ہین

تاریخ اسلام مین یہ واقعہ نہایت اہم یعنی اسلام کی تمام آیندہ کامیابیون کا دیباچہ ہے اور اسی بنا پر باوجود اس کے کہ وہ صرف ایک صلح کا معاہدہ تھا، اور صلح بھی بظاہر مغلوبانہ تھی، تاہم خدا نے قرآن مجید مین اُس کو فتح کا لقب دیا ہے؛

کعبہ اسلام کا اصلی مرکز تھا، اسلام کی بنیاد حضرت ابراہیمؑ نے قائم کی تھی، اور یہ لقب اسلام بھی انہی کی ایجاد ہے؛

هُوَ سَمّٰكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ (الحج ۱۰) — ابراہیم ہی ہے جس نے تمھارا نام مسلمان رکھا،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو شریعت ملی وہ کوئی نئی شریعت نہ تھی بلکہ وہی ابراہیمی شریعت تھی؛

مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ (الحج ۱۰) — تمھارے باپ ابراہیم کا مذہب،

زمانہ کے امتداد سے گو اُنہی کی اولاد بُت پرست بن گئی تھی، تاہم کعبہ جو ابراہیمی یادگار تھا عرب کا قبلہ گاہِ عام تھا، تمام عرب اس کو اپنا مشترک ورثہ آبائی سمجھتا تھا، نہ صرف وہ لوگ جو حضرت ابراہیمؑ کے خاندان سے تھے، بلکہ وہ بھی جو قحطانی تھے اور جن کا سلسلۂ نسب اس خاندان سے الگ تھا، عرب کے قبائل سال بھر آپس مین لڑتے رہتے تھے اور یہی غارتگریان اُن کی بقائے زندگانی کا ذریعہ تھین، کیونکہ اُن کی معاش بھی اسی پر منحصر تھی، تاہم چار مہینے تک جو اشہر حرم کہلاتے تھے تمام لڑائیان بند ہوجاتی تھین، قبائل عرب دور دور سے سفر کرکے آتے اور قبلہ گاہِ عام مین عبادت اور عقیدت کے رسوم بجالاتے تھے، وہ قبائل جن مین سے ایک دوسرے کے خون کا پیاسا ہوتا تھا اب یکجا جمع نظر آتے تھے اور شیر و شکر ہوکر ملتے تھے، گویا بھائی بھائی ہین، مسلمان بہ جبر مکہ سے نکالے گئے تھے لیکن یہ خیال اُن کے دل سے نہین گیا تھا، اور نہ جاسکتا تھا کہ کعبہ پر اُن کا بھی کم از کم اسی قدر حق ہے جسقدر اور قبائل کا ہے اس کے ساتھ مکہ سے مسلمانون کو گوناگون تعلقات تھے، وہ اُن کا قدیم اور محبوب وطن تھا، مکہ کی یاد ایک پھانس تھی، جو ہر وقت اُن کے کلیجے مین کھٹکتی رہتی تھی، حضرت بلالؓ مکہ مین اسقدر ستائے گئے تھے تاہم انکو جب مکہ یاد آتا تو روتے تھے، اور پکار کر یہ اشعار[1] پڑھتے تھے،

الاليت شعري هل ابيتن ليلة	آہ! کیا پھر کبھی وہ دن آسکتا ہے کہ مین مکہ کی
بوادٍ وحولي اذخر وجليل	وادی مین ایک رات بسر کرون، اور میرے پاس
وهل اردن يوما مياه مجنة	اذخر اور جلیل ہون اور کیا وہ دن بھی ہوگا کہ مین
وهل يبدون لي شامة وطفيل	مجنہ کے چشمون پر اتردن اور شامہ و طفیل مجھکو دکھائی دین،

[1] یہ اشعار صحیح بخاری مین بھی مذکور ہین، (باب مقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ المدینۃ) "س"

اکثر مہاجرین جان بچا کر نکل آئے تھے، لیکن خاندان اور بال بچے وہین رہ گئے تھے،

اسلام کے فرائض چارگانہ مین حج کعبہ ایک رکن اعظم ہے، غرض مختلف اسباب تھے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مکۂ معظمہ کا ارادہ کیا، اور اس غرض سے کہ قریش کو کوئی اور احتمال نہ ہو، عمرہ کا احرام باندھا، اور قربانی کے اونٹ ساتھ لئے یہ بھی حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ آئے صرف تلوار جو عرب مین سفر کا ضروری آلہ سمجھی جاتی تھی پاس رکھ لی جائے، اس مین بھی یہ شرط ہے کہ نیام مین بند ہو،

چونکہ مہاجرین عموماً اور اکثر انصار اس سعادت کے منتظر تھے، ۱۴۰۰ شخص اس سفر مین ہمرکاب ہوئے، مقامِ ذوالحلیفہ مین پہونچ کر قربانی کی ابتدائی رسمین ادا ہوگئین، یعنی قربانی کے اونٹ ساتھ تھے، اُن کی گردنون مین قربانی کی علامت کے طور پر لوہے کے نعل لگادیے گئے، احتیاط کے لئے قبیلۂ خزاعہ کا ایک شخص جس کے اسلام لانے کا حال قریش کو معلوم نہ تھا، پہلے بھیج دیا گیا کہ قریش کے ارادہ کی خبر لائے، جب قافلہ عُسفان کے قریب پہنچا اوس نے آکر خبر دی کہ قریش نے تمام قبائل (احابیش) کو یکجا کر کے کہدیا ہے کہ محمدؐ مکہ مین کبھی نہین آسکتے،

غرض قریش نے بڑے زور وشور سے مقابلہ کی تیاری کی، قبائلِ متحدہ کے پاس پیغام بھیجا، وہ جمعیتِ عظیم لے کر آئے مکہ سے باہر بلدح ایک مقام پر فوجین فراہم ہوئین، خالد بن ولید جو اب تک اسلام نہین لائے تھے، دو سو سوار لے کر جن مین ابوجہل کا بیٹا عکرمہ بھی تھا، مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے بڑھے، اور غمیم تک پہنچ گئے، جو رابغ اور جحفہ کے درمیان ہے،

لہ وساق معہ الھدی واحرم بالعمرۃ لیامن الناس من حربہ (ابن ہشام)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش نے خالد کو طلیعہ بنا کر بھیجا ہے، اور وہ مقام غمیم تک آگئے ہین، اس لئے کترا کر داہنی طرف سے چلو، فوج اسلام جب غمیم کے قریب پہنچ گئی تو خالد نے گھوڑون کی گرد اڑتی نظر آئی، وہ گھوڑا اڑاتے ہوے گئے، اور قریش کو خبر کی کہ لشکر اسلام غمیم تک آگیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور حدیبیہ مین پہنچ کر مقام کیا، یہان پانی کی قلت تھی ایک کنوان تھا، وہ پہلے ہی آمد مین خالی ہوگیا، اعجاز نبوی سے اس مین اس قدر پانی آگیا کہ سب سیراب ہوگئے،

قبیلہ خزاعہ نے اب تک اسلام نہین قبول کیا تھا، لیکن اسلام کے حلیف اور راز دار تھے، قریش اور عام کفار جو منصوبے اسلام کے خلاف کیا کرتے تھے، وہ ہمیشہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے مطلع کر دیا کرتے تھے، اس قبیلہ کے رئیس اعظم بدیل بن ورقا تھے، (فتح مکہ مین اسلام لائے) اُن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تشریف لانا معلوم ہوا تو چند آدمی ساتھ لے کر بارگاہ نبوی مین حاضر ہوے، اور عرض کی کہ قریش کی فوجون کا سیلاب آرہا ہے، وہ آپ کو کعبہ مین نہ جانے دین گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قریش سے جا کر کہدو کہ ہم عمرہ[۱] کی غرض سے آئے ہین، لڑنا مقصود نہین، جنگ نے قریش کی حالت زار کر دی ہے اور اُن کو سخت نقصان پہنچایا ہے، اُن کے لئے یہ بہتر ہے کہ ایک مدت معین کے لئے معاہدۂ صلح کرلین، اور مجھ کو عرب کے ہاتھ مین چھوڑ دین، اس پر بھی اگر وہ راضی نہین تو اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ مین میری جان ہے، مین یہان تک لڑونگا کہ

[۱] عمرہ گویا ایک چھوٹا سا حج ہے، جس مین حج کی اکثر رسمین ادا کی جاتی ہین (یعنی اس مین حرم کے باہر میقات سے احرام باندھ کر صرف صفا اور مروہ کے درمیان سعی اور کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے، اور بال منڈوائے یا کتروائے جاتے ہین) "س"

میری گردن الگ ہوجائے اور خدا کو جو فیصلہ کرنا ہو کردے، بدیل نے جاکر قریش سے کہا کہ مین محمد کے پاس سے پیغام لیکر آیا ہون، اجازت دو تو کہون، چند شریر بول اٹھے کہ ہم کو محمد کے پیغام سننے کی ضرورت نہین، لیکن سنجیدہ لوگون نے اجازت دی، بدیل نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی شرطین بیان کین، عروہ بن مسعود ثقفی نے اٹھکر کہا " کیون قریش! کیا مین تمھارا باپ اور تم میرے بچے نہین، بولے ہان، عروہ نے کہا میری نسبت تم کو کوئی بدگمانی تو نہین، سب نے کہا نہین، عروہ نے کہا اچھا تو مجھ کو اجازت دو کہ مین خود جاکر معاملہ طے کرون، محمد نے معقول شرطین پیش کی ہین" غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے، قریش کا پیغام سنایا اور کہا محمد! فرض کرو کہ تم نے قریش کا استیصال کردیا، تو کیا اس کی اور بھی کوئی مثال ہے کہ کسی نے اپنی قوم کو خود برباد کردیا ہو، اس کے سوا اگر لڑائی کا رخ بدلا تو تمھارے ساتھ جو یہ بھیڑ ہے گرد کی طرح اڑ جائے گی، حضرت ابوبکرؓ کو اس بدگمانی پر اس قدر غصہ آیا کہ گالی دے کر کہا کہ کیا ہم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر بھاگ جائین گے، عروہ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا یہ کون ہین، آپ نے فرمایا "ابوبکر" عروہ نے کہا مین انکی سخت کلامی کا جواب دیتا، لیکن ان کا ایک احسان میری گردن پر ہے، جس کا بدلہ ابھی تک مین ادا نہین کرسکا،

عروہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بے تکلفانہ طریقہ سے گفتگو کر رہا تھا، اور جیسا کہ عرب کا قاعدہ ہے کہ بات کرتے کرتے مخاطب کی داڑھی پکڑ لیتے ہین، وہ ریش مبارک پر بار بار ہاتھ ڈالتا تھا، حضرت مغیرہ بن شعبہ جو ہتھیار لگائے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کی پشت پر کھڑے تھے اس جرأت کو گوارا نہ کرسکے، عروہ سے کہا اپنا ہاتھ ہٹا لے، ورنہ یہ ہاتھ بڑھ کر واپس نہ جاسکے گا، عروہ نے

حضرت مغیرہؓ کو پہچانا، اور کہا، او دغاباز کیا مین تیری دغابازی کے معاملہ مین تیرا کام نہین کر رہا ہون، حضرت مغیرہؓ نے چند آدمی قتل کر دیے تھے جن کا خونبہا عروہ نے اپنے پاس سے ادا کیا تھا،

عروہ نے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے ساتھ صحابہ کی حیرت انگیز عقیدت کا جو منظر دیکھا، اس نے اس کے دل پر عجب اثر کیا، قریش سے جا کر کہا کہ مین نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہین، یہ عقیدت اور وارفتگی کہین نہین دیکھی، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بات کرتے ہین تو سناٹا چھا جاتا ہے، کوئی شخص اُن کی طرف نظر بھر کر نہین دیکھ سکتا، وہ وضو کرتے ہین تو پانی جو گرتا ہے اس پر خلقت ٹوٹ پڑتی ہے، بلغم یا تھوک گرتا ہے تو عقیدت کیش ہاتھون ہاتھ لیتے ہین، اور چہرہ اور ہاتھون مین مل لیتے ہین[1]،

چونکہ معاملہ ناتمام رہ گیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) نے حضرت خراش بن اُمیہؓ کو قریش کے پاس بھیجا، لیکن قریش نے اُن کی سواری کے اونٹ کو جو خاص رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی سواری کا تھا مار ڈالا، اور خود اُن پر بھی یہی گذرنے والی تھی، لیکن قبائلِ متحدہ کے لوگون نے بچا لیا، اور وہ کسی طرح جان بچا کر چلے آئے،

اب قریش نے ایک دستہ بھیجا کہ مسلمانون پر حملہ آور ہو، لیکن یہ لوگ گرفتار کر لئے گئے، گو یہ سخت شرارت تھی، لیکن رحمتِ عالم (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دامنِ عفو اس سے زیادہ وسیع تھا، آپ نے سب کو چھوڑ دیا، اور معافی دے دی، قرآن مجید کی اس آیت مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے[2]،

---

(1) بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب وکتابۃ الشروط) (2) ان آیتون کے شان نزول مین سخت اختلاف ہے، لیکن زیادہ معتبر یہی روایت ہے،

وَهُوَ الَّذِیْ کَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْکُمْ	اور وہ ہی خدا ہے جس نے مکہ مین اُن لوگون
وَاَیْدِیَکُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَکَّةَ مِنْ	کا ہاتھ تم سے اور تمھارا ہاتھ اُن سے روک دیا
بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَکُمْ عَلَیْهِمْ (فتح ۳)	بعد اس کے کہ تم کو اُن پر قابو دیدیا تھا،

بیعت رضوان

بالآخر آپ نے گفتگوے صلح کے لئے حضرت عمرؓ کو انتخاب کیا، لیکن انھون نے معذرت کی کہ قریش میرے سخت دشمن ہین، اور مکہ مین میرے قبیلہ کا ایک شخص بھی نہین کہ مجھ کو بچا سکے آپ نے حضرت عثمانؓ کو بھیجا، وہ اپنے ایک عزیز (ابان بن سعید) کی حمایت مین مکہ گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام سنایا، قریش نے اُن کو نظر بند کر لیا، لیکن عام طور پر یہ خبر مشہور ہو گئی کہ وہ قتل کر ڈالے گئے، یہ خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا کہ عثمان کے خون کا قصاص لینا فرض ہے، یہ کہکر آپ نے ایک ببول کے درخت کے نیچے بیٹھکر صحابہؓ سے جان نثاری کی بیعت لی، تمام صحابہؓ نے جن مین زن و مرد دونون شامل تھے، ولولہ انگیز جوش کے ساتھ دست مبارک پر جان نثاری کا عہد کیا، یہ تاریخ اسلام کا ایک اہتم بالشان واقعہ ہے، اس بیعت کا نام بیعة الرضوان ہے، سورۂ فتح مین اس واقعہ کا اور درخت کا ذکر ہے،

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ	خدا مسلمانون سے راضی تھا جب وہ تیرے
اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ	ہاتھ پر درخت کے نیچے بیعت کر رہے تھے سو خدا نے
مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْهِمْ	جان لیا جو کچھ ان لوگون کے دلون مین تھا،
وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا	تو خدا نے اُن پر تسلی نازل کی، اور عاجلانہ
(فتح ۳)	فتح دی،

لیکن بعد کو معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی،

قریش نے سہیل بن عمرو کو سفیر بنا کر بھیجا، وہ نہایت فصیح و بلیغ مقرر تھے، چنانچہ لوگون نے انکو "خطیب قریش" کا خطاب دیا تھا، قریش نے اُن سے کہدیا کہ صلح اس شرط پر ہو سکتی ہی کہ محمد اس سال واپس چلے جائین،

سہیل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے اور دیر تک صلح کے شرائط پر گفتگو رہی، بالآخر چند شرطون پر اتفاق ہوا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلا کر حکم دیا کہ معاہدہ کے الفاظ قلمبند کرین حضرت علیؓ نے عنوان پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھا،

عرب کا قدیم طریقہ تھا کہ خطوط کی ابتدا مین باسمک اللھم لکھتے تھے، بسم اللہ الرحمن الرحیم سے وہ آشنا نہ تھے، اس بنا پر سہیل بن عمرو نے کہا کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم کے بجائے وہی قدیم الفاظ لکھے جائین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمایا آگے کا فقرہ تھا، ھذا ما قاضی علیہ محمد رسول اللہ یعنی وہ معاہدہ ہے، جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم کیا، سہیل نے کہا اگر ہم آپ کو پیغمبر ہی تسلیم کرتے، تو پھر جھگڑا کیا تھا، آپ صرف اپنا اور اپنے باپ کا نام لکھوائین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گو تم تکذیب کرتے ہو، لیکن خدا کی قسم مین خدا کا پیغمبر ہون "یہ لکھکر آپنے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اچھا خالی میرا نام لکھو، حضرت علیؓ سے زیادہ کون فرمان گذار ہو سکتا تھا، لیکن عالم محبت مین ایسے مقام بھی پیش آتے ہین جان فرمانبرداری سے انکار کرنا پڑتا ہو، حضرت علیؓ نے کہا، مین ہرگز آپ کا نام نہ مٹاؤنگا، آپنے فرمایا اچھا مجھ کو دکھاؤ میرا نام کہان ہو، حضرت علیؓ نے اس جگہ پر انگلی رکھدی، آپنے "رسول اللہ" کا لفظ مٹا دیا[1]،

[1] صحیح بخاری کی اس روایت مین حضرت علیؓ کا نام اور ان کی انگشت گذاری کا ذکر نہین، یہ تصریح بخاری کی اس روایت مین ہو جو کتاب المغازی مین باب عمرۃ القضاء مین مذکور ہو، صحیح مسلم مین بھی یہ واقعہ منقول ہی

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھنا نہین آتا تھا، اسی بنا پر آپ کو اُمی کہتے ہین، یہ واقعہ مسلم مین جہان منقول ہے، لکھا ہے کہ آپ نے رسول اللہ کا لفظ مٹا کر ابن عبداللہ لکھ دیا، بخاری مین چونکہ یہ واقعہ عام روایت کے خلاف ہے، اس لئے ایک معرکۃ الآرا مباحثہ بن گیا، لیکن حقیقت یہ ہے کہ لکھنے پڑھنے کا کام روزمرہ جب نظر سے گذرتا رہتا ہے تو ناخواندہ شخص بھی اپنے نام سے حرف آشنا ہو جاتا ہے، اس سے اُمیت مین فرق نہین آتا، بے شبہہ اُمی ہونا آپ کا فخر ہے، اور خود قرآن مجید مین یہ وصف شرف وعزت کے موقع پر استعمال ہوا ہے، اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ (اعراف ۱۹)

شرائط صلح یہ تھے،

۱- مسلمان اس سال واپس چلے جائین،

۲- اگلے سال آئین اور صرف تین دن قیام کر کے چلے جائین،

۳- ہتھیار لگا کر نہ آئین، صرف تلوار ساتھ لائین، وہ بھی نیام مین اور نیام بھی جُلبان (تھیلا وغیرہ) مین،

۴- مکہ مین جو مسلمان پہلے سے مقیم ہین، اُن مین سے کسی کو اپنے ساتھ نہ لیجائین اور مسلمانون مین سے کوئی مکہ مین رہ جانا چاہے تو اُس کو نہ روکین،

۵- کافرون یا مسلمانون مین سے کوئی شخص اگر مدینہ جائے تو واپس کر دیا جائے، لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ مین جائے[1] تو وہ واپس نہین کیا جائے گا،

۶- قبائل عرب کو اختیار ہوگا کہ فریقین مین سے جس کے ساتھ چاہین معاہدہ مین شریک ہو جائین،

[1] یہ تمام شرائط کتب سیر کے علاوہ صحیح مسلم (صلح حدیبیہ) مین بھی ہین،

یہ شرطین بظاہر مسلمانون کے سخت خلاف تھین، اتفاق یہ کہ عین اُس وقت جب کہ معاہدہ لکھا جا رہا تھا، سہیل کے صاحبزادے (حضرت ابو جندلؓ) جو اسلام لا چکے تھے، اور مکہ مین کافرون نے اُن کو قید کر رکھا تھا، اور طرح طرح کی اذیتین دیتے تھے، کسی طرح بھاگ کر پاؤن مین بیڑیان پہنے ہوئے آئے، اور سب کے سامنے گر پڑے، سہیل نے کہا، محمد صلی اللہ علیہ وسلم صلح کی تعمیل کا یہ پہلا موقع ہو، اس (ابو جندلؓ) کو شرائط صلح کے مطابق مجھ کو واپس دیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابھی معاہدہ قلمبند نہین ہو چکا" سہیل نے کہا تو ہم کو صلح بھی منظور نہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا ان کو نہین رہنے دو، سہیل نے نامنظور کیا، آپ نے چند دفعہ اصرار کیا لیکن سہیل کسی طرح راضی نہ ہوا، مجبوراً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلیم کرنا پڑا، ابو جندلؓ کو کافرون نے اس قدر مارا تھا کہ اُن کے جسم پر نشان تھے، مجمع کے سامنے تمام زخم دکھائے، اور کہا برادران اسلام! کیا پھر مجھ کو اسی حالت مین دیکھنا چاہتے ہو؟ مین اسلام لا چکا ہون، کیا پھر مجھ کو کافرون کے ہاتھ مین دیتے ہو، تمام مسلمان تڑپ اُٹھے، حضرت عمرؓ ضبط نہ کر سکے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے اور کہا، یا رسول اللہ! کیا آپ پیغمبر برحق نہین ہین؟ آپ نے ارشاد فرمایا "ہان ہون، حضرت عمرؓ نے کہا کیا ہم حق پر نہین؟ آپ نے ارشاد فرمایا ہان ہم حق پر ہین، حضرت عمرؓ نے کہا تو ہم دین مین یہ ذلت کیون گوارا کرین؟ آپ نے فرمایا مین خدا کا پیغمبر ہون، اور خدا کے حکم کی نافرمانی نہین کر سکتا، خدا میری مدد کرے گا، حضرت عمرؓ نے کہا کیا آپ نے یہ نہین فرمایا تھا کہ ہم لوگ کعبہ کا طواف کرین گے، آپ نے فرمایا لیکن یہ تو نہین کہا تھا کہ اسی سال کرین گے، حضرت عمرؓ اٹھکر حضرت ابو بکرؓ کے پاس آئے، اور وہی گفتگو کی، حضرت ابو بکرؓ نے کہا، وہ پیغمبر خدا ہین،

جو کچھ کرتے ہین خدا کے حکم سے کرتے ہین[1]،

حضرت عمرؓ کو اپنی ان گستاخانہ معروضات کا جو بے اختیاری مین اُن سے سرزد ہوئین، تمام عمر سخت رنج رہا، اور اس کے کفارہ کے لئے انھون نے نمازین پڑھین، روزے رکھے، خیرات کی، غلام آزاد کئے، بخاری مین اگرچہ ان اعمال کا ذکر اجمالاً ہے، لیکن ابن اسحاق نے تفصیل سے یہ تمام باتین گنائی ہین،

اس حالت کا گوارا کرنا گو صحابہؓ کی اطاعت شعاری کا سخت خطرناک امتحان تھا ایک طرف (ظاہر مین) اسلام کی توہین ہی حضرت ابو جندلؓ بیڑیان پہنے چودہ سو جان نثاران اسلام سے استغاثہ کرتے ہین، سب کے دل جوش سے لبریز ہین، اور اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذرہ ایما ہوجائے، تو تلوار فیصلۂ قاطع کے لئے موجود ہے، دوسری طرف معاہدہ پر دستخط ہوچکے ہین اور ایفاے عہد کی ذمہ داری ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو جندلؓ کی طرف دیکھا اور فرمایا،

یا اباجندل اصبر واحتسب فان اللہ	ابن جندل! صبر اور ضبط سے کام لو، خدا تمھارے
جاعل لک ولمن معک من المستضعفین	لئے اور مظلومون کے لئے کوئی راہ نکالے گا،
فرجا و مخرجا انا قد عقدنا بیننا وبین	صلح اب ہوچکی، اور ہم ان لوگون سے بدعہدی
القوم صلحا وانا لا نغدر بھم (ابن ہشام)	نہین کرسکتے،

غرض حضرت ابو جندلؓ کو اسی طرح پابزنجیر واپس جانا پڑا،

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشروط،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگ یہین قربانی کرین لیکن لوگ اس قدر دل شکستہ تھے کہ ایک شخص بھی نہ اٹھا یہان تک کہ جیسا کہ صحیح بخاری مین ہے کہ تین دفعہ بار بار کہنے پر بھی ایک شخص آمادہ نہ ہوا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم گھر مین تشریف لے گئے، اور اُم المومنین حضرت ام سلمہؓ سے شکایت کی، انھون نے کہا آپ کسی سے کچھ نہ فرمائین، بلکہ باہر نکل کر خود قربانی کرین اور احرام اتارنے کے لئے بال منڈوائین، آپنے باہر آکر خود قربانی کی، اور بال منڈوائے، اب جب لوگون کو یقین ہوگیا کہ اس فیصلہ مین تبدیلی نہین ہوسکتی تو سب نے قربانیان کین، اور احرام اُتارا،

صلح کے بعد تین دن تک آپنے حدیبیہ مین قیام فرمایا پھر روانہ ہوئے تو راہ مین یہ سورہ اتری،

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا (فتح-۱) ہم نے تجھکو کھلی ہوئی فتح عنایت کی،

تمام مسلمان جس چیز کو شکست سمجھتے تھے خدا نے اس کو فتح کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ یہ آیت نازل ہوئی ہے، انھون نے تعجب سے پوچھا کہ کیا یہ فتح ہے ارشاد ہوا کہ ہان، صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت عمرؓ کو تسکین ہوگئی، اور مطمئن ہوگئے، نتائج مابعد نے راز سربستہ کی عقدہ کشائی کی،

اب تک مسلمان اور کفار ملتے جلتے نہ تھے، اب صلح کی وجہ سے آمدورفت شروع ہوئی، خاندانی اور تجارتی تعلقات کی وجہ سے کفار مدینہ مین آتے مہینون قیام کرتے، اور مسلمانون سے ملتے جلتے تھے، باتون باتون مین اسلامی مسائل کا تذکرہ آجاتا تھا، اس کے ساتھ ہر مسلمان

(۱) کتاب الشروط ۱۲ صلح حدیبیہ کے واقعات صحیح بخاری مین نہایت تفصیل سے مذکور ہین لیکن اصل موقع یعنی غزوات کے

اخلاص، حسنِ عمل، نیکو کاری، پاکیزہ اخلاقی کی ایک زندہ تصویر تھا، جو مسلمان مکہ جاتے تھے، اُن کی صورتین یہی مناظر پیش کرتی تھین، اس سے خود بخود کفار کے دل اسلام کی طرف کھنچتے آتے تھے، مورخین کا بیان ہے کہ اس معاہدۂ صلح سے لے کر فتحِ مکہ تک اس قدر کثرت سے لوگ اسلام لائے کہ کبھی نہین لائے تھے حضرت خالدؓ (فاتحِ شام) اور حضرت عمرؓو بن عاص (فاتحِ مصر) کا اسلام بھی اسی زمانہ کی یادگار ہے،

معاہدۂ صلح مین یہ جو شرط تھی کہ جو مسلمان مکہ سے چلا جائے وہ پھر مکہ کو واپس کر دیا جائیگا اس مین صرف مرد داخل تھے، عورتین نہ تھین، عورتون کے متعلق خاص یہ آیت اُتری،

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا جَاءَكُمُ	مسلمانو! جب تمھارے پاس عورتین ہجرت
الْمُؤْمِنَاتُ مُهَاجِرَاتٍ فَامْتَحِنُوا	کر کے آئین تو اُن کو جانچ لو، خدا اُن کے
هُنَّ ط اللّٰهُ أَعْلَمُ بِإِيمَانِهِنَّ ج فَإِنْ	ایمان کو اچھی طرح جانتا ہے، اب اگر تم کو
عَلِمْتُمُوهُنَّ مُؤْمِنَاتٍ فَلَا تَرْجِعُوا	معلوم ہو کہ وہ مسلمان ہین، تو اُن کو کافرون
هُنَّ إِلَى الْكُفَّارِ ط لَا هُنَّ حِلٌّ لَهُمْ	کے ہان واپس نہ بھیجو، نہ وہ عورتین کافرون
وَلَا هُمْ يَحِلُّونَ لَهُنَّ وَآتُوهُمْ مَا	کے قابل ہین، اور نہ کافران عورتون کے قابل
أَنْفَقُوا ط وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ أَنْ	ہین اور ان عورتون پر اُن لوگون نے جو خرچ
تَنْكِحُوهُنَّ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ	کیا ہو، وہ تم اُن کو دیدو، اور تم اُن سے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۸) ذکر مین نہین، بلکہ کتاب الشروط مین اس بنا پر ارباب سیر کی نگاہ سے یہ واقعات رہ گئے غزوات مین جستہ جستہ واقعات ہین، ہم نے اُن کو بھی لیا ہے، باقی جزئیات صحیح مسلم اور ابنِ ہشام سے ماخوذ ہین،

أُجُورَهُنَّ ۚ وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ ۔ (ممتحنہ-۲)

کر سکتے ہو، بشرطیکہ اُن کے مہر ادا کر دو، اور کافرہ عورتوں کو اپنے نکاح میں نہ رکھو،

جو مسلمان مکہ میں مجبوری سے رہ گئے تھے، چونکہ کفار اُن کو سخت تکلیفیں دیتے تھے، اسلیئے وہ بھاگ بھاگ کر مدینہ آتے تھے، سب سے پہلے حضرت عتبہ بن اُسید (ابوبصیر) بھاگ کر مدینہ آئے، قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دو شخص بھیجے کہ ہمارا آدمی واپس کر دیجئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عتبہؓ سے فرمایا کہ واپس جاؤ، عتبہ نے عرض کی کیا آپ مجھکو کافروں کے پاس بھیجتے ہیں کہ مجھکو کفر پر مجبور کریں، آپنے ارشاد فرمایا خدا اس کی کوئی تدبیر نکالے گا، حضرت عتبہؓ مجبوراً دو کافروں کی حراست میں واپس گئے، لیکن مقامِ ذوالحلیفہ پہنچکر انھوں نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا، دوسرا شخص جو بچ رہا، اُس نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، ساتھ ہی ابوبصیر بھی پہنچے، اور عرض کی کہ آپنے عہد کے موافق اپنی طرف سے مجھ کو واپس کر دیا، اب آپ پر کوئی ذمہ داری نہیں، یہ کہکر مدینہ سے چلے گئے، اور مقامِ عیص میں جو سمندر کے کنارے ذوالمروہ کے پاس ہے، رہنا اختیار کیا، مکہ کے بیکس اور ستم رسیدہ لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ جان بچانے کا ایک ٹھکانا پیدا ہو گیا ہے تو چوری چھپے بھاگ بھاگ کر یہاں آنے لگے، چند روز کے بعد اچھی خاصی جمعیت ہو گئی، اور اب ان لوگوں نے اتنی قوت حاصل کر لی کہ قریش کا کاروانِ تجارت جو شام کو جایا کرتا تھا، اس کو روک لیتے تھے، ان حملوں میں جو مالِ غنیمت مل جاتا تھا، وہ اُن کی معاش کا سہارا تھا، قریش نے مجبور ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لکھ بھیجا کہ معاہدہ کی اس شرط سے ہم باز آتے ہیں، اب جو مسلمان چاہے مدینہ جا کر آباد ہو سکتا ہے ہم اُس سے تعرض نہ کریں گے، آپنے

آوارہ وطن مسلمانون کو لکھ بھیجا کہ یہان چلے آوٴ، چنانچہ ابوجندل رضؓ اور اُن کے ساتھی مدینہ مین آباد ہوگئے اور کاروانِ قریش کا راستہ[1] بدستور کھُل گیا،

مستورات مین سے حضرت امّ کلثومؓ جو رئیسِ مکّہ (عقبہ بن ابی معیط) کی صاحبزادی تھین اور مسلمان ہوچکی تھین، مدینہ ہجرت کرکے آئین، لیکن اُن کے ساتھ اُن کے دونون بھائی عمارہ اور ولید بھی آئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے درخواست کی کہ اُن کو واپس دیدیجئے، آپ نے منظور نہین فرمایا، صحابہ مین سے جن لوگون کی ازواج مکّہ مین رہ گئی تھین، اور اب تک کافرہ تھین، صحابہ نے ان کو طلاق دے دی،

[1] یہ تفصیل اکتفار کلاعی سے خمیس نے نقل کی ہی،

سلاطین کو اسلام کی دعوت

(آخر ۶ھ یا شروع ۷ھ)

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ

حدیبیہ کی صلح سے کسی قدر اطمینان نصیب ہوا تو وقت آیا کہ اسلام کا پیغام تمام دنیا کے کانوں میں پہنچا دیا جائے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک دن تمام صحابہؓ کو جمع کیا، اور خطبہ دیا، اَیُّھَا النَّاس! خدا نے مجھکو تمام دنیا کے لئے رحمت اور پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، دیکھو حواریین عیسیٰؑ کی طرح اختلاف نہ کرنا، جاؤ میری طرف سے پیغام حق ادا کرو" اس کے بعد آپ نے) قیصر روم، شہنشاہ عجم، عزیز مصر، اور رؤسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے، جو لوگ خطوط لے کر گئے، اور جن کے نام لے کر گئے، اُن کی تفصیل[1] یہ ہے؛

(حضرت) دحیہؓ کلبی،	قیصر روم
(حضرت) عبداللہؓ بن حذافہ سہمی،	خسرو پرویز کجکلاہ ایران
(حضرت) حاطبؓ بن (ابی) بلتعہ،	عزیز مصر
(حضرت) عمروؓ بن اُمیہ	نجاشی بادشاہ حبش

[1] طبری ج ۳ ص ۱۵۵۹، اور ابن ہشام (باب خروج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الملوک)

(حضرت) سلیط بن عمرو بن عبد شمس،	روسائے یمامہ
(حضرت) شجاع بن وہب الاسدی	رئیس حدودِ شام، حارث غسّانی،

ایرانیون نے چند برس پہلے بلادِ شام پر حملہ کر کے رومیون کو شکست دی تھی جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت غُلِبَتِ الرُّوم میں ہے، ہرقل نے اُس کے انتقام کے لئے بڑے سر و سامان سے فوجین تیار کین، اور ایرانیون پر حملہ کر کے اُن کو سخت شکست دی تھی، اس کا شکرانہ ادا کرنے کے لئے وہ حمص سے بیت المقدس آیا تھا، اور اس شان سے آیا تھا کہ جہان چلتا تھا، زمین پر فرش اور فرش پر پھول بچھاتے جاتے تھے،[1]

شام مین عرب کا جو خاندان قیصر کے زیرِ حکومت رہا کرتا تھا، وہ غسّانی خاندان تھا، اور اُس کا پایۂ تخت بُصریٰ تھا، جو دمشق کے علاقہ مین ہے اور آج کل حوران کہلاتا ہے، اس زمانہ مین اس خاندان کا تخت نشین حارث غسّانی تھا، دحیہ کلبی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامۂ مبارک یہین بُصریٰ مین حارث غسّانی کو لا کر دیا، اُس نے قیصر کے پاس بیت المقدس مین بھیج دیا، قیصر کو خط ملا، تو اُس نے حکم دیا کہ عرب کا کوئی شخص مل سکے تو لاؤ، اتفاق یہ کہ ابو سفیان تجارِ عرب کے ساتھ غزہ مین مقیم تھے، قیصر کے آدمی اُن کو غزہ سے جا کر لائے،

قیصر نے بڑے سامان سے دربار منعقد کیا، خود تاجِ شاہی پہن کر تخت پر بیٹھا تخت کے چارون طرف بطارقہ، قسیس اور رہبان کی صفین قائم کین، اہلِ عرب کی طرف مخاطب ہو کر کہا تم مین

[1] ہرقل کا پورا واقعہ فتح الباری (ج اول ص ۳۱ (س) شرح صحیح بخاری سے لیا گیا ہے، اصل صحیح بخاری (بخاری کیف کان بدء الوحی و کتاب الجہاد باب دعاء النبی صلی اللہ علیہ وسلم الی الاسلام والنبوۃ) مین مجمل واقعہ ہے، زائد تفصیلین حافظ ابن حجر نے اور کتابون سے بڑھائی ہین،

سے اُس مُدّعیِ نبوّت کا رشتہ دار کون ہی؟ ابوسفیان نے کہا مین" پھر حسب ذیل گفتگو ہوئی،

قیصر	مدّعی نبوّت کا خاندان کیسا ہے؟
ابوسفیان	شریف ہے،
قیصر	اس خاندان مین کسی اور نے بھی نبوّت کا دعوی کیا تھا؟
ابوسفیان	نہین
قیصر	اس خاندان مین کوئی بادشاہ گذرا ہے؟
ابوسفیان	نہین
قیصر	جن لوگون نے یہ مذہب قبول کیا ہے وہ کمزور لوگ ہین یا صاحب اثر؟
ابوسفیان	کمزور لوگ ہین،
قیصر	اس کے پیرو بڑھ رہے ہین یا گھٹتے جاتے ہین؟
ابوسفیان	بڑھتے جاتے ہین،
قیصر	کبھی تم لوگون کو اس کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہی؟
ابوسفیان	نہین
قیصر	وہ کبھی عہد و اقرار کی خلاف ورزی بھی کرتا ہی؟
ابوسفیان	ابھی تک تو نہین کی لیکن اب جو نیا معاہدۂ صلح ہے اس مین دیکھین وہ عہد پر قائم رہتا ہے یا نہیں؟

قیصر	تم لوگون نے اس سے کبھی جنگ بھی کی ؟
ابوسفیان	ہان ،
قیصر	نتیجۂ جنگ کیا رہا ؟
ابوسفیان	کبھی ہم غالب آئے اور کبھی وہ ،
قیصر	وہ کیا سکھاتا ہے ؟
ابوسفیان	کہتا ہے کہ ایک خدا کی عبادت کرو کسی اور کو خدا کا شریک نہ بناؤ ، نماز پڑھو ، پاکدامنی اختیار کرو ، سچ بولو ، صلۂ رحم کرو ،

اس گفت گو کے بعد قیصر نے مترجم کے ذریعہ سے کہا کہ تم نے اس کو شریف النسب بتایا، پیغمبر ہمیشہ اچھے خاندانون سے پیدا ہوتے ہین، تم نے کہا کہ اُس کے خاندان سے کسی اور نے نبوت کا دعویٰ نہین کیا، اگر ایسا ہوتا تو مین سمجھتا کہ یہ خاندانی خیال کا اثر ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اس خاندان مین کوئی بادشاہ نہ تھا اگر ایسا ہوتا تو مین سمجھتا کہ اس کو بادشاہت کی ہوس ہے، تم مانتے ہو کہ اُس نے کبھی جھوٹ نہین کہا، جو شخص آدمیون سے جھوٹ نہین بولتا ، وہ خدا پر کیونکر جھوٹ باندھ سکتا ہے، تم کہتے ہو کہ کمزورون نے پیروی کی ہے، پیغمبرون کے ابتدائی پیرو ہمیشہ غریب ہی لوگ ہوتے ہین، تم نے تسلیم کیا کہ اس کا مذہب ترقی کرتا جاتا ہے، سچے مذہب کا یہی حال ہے کہ بڑھتا جاتا ہے، تم تسلیم کرتے ہو کہ اُس نے کبھی فریب نہین کیا پیغمبر کبھی فریب نہین کرتے، تم کہتے ہو کہ وہ نماز اور تقوی و عفاف کی ہدایت کرتا ہے، اگر یہ سچ ہے تو میری قدمگاہ تک اس کا

قبضہ ہوجائے گا، مجھ کو یہ ضرور خیال تھا کہ ایک پیغمبر آنے والا ہے لیکن یہ خیال نہ تھا کہ وہ عرب مین پیدا ہوگا، مین اگر وہان جا سکتا تو خود اُس کے پاؤن دھوتا،

اس گفتگو کے بعد حکم دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خط پڑھا جائے،[۱]

فرمانِ رسالت کے یہ الفاظ تھے،

بسم الله الرحمن الرحيم من محمد	بسم اللہ الرحمن الرحیم، محمد کی طرف سے
عبد الله ورسوله الى هرقل	جو خدا کا بندہ اور رسول ہے، یہ خط ہرقل
عظيم الروم سلام على من	کے نام ہے، جو روم کا رئیسِ اعظم ہے،
اتبع الهدى، اما بعد فانى	اس کو سلامتی ہو، جو ہدایت کا پیرو ہو،
ادعوك بدعاية الاسلام	اس کے بعد مین تجھکو اسلام کی دعوت
اسلم تسلم يؤتك الله اجرك	کی طرف بلاتا ہون، اسلام لا، تو سلامت
مرتين فان توليت فان عليك	رہے گا، خدا تجھکو دوگنا اجر دے گا، ا
اثم الاريسيين و يا اهل	اگر تونے نہ مانا تو اہلِ ملک کا گناہ تیرے
الكتاب تعالوا الى كلمة سواء	اوپر ہوگا، اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی
بيننا وبينكم الا نعبد الا	طرف آؤ، جو ہم مین اور تم مین یکسان ہے،
الله ولا نشرك به شيئا و	وہ یہ کہ ہم خدا کے سوا اور کسی کو نہ پوجین،
لا يتخذ بعضنا بعضا اربابا من	اور ہم مین سے کوئی کسی کو (خدا کو چھوڑ کر)

[۱] یہ پوری گفتگو صحیح بخاری کے متعدد ابواب مین منقول ہے، ابتداے کتاب مین بھی اور باب الجہاد مین بھی،

دُونِ اللّٰہ فَاِنْ تَوَلَّوا فَقُولُوا اشْھَدُوْا	خدا نہ بنائے، اور تم نہیں مانتے تو گواہ
بِاَنَّا مُسْلِمُوْن؛	رہو کہ ہم مانتے ہیں،

قیصر نے ابو سفیان سے جو گفتگو کی تھی، اُس سے بطارقہ اور اہلِ دربار سخت برہم ہو چکے تھے، نامۂ مبارک کے پڑھے جانے پر اور بھی برہم ہوئے، یہ حالت دیکھ کر قیصر نے اہلِ عرب کو دربار سے اٹھا دیا اور گو اُس کے دل میں نورِ اسلام آچکا تھا لیکن تاج و تخت کی تاریکی میں وہ روشنی بجھ کر رہ گئی،[1]

خسرو پرویز (شہنشاہِ ایران) کے نام جو نامۂ مبارک حضرت عبد اللہؓ بن حذافہ لے کر گئے تھے، یہ تھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ مِنْ	خدا رحمٰن و رحیم کے نام سے محمد پیغمبر کی طرف
مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰہِ اِلٰی کِسْرٰی عَظِیْمِ	سے کسریٰ (رئیسِ فارس) کے نام سلام
فَارِسَ سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی	ہے اس شخص پر جو ہدایت کا پیرو ہو،

[1] مسند ابن حنبل صفحہ ۴، جلد ۴ میں ہے کہ حضرت دحیہؓ کے ساتھ قیصر نے اپنا ایک سفیر خط کا جواب دے کر خدمتِ نبوی میں بھیجا تھا، اور سفیر کو نبوت کے چند سوالات بتا دیئے تھے، اُس نے سوالات پوچھے، آپ نے جوابات دیئے، اور آخر بغیر اسلام لائے، وہ واپس گیا، لیکن یہ حدیث صحیح نہیں، اس میں ہے کہ قیصر کا خط پڑھنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاویہؓ کو بلایا اور انھوں نے پڑھ کر سنایا، حالانکہ وہ اس وقت اسلام بھی نہیں لائے تھے،

(جامع کے نزدیک حسب تحقیق ابن حجر فتح الباری ج ۱ ص ۹، و زرقانی ج ۳ ص ۰۰ و ۹۰، یہ واقعہ دوسرا ہے اور اس کے بعد کا ہے، اور خود اس حدیث میں تصریح ہے کہ یہ تبوک کا واقعہ ہے اور غزوہ تبوک فتح مکہ کے بعد جب ۹ھ میں پیش آیا ہے، اور حضرت معاویہؓ اس سے ایک یا دو سال پہلے حدیبیہ یا فتح مکہ میں مسلمان ہو چکے تھے، مگر تبوک میں حضرت معاویہؓ کی شرکت کہیں مذکور نہیں، یہ روایت اسی سند کے ساتھ کتاب الاموال ابو عبید القاسم ابن سلام ص ۲۵۵ مصر میں بھی موجود ہے) "س"

وَ اٰمَنَ باللّٰہ ورسولہ و شہد	خدا اور پیغمبر خدا پر ایمان لائے اور یہی گواہی دے
ان لا الٰہ الا اللّٰہ وانی رسول اللّٰہ	کہ خدا صرف ایک خدا ہے اور یہ کہ خدا نے مجھ کو تمام
الی النّاس کافّۃً لینذر من کان	دنیا کا پیغمبر مقرر کر کے بھیجا ہے تاکہ وہ ہر زندہ شخص
حیا اَسلِم تسلم فان ابیت	کو خدا کا خوف دلائے تو اسلام قبول کر تو سلامت
فعلیک اثم المجوس،	رہیگا ورنہ مجوسیوں کا وبال تیری گردن پر ہوگا

خسرو پرویز بڑی شوکت وشان کا بادشاہ تھا، اس کی سلطنت مین دربار کو جو عظمت و جلال حاصل ہوا، کبھی نہین ہوا تھا، عجم کا طریقہ یہ تھا کہ سلاطین کو جو خطوط لکھتے تھے، ان مین عنوان پر پہلے بادشاہ کا نام ہوتا تھا، نامۂ مبارک مین پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام تھا، خسرو نے اس کو اپنی تحقیر سمجھا، اور بولا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو یون لکھتا ہے،" پھر نامۂ مبارک کو چاک کر ڈالا، لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پرزے اُڑ گئے،

نظامی نے شیرین خسرو مین یہ داستان مفصل لکھی ہے اور اسلامی جوش سے لکھی ہے ہم اُس کے چند اشعار اس موقع پر نقل کرتے ہین،

دران دوران کہ گیتی رام او بود[1] | زمشرق تا بہ مغرب نام او بود
رسول ما بہ حجت ہاے قاہر | نبوّت در جہاں می کرد ظاہر
گہے باسنگ خارا راز می گفت | گہے ریگش حکایت باز می گفت

[1] اس سے خسرو مراد ہے،

خلائق را ز دعوت جام در داد
بہ ہر کشور صلاے عام در داد

بفرمود از عطا عطرے سرشتند
بنامِ ہر یکے، سطرے نوشتند

چو از نامِ نجاشی باز پرداخت
ز بہرِ نامِ خسرو نامۂ ساخت

چو قاصد عرضہ کرد آن نامۂ نو
بجوشید از غضب اندامِ خسرو

ز تیزی گشت ہر مویش سنانی
ز گرمی ہر رگش آتش فشانی

سوادے دید روشن ہیبت انگیز
نوشتہ از محمدؐ سوے پرویز

چو عنوانِ نگاہ عالم تاب را دید
تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید

غرورِ پادشاہی بردش از راہ
کہ گستاخی کہ یارد؟ با چو من شاہ

کہ از ہرہ کہ با این احترامم
نویسد نامِ خود بالاے نامم

رُخ از گرمی چو آتش گاہ خود کرد
بخود اندیشۂ بد کرد و بد کرد

درید آن نامۂ گردن شکن را
نہ نامہ بلکہ نامِ خویشتن را

فرستادہ چو دید آن خشمناکی
بہ رجعت پاے خود را کرد خاکی

ازان آتش کہ آن دود تہی داشت
چراغِ آگہان[لہ] را آگہی داشت

ز گرمی آن چراغِ گردن افراز
دعا را داد چون پروانہ پرواز

عجم را زان دعا کسری در افتاد
کلاہ از تارکِ کسری در افتاد

زہے شاہنشہے کز بیم و امید
قلم را ندہ بر افریدون و جمشید

لہ آگہان یعنی ارباب علم چراغِ آگہان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم" مراد ہیں، "آگہی داشت" یعنی خبر کی،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ نامۂ مبارک پہنچنے کے بعد خسرو پرویز نے گورنر یمن کو جس کا نام باذان تھا، فرمان بھیجا کہ کسی شخص کو حجاز بھیجو کہ اس نئے مدعی نبوت کو پکڑ کر میرے دربار میں لائے باذان نے دو شخصوں کو جن میں سے ایک کا نام بابو یہ اور دوسرے کا خرخسرہ تھا، مدینہ منورہ روانہ کیا، ان دونوں نے بارگاہِ رسالت میں آکر عرض کی کہ شاہنشاہِ عالم (کسریٰ) نے تم کو بلایا ہے، اگر تعمیلِ حکم نہ کروگے، تو وہ تم کو اور تمہارے ملک کو برباد کردے گا، آپ نے فرمایا تم واپس جاؤ اور کہدینا کہ اسلام کی حکومت کسریٰ کے پایۂ تخت تک پہنچے گی،[1] یہ لوگ پیغام پہنچا کر یمن میں آئے تو خبر آئی کہ شیرویہ (خسرو پرویز کا بیٹا) نے خسرو پرویز کو قتل کرڈالا،

نجاشی (بادشاہِ حبش) کو آپ نے دعوتِ اسلام کا جو خط بھیجا، اس کے جواب میں اس نے عریضہ بھیجا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ خدا کے سچے پیغمبر ہیں، حضرت جعفر طیارؓ جو ہجرت کرکے حبش چلے گئے تھے، وہیں موجود تھے، نجاشی نے اُن کے ہاتھ پر بیعت اسلام کی، ابن اسحاق نے روایت کی ہے، کہ نجاشی نے اپنے بیٹے کو ساٹھ مصاحبوں کے ساتھ بارگاہِ رسالت میں عرضِ نیاز کے لئے بھیجا، لیکن جہاز سمندر میں ڈوب گیا، اور یہ سفارت ہلاک ہوگئی،[2]

عام ارباب سیر لکھتے ہیں کہ نجاشی نے ۹ھ میں وفات پائی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف رکھتے تھے، اور یہ خبر سُن کر آپ نے غائبانہ اُس کے جنازہ کی نماز پڑھائی، لیکن یہ غلط ہے کہ صحیح مسلم میں تصریح کی ہے کہ جس نجاشی کی نماز جنازہ آپ نے

[1] طبری (جلد ۳) ص ۱۵۷۱ [2] طبری جلد ۳ ص ۱۵۶۹،

پڑھی، وہ یہ نہ تھا، لیکن ابن قیم نے ارباب سیر کی روایت کی تائید کی ہے، اور مسلم کی روایت کے اس ٹکڑہ کو راوی کا وہم بتایا ہے[۱]

جو لوگ ہجرت کر کے حبش چلے گئے تھے، ان مین حضرت اُم حبیبہؓ حضرت امیر معاویہؓ کی بہن بھی تھین، اُن کے شوہر کا انتقال ہو چکا تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نجاشی کو لکھ بھیجا کہ اُمِ حبیبہ کو شادی کا پیغام سُنا دو، اور میرے پاس بھیج دو، نجاشی نے خالد بن سعیدؓ ابن العاص کو مقرر کیا اُنھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایجاب و قبول ادا کیا، نجاشی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مہر ادا کیا، جس کی تعداد چار سو اشرفیان تھین، نکاح کے بعد حضرت اُم حبیبہؓ جہاز مین بیٹھکر روانہ ہوئین، اور مدینہ کے بندرگاہ مین اترین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُس وقت خیبر مین تشریف رکھتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکثر نجاشی کے حالات حضرت اُم حبیبہؓ سے پوچھا کرتے تھے،[۲]

عزیزِ مصر مقوقس کو آپ نے جو خط لکھا تھا اس کے جواب مین اُس نے عربی زبان مین یہ خط لکھا

لمحمد بن عبد اللہ من المقوقس	محمد بن عبد اللہ کے نام مقوقس رئیس قبط
عظیم القبط سلام علیک اما	کی طرف سے سلام علیک کے بعد مین نے آپ کا خط
بعد فقد قرأت کتابک و	پڑھا، اور اس کا مضمون اور مطلب سمجھا
فھمت ما ذکرت فیہ وما	مجھ کو اس قدر معلوم تھا کہ ایک پیغمبر
تدعو الیہ وقد علمت ان	آنیوالے ہین، لیکن مین یہ سمجھتا تھا کہ وہ شام

(۱؎ زاد المعاد) ص ۱۱۲ ۲؎ تاریخ طبری ج ۳ ص ۱۵۷۰

نبیًّا بقی وکنت اظن ان یخرج	میں ظہور کرین گے، مین نے آپکے قاصد کی
من الشام وقد اکرمت رسولک	عزت کی، اور دو لڑکیان بھیجتا ہون جن
وبعثت الیک بجاریتین لھما مکان	کی قبطیون مین (مصر کی قوم) بہت عزت
من القبط عظیم وکسوۃ واھدیت	کی جاتی ہے، اور مین آپکے لئے کپڑا اور سواری
الیک بغلۃ لترکبھا والسلام علیک	ایک خچر بھیجتا ہون،

باایں ہمہ عزیز مصر اسلام نہیں لایا، دو لڑکیان جو بھیجی تھین، ان مین ایک ماریہ قبطیہؓ تھین، جو حرم نبوی مین داخل ہوئین، دوسری سیرین تھین جو حضرت حسانؓ کے ملک مین آئین، خچر کا نام دلدل تھا جس کا ذکر اکثر حدیث کی کتابون مین آتا ہے جنگ حنین مین آپ اسی پر سوار تھے، طبری نے لکھا ہے کہ ماریہ اور سیرین حقیقی بہنین تھین، اور حضرت حاطبؓ بن بلتعہ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقوقس کے پاس خط دے کر بھیجا تھا، اُن کی تعلیم سے دونون خاتونین خدمتِ نبویؐ مین پہنچنے سے پہلے اسلام قبول کر چکی تھین، اس واقعہ کو اس حیثیت سے دیکھنا چاہئے کہ یہ خاتونین لونڈیان نہ تھین، اور اسلام قبول کر چکی تھیں، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ماریہؓ سے نکاح کیا ہوگا، نہ کہ لونڈی کی حیثیت سے وہ آپکے حرم مین آئین،

رؤسائے عرب کو جو خط لکھے گئے تھے، اُن کے بھی جواب مختلف آئے، ہوذہ ابنِ علی رئیس یمامہ نے لکھا تم جو باتین کہتے ہو وہ نہایت اچھی ہین، اگر حکومت مین کچھ میرا بھی حصہ ہو تو مین

لہ ہم نے جاریہ کا ترجمہ لڑکی کیا ہے عربی مین جاریہ لڑکی کو بھی کہتے ہین، اور لونڈی کو بھی، ارباب سیرت ماریہؓ قبطیہ کو لونڈی کہتے ہین لیکن مقوقس نے جو لفظ اُن کی نسبت لکھا ہے، یعنی کہ "مصریون مین بڑی عزت ہے" یہ لونڈیون کی شان مین استعمال نہین کئے جا سکتے،

تمھاری اقتدار کے لئے تیار ہون، اسلام ہوسِ ملک کے لئے نہین آیا تھا، آپنے فرمایا "زمین کا ایک ٹکڑا بھی ہو تو مین نہ دون گا"

حارث غسانی جو حدود شام کا رئیس تھا، اور رومیون کے ماتحت اطراف کے عربون مین حکومت کرتا تھا، خط پڑھ کر برہم ہوا، اور فوج کو تیاری کا حکم دیا، مسلمان اس جرم کی پاداش مین ہر وقت اس کے حملہ کے منتظر رہتے تھے، اور آخر موتہ اور تبوک وغیرہ کی لڑائیان پیش آئین)

واقعاتِ متفرقہ سنہ ۸ھ
حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن العاص کا اسلام

(حدیبیہ کی صلح کو خدا نے فتح کہا ہے لیکن اجسام کی نہین قلوب کی، اسلام کو اپنی اشاعت کے لئے امن درکار تھا، اور وہ اس صلح سے حاصل ہو گیا، اس صلح کو خود دشمن فتح سمجھتے تھے، قریش اور مسلمانون مین اب تک جو معرکے ہوئے، فوجی حیثیت سے قریش کی صف مین ہر جگہ خالد بن ولید کا نام ممتاز نظر آتا ہے، جاہلیت مین رسالہ کی افسری ان ہی کے سپرد تھی، احد مین قریش کے اکھڑے ہوئے پاؤن انہی کی کوشش سے سنبھلے تھے، حدیبیہ کے موقع پر قریش کا طلایہ انہی کی زیر افسری نظر آیا تھا، لیکن قریش کا یہ سپہ سالار اعظم بھی آخر اسلام کے حملۂ کاری سے نہ بچ سکا،

صلحِ حدیبیہ کے بعد حضرت خالدؓ نے مکہ سے نکل کر مدینہ کا رُخ کیا، راستہ مین حضرت عمرو بن العاص ملے، پوچھا کدھر کا قصد ہے؟ بولے اسلام لانے جاتا ہون، آخر کب تک؟ حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا ہمارا بھی یہی ارادہ ہے، دونون صاحب ایک ساتھ بارگاہِ نبوی

(سلاطین، رؤسائے قبائل اور امرائے عرب کو دعوتی خطوط لکھے گئے تھے، اُن کی تفصیل دوسری جلد کے تبلیغی واقعات میں آئے گی) "س"

ہیں، حاضر ہو کر اسلام سے مشرف ہوئے[۵۱] اور اب وہ جوہر جو اسلام کی مخالفت مین صرف ہو رہا تھا، اسلام کی محبت مین صرف ہونے لگا،

فتح مکہ مین حضرت خالدؓ جب ایک مسلمان دستہ کے افسر بن کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے سے گذرے تو آپنے پوچھا کون ہے؟ لوگون نے کہا خالدؓ ہین، آپنے فرمایا خدا کی تلوار ہے۔[۵۲]

غزوۂ موتہ مین جب حضرت جعفرؓ، زید بن حارثہؓ اور عبداللہ بن رواحہؓ کے بعد حضرت خالدؓ نے علم اپنے ہاتھ مین لیا تو مسلمان خطرہ سے باہر تھے،

عہدِ خلافت مین ایک (خالدؓ) نے شام کا ملک قیصر سے چھین لیا، اور دوسرا (عمرو بن العاصؓ) مصر کا فاتح ہوا)

---

۵۱ اصابہ ابن حجر بروایت ابن اسحاق (ج اول ص ۴۱۳) ۵۲ ترمذی، مناقب،

سنہ ۷ھ

خیبر

آخر سنہ ۶ھ یا اوائل سنہ ۷ھ

خیبر غالبًا عبرانی لفظ ہے جس کے معنی قلعہ کے ہیں، یہ مقام مدینہ منورہ سے آٹھ منزل پر ہے، یورپین سیاحون مین ڈاوٹی کئی مہینہ تک یہان ۱۸۷۷ء مین مقیم رہا، اُس نے مدینہ سے اس مقام کا فاصلہ ۱۰۰ میل لکھا ہے[۱]، وہ نخلستان جس کے کنارہ پر خیبر ہے، نہایت زرخیز ہے، یہان یہود نے مضبوط متعدد قلعے بنائے تھے، جن مین سے بعض کے آثار اب تک باقی ہین،

عرب مین یہودی قوت کا یہ سب سے بڑا مرکز تھا، مدینہ سے جب رؤسائے بنونضیر جلاوطن ہوکر خیبر مین آباد ہوئے، تو انھون نے تمام عرب کو اسلام کی مخالفت پر برانگیختہ کردیا، جس کا پہلا منظر احزاب کا معرکہ تھا، ان رؤسا مین سے حیی بن اخطب جنگِ قریظہ مین قتل ہوا، جس کے بعد **ابورافع سلام بن ابی الحُقیق** اُس کا جانشین ہوا، یہ بہت بڑا تاجر اور صاحبِ اثر تھا، قبیلۂ غطفان جو عرب کا بہت بڑا صاحبِ اثر قبیلہ تھا، اُن کی آبادی خیبر سے متصل تھی، اور ہمیشہ سے یہودِ خیبر کے حلیف اور ہم عہد[۲] تھے، سنہ ۶ھ مین سلام نے خود جاکر قبیلۂ غطفان اور اُن کے آس پاس کے قبیلون کو

---

۱ مارگولیس ص ۳۵۶، ۲ ابن خلدون جلد ۲ ذکر قبائلِ عرب (و تاریخ خمیس جلد ۲ ص ۴۳ باب غزوۂ خیبر س"

اسلام کے مقابلہ کے لئے آمادہ کیا، یہان تک کہ ایک عظیم الشان فوج لیکر مدینہ پر حملہ کی تیاریان کین[1]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبرین معلوم ہوئین تو آپکے ایما سے (رمضان سنہ ۶ھ مین حضرت عبداللہ ابن عتیک ایک خزرجی انصاری کے ہاتھ سے اپنے قلعۂ خیبر مین سوتا ہوا مارا گیا) سلّام کے بعد یہودیون نے اُسیر بن رزام کو مسند ریاست پر بٹھایا، اُس نے قبائل یہود کو جمع کرکے تقریر کی، اور کہا کہ "میرے پیشرو دون نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ مین جو تدبیرین اختیار کین وہ غلط تھین، صحیح تدبیر یہ ہے کہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دار الریاست پر حملہ کیا جائے اور مین یہی طریقہ اختیار کرون گا[2]" اس غرض سے اُسیر نے غطفان اور دیگر قبائل مین دورہ کیا، اور ایک فوج گران تیار کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبرین پہنچین تو آپنے اس افواہ پر اعتماد نہین کیا، بلکہ حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجا کہ خود خیبر جاکر اصل واقعہ کی تحقیق کرین، چنانچہ وہ چند آدمیون کو لے کر خیبر گئے، اور چھپ کر خود اُسیر کی زبانی اُس کے مشورے اور تدبیرین سُنین، یہ حالات آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین عرض کئے، آپنے حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کو ۳۰ آدمی دے کر خیبر کو روانہ کیا، ان لوگون نے اُسیر سے

---

[1] ابن سعد ص ۶۶ - اصلی الفاظ یہ ہین :-

كان ابو رافع بن ابى الحقيق قد اجلب في غطفان ومن حوله من مشركي العرب وجعل لهم الجعل العظيم لحرب رسول الله صلى الله عليه وسلم

ابو رافع نے غطفان اور آس پاس کے مشرکین عرب کو جنگ پر آمادہ کیا تھا اور ایک بہت بڑی بھیڑ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے جمع کی،

[2] بخاری باب قتل ابی رافع مین ہے وکان ابو رافع یؤذی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ویعین علیہ یعنی ابو رافع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچایا کرتا تھا، اور آپکے دشمنون کو آپکے مقابلہ مین مدد دیا کرتا تھا، اس امداد و اعانت کی تفصیل بہ روایت عروہ فتح الباری (ج ۷، ص ۲۶۳) مین مفصل مذکور ہے (زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۱۹۶ مصر) س"

کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس لئے بھیجا ہے کہ تم اگر جاؤ تو خیبر کی حکومت تم کو دیدی جائے، چنانچہ وہ ۳۰ آدمی لے کر خیبر سے نکلا، اور احتیاط کی بنا پر یہ مخلوط قافلہ اس طرح چلا کہ دو دو شخص ہمرکاب چلتے تھے، جن مین ایک یہودی دوسرا مسلمان ہوتا تھا، قرقرہ پہنچ کر اسیر کے دل مین بدگمانی پیدا ہوئی، اُس نے ہاتھ بڑھا کر حضرت عبد اللہ بن انیس رضی اللہ عنہ کی تلوار چھیننی چاہی، انھون نے کہا او دشمن خدا! بدعہدی کرنی چاہتا ہے؟ یہ کہکر سواری بڑھائی، اور جب اُسیر زد پر آگیا تو تلوار ماری کہ اُس کی ران کٹ گئی، وہ گھوڑے سے گرا، گرتے گرتے اُس نے حضرت عبد اللہ کو زخمی کیا، اب مسلمان پیش دستی کر کے یہود پر ٹوٹ پڑے، نتیجہ جنگ یہ تھا کہ یہود مین ایک کے سوا کوئی نہین بچا، یہ اخیر ۶ سنہ یا محرم ۷ سنہ کا واقعہ ہے[1]

خیبر اب اسلام کا سب سے بڑا حریف اور اسلام کے لئے سب سے زیادہ خطرناک تھا، ان لوگون نے مکہ جا کر قریش کے ذریعہ سے تمام عرب مین بغاوت کی ایک عالمگیر جنبش پیدا کر دی جس نے واقعہ احزاب مین مرکزِ اسلام (مدینہ منورہ) کو متزلزل کر دیا تھا، یہ کوشش اگرچہ ناکام رہی لیکن جو دست وبازو کام کر رہے تھے، اب بھی موجود تھے،

جن لوگون نے جنگِ احزاب برپا کرائی تھی، اُن مین زیادہ بااثر ابن ابی الحقیق کا خاندان تھا، جو قبیلہ بنی نضیر سے تھا، اور مدینہ سے جلاوطن ہو کر آیا تھا، اُس نے خیبر کے مشہور قلعہ قموص پر قبضہ کیا تھا، سلام بن ابی الحقیق جس کا ذکر ابھی اوپر گذر چکا ہے، اسی خاندان کا رئیس تھا، اس کے قتل کے بعد اس کا بھتیجہ کنانہ بن الربیع بن ابی الحقیق خاندان کی ریاست پر ممتاز ہوا،

خیبر کے یہود ادھر تو غطفان سے اسلام کے مقابلہ کے لئے سازش کر رہے تھے، ادھر مدینہ

[1] یہ تمام واقعہ طبقات ابن سعد سے منقول ہے، بہت سی کتابون مین لکھا ہے کہ عبد اللہ بن انیس نے خود ابتدا کی، ک…

کے منافقین اُن کو مسلمانون کی خبرین پہنچاتے رہتے تھے اور اُن کو ہمت دلاتے تھے کہ مسلمان تم سے سر بر نہین ہو سکتے[۱]
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ ان لوگون سے معاہدہ ہو جائے، اس بنا پر آپ نے حضرت عبد اللہ بن رواحہ کو بھیجا تھا لیکن ادھر تو یہود خود سخت دل اور ایک بدگمان قوم تھی ادھر منافقین اُن کو اُبھارتے تھے، اسی زمانہ مین راس المنافقین عبد اللہ بن ابی بن سلول نے اہل خیبر کے پاس کہلا بھیجا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم پر حملہ کرنا چاہتے ہین، لیکن تم اُن سے نہ ڈرنا، اُن کی ہستی کیا ہے، مٹھی بھر آدمی ہین جن کے پاس ہتھیار تک نہین، یہود نے یہ سُن کر کنانہ اور ہوذہ ابن قیس کو غطفان کے پاس بھیجا کہ ہمارے ساتھ مل کر مدینہ پر حملہ کرو تو ہم نخلستان کی نصف پیداوار تم کو دین گے (ایک روایت مین ہے کہ) غطفان نے اُس کو منظور کیا،[۱]

غطفان کا ایک قوت ور قبیلہ بنو فزارہ تھا اُن کو جب یہ معلوم ہوا کہ خیبر والے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنا چاہتے ہین تو وہ خود خیبر مین آئے، کہ ہم تمھارے شریک ہو کر لڑین گے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے بنو فزارہ کو خط لکھا کہ تم خیبر والون کی مدد سے باز آؤ، خیبر فتح ہو جائیگا، تو تم کو بھی حصہ دیا جائے گا لیکن بنو فزارہ نے انکار کیا،[۲]

(بقیہ حاشیہ ص ۴۷۷) اُسیر بن رزام کو قتل کر ڈالا لیکن صحیح واقعہ وہی ہے جو ابن سعد سے منقول ہوا اور وہی اس معرکہ کی وجہ ہو سکتا ہے
[۱] تاریخ خمیس (ج ۲ ص ۴۳)، عام روایتون مین گو یہ ہے کہ غطفان نے مسلمانون کے خوف سے اس کو منظور نہین کیا تاہم یہ ظاہر ہے کہ ان کی اس ناطرفداری پر بھروسہ نہیں کیا جا سکتا تھا" ص [۲] یہ واقعہ معجم البلدان لفظ جنفا کے ذیل مین موسیٰ بن عقبہ کی مغازی سے بالفاظہا نقل کیا ہے اصل الفاظ یہ ہین،-

ذوی موسی بن عقبۃ عن ابن شہاب قال کانت بنو فزارۃ ممن قدم علی اھل خیبر لیعینوھم فراسلھم رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم ان لا یعینوھم وساءلھم ان یخرجوا عنھم الخ (جلد ۳- ص ۱۵۲ مصر)

ذی قرد محرم سنہ ۷ھ

غطفان کی شرکتِ جنگ کا دیباچہ یہ تھا کہ ذی قرد کی چراگاہ پر جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنیون کا چراگاہ تھا، (اس قبیلہ کے چند آدمیون نے بہ سرداری عبدالرحمن بن عیینہ) چھاپا مارا، اور ۲۰، اونٹنیان پکڑ کر لے گئے، حضرت ابو ذرؓ کے صاحبزادے کو جو اونٹنیون کی حفاظت پر متعین تھے، قتل کر دیا، اور اُن کی بیوی کو گرفتار کرکے لے گئے، مسلمانون نے جب تعاقب کیا، تو وہ درّہ مین گھس گئے، وہان) عیینہ بن حصن جو قبائل غطفان کا سپہ سالار تھا، (اُن کی امداد کو موجود تھا) مسلمانون مین حضرت سلمہ بن الاکوعؓ ایک مشہور قدر انداز صحابی تھے، سب سے پہلے اُن کو اِس غارتگری کی خبر معلوم ہوئی، انھون نے واصباحاہ کا نعرہ مارا، اور دوڑ کر حملہ آورون کو جالیا، وہ اونٹون کو پانی پلا رہے تھے، سلمہؓ تیر برسانے شروع کئے، حملہ آور بھاگ نکلے، انھون نے تعاقب کیا، اور لڑ بھڑ کر تمام اونٹنیان چھڑا لائے، دربارِ نبوت مین آکر عرض کی کہ مین دشمنون کو پیاسا چھوڑ کر آیا ہون، اگر ۱۰۰ آدمی مل جائین، تو ایک ایک کو گرفتار کر لاتا ہون آپنے رحمتِ عام کے لحاظ سے فرمایا،[1]

ملکت فاسجح، قابو پا جاؤ تو عفو سے کام لو،

اس واقعہ کے تین دن بعد خیبر کی جنگ پیش آئی،

---

[1] یہ واقعہ بخاری و مسلم مین بھی مذکور ہو لیکن زیادہ تفصیل ابن سعد و ابن اسحاق سے لی گئی ہو[2] ارباب سیر نے متفقاً اس واقعہ کو خیبر کے واقعہ سے ایک سال ماقبل بیان کیا ہو لیکن (طبری نے بہ روایت سلمہ جو اس غزوہ کے ہیرو تھے اور نیز) امام بخاری نے صاف تصریح کی ہے، کہ خیبر سے تین دن پہلے کا واقعہ ہے، حافظ ابن حجر نے ارباب سیر کا بیان لکھ کر لکھا ہو:۔

فعلیٰ ھذا ما فی الصحیح من التاریخ لغزوۃ ذی قرد اصح مما ذکرہ اھل السیر

تو اس بنا پر جو کچھ صحیح بخاری مین غزوہ قرد کے متعلق مذکور ہو وہ ارباب سیر کی روایت سے زیادہ صحیح ہو،

خیبر کا آغاز اور غزوات کی بہ نسبت ایک امتیاز خاص رکھتا ہے اور اگرچہ ارباب سیر کی نظر اس نکتہ پر نہیں پڑی کہ اس امتیاز کے اسباب کیا تھے؟ تاہم واقعہ کی حیثیت سے امتیاز کے موارد اُن کی زبان سے بھی بلاقصد نکل گئے ہیں، سب سے مقدم یہ کہ جب آپ نے خیبر کا قصد کیا تو اعلان عام کر دیا کہ

لا یخرجن معنا الا راغب فی الجہاد (ابن سعد) ہمارے ساتھ صرف وہ لوگ آئیں جو طالب جہاد ہوں[1]

اب تک جو لڑائیاں وقوع میں آئیں محض دفاعی تھیں، یہ پہلا غزوہ ہے جس میں غیر مسلم رعایا بنائے گئے، اور طرز حکومت کی بنیاد قائم ہوئی، اسلام کا اصلی مقصد تبلیغ دعوت ہے اب اگر کوئی قوم اس دعوت کی سد راہ نہ ہو تو اسلام کو نہ تو اس سے جنگ ہے نہ اس کے رعایا بنانے کی ضرورت ہے صرف معاہدۂ صلح کافی ہے جس کی بہت سی مثالیں اسلام میں موجود ہیں، لیکن جب کوئی قوم خود اسلام کی مخالفت پر کمربستہ ہو اور اس کو مٹا دینا چاہے تو اسلام کو مدافعت کے لئے تلوار ہاتھ میں لینا پڑتی ہے، اور اس کو اپنے زیر اثر رکھنا پڑتا ہے، خیبر اس قاعدہ کے موافق اسلام کا پہلا مفتوحہ ملک تھا

غزوات کے خاتمہ کے بعد یہ بحث بہ تفصیل آئے گی، کہ ایک مدت تک لوگ جہاد

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۷۹) حافظ ابن حجر نے دونوں روایتوں میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ عیینہ بن حصن نے ذو قرد پر دو دفعہ حملہ کیا تھا، عام ارباب سیر جس کا ذکر کرتے ہیں، وہ پہلا حملہ تھا، اور یہ بالکل قرین قیاس ہے (فتح الباری جلد ۷ ص ۳۵۲ باب غزوۂ ذی قرد) نس "عام ارباب سیر کو غزوۂ خیبر (بلکہ تمام غزوات) کے متعلق چونکہ کسی سبب کی تلاش و جستجو نہیں اس لئے اُن کو اس سے کچھ بحث نہیں کہ واقعات کا تسلسل اور غزوات کے اسباب کیا ہیں لیکن زیادہ تحقیق سے ثابت ہوتا ہے، کہ یہ سب واقعات ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں (۱) یہاں "لوگ" سے مراد منافقین ہیں، یہ لوگ غزوات میں محض غنیمت کے لالچ میں شریک ہوتے تھے، جہاں سخت مقابلہ پیش آنے اور مال غنیمت کے

کو عرب کے قدیم طریقہ کے موافق معاش کا ذریعہ سمجھتے رہے، اس لڑائی (خیبر) تک بھی یہ غلط فہمی رہی، یہ پہلا غزوہ ہے جس میں یہ پردہ اٹھا دیا گیا اور اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ اس لڑائی میں صرف وہ لوگ شریک ہوں جن کا مقصد جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ ہو،

غرض آپ غطفان اور یہود کے حملہ کی مدافعت کے لئے مدینہ سے محرم ۷ھ سنہ میں حضرت سباع بن عرفطہ غفاری رض کو مدینہ کا افسر مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوئے، ازواج مطہرات میں سے حضرت ام سلمہ رض ساتھ تھیں، فوج کی ۱۶۰۰ تھی، جن میں دو سو سوار اور باقی پیدل تھے، اس وقت تک لڑائیوں میں علم کا رواج نہ تھا، چھوٹی چھوٹی جھنڈیاں ہوتی تھیں، یہ پہلا غزوہ تھا کہ آپ نے تین علم تیار کرائے، دو حضرت حباب بن منذر رض اور حضرت سعد بن عبادہ رض کو عنایت ہوئے اور خاص علم نبوی جس کا پھریرا حضرت عائشہ رض کی چادر سے تیار ہوا تھا، جناب امیر رض کو مرحمت ہوا، فوج جب روانہ ہوئی تو حضرت عامر رض بن الاکوع (جو) مشہور شاعر تھے، یہ رجز پڑھتے ہوئے آگے چلے،

اَللّٰھُمَّ لَوْلَا اَنْتَ مَا اھْتَدَیْنَا	اے خدا اگر تو ہدایت نہ کرتا تو ہم ہدایت نہ پاتے
وَلَا تَصَدَّقْنَا وَلَا صَلَّیْنَا	نہ خیرات کرتے، نہ روزہ رکھتے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸۰) نہ ملنے کا گمان ہوتا، وہاں غزوات کی شرکت سے کتراتے تھے، چنانچہ انہی وجوہ سے وہ حدیبیہ میں شریک نہیں ہوئے اور اس پر سورۂ فتح میں اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی ناراضی ظاہر فرمائی اور یہ ارشاد فرمایا کہ آیندہ غنیمت والے غزوہ میں بھی وہ شریک کئے جائیں اسی لئے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر اعلان فرمادیا کہ اس غزوہ میں بھی وہی شرکت کا ارادہ کریں جنکی غرض محض جہاد و اعلاء کلمۃ اللہ ہو دنیاوی مال و متاع نہ ہو، طبقات ابن سعد باب غزوۂ خیبر اس (۱) ابن سعد جزء مغازی صفحہ ۷۷ میں جمادی الاولیٰ ۷ھ ہے جو بہ تحقیق مذکورہ بالا صحیح نہیں، (س)

فاغفر فداء لك ما اتقینا	ہم تجھ پر فدا ہون ہم جو احکام نہین بجالائے
والقین سکینۃ علینا	اُن کو معاف کردے اور ہم پر تسلی نازل کر
انا اذا صیح بنا اتینا	ہم جب فریاد مین پکارے جاتے ہین تو پہنچ
وثبت الاقدام ان لاقینا	جاتے ہین، اور جب مڈبھیڑ ہو تو ہم کو ثابت
وبالصیاح عولوا علینا	قدم رکھ، لوگون نے پکار کر ہم سے استغاثہ چاہا ہے

یہ اشعار صحیح (مسلم و) بخاری مین نقل کیے ہین، مسند ابن حنبل مین بعض اشعار زیادہ ہین[1]
(پہلے دو مصرع کسی قدر اختلاف کے ساتھ صحیح مسلم (خیبر) مین بھی ہین،

ان الذین قد بغوا علینا	جن لوگون نے ہم پر دست درازی کی ہے
اذا ارادوا فتنۃ ابینا	جب وہ کوئی فتنہ برپا کرنا چاہتے ہین تو ہم ان سے
ونحن عن فضلک ما استغنینا	(نہین) دبتے نہین اور اے خدا ہم تیری عنایت سے بے نیاز نہین

راہ مین ایک میدان آیا، صحابہؓ نے تکبیر کے نعرے بلند کئے، چونکہ تعلیم و تلقین کا سلسلہ ہر وقت جاری رہتا تھا، اور بات بات مین نکاتِ شریعت کی تعلیم ہوتی رہتی تھی، ارشاد ہوا کہ آہستہ، کیونکہ کسی بہرے اور دور از نظر کو نہین پکار رہے ہو، تم جس کو پکارتے ہو، وہ تمھارے پاس ہی ہے[2]

اس غزوہ مین چند خاتونین بھی اپنی خواہش سے فوج کیساتھ ہولی تھین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] ان اشعار مین صاف تصریح ہے کہ تعدی اور حملہ کی ابتدا دشمنون کی طرف سے تھی، اشعار کے بعض بعض الفاظ مین روایات کا اختلاف ہے [2] صحیح بخاری غزوۂ خیبر

کو معلوم ہوا تو آپ نے اُن کو بلا بھیجا، اور غضب کے لہجہ مین فرمایا تم کس کے ساتھ آئین، اور کس کے حکم سے آئین؟، بولین یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس لئے آئے ہین کہ چرخہ کات کر کچھ پیدا کرین گے اور اس کام مین مدد دین گے ہمارے پاس زخمیون کے لئے دوائین بھی ہین، اس کے علاوہ ہم تیر اٹھا کر لائین گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے بعد جب مال غنیمت تقسیم کیا، تو اُن کا بھی حصہ لگایا، لیکن یہ حصہ کیا تھا؟ زر و جواہر نہ تھے، مال و اسباب نہ تھا، درہم و دینار نہ تھے، بلکہ صرف کھجورین تھین، تمام مجاہدین کو یہی ملا تھا، اور ان پردہ نشینون نے بھی یہی پایا تھا،

یہ واقعہ **ابوداؤد** (باب فی المراۃ والعبد یحذ مال من الغنیمۃ) مین مذکور ہے، حدیث اور سیرت کی تمام کتابون سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر غزوات مین مستورات ساتھ رہتی تھین، جو زخمیون کی مرہم پٹی کرتی، اور پیاسون کو پانی پلاتی تھین، جنگ اُحد مین حضرت عائشہؓ کا مشک مین پانی بھر بھر کر لانا، اور زخمیون کو پلانا اوپر گذر چکا ہے، لیکن یہ امر کہ عورتین میدان جنگ سے تیر اٹھا اٹھا کر بھی لاتی، اور مجاہدین کو دیتی تھین، صرف ابوداؤد نے ذکر کیا ہے لیکن سند صحیح متصل سے ذکر کیا ہے، اس لئے شک کی گنجائش نہین، یون بھی عرب کی مستورات سے کم سے کم یہی توقع کیجا سکتی ہے،

چونکہ معلوم تھا کہ غطفان اہل خیبر کی مدد کو آئین گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام رجیع مین فوجین اُتارین جو غطفان اور خیبر کے بیچ مین ہے، اسباب، بار برداری، خیمہ و خرگاہ اور مستورات یہان چھوڑ دی گئین[1]، اور فوجین خیبر کی طرف بڑھین، غطفان یہ سُن کر کہ اسلامی

---

[1] تفصیل معجم البلدان ذکر رجیع مین ہے،

دیتے ہیں خیبر کی طرف بڑھ رہی ہیں، ہتھیار سج کر نکلے، لیکن آگے بڑھ کر جب ان کو معلوم ہوا کہ خود اُن کا گھر خطرہ میں ہے، تو واپس چلے گئے،[1]

خیبر میں چھ قلعے تھے، سالم، قموص، نطاۃ، قصارہ، شق، مربطہ، اور جیسا کہ یعقوبی نے تصریح کی ہے، اُن میں بیس ہزار سپاہی موجود تھے، ان سب میں قموص نہایت مضبوط، اور محفوظ قلعہ تھا، مرحب عرب کا مشہور پہلوان جو ہزار سوار کے برابر مانا جاتا تھا، اسی قلعہ کا رئیس[2] تھا، ابن ابی الحقیق کا خاندان جس نے مدینہ سے جلاوطن ہو کر خیبر کی ریاست حاصل کر لی تھی، یہیں رہتا تھا،

لشکرِ اسلام جب خیبر کے قریب یعنی مقام صہبا میں پہنچا تو نمازِ عصر کا وقت آچکا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ٹھہر کر نمازِ عصر ادا کی، پھر کھانا طلب فرمایا، رسد کا ذخیرہ صرف ستو تھا وہی آپ نے بھی پانی میں گھولکر نوش فرمایا،[3] رات ہوتے ہوتے، فوجِ اسلام خیبر کے سواد میں پہنچ گئی، عمارتیں نظر آئیں تو آپ نے صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ ٹھہر جاؤ، پھر خدا کا نام لے کر یہ دعا مانگی،

انا نسئلک خیر ھذہ القریۃ	اے خدا! ہم تجھ سے اس گاؤں کی اور
وخیر اھلھا وخیر ما فیھا و	گاؤں والوں کی اور گاؤں کی چیزوں
نعوذ بک من شرھا وشر اھلھا	کی بھلائی چاہتے ہیں اور ان سب کی برائیوں سے

[1] طبری ج ۳ ص ۱۵۷۵، اصل عبارت یہ ہے فبلغنی ان غطفان لما سمعت بمنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من خیبر جمعوا لہ ثم خرجوا لیظاھروا الیھود علیہ حتی اذا ساروا الخ [2] تاریخ یعقوبی جلد ۲ صفحہ ۵۶، [3] صحیح بخاری

وشر ما فیھا (ابن ہشام) پناہ مانگتے ہین،

ابنِ ہشام نے لکھا ہے کہ یہ آپؐ کا معمولِ عام تھا یعنی جب کسی مقام مین داخل ہوتے تھے، تو پہلے یہ دعا مانگ لیتے تھے، چونکہ سنتِ نبوی یہ تھی کہ رات کو کسی مقام پر حملہ نہیں کیا جاتا تھا، اس لئے یہ رات یہیں بسر کی، صبح کو خیبر مین داخلہ ہوا، یہودیون نے مستورات کو ایک محفوظ مقام مین پہنچا دیا، رسد اور غلہ قلعۂ ناعم مین یکجا کیا، اور فوجین قلعۂ نطاۃ اور قموص مین فراہم کین، سلام بن مشکم نضری بیمار تھا، تاہم اُس نے سب سے زیادہ حصہ لیا، اور خود قلعہ نطاۃ مین آکر فوج کی شرکت کی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصود جنگ نہ تھا، لیکن جب یہود نے بڑے سروسامان کے ساتھ جنگ کی تیاری کی تو آپ نے صحابہ کو مخاطب کرکے وعظ فرمایا، اور جہاد کی ترغیب دی، تاریخ خمیس مین اس موقع پر لکھا ہے

ولما تیقن النبی صلی اللہ علیہ وسلم	اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یقین ہو گیا
ان الیھود تحارب وعظ اصحابہ	کہ یہود لڑنے پر آمادہ ہین تو آپ نے صحابہ کو
ونصحھم وحرضھم علی الجھاد	نصیحت کی، اور جہاد کی ترغیب دی،

سب سے پہلے قلعۂ ناعم پر فوجین بڑھین، حضرت محمود بن مسلمہؓ نے بڑی دلیری سے حملہ کیا، دیر تک لڑتے رہے، لیکن چونکہ سخت گرمی تھی، تھک کر دم لینے کے لئے قلعہ کی دیوار کے سایہ مین بیٹھ گئے، کنانہ بن الربیع نے قلعہ کی فصیل سے چکی کا پاٹ اُن کے سر پر گرایا جس کے صدمہ سے

---

[1] صحیح بخاری مین اصل عبارت یہ ہے:- اذا اتی قوماً بلیل لم یغزبھم حتی یصبح (باب غزوۂ خیبر)

وفات پائی لیکن قلعہ بہت جلد فتح ہو گیا[1]،

ناعم کے بعد اور قلعے بآسانی فتح ہوتے گئے لیکن قلعہ قموص مرحب کا تخت گاہ تھا، اس مہم پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بھیجا لیکن دونوں ناکام واپس آئے، طبری میں روایت ہے، کہ جب خیبری قلعہ سے نکلے تو حضرت عمرؓ کے پاؤں نہ جم سکے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر شکایت کی، کہ فوج نے نامردی کی لیکن فوج نے اُن کی نسبت خود یہی شکایت کی،

اس روایت کو طبری نے جس سلسلۂ سند سے نقل کیا ہے، اس کے راوی عوف ہیں، اُن کو بہت سے لوگوں نے ثقہ کہا ہے لیکن بندار جب اُن کی روایت بیان کرتے تھے تو کہتے تھے، کہ "وہ رافضی اور شیطان تھا" یہ لفظ بہت سخت ہے، لیکن اُن کی شیعیت سب کو تسلیم ہے، اور گو شیعہ ہونا بے اعتباری کی دلیل نہیں، لیکن یہ ظاہر ہے کہ جس روایت میں حضرت عمرؓ کے بھاگنے کا واقعہ بیان کیا جائے شیعہ کی زبان سے اس روایت کا رتبہ کیا رہ جاتا ہے، اس کے علاوہ اوپر کے راوی عبداللہ بن بریدہ ہیں، جو اپنے والد سے روایت کرتے ہیں، لیکن محدثین کو اس بات میں شبہہ ہے کہ اُن کی جو روایتیں باپ کے سلسلہ سے منقول ہیں، صحیح بھی ہیں یا نہیں،

تاہم اس قدر ضرور ہے کہ اس مہم پر پہلے اور بڑے بڑے صحابہ بھیجے گئے تھے، لیکن فتح کا فخر کسی اور کی قسمت میں تھا، جب مہم میں زیادہ دیر ہوئی، تو ایک دن شام کو آنحضرت

---

[1] ابن ہشام نے دو موقعوں پر اس واقعہ کا الگ ٹکڑا لکھا ہے، یہ تفصیل خمیس سے لی گئی ہے،

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ کل مین اس شخص کو علم دون گا جس کے ہاتھ پر خدا فتح دے گا، اور جو خدا اور خدا کے رسول کو چاہتا ہے، اور خدا اور خدا کا رسول بھی اس کو چاہتے ہین[1] یہ رات تمنا امید اور انتظار کی رات تھی، صحابہ نے تمام رات اس بیقراری مین کاٹی کہ دیکھئے یہ تاج فخر کس کے ہاتھ آتا ہے، حضرت عمرؓ نے قناعت پسندی اور بلند نظری کی بنا پر کبھی حکومت اور سروری کی تمنا نہین کی لیکن جیسا کہ صحیح مسلم باب فضائل علیؓ مین مذکور ہے، اُن کو خود اعتراف ہے کہ اس موقع کی تمنا مین اُن کی خودداری بھی قائم نہ رہ سکی،

صبح کو دفعتہ یہ آواز کانون مین آئی کہ علیؓ کہان ہین؟ یہ بالکل غیر متوقع آواز تھی کیونکہ جناب موصوف کی آنکھون مین آشوب تھا، اور سب کو معلوم تھا کہ وہ جنگ سے معذور ہین، غرض حسب طلب وہ حاضر ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکی آنکھون مین اپنا لعاب دہن لگایا، اور دعا فرمائی، جب اُن کو علم عنایت ہوا تو انھون نے عرض کی کہ کیا یہود کو لڑکر مسلمان بنالین"، ارشاد ہوا کہ بہ نرمی اُن پر اسلام کو پیش کرو، اگر ایک شخص بھی تمھاری ہدایت سے اسلام لائے تو سُرخ اونٹون سے بہتر ہے[2]"

لیکن یہود اسلام یا صلح کے قبول کرنے پر راضی نہین ہوسکتے تھے، مرحب قلعہ سے رجز پڑھتا ہوا باہر نکلا،

قد علمت خیبر انی مرحب	خیبر جانتا ہے کہ مین مرحب ہون
شاکی السلاح بطل مجرب	دلیر ہون، تجربہ کار ہون، سلاح پوش ہون،

[1] یہ صحیح بخاری کے الفاظ ہین، [2] یہ واقعہ بہ تفصیل مذکور صحیح بخاری مین منقول ہے،

مرحب کے سر پر یمنی زرد رنگ کا مغفر اور اُس کے اوپر سنگی خود تھا، قدیم زمانہ مین گول پتھر بیچ سے خالی کر لیتے تھے، یہی خود کہلاتا تھا،

مرحب کے جواب مین حضرت علیؓ نے یہ رجز پڑھا،

انا الذی سمتنی امی حیدرہ	مین وہ ہون کہ میری مان نے میرا نام شیر رکھا تھا
کلیث غابات کریہ المنظرہ	مین شیر نیستان کی طرح مہیب بد منظر ہون

مرحب بڑے طمطراق سے آیا، لیکن حضرت علیؓ نے اس زور سے تلوار ماری کہ سر کو کاٹتی ہوئی دانتون تک اُتر آئی، اور ضرب کی آواز فوج تک پہنچی[۱] پہلوان کا مارا جانا عظیم الشان واقعہ تھا، اس لئے عجائب پسندی نے اس کے متعلق نہایت مبالغہ آمیز افواہین پھیلا دین، معالم التنزیل مین ہو کہ حضرت علیؓ نے جب تلوار ماری تو مرحب نے سپر پر روکا لیکن ذوالفقار خود اور سر کو کاٹتی ہوئی دانتون تک اُتر آئی، مرحب کے مارے جانے پر یہود نے جب عام حملہ کیا تو اتفاق سے حضرت علیؓ کے ہاتھ سے سپر چھوٹ کر گر پڑی، آپنے قلعہ کا در جو جو ہر تا پا پارہ سنگ تھا، اکھاڑ کر اُس سے سپر کا کام لیا، اس واقعہ کے بعد ابو رافع نے سات آدمیون کے ساتھ مل کر اُس کو اٹھانا چاہا تو جگہ سے بھی نہ ہل سکا" یہ روایتیں ابن اسحاق اور حاکم نے روایت کی ہین، لیکن بازاری قصے ہین، علامہ سخاوی نے مقاصد حسنہ مین تصریح کی ہے کہ

کلھا واھیۃ،	سب لغو روایتین ہین

[۱] طبری ص ۱۵۷۹، (یہ اشعار اور مختصر واقعات صحیح مسلم غزوۂ خیبر مین بھی ہین)

علامۂ ذہبی نے میزان الاعتدال مین علی بن احمد فروخ کے حال مین اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ "یہ روایت منکر ہے" ابن ہشام نے جن سلسلون سے یہ روایتین نقل کی ہین، اُن مین سے ایک روایت مین تو بیچ کے ایک راوی کا نام سرے سے چھوڑ دیا ہے۔ اور دوسرے مین اس مشترک نقص کے ساتھ بریدہ بن سفیان بھی ایک راوی ہین، جن کو امام بخاری اور ابو داؤد اور دارقطنی قابل احتجاج نہین[1] سمجھتے،

ابن اسحاق، موسیٰ بن عقبہ اور واقدی کا بیان ہے کہ مرحب کو محمد بن مسلمہ نے مارا تھا، مسند ابن حنبل اور نووی شرح صحیح مسلم مین بھی ایک روایت ہے لیکن صحیح مسلم (اور حاکم ج ۲ ص ۳۹) مین حضرت علیؓ ہی کو مرحب کا قاتل اور فاتح خیبر لکھا ہے اور یہی اصح از روایات ہین۔

غرض یہ قلعہ (قموص) ۲۰ دن کے محاصرہ کے بعد فتح ہو گیا، ان معرکون مین ۹۳ یہود مارے گئے، جن مین حارث، مرحب، اسیر، یاسر، عامر زیادہ مشہور ہین، صحابہ مین ۱۵ بزرگون نے شہادت حاصل کی جن کے نام ابن سعد نے بتفصیل لکھے ہین :-

فتح کے بعد زمین مفتوحہ پر قبضہ کر لیا گیا، لیکن یہود نے درخواست کی کہ زمین ہمارے قبضہ مین رہنے دی جائے، ہم پیداوار کا نصف حصہ ادا کرین گے، یہ درخواست منظور ہوئی، بٹائی کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عبداللہ بن رواحہؓ کو بھیجتے تھے، وہ غلہ کو دو حصون مین تقسیم کر کے یہود سے کہتے تھے کہ اس مین سے جو حصہ چاہو لے لو، یہود اس عدل پر متحیر ہو کر کہتے تھے کہ زمین اور آسمان ایسے ہی عدل سے قائم ہین[2]، خیبر کی زمین تمام مجاہدین پر

---

[1] میزان الاعتدال ترجمہ بریدہ بن سفیان۔ [2] فتوح البلدان بلاذری (ص ۲۷) فتح خیبر و طبری ص ۱۵۸۲

جو اس جنگ مین شریک تھے تقسیم کر دی گئی، اسی مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خمس بھی تھا،

عام روایت ہو کہ مال غنیمت مین سے خمس کے علاوہ ایک حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خاص طور پر کر لیا جاتا تھا جس کو "صفی" کہتے ہین، اس بنا پر حضرت صفیہؓ (زوجہ کنانہ ابن الربیع) کو آپنے لے لیا، اور آزاد کر کے اُن سے نکاح کر لیا،

حضرت صفیہؓ کے واقعہ کی تحقیق

حضرت صفیہؓ کی نسبت بعض کتب حدیث و سیر مین یہ واقعہ مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اُن کو دحیہ کلبیؓ کو دیا تھا، پھر کسی نے ان کے حسن کی تعریف کی تو اُن سے مانگ لیا، اور اس کے معاوضہ مین اُن کو سات لونڈیان دین، مخالفین نے اس روایت کو نہایت بدنما پیرایہ مین ادا کیا ہے، اور جب اصل روایت مین اتنی بات موجود ہے، تو ظاہر ہے کہ مخالف اس سے کہان تک کام لے سکتا ہے،

حقیقت یہ ہو کہ حضرت صفیہؓ کا یہ واقعہ حضرت انسؓ سے منقول ہے کہ لیکن خود حضرت انسؓ سے متعدد روایتین ہین، اور وہ باہم مختلف ہین، بخاری کی جو روایت غزوۂ خیبر کے ذکر مین ہو، اس مین یہ تصریح ہو کہ جب قلعۂ خیبر فتح ہوا تو لوگون نے آپکے سامنے حضرت صفیہؓ کے حسن کا ذکر کیا، آپنے اُن کو اپنے لئے لے لیا اصلی الفاظ یہ ہین،

فَلَمَّا فتح الله عليه الحصن (جب خدا نے قلعہ فتح کرا دیا تو لوگون نے

(بقیہ حاشیہ ص ۴۹۰) (اصل روایت ابو داؤد باب المساقات مین موجود ہے)

ذكر له جمال صفية بنت حيي بن اخطب وقد قتل زوجها وكانت عروسا فاصطفاها النبي صلى الله عليه وسلم لنفسه

آپ سے صفیہ بنت حیی کے حسن وجمال کی تعریف کی اس کا شوہر اس جنگ مین مارا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے لئے پسند کرلیا)

لیکن بخاری کتاب الصلوٰۃ (باب ما یذکر فی الفخذ) صحیح مسلم باب فضل عتق الامۃ) مین خود حضرت انسؓ کی یہی روایت اس طریقہ سے منقول ہے کہ جب لڑائی کے بعد قیدی جمع کئے گئے، تو حضرت دحیہ کلبیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ ان مین سے ایک لونڈی مجھ کو عنایت ہو، آپ نے ان کو اختیار دیا کہ خود جاکر کوئی لونڈی لے لو، انھون نے حضرت صفیہؓ کو انتخاب کیا، لیکن لوگون کو اعتراض ہوا، ایک شخص نے آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

يا نبي الله اعطيت دحية صفية بنت حيي سيدة قريظة والنضير لا تصلح الا لك،

اے پیغمبر خدا! آپ نے صفیہ کو دحیہ کے حوالہ کیا، وہ قریظہ اور نضیر کی رئیسہ ہے آپ کے سوا اور کوئی اس کے لائق نہین،

اس کے بعد آپ نے حضرت صفیہؓ کو آزاد کرکے ان سے نکاح کرلیا، ابوداؤد[2] مین یہ دونون روایتین ہین، اور دونون حضرت انسؓ سے مروی ہین، ابوداؤد کی شرح مین مازری (مشہور محدث) کا یہ قول نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صفیہؓ کو

(۱) صحیح مسلم جلد اص ۵۴۵ باب فضل عتق الامۃ ثم التزوج بہا) (۲) ابوداؤد باب ما جاء فی سہم الصفی)

اس لئے حضرت دحیہؓ سے لے کر اُن سے عقد کیا کہ

لما فیہ من انتھا کھا مع مرتبتھا وکونھا بنت سید ھم،	چونکہ وہ عالی رتبہ اور رئیس بیوہ کی صاحبزادی تھیں، اس لئے اُن کا کسی اور کے پاس جانا اُن کی توہین تھی،

حافظ ابن حجر نے بھی فتح الباری میں اس کے قریب قریب لکھا ہے:

یہ ظاہر ہے کہ حضرت صفیہؓ خاندان کے تباہ ہونے کے بعد خاندان سے باہر بیوی یا کنیز بن کر رہتیں وہ رئیس خیبر کی بیٹی تھیں، اُن کا شوہر بھی قبیلۂ نضیر کا رئیس تھا، باپ اور شوہر دونوں قتل کئے جا چکے تھے، اس حالت میں اُن کے پاس خاطر، حفظِ مراتب، اور رفعِ غم کے لحاظ اس کے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو اپنے عقد میں لے لیں، وہ کنیز ہو کر بھی رہ سکتی تھیں لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی خاندانی عزت کے لحاظ سے اُن کو آزاد کر دیا، اور پھر نکاح پڑھایا (بلکہ مسند ابن حنبل میں ہے کہ آپ نے اُن کو اختیار دیا کہ وہ آزاد ہو کر اپنے گھر چلی جائیں، یا آپ کے نکاح میں آنا قبول کریں، انھوں نے دوسری صورت پسند کی یعنی یہ کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آجائیں[۱]) حسنِ خلق، رحم، اور مصیبت زدہ کی چارہ نوازی کے علاوہ سیاسی اور مذہبی حیثیت سے بھی یہ کارروائی نہایت موزوں اور بجا تھی، اس قسم کے طرزِ عمل سے عرب کو اسلام کی طرف رغبت اور کشش ہوتی تھی کہ اسلام اپنے دشمنوں کے ورثہ کے ساتھ بھی کس قسم کا محسنانہ اور ہمدردانہ سلوک کرتا ہے،

(۱) مسند ابن حنبل ج ۳ ص ۱۳۸ مصر انس"

غزوہ بنی المصطلق مین حضرت جویریہؓ کے ساتھ بھی یہی واقعہ پیش آیا اور اس سلوک کا جو اثر ہوا وہ اوپر گذر چکا ہے،

فتح کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند روز خیبر مین قیام کیا، اگرچہ یہود کو کامل امن و امان دیا گیا، اور اُن کے ساتھ ہر طرح کی مراعات کی گئی تاہم اُن کا طرزِ عمل مفسدانہ اور باغیانہ رہا، پہلا دیباچہ یہ تھا کہ ایک دن زینب نے جو سلام بن مشکم کی بیوی اور مرحب کی بھاوج تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند صحابہ کے ساتھ دعوت کی، آپنے فرطِ کرم سے قبول فرمایا، زینب نے کھانے مین زہر ملا دیا تھا، آپنے ایک لقمہ کھا کر ہاتھ کھینچ لیا، لیکن حضرت بشرؓ بن براء نے پیٹ بھر کر کھایا، اور زہر کے اثر سے بالآخر ہلاک ہو گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زینب کو بلا کر پوچھا، اُس نے جرم کا اقبال کیا، یہود نے کہا، ہم نے اس لئے زہر دیا کہ اگر آپ پیغمبر ہین تو زہر خود اثر نہ کرے گا، اور پیغمبر نہین ہین تو ہم کو آپ کے ہاتھ سے نجات مل جائیگی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کبھی اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام نہین لیتے تھے، اس بنا پر آپنے زینب سے تعرض نہین فرمایا، لیکن جب دو تین دن کے بعد حضرت بشرؓ زہر کے اثر سے انتقال کر گئے تو وہ قصاص مین قتل کر دی گئی،

ایک دفعہ صحابہ مین سے حضرت عبداللہؓ بن سہیل اور حضرت محیصہؓ قحط سالی کے زمانہ مین خیبر گئے، یہود نے حضرت عبداللہؓ کو دھوکہ سے قتل کر کے ایک نہر مین ڈال دیا، حضرت محیصہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر واقعہ بیان کیا، آپنے فرمایا کہ تم قسم کھا سکتے ہو کہ یہودیون نے قتل کیا؟ عرض کیا کہ حضور وہ تو پچاس مسلمانون کو قتل کر کے بھی جھوٹی قسم کھا لینگے،

غرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے تعرض نہین کیا، اور بیت المال سے مقتولون کا خون بہا دلادیا،

حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت مین یہود نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو سوتے مین کوٹھے پر سے گرادیا کہ اُن کا ہاتھ اور پاؤن ٹوٹ گیا، اس طرح ہمیشہ فساد انگیزیان کرتے رہے تھے، مجبور ہو کر حضرت عمرؓ نے اُن کو شام کے اضلاع مین جلاوطن کردیا[1] (یہ جملۂ معترضہ سلسلۂ کلام مین آگیا تھا)

خیبر کے واقعات مین ارباب سیر نے ایک سخت غلط روایت نقل کی ہے اور وہ اکثر کتابون مین منقول ہو کر متداول ہوگئی ہے، یعنی یہ کہ اول آپ نے یہود کو اس شرط پر امن عام دیا تھا کہ کوئی چیز نہ چھپائیں گے، لیکن جب کنانہ بن الربیع نے خزانہ بتانے سے انکار کیا تو آپنے حضرت زبیرؓ کو حکم دیا کہ سختی کرکے اس سے خزانہ کا پتہ لگائین حضرت زبیرؓ چقماق جلا کر اس کے سینے کو داغتے تھے، یہان تک کہ اُس کی جان نکلنے کے قریب ہوگئی[2]، بالآخر آپنے کنانہ کو قتل کرادیا۔ اور تمام یہودی لونڈی غلام بنا لیے گئے[3]،

اس روایت کا اس قدر حصہ صحیح ہے کہ کنانہ قتل کردیا گیا لیکن اُس کی وجہ یہ نہین کہ وہ خزانہ بتانے سے انکار کرتا تھا، بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا

---

[1] فتوح البلدان بلاذری (ص ۲۸) اور صحیح بخاری مطبوعۂ مصطفائی، جلد اول ص ۳۱۰ (باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک) [2] یہ پوری تفصیل تاریخ طبری مین مذکور ہے، ابن ہشام مین بھی اس کے قریب قریب ہے [3] فتوح البلدان بلاذری (ص ۲۴)

طبری مین تصریح ہی:-

ثم دفعه رسول الله الی محمد	پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنانہ کو محمد
بن مسلمة فضرب عنقه باخيه	ابن مسلمہ کے حوالہ کیا، انھون نے اپنے بھائی
محمود بن مسلمة (صفحہ ۱۵۸۲)	محمود بن مسلمہ کے قصاص مین اسکو قتل کردیا'

باقی روایت کا یہ حال ہے کہ یہ روایت طبری اور ابن ہشام دونون نے ابن اسحاق سے روایت کی ہے لیکن ابن اسحاق نے اوپر کے کسی راوی کا نام نہین بتایا، محدثین نے رجال کی کتابون مین تصریح کی ہے کہ ابن اسحاق یہودیون سے مغازی نبوی کے واقعات روایت کرتے تھے، اس روایت کو بھی انھی روایتون مین سمجھنا چاہئے، اور یہی وجہ ہی کہ ابن اسحاق ان راویون کا نام نہین لیتے،

کسی شخص پر خزانہ بتانے کے لئے اس قدر سختی کرنا کہ اس کے سینہ پر چقماق سے آگ جھاڑی جائے رحمۃ للعالمین صلعم کی شان اس سے بہت ارفع ہی،

وہی شخص جو اپنے زہر دینے والے سے مطلق تعرض نہین کرتا، کیا چند سکّون کے لئے کسی کو آگ سے جلانے کا حکم دیسکتا ہی؟

اصل واقعہ اس قدر تھا کہ کنانہ بن ابی الحقیق کو اس شرط پر امان دی گئی تھی کہ کسی قسم کی بدعہدی اور خلاف بیانی نہ کرے گا (بلکہ ایک روایت مین ہی کہ) اُس نے یہ بھی منظور کیا تھا کہ اگر اس کے خلاف اُس نے کچھ کیا تو وہ قتل کا مستحق ہوگا۔[1]

---

[1] ابو داؤد باب حکم ارض خیبر، طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر ص ۱۱ سطر ۲۲

کنانہ نے بدعہدی کی اور جو امن اس کو دیا گیا تھا، ٹوٹ گیا، کنانہ نے محمود بن مسلمہ کو قتل کیا تھا، اب اُس کے قصاص مین وہ قتل کر دیا گیا جیسا کہ ابھی ہم نے طبری کی روایت سے نقل کیا ہی، اب دیکھو اس روایت مین کیا کیا واقعات اضافہ ہوگئے،

(۱) قتل کا واقعہ کنانہ کے ساتھ خاص تھا، خزانہ کے چھپانے کا وہی مجرم تھا، محمود ابن مسلمہ کو اُسی نے قتل کیا تھا، اس لئے وہی قتل بھی کیا جا سکتا تھا، اضافہ کا پہلا قدم یہ ہو کہ ابن سعد نے بکر بن عبد الرحمن سے جو روایت متصل نقل کی ہے اس مین کنانہ کے ساتھ اس کے بھائی کا بھی نام بڑھا دیا ہو یعنی دونون قتل کئے گئے،

فضرب اعناقهما وسبى	تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونون کو قتل کرادیا،
اهليهما[1]،	اُن کی عورتون اور بچّون کو لونڈی غلام بنایا،

(۲) یہان تک بھی خیریت تھی، لیکن ابن سعد نے عفان بن مسلم سے جو روایت نقل کی ہی وہ اس سے بھی زیادہ وسیع ہوگئی ہے یعنی دونون بھائیون کے ساتھ تمام یہودی گرفتار ہو، لونڈی غلام بنالئے گئے،

فَلَمَّا وَجَدَ المال الذی	تو جب وہ خزانہ مل گیا جس کو انھون نے اونٹ
غيبوه فی مسك الجمل سبى	کی کھال مین چھپا رکھا تھا تو ان کی عورتین
نِسَاءَ هُمْ[2]	گرفتار کین اور لونڈیان بنالین،

لیکن جب یہ روایتین محدثانہ اصولِ تنقید سے جانچی جاتی ہین تو چھلکے اُترتے جاتے

---

[1] طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر ص ۱۸ سطر ۲، [2] طبقات ابن سعد غزوۂ خیبر ص ۲۰،

ہین اور اصل حقیقت رہ جاتی ہے، یہود کا قتل اور زن و بچہ کا گرفتار ہونا ایک طرف، خود صحیح بخاری سے ثابت ہوکہ کنانہ کا بھائی تک قتل نہین کیا گیا، اور حضرت عمرؓ کے زمانۂ خلافت تک موجود تھا،

صحیح بخاری مین ہے،

فَلَمَّا اجمع عمر علیٰ ذلک اتاہ	پھر جب حضرت عمرؓ نے یہ ارادہ کرلیا تو
احد بنی ابی الحقیق فقال	ابوالحقیق کا ایک بیٹا اُن کے پاس آیا
یا امیر المؤمنین اتخرجنا	اور کہا کہ امیرالمومنین آپ ہم کو نکالتے
وَقد اقرنا محمد و عاملنا	ہین حالانکہ ہم کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے رہنے
علی الاموال[1]	دیا تھا، اور خراج پر معاملہ کیا تھا،

حافظ ابن حجر نے فتح الباری مین تصریح کی ہے کہ یہ وہی کنانہ بن ابی الحقیق کا بھائی تھا،

حافظ ابن قیم نے زاد المعاد مین عام روایتون کی وسعت کو گھٹا کر اس حد تک پہنچایا کہ

ولم یقتل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح کے بعد
بعد الصلح الا ابنی ابی الحقیق	ابن ابی الحقیق کے دونون بیٹون کے سوا
(ذکر غزوۂ خیبر)	اور کسی کو قتل نہین کیا،

لیکن حافظ موصوف کو اگر صحیح بخاری کی عبارت مذکورۂ بالا پیش نظر ہوتی تو غالباً یہ تعداد اور بھی گھٹ جاتی،

---

[1] صحیح بخاری جلد اول مطبع مصطفائی ص ۳۷۷، باب اذا اشترط فی المزارعۃ اذا شئت اخرجتک،

ابوداؤد مین جہان ارض خیبر کا عنوان باندھا ہے صرف ابن ابی الحقیق کا قتل کیا جانا لکھا ہی یہ نکتہ بھی لحوظ رکھنا چاہئے کہ ابوداؤد مین لکھا ہی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سعیۃ (حیی بن اخطب کے چچا) سے پوچھا تھا کہ وہ خزانہ کیا ہوا؟ اُس نے کہا لڑائیون مین صرف ہوگیا، باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف کنانہ کے قتل کا حکم دیا، یہ اس بات کی صاف دلیل ہی کہ کنانہ کا قتل محمود بن مسلمہ کے قصاص مین ہوا تھا، ورنہ اگر خزانہ کے چھپانے کا جرم قتل کا سبب ہوتا تو اس جرم کے مجرم اور بھی تھے،

مورخین نے پہلی غلطی یہ کی کہ کنانہ کے قتل کا سبب اخفاے خزانہ سمجھے اور چونکہ اس جرم مین اور لوگ بھی شریک تھے، اس لئے یہ تعمیم خود بخود پیدا ہوگئی کہ کنانہ کا تمام خاندان قتل کر دیا گیا،

ایک اہم نکتہ

اس قدر عموماً مسلم ہے کہ خیبر کا واقعہ محرّم مین پیش آیا یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب اس ارادہ سے مدینہ سے نکلے تو محرّم کی آخر یا اخیر تاریخین تھین، محرّم مین لڑائی شرعاً ممنوع ہی، اس لئے محدثین اور فقہار مین اُس کی توجیہ کے متعلق اختلاف پیدا ہوا، بہت سے فقہا کا یہ مذہب ہی کہ اوائل مین البتہ ان مہینون مین لڑائی شرعاً ممنوع تھی، لیکن پھر وہ حکم منسوخ ہوگیا، علامہ ابن قیم نے لکھا ہی کہ حرمت کا پہلا حکم جو نازل ہوا تھا وہ اس آیت کے رو سے تھا،

قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (بقرہ - ۲۷)

کہدو کہ اس مہینہ مین لڑنا بڑا گناہ ہی اور خدا کی راہ سے روکنا ہی

پھر سورۂ مائدہ مین یہ آیت اتری :-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحِلُّوْا شَعَآئِرَ

مسلمانو خدا کی حدبندیون کی اور ماہ حرام

اللّٰہِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ، (مائدہ ۱) | کی بے حرمتی نہ کرو،

یہ پچھلی آیت پہلی آیت کے آٹھ برس بعد نازل ہوئی، اس وسیع زمانہ تک تو حرمت کا حکم باقی رہا، اب وہ کونسی آیت یا حدیث ہے جس سے یہ حکم منسوخ ہو گیا،

وَلَيْسَ فِي كِتَابِ اللّٰهِ وَلَا سُنَّةِ رَسُولِهٖ نَاسِخٌ لِحُكْمِهَا، | اور خدا کی کتاب اور حدیث میں ان آیتوں کے حکم کا کوئی ناسخ نہیں،

مجوزین نے یہ استدلال کیا ہے کہ فتحِ حرم، طائف کا محاصرہ، بیعتِ رضوان، یہ سب ماہِ حرام مین ہوئے تھے، اس لئے اگر ماہِ حرام مین لڑائی جائز نہ ہوتی، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو کیونکر جائز رکھتے، حافظ ابن القیم نے جواب دیا ہے کہ ماہِ حرام مین ابتداءً جنگ کرنا حرام ہے لیکن اگر دشمن کا مدافعہ مقصود ہے تو بالاتفاق جائز ہے، وہ سب واقعات دفاعی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پیش دستی نہین کی تھی، بلکہ دفاع کیا گیا تھا، بیعتِ رضوان اس لئے لی گئی تھی کہ یہ خبر مشہور ہو گئی تھی کہ کفار نے حضرت عثمانؓ کو (جو سفیر ہو کر گئے تھے) قتل کر دیا، طائف کا محاصرہ کوئی مستقل جنگ نہ تھی بلکہ غزوۂ حنین کا بقیہ تھا، جس مین خود کفار ہر طرف سے جمع ہو کر حملہ آور ہوئے تھے، فتحِ حرم کا واقعہ حدیبیہ کی شکست کا نتیجہ تھا جس کی ابتدا قریش نے کی تھی[1]،

حافظ ابن قیم نے نہایت صحیح جواب دیا، لیکن خاص خیبر کے معاملہ مین وہ اس گرہ کو نہ کھول سکے، اور بحث نامنفصل رہ گئی، حافظ ابن القیم کے استاد علامہ ابن تیمیہ کو بھی اس موقع پر اشتباہ ہوا، انھون نے الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح میں لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس قدر لڑائیان کین، سب دفاعی تھین،

---

[1] زاد المعاد ذکر غزوہ خیبر۔

صرف بدر اور خیبر اس سے مستثنیٰ ہیں، لیکن اگر علامۂ موصوف زیادہ استقصاء کرتے، تو ثابت ہوتا کہ بدر اور خیبر بھی مستثنیٰ نہیں، بدر کا بیان اوپر گذر چکا ہے خیبر کے ماسبق واقعات کو ترتیب دے کر دیکھو تو صاف نظر آئے گا کہ یہود اور غطفان مدینہ پر حملہ کی تیاریاں کر چکے تھے،

تقسیمِ زمین خیبر کی زمین دو برابر حصوں میں تقسیم کی گئی، نصف بیت المال، مہمانی، اور سفارت وغیرہ کے مصارف کے لئے خاص کر لیا گیا، باقی نصف مجاہدین پر جو اس غزوہ میں شریک تھے، مساوی حصوں میں تقسیم کیا گیا، کل فوج کی تعداد چودہ سو (۱۴۰۰) تھی، دو سو (۲۰۰) سوار تھے، سواروں کو گھوڑوں کے مصارف کے لئے پیدل سے دوگنا ملتا تھا، اس بنا پر یہ تعداد اٹھارہ سو کے برابر تھی، اس حساب سے کل جائداد کے اٹھارہ سو (۱۸۰۰) حصے کئے گئے، اور ہر مجاہد کے حصہ میں ایک حصہ آیا، جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی عام مجاہدین کے برابر ایک ہی حصہ ملا،[1]

ولرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل سھم واحد منھم،[2]	اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی عام لوگوں کی طرح ایک حصہ تھا،

ملکی حالت اور احکامِ فقہی، خیبر کی فتح سے اسلام کی ملکی اور سیاسی حالت کا نیا دور شروع ہوتا ہے، اسلام کے حقیقی دشمن صرف دو تھے، مشرکین اور یہود، عیسائی اگرچہ عرب میں موجود تھے لیکن وہ کچھ زور اور اثر نہیں رکھتے تھے، مشرکین اور یہود اگرچہ مذہبًا باہم مختلف تھے لیکن سیاسی اسباب کی بنا پر اُن میں اتحاد پیدا ہو گیا تھا، مدینہ کے یہود عمومًا انصار کے حلیف تھے، اسی طرح خیبر کے یہود غطفان کے حلیف تھے، اب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ کے لئے مکہ اور مدینہ کے مشرکین

---

[1] فتوح البلدان بلاذری ذکر غزوۂ خیبر (ابوداؤد حکم ارضِ خیبر میں ہے) النبی صلی اللہ علیہ وسلم معھم لہ سھم کسھم احدھم) "س"
[2] ایضاً

اور منافقین سب مل کر نفس واحدۃ ہو گئے، خیبر کی فتح کے بعد یہود کی قوت بالکل ٹوٹ گئی، اور مشرکین کا ایک بازو جاتا رہا،

اب تک اسلام چاروں طرف سے نرغہ کی حالت مین تھا، اس بنا پر بجز عقائد اور ضروری عبادات کے شریعت کے اور احکام کی تاسیس و تعلیم کا موقع نہ تھا، شریعت کے احکام جیسا کہ حضرت عائشہ رضؓ نے فرمایا ہی، حالات کے اقتضار سے تبدریج آئے ہین چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئے گی، خیبر کی فتح سے ادھر تو یہود کی فتنہ انگیزیون سے نجات ملی، ادھر حدیبیہ کی صلح سے مشرکین کی طرف سے فی الجملہ اطمینان حاصل ہوا، اس بنا پر اب سلمان جدید فقہی احکام کی تعمیل کے قابل ہو چکے تھے،

ارباب سیر نے غزوۂ خیبر کے تذکرہ مین عموماً ذکر کیا ہے، کہ اس موقع پر متعدد جدید فقہی حکام نازل[1] ہوئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی تبلیغ کی، اُن کی تفصیل یہ ہی:-

(۱) پنجہ دار پرند حرام ہو گئے،

(۲) درندہ جانور حرام کر دیئے گئے،

(۳) گدہا اور خچر حرام کر دیا گیا،

(۴) اب تک معمول تھا کہ لونڈیون سے فوراً تمتع جائز سمجھا جاتا تھا اب استبراء کی قید ہو گئی، یعنی اگر وہ حاملہ ہے تو وضع حمل تک، ورنہ ایک مہینہ تک تمتع جائز نہین،

(۵) چاندی سونے کا بہ تفاضل خریدنا حرام ہوا،

[1] یہان نزول سے وحی متلو یعنی قرآن مراد نہین ہے،

(۹) بعض روایتون مین ہے کہ متعہ بھی اسی غزوہ مین حرام ہوا،

وادی القریٰ اور فدک تیما اور خیبر کے درمیان ایک وادی ہی جس مین بہت سی بستیان آباد ہین،
اس کو وادی القریٰ کہتے ہین، قدیم زمانہ مین عاد و ثمود یہان آباد تھے، یاقوت نے معجم البلدان
مین لکھا ہے کہ عاد و ثمود کے آثارات اب بھی باقی ہین، اسلام سے پہلے ان بستیون مین یہود
آکر آباد ہوئے، اور زراعت اور آب رسانی کو بہت ترقی دی، اور اب یہ یہود کا مخصوص مرکز
بن گیا تھا،[1]

خیبر کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی القریٰ کا رُخ کیا لیکن لڑنا مقصود نہ تھا،
مگر یہود پہلے سے تیار تھے، انھون نے فوراً تیر اندازی شروع کر دی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا
محمل آپ کے غلام (حضرت مدعمؓ) اُتار رہے تھے، کہ ایک تیر آیا، اور وہ جان بحق ہوئے، عام مورخین
نے یہود کی تیاری کا ذکر نہین کیا ہے لیکن امام بیہقی نے صاف تصریح کی ہے،

وَقد استقبلتنا یهود بالرحی وَلَم — یہود ہمارے مقابلہ کو تیر چلاتے ہوئے نکلے،
نکن علی تعبیۃ،[2] — اور ہم تیار نہ تھے،

بہرحال جنگ شروع ہو گئی لیکن تھوڑے سے مقابلہ کے بعد یہود نے سپر ڈال دی،
اور خیبر کے شرائط کے موافق صلح ہو گئی،

اداے عمرہ صلح حدیبیہ مین قریش سے معاہدہ ہوا تھا کہ اگلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ
مین آکر عمرہ ادا کرین گے، اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائین گے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

[1] معجم البلدان لفظ قریٰ (جلد ۷ ص ۳۰)، [2] زرقانی بر مواہب بحوالہ بیہقی باب بلحاذ کر غلول (ص ۲۱۳)

نے اس سال عمرہ ادا کرنا چاہا اور اعلان کرا دیا کہ جو لوگ واقعی حدیبیہ مین شریک تھے اُن مین سے کوئی رہ نہ جائے، چنانچہ بجز اُن لوگون کے جو اس اثنا مین مرچکے تھے، سب نے یہ سعادت حاصل کی،

معاہدہ مین شرط تھی کہ مسلمان مکہ مین آئین تو ہتھیار ساتھ نہ لائین، اس لئے اسلحہ جنگ بطن یاجج مین جو مکہ سے آٹھ میل ادھر ہے، چھوڑ دئیے گئے، اور دو سو سوارون کا ایک دستہ اسلحہ کی حفاظت کے لئے متعین کر دیا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لبیک کہتے ہوئے حرم کی طرف بڑھے حضرت عبد اللہ بن رواحہؓ اونٹ کی مہار تھامے ہوئے آگے آگے یہ رجز پڑھتے جاتے تھے،[1]

خلوا بنی الکفار عن سبیلہ	کافرو! سامنے سے ہٹ جاؤ،
الیوم نضربکم علی تنزیلہ	آج جو تم قرآن نہ ماننے دو گے تو ہم تلوار کا وار کرینگے
ضربا یزیل الھام عن مقیلہ	وہ وار جو سر کو خوابگاہ سر سے الگ کر دے
ویذھل الخلیل عن خلیلہ	اور دوست کے دل سے دوست کی یاد بھلا دے

صحابہ کا جمِ غفیر ساتھ تھا، اور برسون کی دیرینہ تمنا، اور فرضِ مذہبی بڑے جوش کیساتھ ادا کر رہا تھا، اہلِ مکہ کا خیال تھا کہ مسلمانون کو مدینہ کی آب ہوا نے کمزور کر دیا ہے، اس بناء پر آپ نے حکم دیا کہ لوگ طواف کے تین پہلے پھیرون مین اکڑتے ہوئے چلین، عربی زبان مین اس کو "رمل" کہتے ہین، چنانچہ آج تک یہ سنت باقی ہے،

اہلِ مکہ نے اگرچہ چار ناچار عمرہ کی اجازت دیدی تھی، تاہم اُن کی آنکھین اس منظر کے

---

[1] یہ اشعار اور یہ واقعہ ترمذی نے شمائل مین نقل کیا ہے،

دیکھنے کی تاب نہین لاسکتی تھین، رؤسائے قریش نے عموماً شہر خالی کر دیا اور پہاڑون پر چلے گئے تین دن کے بعد حضرت علیؓ کے پاس آئے اور کہا محمد سے کہدو کہ شرط پوری ہو چکی اب مکہ سے نکل جائین، حضرت علیؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی آپ اسی وقت روانہ ہو گئے، چلتے وقت حمزہؓ کی صغیر السن صاجزادی امامہ جو مکہ مین رہ گئی تھین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس "چچا چچا"[1] کہتی دوڑی آئین، حضرت علیؓ نے ہاتھون مین اٹھا لیا، لیکن حضرت جعفر (حضرت علیؓ کے بھائی) اور زید بن حارثہؓ نے اپنے دعوے پیش کئے، حضرت جعفرؓ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی لڑکی ہی زیدؓ کہتے تھے کہ حمزہؓ میرے مذہبی بھائی تھے، اس رشتہ سے یہ میری بھتیجی ہے، حضرت علیؓ کو دعویٰ تھا کہ میری ہمشیرہ بھی ہے اور پہلے میری ہی گود مین آئی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کے دعوے مساوی الدرجہ دیکھ کر اُن کو اسماء کی گود مین دیا، وہ امامہ کی خالہ تھین، پھر فرمایا کہ خالہ مان کے برابر ہوتی ہے"[2]

---

[1] آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رشتہ مین اُن کے بھائی تھے لیکن انھون نے تعظیماً کہا دیا اس لئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حمزہؓ دونون رضاعی بھائی تھے) [2] اس واقعہ کا بڑا حصہ صحیح بخاری سے ماخوذ ہی بعض زائد تفصیلین زرقانی سے لی گئی ہین، جو کتب حدیث کے حوالہ سے زرقانی نے نقل کی ہین،

۸ھ

غزوہ موتہ

جمادی الاولیٰ ۸ھ

موتہ شام میں ایک مقام کا نام ہے جو بلقا سے اس طرف ہے، عرب میں جو مشرقی تلواریں مشہور ہیں وہ یہیں بنتی تھیں[1]، کثیر مشہور شاعر کہتا ہے،

صوادہ یجلوھا بموتۃ صیقل (وہ تلواریں جن کو موتہ میں صیقل گر جلا دیتا ہے)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شاہ بصریٰ یا قیصر روم کے نام ایک خط لکھا تھا، عرب اور شام کے سرحدی علاقوں میں جو عرب رؤسا حکمران تھے، اُن میں ایک شرحبیل بن عمرو بھی تھا جو اسی علاقہ بلقا کا رئیس اور قیصر کا ماتحت تھا، یہ عربی خاندان ایک مدت سے عیسائی تھا اور شام کے سرحدی مقامات میں حکمران تھا، یہ خط حارث بن عمیر لے کر گئے تھے، شرحبیل نے ان کو قتل کر دیا، اس کے قصاص کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ہزار فوج تیار کر کے شام کی طرف روانہ کی، زید بن حارثہ کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام تھے، سپہ سالاری ملی، اور ارشاد ہوا کہ اگر ان کو دولتِ شہادت نصیب ہو تو جعفر طیار، اور وہ بھی شہید ہو جائیں، تو عبداللہ بن رواحہ فوج کے

---

[1] معجم البلدان لفظ موتہ (ج ۸ ص ۱۹۰)

سردار ہوں[1]، حضرت زیدؓ غلام تھے، گو آزاد ہو چکے تھے، حضرت جعفرؓ طیار، حضرت علیؓ کے حقیقی بھائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرب خاص تھے، حضرت عبداللہؓ بن رواحہ معزز انصاری، اور مشہور شاعر تھے، اس بنا پر لوگوں کو تعجب ہوا کہ حضرت جعفرؓ و حضرت عبداللہؓ بن رواحہ کے ہوتے ہوئے حضرت زیدؓ کو افسر کرنا کس بنا پر ہی، چنانچہ لوگوں میں چرچے ہوئے[2]، لیکن اسلام جس مساوات عام کے قائم کرنے کے لئے آیا تھا، اس کے لئے اسی قسم کا ایثار درکار تھا، حضرت اسامہؓ کی مہم میں جس میں تمام مہاجرین کو شرکت کا حکم ہوا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی زیدؓ کے صاحبزادے حضرت اسامہؓ کو فوج کا افسر مقرر کیا تھا، اس وقت بھی لوگوں میں چرچے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو خطبہ دیا اور فرمایا کہ تم لوگوں نے اُن کی باپ کی افسری پر بھی اعتراض کیا تھا، حالانکہ یقیناً وہ افسری کے قابل تھے" چنانچہ صحیح بخاری بعث النبی صلی اللہ علیہ وسلم اسامۃ بن زید فی مرضہ الذی توفی فیہ (باب المغازی) میں بہ تفصیل یہ واقعہ منقول ہی،

گو یہ مہم قصاص لینے کی غرض سے تھی، لیکن چونکہ تمام مہمات کا اصلی محور تبلیغ اسلام تھا، ارشاد ہوا کہ پہلے اُن کو دعوتِ اسلام دی جائے[3]، اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو جنگ کی ضرورت نہیں، یہ بھی حکم ہوا کہ اظہار ہمدردی کے لئے اس مقام پر جانا جہاں حارث بن عمیرؓ نے ادائے فرض میں جان دی ہی، ثنیۃ الوداع تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود فوج کی مشایعت کے لئے تشریف لے گئے، صحابہ نے پکار کر دعا کی، کہ خدا سلامت اور کامیاب لائے،

فوج مدینہ سے روانہ ہوئی تو جاسوسوں نے شرحبیل کو خبر دی، جس نے مقابلہ کے لئے کم و بیش

[1] صحیح بخاری غزوۂ موتہ [2] فتح الباری جلد ۷ ص ۳۹۳ [3] طبقات ابن سعد (جزء مغازی ص ۹۳)

ایک لاکھ فوج تیار کی، ادھر خود قیصر روم (ہرقل) قبائل عرب کی بیشمار فوج لیکر مآب مین خیمہ زن ہوا، جو بلقاء کے اضلاع مین ہی، حضرت زیدؓ نے یہ حالات سُن کر چاہا کہ ان واقعات سے دربار رسالت کو اطلاع دیجائے اور حکم کا انتظار کیا جائے لیکن حضرت عبد اللہؓ بن رواحہ نے کہا، ہمارا اصل مقصد فتح نہین بلکہ دولت شہادت[۱] ہی جو ہر وقت حاصل ہو سکتی ہی، غرض یہ مختصر گروہ آگے بڑھا، اور ایک لاکھ فوج پر حملہ آور ہوا حضرت زیدؓ برچھیان کھا کر شہید ہوے، اُن کے بعد حضرت جعفرؓ نے علم ہاتھ مین لیا، گھوڑے سے اتر کر پہلے خود اپنے گھوڑے کے پاؤن پر تلوار ماری کہ اُس کی کونچین کٹ گئین، پھر اِس بے جگری سے لڑے کہ تلوارون سے چور ہو کر گر پڑے، حضرت عبد اللہؓ بن عمر کا بیان ہی کہ مین نے اُن کی لاش دیکھی تھی، تلوارون اور برچھیون[۲] کے نوّے زخم تھے لیکن سب کے سب سامنے کی جانب تھے، پشت نے یہ داغ نہین اٹھایا تھا، حضرت جعفرؓ کے بعد عبد اللہ بن رواحہ نے علم ہاتھ مین لیا، اور وہ بھی دادِ شجاعت دیکر شہید ہوے، اب حضرت خالدؓ سردار بنے، اور نہایت بہادری سے لڑے، صحیح بخاری مین ہی کہ آٹھ تلوارین اُن کے ہاتھ سے ٹوٹ ٹوٹ کر گرگئین[۳] لیکن ایک لاکھ سے تین ہزار کا کیا مقابلہ تھا، بڑی کامیابی یہی تھی کہ فوجون کو دشمن کی زد سے بچالائے، جب یہ شکست[۴] خوردہ فوج مدینہ کے قریب پہنچی، اور اہلِ شہر اُن کی مشایعت کو نکلے تو لوگ غمخواری کے بجائے اُن کے چہرون پر خاک پھینکتے تھے کہ او فرار یو! تم خدا کی راہ سے بھاگ آئے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کا سخت صدمہ ہوا حضرت جعفرؓ سے آپ کو خاص

(۱) ابن ہشام غزوۂ موتہ ص ۲ (۲) صحیح بخاری (۳) صحیح بخاری غزوۂ موتہ ص ۱ (۴) مصنف ابن اسحاق کی روایت پر اعتماد کر کے اس فوج کو شکست خوردہ لکھا ہی اور اُن کی واپسی پر اُن سب کو بلا امتیاز فراری ہونے کا مستحق ظاہر کیا ہے، لیکن جیسا کہ صحیح بخاری غزوۂ موتہ مین ہی کہ حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے ازروے وحی فرمایا کہ پھر اللہ کی ایک تلوار یعنی خالد سیف اللہ

محبت تھی، اُن کی شہادت کا نہایت قلق تھا، آپؐ مسجد مین جاکر غمزدہ بیٹھے، اسی حالت مین ایک شخص نے آکر کہا کہ جعفرؓ کی مستورات رو رہی ہین اور ماتم کر رہی ہین آپؐنے منع کرا بھیجا وہ گئے، اور واپس آکر کہا کہ مین نے منع کیا لیکن وہ باز نہین آتین، آپؐنے دوبارہ بھیجا وہ پھر گئے، اور واپس آکر عرض کی کہ ہم لوگون کی نہین چلتی، آپؐنے ارشاد فرمایا کہ "تو اُن کے منہ مین خاک بھردو"، یہ واقعہ حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری مین منقول ہی صحیح بخاری مین یہ بھی ہی کہ حضرت عائشہؓ نے اس شخص سے کہا کہ خدا کی قسم! تم یہ نہ کروگے (منہ مین خاک ڈالنا) اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف سے نجات نہ ملیگی،

(بقیہ حاشیہ ص ۵۰۰) نے مسلمانون کے علم کو اپنے ہاتھ مین لیا، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو اپنے دشمن پر غلبہ دیا، (فتح اللہ علیہم) ارباب سیر اور اہل روایت اور شراح حدیث اس غلبہ یا فتح کی تشریح مین مختلف ہین، ایک فریق کا بیان ہے کہ مسلمانون کو پوری فتح حاصل ہوئی، دوسرے کا خیال ہے کہ مسلمانون کا غلبہ اور فتح یہ ہی کہ مسلمان اس قلتِ تعداد اور کفار اپنی کثرت کے باوجود تھک کر غیر منفصل جنگ کی صورت مین ایک دوسرے کے مقابلہ سے ہٹ آئے، تیسرا فریق یہ ظاہر کرتا ہے کہ مسلمانون کو فتح کفار کے ایک خاص دستہ کے مقابلہ مین حاصل ہوئی، اور اس سے مالِ غنیمت بھی حاصل کیا، چوتھا بیان یہ ہی کہ مسلمانون کا غلبہ یہ ہی کہ حضرت خالدؓ کی قیادت مین اتنے بڑے لشکر کے حملون کو روک دیا، اور بہ سلامت پیچھے ہٹ آئے، اس مقام پر فتح الباری، روض الانف سہیلی اور البدایہ ابنِ کثیر ملاحظہ کرنا چاہیے،

اسی طرح مسلمانون کی جس فوج کو اپنے اوپر فراری ہونے کا گمان تھا، یا مسلمانون نے اُن کو فراری کہا، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو تسلی دی کہ نہین فراری نہین، بلکہ پھر دوبارہ حملہ کرنے کی نیت سے پیچھے ہٹ آنے والے ہو، اُس کی مخاطب پوری اسلامی فوج نہین، بلکہ اُن کی فوج کا ایک خاص دستہ تھا، جو جلدی کرکے پہلے مدینہ چلا آیا تھا، تفصیل کے لئے دیکھو فتح الباری و روض الانف سہیلی و البدایہ ابنِ کثیر باب غزوۂ موتہ) "س"

فتح مکہ

رمضان ۸ھ مطابق جنوری ۶۳۰ء

إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِينًا ۝

جانشینِ ابراہیم (علیہما الصلوٰۃ والسلام) کا سب سے مقدم فرض توحیدِ خالص کا احیاء اور حرمِ کعبہ کا آلایش سے پاک کرنا تھا، لیکن قریش کے پے درپے حملون اور عرب کی مخالفتِ عام نے پورے اکیس برس تک اس فرض کو روک رکھا، صلحِ حدیبیہ کی بدولت اتنا ہوا کہ چند روز کے لئے امن و امان قائم ہوگیا، اور دلدادگانِ حرم ایک دفعہ یادگارِ ابراہیمی کو غلط انداز نظر سے دیکھ آئے لیکن معاہدۂ حدیبیہ بھی قریش سے نہ نبھ سکا، حلم و عفو و تحمل کی حد ہوچکی، اب وقت آگیا کہ آفتابِ حق حجابہائے حائل کو چاک کرکے باہر نکل آئے،

صلحِ حدیبیہ کی بنا پر قبائل عرب مین خزاعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیف ہوگئے تھے اور اُن کے حریف بنو بکر نے قریش سے مخالفت کا معاہدہ کرلیا تھا، ان دونون حریفون مین مدت سے لڑائیان چلی آتی تھین، اسلام کے ظہور نے عرب کو ادھر متوجہ کیا تو وہ لڑائیان رُک گئین اور اب تک رُکی رہین، کیونکہ قریش اور عرب کا سارا زور اسلام کے مقابلہ مین صرف ہورہا تھا،

صلحِ حدیبیہ نے لوگون کو مطمئن کیا تو بنو بکر سمجھے کہ اب انتقام کا وقت آگیا، دفعۃً وہ خزاعہ پر حملہ آور ہوئے، اور رؤسائے قریش نے علانیہ اُن کو مدد دی، عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو وغیرہ نے راتون کو صورتین[1] بدل کر بنو بکر کے ساتھ تلوارین چلائین، خزاعہ نے مجبور ہوکر حرم مین پناہ لی، بنو بکر رُک گئے کہ حرم کا احترام ضرور ہے، لیکن اُن کے رئیسِ اعظم نوفل نے کہا یہ موقع پھر کبھی ہاتھ نہین آسکتا، غرض عین حدودِ حرم مین خزاعہ کا خون بہایا گیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد مین تشریف فرما تھے کہ دفعۃً یہ صدا بلند ہوئی،

لاھمّ انی ناشد محمّدًا	اے خدا! مین محمدؐ کو وہ معاہدہ یاد دلاؤنگا
حلف ابینا و ابیہ الا تلدا	جو ہمارے اور اُن کے قدیم خاندان مین ہوا ہے
فانصر رسول اللہ نصراً عتدا	اے پیغمبر خدا! ہماری اعانت کر اور خدا کے
وادع عباد اللہ یاتوا مددا	بندون کو بلا سب اعانت کے لئے حاضر ہونگے

معلوم ہوا کہ خزاعہ کے چالیس ناقہ سوار[2] جن کا پیشرو عمرو بن سالم ہے، فریاد لے کر آئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے واقعات سُنے تو آپ کو سخت رنج ہوا، تاہم آپ نے قریش کے پاس قاصد بھیجا اور تین شرطین پیش کین کہ اُن مین سے کوئی منظور کی جائے،

۱- مقتولون کا خونبہا دیا جائے،

۲- قریش بنو بکر کی حمایت سے الگ ہوجائین،

[1] طبری ص ۱۶۲۰ (ج ۳) (ابن سعد جزء مغازی ص ۹۷ مین کچھ اور نام بھی ہین) س د [2] طبقات ابن سعد جزء مغازی ص ۹۷ "س"

(۳) اعلان کردیا جائے کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا،

قرطہ بن عمر نے قریش کی زبان سے کہا کہ "صرف تیسری شرط منظور ہے"[ا۵] لیکن قاصد کے چلے جانے کے بعد قریش کو ندامت ہوئی، انھون نے ابوسفیان کو سفیر بناکر بھیجا کہ حدیبیہ کے معاہدہ کی تجدید کرالائین، ابوسفیان نے مدینہ آکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین درخواست کی، بارگاہ رسالت سے کچھ جواب نہ ملا، ابوسفیان نے حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کو بیچ مین ڈالنا چاہا، لیکن سب نے کانون پر ہاتھ رکھا، ہرطرف سے مجبور ہوکر جناب فاطمہ زہراؓ کے پاس آیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ پانچ برس کے بچے تھے، ابوسفیان نے اُن کی طرف اشارہ کرکے کہا "اگر یہ بچہ اتنا زبان سے کہدے کہ مین نے دونون فریقون مین بیچ بچاؤ کرایا، تو آج سے عرب کا سردار پکارا جائے گا" جناب سیدہؓ نے فرمایا "بچون کو ان معاملات مین کیا دخل"، بالآخر ابوسفیان نے حضرت علیؓ کے ایما سے مسجدِ نبوی مین جاکر اعلان کردیا کہ مین نے معاہدۂ حدیبیہ کی تجدید کردی"[۵۲]

ابوسفیان نے مکہ مین جاکر لوگون سے یہ واقعہ بیان کیا تو سب نے کہا کہ یہ نہ صلح ہے کہ ہم اطمینان سے بیٹھ جائین نہ جنگ ہے کہ لڑائی کا سامان کیا جائے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کی تیاریان کین، اتحادی قبائل کے پاس قاصد بھیجے کہ تیار ہو کر آئین احتیاط کی گئی کہ اہل مکہ کو خبر نہ ہونے پائے،

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ ایک معزز صحابی تھے، انھون نے قریش کو مخفی خط لکھ بھیجا

---

۵۱ زرقانی (ج ۲ ص ۳۳۶) نے یہ واقعہ مغازی ابن عائذ سے نقل کیا ہے، تعجب ہے کہ اور مورخین اور ارباب سیر ایسے ضروری واقعہ کو قلم انداز کرگئے، (۵۲ زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۳۳۰)

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کی تیاریاں کر رہے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعہ کی اطلاع ہوگئی حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ حضرت مقدادؓ اور حضرت ابو مرثد غنوی) کو بھیجا کہ قاصد سے خط چھین لائیں، خط آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا تو تمام لوگوں کو حاطب کے افشائے راز پر حیرت ہوئی حضرت عمرؓ بیتاب ہوگئے، اور عرض کی کہ حکم ہو تو اُن کی گردن اُڑا دوں؟ لیکن جبین رحمت پر شکن نہ تھی، ارشاد ہوا، عمر! تم کو کیا معلوم ہے کہ خدا نے اہل بدر کو مخاطب کر کے کہدیا ہو کہ تم سے مواخذہ نہیں ہے،

حضرت حاطبؓ کے عزیز و اقارب اب تک مکہ میں تھے، اور اُن کا کوئی حامی نہ تھا، اسلئے انھوں نے قریش پر احسان رکھنا چاہا کہ اس کے صلہ میں اُن کے عزیزوں کو ضرر نہ پہنچائیں گے، انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یہی عذر پیش کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمالیا،

غرض ۱۰ رمضان ۸ھ کو کوکبۂ نبوی نہایت عظمت و شان سے مکہ معظمہ کی طرف بڑھا، دس ہزار آراستہ فوجیں رکاب میں تھیں، قبائل عرب راہ میں آکر ملتے جاتے تھے، مرالظہران پہنچکر لشکر نے پڑاؤ ڈالا، اور فوجیں دور دور تک پھیل گئیں، یہ مقام مکہ معظمہ سے ایک منزل یا اس سے بھی کم فاصلہ پر ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے تمام فوج نے الگ الگ آگ روشن کی، جس سے تمام صحرا وادی ایمن بن گیا، فوج کی آمد کی بھنک قریش کے کانوں میں پڑ چکی تھی تحقیق

(۱؎ زرقانی علی المواہب ج ۲ ص ۳۳۹) "س"

کے لئے انھون نے حکیم بن حزام (حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے) ابوسفیان اور بُدیل بن ورقار کو بھیجا خیمۂ نبوی کی دربانی پر جو دستہ متعین تھا اُس نے اُبوسفیان کو دیکھ لیا[1] حضرت عمرؓ جذبہ انتقام کو ضبط نہ کر سکے تیز قدمی سے آگے بڑھے اور بارگاہ رسالت مین آکر عرض کی کہ کفر کے استیصال کا وقت آگیا، لیکن حضرت عباسؓ نے جان بخشی کی درخواست کی حضرت عمرؓ نے دوبارہ عرض کیا حضرت عباسؓ نے کہا عمرؓ! اگر یہ شخص تمھارے قبیلہ کا آدمی ہوتا تو تم اس قدر سخت دلی نہ کرتے" حضرت عمرؓ نے کہا آپ یہ فرمائین، آپ جس دن اسلام لائے تھے، مجھ کو جو مسرت ہوئی تھی، خود میرا باپ خطاب اسلام لاتا تو مجھ کو اس قدر خوشی نہ ہوتی،

ابوسفیان کے تمام پچھلے کارنامے اب سب کے سامنے تھے، اور ایک ایک چیز اُس کے قتل کی دعویدار تھی، اسلام کی عداوت، مدینہ پر بار بار حملہ، قبائل عرب کا اشتعال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خفیہ قتل کرانے کی سازش، ان مین سے ہر چیز، اُس کے خون کی قیمت ہو سکتی تھی، لیکن ان سب سے بالاتر ایک اور چیز (عفو نبوی) تھی، اس نے ابوسفیان کے کان مین آہستہ سے کہا کہ "خوف کا مقام نہین"!

صحیح بخاری مین ہے کہ گرفتار ہونے کے ساتھ ابوسفیان نے اسلام قبول کر لیا، لیکن طبری وغیرہ مین اس اجمال کی تفصیل مین حسب ذیل مکالمہ لکھا ہے،

---

[1] اصل واقعہ صحیح بخاری مین کافی تفصیل کے ساتھ موجود ہے، لیکن مزید تفصیل اور جزئیات حافظ ابن حجر نے بخاری کی شرح مین موسیٰ بن عقبہ اور ابن عائذ وغیرہ سے نقل کئے ہین، ہم نے ان کو بھی لے لیا ہے بعض واقعات طبری سے ماخوذ ہین (۵۲؎ طبری ج ۳ ص ۱۶۳۲) س

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	کیون ابوسفیان کیا اب بھی تم کو یقین نہین، آیا کہ خدا کے سوا اور کوئی معبود نہین؟
ابوسفیان	کوئی اور خدا ہوتا تو آج ہمارے کام آتا،
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)	کیا اس مین کچھ شک ہی کہ مین خدا کا پیغمبر ہون،
ابوسفیان	اس مین تو ذرا شبہہ ہی،

بہرحال ابوسفیان نے اسلام کا اظہار کیا، اور اس وقت گو اُن کا ایمان متزلزل تھا لیکن مورخین لکھتے ہین کہ بالآخرہ سچے مسلمان بن گئے، چنانچہ غزوۂ طائف مین اُن کی ایک آنکھ زخمی ہوئی اور یرموک مین وہ بھی جاتی رہی،

لشکر اسلام جب مکہ کی طرف بڑھا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے ارشاد فرمایا کہ ابوسفیان کو پہاڑ کی چوٹی پر لے جاکر کھڑا کر دو کہ افواج الٰہی کا جلال آنکھون سے دیکھین، کچھ دیر کے بعد دریاے اسلام مین تلاطم شروع ہوا، قبائل عرب کی موجین جوش مارتی ہوئی بڑھین، سب سے پہلے غفار کا پرچم نظر آیا، پھر جہینہ (سعد بن) ہذیم، سُلَیم ہتھیارون مین ڈوبے ہوئے تکبیر کے نعرے مارتے ہوئے نکل گئے، ابوسفیان ہر دفعہ مرعوب ہو ہو جاتے تھے، سب کے بعد انصار کا قبیلہ اس سروسامان سے آیا کہ آنکھین خیرہ ہوگئین، ابوسفیان نے متحیر ہو کر پوچھا یہ کون لشکر ہے؟ حضرت عباسؓ نے نام بتایا، دفعۃً سردار فوج حضرت سعد بن عبادہؓ ہاتھ مین علم لئے ہوئے برابر سے گذرے اور ابوسفیان کو دیکھ کر پکار اُٹھے،

الیوم یوم الملحمۃ الیوم	آج گھمسان کا دن ہی آج کعبہ حلال

تُستحل الکعبۃ[۱]، کردیا جائے گا،

سب سے اخیر کوکبۂ نبوی نمایاں ہوا جس کے پرتو سے سطحِ خاک پرنور کا فرش بچھتا جاتا تھا، حضرت زبیرؓ بن العوام علمبردار تھے، ابوسفیان کی نظر جمالِ مبارک پر پڑی تو پکار اُٹھے کہ "حضورؐ نے سنا؟ عبادہ کیا کہتے ہوئے گئے؟" ارشاد ہوا کہ "عبادہ نے غلط کہا آج کعبہ کی عظمت کا دن ہے" یہ کہکر حکم دیا کہ فوج کا علم عبادہ سے لیکر اُن کے بیٹے کو دیدیا جائے،

مکہ پہنچ کر آپ نے حکم دیا کہ علمِ نبویؐ مقامِ حجون پر نصب کیا جائے، حضرت خالدؓ کو حکم ہوا کہ فوجون کے ساتھ بالائی حصہ کی طرف آئین،[۲]

اعلان کردیا گیا کہ جو شخص ہتھیار ڈالدے گا یا ابوسفیان کے ہان پناہ لیگا یا دروازہ بند کرلیگا (یا خانہ کعبہ مین داخل ہوجائے گا) اس کو امن دیا جائے گا، تاہم قریش کے ایک گروہ نے مقابلہ کا قصد کیا، اور خالدؓ کی فوج پر تیر برسائے، چنانچہ تین صاحب (یعنی کرزؓ بن جابر فہری، حضرت حبیشؓ بن اشعر اور حضرت سلمہ[۳] بنؓ المیلاء) نے شہادت پائی، حضرت خالدؓ نے مجبور ہوکر حملہ کیا، یہ لوگ ۱۳ لاشین چھوڑ کر بھاگ نکلے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوارون کا چمکنا دیکھا تو حضرت خالدؓ سے بازپرس کی، لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ ابتدا مخالفین نے کی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "قضائے الٰہی یہی تھی"

---

[۱] یہ خاص صحیح بخاری کی روایت ہے [۲] مصنف نے یہان حضرت عروہؓ کی روایت لی ہے جو گو صحیح بخاری مین ہے مگر مرسل ہے، صحیح و مرفوع روایات جو صحیح بخاری مین ہین اُن کے مطابق صورتِ حال یہ ہے کہ حضرت خالدؓ مکہ کے زیرین حصہ سے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم بالائی حصہ سے مکہ معظمہ مین داخل ہوئے، (فتح الباری جلد ۸ ص ۸) "س"

[۳] اُن کی شہادت کا ذکر صحیح بخاری مین بھی ہے،

لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ حضورؐ قیام کہان فرمائین گے؟ کیا اپنے قدیم مکان مین؟ شریعت مین مسلمان کافر کا وارث نہین ہوسکتا، ابوطالب (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عم) نے جب انتقال کیا تھا تو اُن کے صاحبزادے عقیل اُس وقت کافر تھے اس لئے وہی وارث ہوئے، انھون نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے، اس بناپر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "عقیل نے گھر کہان چھوڑا کہ اس مین اُترون" اس لئے مقام خیف مین ٹھہرون گا" جہان قریش نے ہمارے خلاف کفر کی تائید پر باہم عہد و پیمان کیا تھا)

خدا کی شان، حرم محترم جو خلیل بُت شکن کی یادگار تھا، اُس کے آغوش مین ۳۶۰ بُت جاگزین تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایک کو لکڑی کی نوک سے ٹھوکے دیتے جاتے، اور یہ پڑھتے جاتے تھے،

جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ (جاء الحق وما يبدي الباطل وما يعيد) اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا	حق آگیا، اور باطل مٹ گیا، اور باطل مٹنے ہی کی چیز تھی،

(۱) یہ صحیح بخاری فتح مکہ مین حضرت اُسامہؓ بن زید سے جو روایت ہے اس مین تصریح ہے کہ حضورؐ نے یہ ارشاد فتح مکہ کے موقع پر کیا لیکن اس مین خیف کے قیام کا ذکر نہین لیکن جو روایت حضرت ابوہریرہؓ سے ہے اس مین یہ تصریح ہے کہ یہ حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا اور اس مین خیف کی تصریح ہے، ابن حجر نے یہ تطبیق کی ہے کہ ممکن ہے کہ دونون موقعون پر لوگون کے سوال پر یہ ارشاد فرمایا ہو، فتح الباری جلد ۸ ص ۱۳ و جلد ۳ ص ۳۶۰ (س) اس موقع پر اس پوری آیت کے پڑھنے کا ذکر ابن سعد فتح مکہ مین ہے، صحیح بخاری فتح مکہ مین انفاظ آئے ہین، جاء الحق و زھق الباطل و ما یبدی الباطل و ما یعید یعنی حق آگیا اور باطل مٹ گیا، اور اب باطل پھر نہ آئیگا،

عین کعبہ کے اندر بہت سے بُت تھے، جن کو قریش خدا مانتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کعبہ میں داخل ہونے سے پہلے حکم دیا کہ سب نکلوا دیے جائیں[1] حضرت عمرؓ نے اندر جا کر جس قدر تصویریں تھیں، وہ بھی مٹا دیں، حرم ان آلایشوں سے پاک ہو چکا تو آپ نے عثمان بن طلحہ سے جو کعبہ کے کلید بردار تھے، کنجی طلب کی اور دروازہ کھلوایا، آپ حضرت بلالؓ اور حضرت طلحہؓ کے ساتھ اندر داخل ہوئے اور نماز ادا کی، بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ آپ نے کعبہ کے اندر تکبیریں کہیں، لیکن نماز نہیں ادا کی،

خطبۂ فتح | شاہنشاہی اسلام کا یہ پہلا دربار عام تھا، خطبۂ سلطنت یعنی بارگاہِ احدیت کی تقریر خلافتِ الٰہی کے منصب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ادا کی، جس کا خطاب صرف اہلِ مکہ سے نہیں، بلکہ تمام عالم سے تھا،

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ	ایک خدا کے سوا اور کوئی خدا نہیں ہے اس کا
لَہٗ صَدَقَ وَعْدَہٗ وَنَصَرَ عَبْدَہٗ	کوئی شریک نہیں ہے اُس نے اپنا وعدہ سچا کیا،
وَھَزَمَ الْاَحْزَابَ وَحْدَہٗ اَلَا کُلُّ	اُس نے اپنے بندہ کی مدد کی اور تمام جتھوں کو
مَاْثَرَۃٍ اَوْ دَمٍ اَوْ مَالٍ یُدَّعٰی	تنہا توڑ دیا، ہان تمام مفاخر، تمام انتقامات
فَھُوَ تَحْتَ قَدَمَیَّ ھَاتَیْنِ اِلَّا	خونہائے قدیم، تمام خونبہا، سب میرے قدموں
سَدَانَۃَ الْبَیْتِ وَسِقَایَۃَ	کے نیچے ہین، صرف حرم کعبہ کی تولیت اور
الْحَاجِّ......	حجاج کی آب رسانی اس سے مستثنیٰ ہین،

[1] صحیح بخاری فتحِ مکہ،

يَا مَعْشَرَ قُرَيْشٍ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ	اے قوم قریش! اب جاہلیت کا غرور، اور
عَنْكُمْ نَخْوَةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَتَعَظُّمَهَا	نسبت کا افتخار خدا نے مٹا دیا، تمام
بِالْآبَاءِ اَلنَّاسُ مِنْ آدَمَ وَآدَمُ	لوگ آدم کی نسل سے ہیں، اور آدم مٹی
مِنْ تُرَابٍ،	سے بنے ہیں،

پھر قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے،

يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ	لوگو! ہم نے تم کو مرد اور عورت سے
وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَائِلَ	پیدا کیا، اور تمہارے قبیلے اور خاندان بنائے
لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ	کہ آپس میں ایک دوسرے سے پہچان لئے
اَتْقٰكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ (ابن	جاؤ، لیکن خدا کے نزدیک شریف وہ ہے جو زیادہ
ہشام مختصراً)	پرہیز گار ہو، خدا دانا اور واقف کار ہے۔
اِنَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ (بخاری)	خدا نے شراب کی خرید و فروخت حرام کر دی،

تمام عقائد اور اعمال کا اصل الاصول اور دعوت اسلام کا اصلی پیغام توحید ہے، اس لئے سب سے پہلے اسی سے ابتدا کی گئی،

خطبہ کے اصولی مطالب

عرب میں دستور تھا کوئی شخص کسی کو قتل کر دیتا تھا تو اُس کے خون کا انتقام لینا خاندانی فرض قرار پاتا تھا، یعنی اگر اُس وقت قاتل نہ ہاتھ آسکا تو خاندانی دفتر میں مقتول کا نام لکھ جاتا، اور سیکڑوں برس گذرنے کے بعد بھی انتقام کا فرض ادا کیا جاتا تھا، قاتل اگر مرچکا ہے، تو اس کے خاندان یا قبیلہ کے آدمی کو قتل کرتے تھے،

اسی طرح خونبہا کا مطالبہ بھی اَباً عن جدٍ چلا آتا تھا، یہ خون کا انتقام عرب مین سب سے بڑے فخر کی بات تھی، اس طرح اور اور بہت سی لغو باتین مفاخر قومی مین داخل ہو گئی تھین، اسلام ان سب کے مٹانے کے لئے آیا تھا، اور اس بنا پر آپ نے (اس طریق) انتقام، اور خونبہا اور نیز اور تمام غلط مفاخر کی نسبت فرمایا کہ مین نے اُن کو پانون سے کچل دیا"

- عرب اور تمام دنیا مین نسل اور قوم وخاندان کے امتیاز کی بنا پر ہر قوم مین فرق مراتب قائم کئے گئے تھے، جس طرح ہندوون نے چار ذاتین قائم کین اور شودر کو وہ درجہ دیا جو جانورون کا درجہ ہے، اور اس کے ساتھ یہ بندش کر دی کہ وہ کبھی اپنے رتبہ سے ایک ذرہ آگے نہ بڑھنے پائے،

اسلام کا سب سے بڑا احسان، جو اُس نے تمام دنیا پر کیا، مساوات عام کا قائم کرنا تھا، یعنی عرب وعجم، شریف ورذیل، شاہ وگدا سب برابر ہین، ہر شخص ترقی کر کے انتہائی درجہ پر پہنچ سکتا ہے، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قران مجید کی آیت پڑھی، اور پھر توضیح فرمائی کہ "تم سب اولادِ آدم ہو، اور آدم مٹی سے بنے تھے"

خطبہ کے بعد آپ نے مجمع کی طرف دیکھا تو جبارانِ قریش سامنے تھے، ان مین وہ حوصلہ مند بھی تھے، جو اسلام کے مٹانے مین سب سے پیشرو تھے، وہ بھی تھے جن کی زبانین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر گالیون کے بادل برسایا کرتی تھین، وہ بھی تھے جن کی تیغ وسنان نے پیکر قدسی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ گستاخیان کی تھین، وہ بھی تھے جنھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے راستہ مین کانٹے بچھائے تھے، وہ بھی تھے جو وعظ کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی ایڑیوں کو لہولہان کر دیا کرتے تھے، وہ بھی تھے جن کی تشنہ لبی خون نبوت کے سوا کسی چیز سے بجھ نہیں سکتی تھی، وہ بھی تھے جن کے حملوں کا سیلاب مدینہ کی دیواروں سے آآکر ٹکراتا تھا، وہ بھی تھے جو مسلمانوں کو جلتی ہوئی ریگ پر لٹا کر اُن کے سینوں پر آتشین مہرین لگایا کرتے تھے،

رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کی طرف دیکھا اور خوف انگیز لہجہ میں پوچھا "تم کو کچھ معلوم ہے؟ میں تم سے کیا معاملہ کرنے والا ہوں؟"

یہ لوگ اگرچہ ظالم تھے، شقی تھے، بے رحم تھے لیکن مزاج شناس تھے، پکار اُٹھے کہ

اَخٌ کَرِیْمٌ وَابْنُ اَخٍ کَرِیْمٍ، تو شریف بھائی ہے اور شریف برادر زادہ ہے،

ارشاد ہوا:-

لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ اذْهَبُوْا فَاَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ، تم پر کچھ الزام نہیں، جاؤ تم سب آزاد ہو،

کفار مکہ نے تمام مہاجرین کے مکانات پر قبضہ کر لیا تھا، اب وہ وقت آگیا تھا کہ اُن کو اُن کے حقوق دلائے جاتے لیکن آپ نے مہاجرین کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی مملوکات سے دست بردار ہو جائیں،

نماز کا وقت آیا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے بام کعبہ پر چڑھ کر اذان دی، وہی سرکش جو ابھی رام ہو چکے تھے، اُن کی آتش غیرت بھی مشتعل تھی، عتاب بن اسید نے کہا "خدا نے میرے باپ کی عزت رکھ لی کہ اس آواز کے سننے سے پہلے اُس کو دنیا سے اٹھا لیا"[۱]

[۱] ابن ہشام (حضرت عتاب بعد کو مسلمان ہوئے) "س"

ایک اور سردارِ قریش نے کہا اب جینا بے کار ہے۔[1]

مقامِ صفا میں آپ ایک بلند مقام پر بیٹھے، جو لوگ اسلام قبول کرنے آتے تھے، آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے تھے، مردوں کی باری ہو چکی، تو مستورات آئیں، عورتوں سے بیعت لینے کا طریقہ یہ تھا کہ اُن سے ارکانِ اسلام اور محاسنِ اخلاق کا اقرار لیا جاتا تھا، پھر پانی کے ایک لبریز پیالہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دستِ مبارک ڈبو کر نکال لیتے تھے،[2] آپ کے بعد عورتیں اسی پیالہ میں ہاتھ ڈالتی تھیں، اور بیعت کا معاہدہ پختہ ہو جاتا تھا،

ان مستورات میں ہند بھی آئی، یہ وہی ہند ہے، جو رئیس العرب عتبہ کی بیٹی اور امیر معاویہ کی ماں تھی، حضرت حمزہؓ کو اسی نے قتل کرایا تھا، اور اُن کا سینہ چاک کر کے کلیجہ چبا گئی تھی، وہ نقاب پہن کر آئی، شریف عورتیں عموماً نقاب پہنتی تھیں، لیکن اس وقت یہ غرض بھی تھی کہ کوئی اس کو پہچاننے نہ پائے بیعت کے وقت اُس نے (نہایت دلیری اور گستاخی) سے باتیں کیں، جو حسب ذیل ہیں،[3]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا،
ہند	یہ اقرار آپ نے مردوں سے تو نہیں لیا، لیکن بہرحال ہم کو منظور ہے،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	چوری نہ کرنا،
ہند	میں نے اپنے شوہر (ابوسفیان) کے مال میں

[1] اصابہ تذکرہ عتاب بن اسید (جلد ۲ صفحہ ۲۵۱) [2] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۴۲ [3] طبری جلد ۳ صفحہ ۱۶۴۳، مختصراً،

	سے دو چار آنے کبھی لے لیا کرتی ہون،
	معلوم نہین یہ بھی جائز ہے یا نہین،
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	اولاد کو قتل نہ کرنا،
ہند	رَبَّیْنَاھُمْ صِغَارًا وَقَتَلْتَھُمْ کِبَارًا فَاَنْتَ وَھُمْ اَعْلَمُ،
	ہم نے تو اپنے بچون کو پالا تھا، بڑے ہوئے تو جنگ بدر مین[1]
	آپنے اُن کو مار ڈالا، اب آپ اور وہ باہم سمجھ لین،

روساے عرب مین دس شخص تھے جو قریش کے سرتاج تھے، اُن مین صفوان بن اُمیہ جدہ بھاگ گئے، عمیر بن وہب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر عرض کی کہ رئیس عرب مکہ سے جلاوطن ہوا جاتا ہے، آپ نے علامتِ امان کے طور پر اپنا عمامہ عنایت کیا، عمیر جدہ پہنچ کر اُن کو واپس لائے، حنین کے معرکہ تک یہ اسلام نہین لائے[2] (بعد کو مسلمان ہو گئے)

عبد اللہ بن زبعری عرب کے مشہور شاعر جو (پہلے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجوین کہا کرتے تھے، اور قرآن مجید پر نکتہ چینیان کرتے تھے، نجران بھاگ گئے، لیکن پھر آکر اسلام لائے[3]،

ابوجہل کے بیٹے عکرمہ یمن چلے گئے، لیکن اُن کی حرم (اُم حکیمؓ) نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امان کی، اور جا کر یمن سے لائین[4]، یہ واقعہ ابوجہل سے کہنے کے قابل نہین کہ اُس کا جگر بند کفر کی گود سے نکل کر اسلام کے آغوش مین آگیا، اور اب ہم اس کو حضرت عکرمہؓ کہتے ہین،

---

[1] جنگِ بدر مین ہند کے لڑکے کافرون کے ساتھ شریک ہو کر لڑے تھے، اور لڑ کر مارے گئے تھے [2] طبری (جلد ۳ ص ۱۶۴۵) [3] اصابہ ذکر صفوان بن اُمیہ (ج ۲ ص ۱۸۷) [4] ابن ہشام [5] طبری جلد ۳ ص ۱۶۲۶

اشتہاریانِ قتل

اربابِ سیر کا بیان ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے گو اہلِ مکہ کو امن عطا کیا تھا تاہم دس شخصوں[۱] کی نسبت حکم دیا کہ جہان ملین قتل کردیے جائین، اُن مین سے بعض مثلاً عبد اللہ بن خطل مقیس بن صبابہ، خونی مجرم تھے، اور قصاص مین قتل کیے گئے، لیکن متعدد ایسے تھے کہ اُن کا صرف یہ جرم تھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ مین ستایا کرتے تھے، یا آپ کی ہجو مین اشعار کہا کرتے تھے، اُن مین سے ایک عورت اس جرم پر قتل کی گئی کہ وہ آپ کے ہجویہ اشعار گایا کرتی تھی،

---

(۱) حافظ مغلطائی نے پندرہ نام مختلف حوالون سے جمع کیے ہین، جو خود محدثین کے نزدیک غیر محتاطانہ ہین عام اربابِ سیرت نے دس شخصون کے نام لیے ہین، ابن اسحاق نے آٹھ نام گنائے ہین، ابوداؤد اور دارقطنی کی روایت مین صرف چھ ہین، بخاری مین صرف ابن خطل کا واقعہ مذکور ہے، اس سے ظاہر ہوگا کہ تحقیق کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا جاتا ہے، اسی قدر تعداد کم ہوتی جاتی ہے،

عام روایت کے رو سے جن دس شخصون کی سزاے موت کا اعلان کیا گیا تھا ان کا حال یہ ہے کہ وہ شدید مجرم تھے، تاہم سات اشخاص خلوص سے ایمان لائے، اور ان کو معافی دیدی گئی، صرف چار شخص قتل ہوئے تین مرد اور ایک عورت، عبد اللہ بن خطل مقیس بن صبابہ حویرث بن نقید اور ابن خطل کی لونڈی قریبہ، ابن خطل اور ابن صبابہ دونون خونی مجرم تھے، ابن خطل نے جو اسلام لاچکا تھا، اپنے ایک مسلمان خادم کو قتل کرکے مرتد ہوگیا تھا، مقیس بن صبابہ کا واقعہ یہ ہو کہ اس کا ایک بھائی ایک انصاری کے ہاتھ سے غلطی سے مارا گیا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی دیت ادا کردی تھی، تاہم مقیس منافقانہ اسلام لایا، اور غدر سے اس انصاری کو قتل کردیا، اور حویرث نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دو صاحبزادیون کے ساتھ جب وہ کررہی تھین شرارت کی تھی اور ان دونون کو اونٹون سے گرا دینا چاہتا تھا حضرت علی بن ابی طالب نے اس کو قتل کردیا،

قریبہ جو ابن خطل کی لونڈی تھی، مکہ کی ایک مغنیہ تھی جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجو مین گیت گایا کرتی تھی

(دیکھو زرقانی اور ابن ہشام ذکر فتح مکہ)

لیکن محدثانہ تنقید کی رو سے یہ بیان صحیح نہین، اس جرم کا مجرم تو سارا مکہ تھا، کفارِ قریش مین سے (بجز دو چار کے) کون تھا جس نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت سے سخت ایذائین نہین دین؟ بااینہمہ ان ہی لوگون کو یہ مژدہ سنایا گیا کہ انتم الطلقاء جن لوگون کا قتل بیان کیا جاتا ہے، وہ تو نسبتہً کم درجہ کے مجرم تھے، حضرت عائشہؓ صدیقہ کی یہ روایت صحاح ستہ مین موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی سے ذاتی انتقام نہین لیا، خیبر مین جس یہودی عورت نے آپ کو زہر دیا اُس کی نسبت لوگون نے دریافت بھی کیا کہ اُس کے قتل کا حکم ہوگا ارشاد ہوا کہ نہین، خیبر کے کفرستان مین ایک یہودیہ زہر دے کر رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل سے جانبر ہو سکتی ہے تو حرم مین اس سے کم درجہ کے مجرم عفوِ نبوی ؐ سے کیونکر محروم رہ سکتے ہین،

اگر درایت پر قناعت نہ کی جائے تو روایت کے لحاظ سے بھی یہ واقعہ بالکل ناقابلِ اعتبار رہ جاتا ہے، صحیح بخاری مین صرف ابن خطل کا قتل مذکور ہے[1] اور یہ عموماً مسلّم ہے کہ وہ قصاص مین قتل کیا گیا، مقیس کا قتل بھی شرعی قصاص تھا، باقی جن لوگون کی نسبت حکم قتل کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وہ کسی زمانہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ستایا کرتے تھے، وہ روایتین صرف ابن اسحاق تک پہنچ کر ختم ہو جاتی ہین، یعنی اصولِ حدیث کی رو سے وہ روایت منقطع ہے، جو قابلِ اعتبار نہین، ابنِ اسحاق کا فی نفسہ جو درجہ ہے، وہ ہم کتاب کے دیباچہ مین لکھ آئے ہین،

(1) بخاری فتحِ مکہ "ص"

سب سے زیادہ معتبر روایت جو اس بارہ میں پیش کی جا سکتی ہے وہ ابوداؤد کی روایت ہے[1] جس میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا کہ چار شخصوں کو کہیں امن نہیں دیا جا سکتا، لیکن ابوداؤد نے اس حدیث کو نقل کر کے لکھا ہے کہ اس روایت کی سند جیسی چاہیے مجھ کو نہیں ملی، پھر اس کے بعد ابن خطل کی روایت نقل کی ہے، (اور شروع میں جو روایت ہے) اس کا ایک راوی احمد بن المفضل ہے جس کو ازدی نے منکر الحدیث لکھا ہے، اور ایک راوی اسباط بن نصر ہے جس کی نسبت نسائی کا قول ہے کہ قوی نہیں ہے" اگرچہ صرف اس قدر جرح کسی روایت کے نامعتبر ہونے کے لئے کافی نہیں لیکن واقعہ جب درجہ اہم ہے، اس کے لحاظ سے راوی کی اس قدر جرح بھی روایت کے مشکوک ہونے کے لئے کافی ہے۔

---

[1] ابوداؤد باب قتل الاسیر [2] ابوداؤد نے باب قتل الاسیر میں اس معنی کی تین روایتیں درج کی ہیں، پہلی وہ روایت ہے جس کا ذکر مصنف نے اخیر میں کیا ہے، یہ روایت احمد بن المفضل اسباط بن نصر، سدی کبیر مصعب ابن سعد اور سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے ہے، اس میں چار مرد اور دو عورتوں کے قتل کا حکم مذکور ہے جن میں سے ایک ابن ابی سرح ہے جس کو حضرت عثمان نے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا کے بغیر آپ کی خدمت میں لا کر پیش کیا، اور اس کو کچھ دیر کے تامل کے بعد پناہ دی اور وہ مسلمان ہوا، اس روایت میں احمد بن مفضل اور اسباط بن نصر اور سدی کبیر تینوں پر علمائے رجال نے جرحیں کی ہیں، اور خصوصاً اسباط ابن نصر پر اور زیادہ جرحیں ہیں، یہ روایت اسی سلسلہ سے نسائی نے باب قتل المرتدین اور حاکم نے مستدرک کتاب المغازی میں اس کو نقل کیا ہے، اس سلسلہ میں یہ تینوں راوی شیعہ ہیں، اور حاکم نے مستدرک میں اس پہلو سے اپنا اظہار خیال کر دیا ہے، ابوداؤد کی دوسری روایت عمرو بن عثمان بن عبدالرحمان بن سعید مخزومی سے ہے کہ انھوں نے اپنے دادا سے اور انھوں نے اپنے باپ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چار مردوں اور دو عورتوں کے بارہ میں فرمایا کہ اُن کو پناہ نہیں دی جا سکتی، ان دو عورتوں میں سے جو دونوں مغنیہ لونڈیاں تھیں، ایک مسلمان ہو گئی، اور ایک قتل کی گئی، اس روایت کے متعلق ابوداؤد نے لکھا ہے کہ میں نے

اس مین شبہہ نہین کہ بعض سرداران قریش جو مخالفین اسلام کے پیشرو تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی خبر سُن کر مکہ سے بھاگ گئے، لیکن یہ صرف ابن اسحاق کا قیاس ہو کہ وہ اس وجہ سے بھاگے تھے کہ اُن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا، ان اشتہاری مفرورین مین ابن اسحاق نے عکرمہ کو بھی شمار کیا ہے جو ابوجہل کے فرزند تھے، لیکن موطاے امام مالک مین جس کی نسبت امام شافعی کا قول ہے کہ آسمان کے نیچے (قرآن کے علاوہ) کوئی کتاب اس سے زیادہ صحیح نہین، یہ واقعہ جس طرح منقول ہو اس کا لفظی ترجمہ حسب ذیل ہو،

"حارث بن ہشام کی صاحبزادی، ام حکیم، عکرمہ بن ابوجہل کی زوجہ تھین، وہ فتح مکہ کے دن اسلام لائین لیکن اُن کے شوہر عکرمہ بن ابوجہل اسلام سی بھاگ کر یمن چلے گئے، ام حکیم یمن گئین، اور اُن کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہوگئے، اور مکہ مین آئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اُن کو دیکھا تو فرط مسرت سی اُٹھ کھڑے ہوئے اور اس تیزی سے اُن کی طرف بڑھے کہ جسم مبارک پر چادر تک نہ تھی، پھر اُن سی بیعت لی" (کتاب النکاح)

(بقیہ حاشیہ ص ۵۲۵) اپنے شیخ ابوالعلا سے اس کی سند اچھی طرح صحیح نہین، یہی روایت اسی سلسلہ سی دارقطنی اور آخر کتاب الحج مین ہو اس مین سند کے آخر مین یون ہو، عمرو بن عثمان نے اپنے باپ سے اور انھون نے اپنے دادا سے یہ روایت سُنی، اس سے ظاہر ہو کہ سند کے اسی حصہ مین ابوداؤد کو شک ہو، ابوداؤد کی تیسری روایت مین صرف ابن خطل کے قتل کا ذکر ہو جو صحیح بخاری وغیرہ کی روایت سی بھی ثابت ہو، بیہقی نے حکیم بن عبدالملک، قتادہ اور حضرت انسؓ بن مالک سے ایک روایت کی ہو جس مین تین مرد اور ایک عورت یعنی چار شخصون کے قتل کا حکم ہو، تین مرد یہ ہین، ابن خطل، مقیس بن صبابہ اور عبداللہ بن سعد بن ابی سرح اور عورت کا نام ام سارہ تھا، عبداللہ بن سعد کے قتل کی ایک انصاری نے نذر مانی تھی، مگر حضرت عثمانؓ کی سفارش سے اُن کی جان بخشی ہوئی، اور ام سارہ وہی عورت ہو، جو فتح مکہ سے پہلے مسلمانون کے مکہ پر حملہ کرنے کا خط خفیہ لے چلی تھی، اس روایت مین حکم بن عبدالملک متفقاً ناقابل اعتبار ہو، اور اُن کی اس روایت کی عقیلی نے لکھا ہے کہ کوئی تائید اس کے رفقاء مین سے کسی نے نہین کی ہو (تہذیب ابن حجر ۲ ص)"

یہ بات بھی اس موقع پر خاص طور پر لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ جن لوگون کو امن دیا جاتا تھا، وہ اسلام پر مجبور نہین کئے جاتے تھے، تمام مورخین اور ارباب سیر نے تصریح کی ہے کہ حنین کی لڑائی مین جو فتح مکہ کے بعد پیش آئی، لشکرِ اسلام مین مکہ کے بہت سے کفار بھی شامل تھے جو اس وقت تک کافر تھے، اور شکست بھی زیادہ تر اسی وجہ سے ہوئی کہ پہلے حملہ مین انہی کافرون کے قدم اکھڑے اور اس ابتری کی وجہ سے مسلمانون کے قدم بھی نہ ٹھہر سکے،

خزائن حرم

حرم مین نذور اور ہدایا کا خزانہ ایک مدت سے جمع ہوتا چلا آتا تھا، وہ محفوظ رکھا گیا، لیکن مجسمہ جات اور تصویرین برباد کردی گئین، اُن مین حضرت ابراہیم اور حضرت اسمٰعیل علیہما السلام کے مجسمے بھی تھے، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی تصویر بھی تھی[1]، جس سے لوگون نے قیاس کیا کہ کسی زمانہ مین عیسائیت کا اثر زیادہ غالب ہوگیا تھا، رنگین تصویرین جو دیوارون پر تھین، مٹانے پر بھی اُن کے دُھندلے نشان رہ گئے تھے، اور حضرت عبد اللہؓ ابن زبیرؓ کی تعمیر تک باقی رہے[2]،

مکہ معظمہ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام پندرہ دن تک رہا، جب یہان سے روانہ ہوئے تو حضرت معاذ بن جبلؓ کو اس خدمت پر مقرر کرتے گئے کہ لوگون کو اسلام کے مسائل اور احکام سکھائین،

فتح مکہ اور بت شکنی

فتح مکہ کا اصلی مقصد اشاعتِ توحید اور اعلاء کلمۃ اللہ تھا کعبہ مین سیکڑون بُت تھے، جن مین ہبل بھی تھا، جو بت پرستون کا خدائے اعظم تھا، یہ انسان کی صورت کا تھا،

---

[1] فتح الباری ذکر فتح مکہ [2] ایضاً اخبار مکہ ازرقی مین بہ تفصیل یہ واقعات مذکور ہین،

اور یاقوتِ احمر سے بنا تھا، سب سے پہلے جس نے اس کو کعبہ مین لاکر رکھا تھا، خزیمہ بن مدرکہ تھا جو مضر کا پوتا اور عدنان کا پرپوتا تھا، ہبل کے سامنے سات تیر رہتے تھے، جن پر "لا" و "نعم" لکھا ہوا تھا، عرب جب کوئی کام کرنا چاہتے تھے، تو ان تیرون پر قرعہ ڈالتے اور "ہان" یا "نان" جو کچھ نکلتا اُس پر عمل کرتے[1]، جنگِ اُحد مین ابوسفیان نے اسی ہبل کی جے پکاری تھی، وہ عین کعبہ کے اندر تھا، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ مین داخل ہوئے تو اور بتون کے ساتھ وہ بھی برباد کردیا گیا،

مکّہ کے اطراف مین اور بہت سے بڑے بڑے بُت تھے، جن کے لئے حج کی رسمین ادا کی جاتی تھین، ان مین سب سے بڑے لات، مناۃ اور عزّی تھے، عزّی قریش کا اور لات اہلِ طائف کا معبود تھا، مکّہ معظّمہ سے ایک منزل کے فاصلہ پر نخلہ ایک مقام ہے، عزّی یہین منصوب تھا، بنو شیبان اس کے متولی تھے، اہلِ عرب کا اعتقاد تھا کہ خدا جاڑون مین "لات" کے ہان اور گرمیون مین عزّی کے ہان بسر کرتا ہے، عزّی کے سامنے عرب وہ تمام مناسک اور رسوم بجالاتے تھے، جو کعبہ مین بجالاتے تھے، اس کا طواف کرتے اور اس پر قربانیان چڑھاتے[2]،

مناۃ کا تخت گاہ مشلّل تھا، جو قدید کے پاس مدینہ منورہ سے سات میل ادھر ہے، وہ ایک ان گھڑا پتھر تھا، ازد، غسّان، اوس اور خزرج اس کا حج کرتے تھے، عمرو بن لحی نے جو اصنام قائم کئے تھے، یہ اُن سب مین بالاتر تھا، اوس اور خزرج جب

[1] معجم البلدان ذکر ہبل بحوالہ ہشام بن محمد کلبی [2] یہ تمام تفصیل زرقانی جلد دوم ص ۳۰۰ مین ہے،

کعبہ کا حج کرتے تو احرام اتارنے کی رسم (بال منڈانا) اسی کے پاس آکر ادا کرتے تھے[1]،

قبیلۂ ہذیل کا بُت سُواع تھا، جو ینبع کے اطراف رہاط مین تھا، یہ ایک پتھر تھا، اُس کے متولی بنو لحیان تھے،

بُت پرستی کے یہ وہ طلسم تھے، جن مین سارا عرب گرفتار تھا، اب اُن کی بربادی کا وقت آچکا تھا، اور دفعۃً ہر جگہ خاک اُڑنے لگی،

---

[1] معجم البلدان ذکر مناۃ،

برت

ہوازن وثقیف

غزوۂ حنین، واوطاس، وطائف

شوال ۸ھ

وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ

حنین | حنین مکہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، ذوالمجاز عرب کا مشہور بازار اور عرفہ سے تین میل ہے[1] یہ اس کے دامن میں ہے، اس مقام کو اوطاس بھی کہتے ہیں[2]،

ہوازن ایک بڑے قبیلہ کا نام ہے جس کی بہت سی شاخیں ہیں،

اسلام کی فتوحات کا دائرہ گو وسیع ہوتا جاتا تھا، لیکن اہل عرب یہ دیکھ رہے تھے کہ اُن کا قبلۂ اعظم یعنی مکہ اب تک محفوظ ہے، اُن کا خیال تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر قریش پر غالب آگئے، اور مکہ فتح ہوگیا، تو بے شبہہ وہ سچے پیغمبر ہیں، مکہ جب فتح ہوا تو تمام قبائل نے خود بخود بیعت کی، اور اسلام قبول کرنا شروع کیا[3]، لیکن ہوازن اور ثقیف پر اس کا الٹا اثر پڑا، یہ قبیلے نہایت

(۱) یہاں مصنف کی عبارت میں کچھ اغلاق ہے، مطلب یہ ہے کہ حنین زرقانی کی تصریح کے مطابق مکہ اور طائف کے درمیان عرب کے مشہور بازار ذوالمجاز کے پاس ہے جو عرفہ سے تین میل ہے ابن سعد نے تصریح کی ہے کہ یہ مکہ سے تین دن کے سفر کی مسافت پر واقع ہے، (س) (۲) قاضی عیاض کی یہی رائے ہے لیکن حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ ابن اسحاق کی تصریح کے مطابق یہ حنین کے علاوہ دیار ہوازن میں دوسری وادی کا نام ہے، فتح الباری وزرقانی ذکر غزوہ ہوازن وا وطاس) "س" (۳) صحیح بخاری ذکر فتح مکہ (بعد) باب مقام النبی بمکہ،

جنگجو اور فنونِ جنگ سے واقف تھے، اسلام کو جس قدر غلبہ ہوتا جاتا تھا یہ زیادہ مضطر ہوتے تھے[1] کہ اُن کی ریاست اور امتیاز کا خاتمہ ہوا جاتا ہے، اس بنا پر فتحِ مکہ (کے بعد) ہوازن (اور ثقیف) کے رؤسا نے (یہ سمجھ لیا کہ اب اُن کی باری ہے، اس لئے انھوں نے ایک دوسرے سے مل کر مشورہ کیا، اور آپس میں) قرارداد ہو گئی کہ (مسلمانوں کے خلاف جو اس وقت مکہ میں جمع ہیں) ایک عام حملہ کر دیا جائے،

(اس قرارداد کے مطابق یہ قبائل) بڑے زور شور کے ساتھ خود حملہ کے لئے بڑھے، جوش کا یہ عالم تھا کہ ہر قبیلہ اپنا تمام اہل و عیال لے کر آیا تھا، کہ بچے اور عورتیں ساتھ ہوں گی تو ان کی حفاظت کی غرض سے لوگ جانیں دیدیں گے،

اس معرکہ میں اگرچہ ثقیف اور ہوازن کی تمام شاخیں شریک تھیں، تاہم کعب اور کلاب الگ رہے، فوج کی سرداری کے لئے انتخاب (تو، مالک[2] بن عوف (کیا گیا جو) قبیلہ ہوازن کا رئیسِ اعظم تھا، لیکن مُشیر کی حیثیت سے) دُرید بن الصمۃ (کو بھی ساتھ لیا گیا جو) عرب کا مشہور شاعر اور قبیلہ جُشم کا سردار تھا، اُس کی شاعری اور بہادری کے معرکے اب تک عرب کی تاریخ میں یادگار ہیں، لیکن اس کی عمر سو برس سے زیادہ ہو چکی تھی اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ رہ گیا تھا، تاہم چونکہ عرب اُس کو مانتا تھا اور اُس کی رائے و تدبیر پر تمام ملک کو اعتماد تھا، خود مالک بن عوف نے اس سے شرکت کی درخواست کی، پلنگ پر اٹھا کر اس کو میدانِ جنگ

[1] مارگولیوس صاحب لکھتے ہیں، حکومت اسلامی کی وسعت اور استحکام سے بدوی قبائل جن کو ریگستان کی آزادی بہت عزیز تھی، نہایت خائف تھے" [2] مالکؓ بن عوف غزوۂ طائف کے بعد مسلمان ہو گئے تھے، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جنگِ قادسیہ میں شریک اور دمشق کے حاکم ہوئے، (زرقانی ج ۳ ص ۶) "س"

مین لائے، اُس نے پوچھا کہ یہ کونسا مقام ہے؟ لوگون نے کہا "اوطاس" بولا کہ ہان یہ مقام جنگ کے لئے موزون ہے، اُس کی زمین نہ بہت سخت ہے، نہ اس قدر نرم کہ پاؤن دھنس جائین" پھر پوچھا کہ "یہ بچون کے رونے کی آوازین کیسی آرہی ہین" لوگون نے کہا کہ بچے اور عورتین ساتھ آئی ہین کہ کوئی شخص پاؤن پیچھے نہ ہٹائے" بولا کہ "جب پاؤن اکھڑ جاتے ہین تو کوئی چیز روک نہین سکتی، میدانِ جنگ مین صرف تلوار کام دیتی ہے، بدقسمتی سے اگر شکست ہوئی تو عورتون کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی"۔

پھر پوچھا کہ "کعب اور کلاب بھی شریک ہین یا نہین"، اور جب یہ معلوم ہوا کہ ان معزز قبیلون کا ایک شخص بھی میدانِ جنگ مین نہین تو کہا "اگر آج کا دن عزت و شرف کا دن ہوتا تو کعب و کلاب غیر حاضر نہ ہوتے" اس کی رائے تھی کہ میدان سے ہٹ کر کسی محفوظ مقام مین فوجین جمع کی جائین، اور وہین اعلانِ جنگ کیا جائے، لیکن مالک بن عوف نے جو تیس سالہ نوجوان تھا، جوشِ شباب مین اس رائے کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ آپ خرف ہوچکے، آپ کی عقل بیکار ہوچکی[1]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو (مکہ مین) ان واقعات کی خبر پہنچی تو آپ نے تصدیق کے لئے حضرت عبداللہ بن ابی حدرد کو بھیجا، وہ جاسوس بن کر حنین مین آئے، اور کئی دن تک فوج مین رہ کر تمام حالات تحقیق کئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجبوراً مقابلہ کی تیاریان کین، رسد اور سامانِ جنگ کے لئے قرض کی ضرورت پیش آئی، عبداللہ بن ربیعہ جو ابوجہل کے بے مات بھائی تھے، نہایت دولتمند تھے، اُن سے تیس ہزار درہم قرض[2] لئے، صفوان بن

[1] یہ تمام تفصیل طبری مین ہے، (ج ۳ ص ۱۶۵۵ تا ۱۶۵) "س" [2] مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۳۶،

امیہ جو مکہ کا رئیس اعظم اور مہمان نوازی مین مشہور تھا لیکن اب تک اسلام نہین لایا تھا، اس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلحۂ جنگ مستعار مانگے، اُس نے سو زرہین اور اُن کے لوازمات پیش کیے،[۱]

شوال ۸ھ مطابق جنوری و فروری ۶۳۰ئہ مین اسلامی فوجین جن کی تعداد بارہ ہزار تھی، اس سرو سامان سے حنین پر بڑھین کہ (بعض) صحابہ کی زبان سے بے اختیار یہ لفظ نکل گیا کہ آج ہم پر کون غالب آ سکتا ہو لیکن بارگاہِ ایزدی مین یہ نازش پسند نہ تھی،

وَیَوْمَ حُنَیْنٍ اِذْ اَعْجَبَتْکُمْ کَثْرَتُکُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْکُمْ شَیْئًا وَّضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّیْتُمْ مُّدْبِرِیْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰہُ سَکِیْنَتَہٗ عَلٰی رَسُوْلِہٖ وَعَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْھَا وَعَذَّبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ، (توبہ۔۴)

اور حنین کا دن یاد کرو، جب تم اپنی کثرت پر نازان تھے لیکن وہ کچھ کام نہ آئی، اور زمین باوجود وسعت کے تنگی کرنے لگی، پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے، پھر اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانون پر تسلی نازل کی اور ایسی فوجین بھیجین، جو تم نے نہین دیکھین اور کافرون کو عذاب دیا اور کافرون کی یہی سزا ہی،

(بقیہ ص ۵۳۲) اصابہ مین امام بخاری سے بھی یہ روایت نقل کی ہو لیکن اس مین دس ہزار کی تعداد ہے [۱] موطا مین ہو کہ جب آپ نے اس سے ہتھیار مانگے تو اُس نے کہا جبراً یا طوعاً (یعنی جبراً مانگتے ہو تو مین نہین دیتا) آپ نے فرمایا جبراً نہین طوعاً، (ابوداؤد باب الضمانہ مین بھی اسی قسم کی روایت ہی)

فتح کے بجائے دہلۂ اوّل مین مطلع صاف تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نظر اٹھا کر دیکھا، تو رفقاے خاص مین سے بھی کوئی پہلو مین[1] نہ تھا، حضرت ابو قتادہ رضؓ جو شریک جنگ تھے، ان کا بیان ہے کہ جب لوگ بھاگ نکلے، تو مین نے ایک کافر کو دیکھا کہ ایک مسلمان کے سینہ

---

[1] لیکن اور روایتون مین چند اصحاب کا ثابت قدم رہنا مذکور ہے، ان دونون روایتون کی تطبیق یہ ہو کہ یہ مختلف وقفون کے حالات ہین، راوی نے اپنا مشاہدہ لکھا ہے، تفصیل آگے آئے گی، (مصنف نے آیندہ تفصیل کا جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا نہین ہو سکا ہے، اس لئے تفصیل کی ضرورت ہے، چنانچہ اس سلسلہ مین چند باتین قابل تشریح ہین،

(۱) پہلی یہ کہ مصنف نے اول دہلہ مین مسلمانون کی شکست تسلیم کی ہے، یہ ابن اسحاق وغیرہ اہل سیر کی رائے ہے لیکن حدیث صحیح کا بیان ہو کہ مسلمانون کو پہلے کامیابی ہوئی، لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے، دشمن کے تیراندازون نے موقع پاکر تیراندازی شروع کر دی جس سے مسلمانون کی صفون مین بے ترتیبی، انتشار اور پراگندگی پیدا ہوگئی، بخاری مین حضرت براءؓ کے الفاظ یہ ہین،

وانا لما حملنا علیهم انکشفوا فاکببنا علی الغنائم فاستقبلنا بالسهام، (بخاری غزوۂ حنین)	اور ہم نے جب ان پر حملہ کیا تو وہ شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے تو ہم لوگ مال غنیمت پر ٹوٹ پڑے تو انھون نے ہم کو تیرون پر دھر لیا،

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ شکست کے ظاہری اسباب مین سے ایک سبب یہ بھی تھا کہ اس جنگ میں کچھ لوگ محض اس غرض سے شریک ہی ہوئے تھے کہ مسلمانون کو عین جنگ مین دھوکا دین، چنانچہ صحیح مسلم مین ہے کہ حضرت اُمّ سلیمؓ نے جو اس جنگ مین شریک تھین، حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی کہ یا رسول اللہ ان طلقاء کو قتل کر دیجئے، انھی کی وجہ سے شکست ہوئی ہو، الفاظ یہ ہین:۔

اقتل من بعدنا من الطلقاء انهزموا بك (غزوة النساء مع الرجال)	ہمارے سوا ان طلقاء کو قتل کر دیجئے، انھی نے آپ کو شکست دلوائی،

پر سوار ہے، مین نے عقب سے پوچھا کے شانہ پر تلوار ماری جو زرہ کو کاٹ کر اندر اتر گئی، اس نے مڑ کر مجھ کو اس زور سے دبوچا کہ میری جان پر بن گئی، لیکن پھر وہ ٹھنڈا ہو کر گر پڑا، اسی اثنا مین مین نے حضرت عمرؓ کو دیکھا، پوچھا کہ مسلمانون کا کیا حال ہے بولے کہ قضائے الٰہی یہی تھی؛

(بقیہ حاشیہ ص ۵۳۴) امام نووی اس کی شرح مین لکھتے ہین،

لم یحصل الفرار من جمیعھم وانما فتحہ علیھم من فی قلبہ مرض من مسلمۃ اھل مکۃ المولفۃ ومشرکیھا الذین لم یکونوا اسلموا وانما کانت ھزیمتھم فجاءۃ لانصبابھم علیھم دفعۃ واحدۃ ورشقھم بالسھام ولاختلاط اھل مکۃ معھم ممن لم یستقر الایمان فی قلبہ وممن یتربص بالمسلمین الدوائر وفیھم نساء وصبیان خرجوا للغنیمۃ

(غزوۂ حنین)

سب لوگ نہیں بھاگے تھے، بلکہ مکہ کے مؤلفۃ القلوب مین جو منافق تھے، اور مکہ کے مشرکین (جو اس جنگ مین شریک ہو گئے تھے، اور جواب تک مسلمان نہین ہوئے تھے) انھون نے بھاگنا شروع کیا تھا، اور یہ ناگہانی ہزیمت اس وجہ سے ہوئی کہ دشمنون نے ایک ساتھ تیرون کی بارش شروع کر دی تھی، اور فوج مین ایسے اہل مکہ بھی تھے، جن کے دلون مین ایمان راسخ نہین ہوا تھا، اور مسلمانون پر مصائب کے منتظر تھے، اس مین عورتین اور بچے بھی تھے، جو غنیمت کیلئے آئے تھے

مؤرخ طبری نے اس موقع پر مکہ کے ان طلقا کی زبان سے جو فقرے نقل کئے ہین وہ بھی اسی راز کی پردہ کشائی کرتے ہین کہ اہل مکہ اس جنگ مین مسلمانون کے ساتھ دل سے نہ تھے، (ج ۳ ص ۱۶۰۰ لائیڈن)

متقدم مفسرین مین سے ابن جریر طبری نے لکھا ہے ان الطلقاء انجفلوا یومئذ بالناس جلوا عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) ابن جریر طبری جلد ۱۰ ص ۶۲)

عہد متوسط کے مفسرین مین سے ابوحیان اندلسی کے الفاظ یہ ہین،

ف۱ صحیح بخاری غزوۂ حنین (ج ۱ ص ۶۱۸) "س"

شکست کے مختلف اسباب تھے، مقدمۃ الجیش مین جو حضرت خالدؓ کی افسری مین تھا زیادہ تر فتح مکہ کے جدید الاسلام نوجوان تھے، وہ جوانی کے غرور مین اسلحۂ جنگ پہن کر بھی نہین آئے تھے[۱]، فوج مین دو ہزار طلقاء یعنی وہ لوگ تھے، جو اب تک اسلام نہیں لائے،

(بقیہ حاشیہ ص، ۵۳۰)

یقال ان الطلقاء من اھل مکۃ فروا وقصدوا القاء الھزیمۃ فی المسلمین (بحر المحیط ج ۵ ص ۲۴)	کہا جاتا ہے کہ مکہ کے طلقاء بھاگے تھے، اور ان کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانون کو شکست ہو جائے،

متاخر مفسرون مین سے صاحب روح المعانی نے تفسیر سورۂ توبہ مین یہ الفاظ لکھے ہین،

وکان اول من انھزم الطلقاء مکراً منھم وکان ذلک سببًا لوقوع الخلل وھزیمۃ غیرھم (ج ۱۰ ص ۷۶)	سب سے پہلے طلقاء مکر و فریب سے شکست کھا کر پیچھے ہٹ گئے، اس سے مسلمانون مین بے ترتیبی اور پسپائی کی صورت پیدا ہوئی،

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ پسپائی کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسلمانون کی ایک جماعت ثابت قدم رہی، اس سلسلہ مین بنائے اشتباہ بخاری کی حضرت انسؓ والی روایت ہے، جس کے الفاظ یہ ہین،

فادبروا عنہ حتی بقی وحدہٗ[۱]" (لوگ پیچھے ہٹ گئے، یہان تک کہ آپ تنہا رہ گئے) مصنف نے ان الفاظ کو اپنے پیش نظر رکھا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ جس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، وہان کوئی نہ تھا، اسی لئے اس روایت مین حضرت انسؓ ارشاد فرماتے ہین کہ جب حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو آواز دی تو انصار نے یہ الفاظ کہے لبیک یارسول اللّٰہ ابشر نحن معک! (ہم حاضر ہین یارسول اللہ آپ خوش ہین کہ ہم آپ کے پاس ہین) اسی باب مین حضرت انسؓ کی ایک روایت اس سے پہلے ہے جس مین انصار کے الفاظ یہ ہین: لبیک یارسول اللّٰہ وسعدیک نحن بین یدیک (بخاری غزوۂ طائف) ہم حاضر ہین یارسول اللہ! ہم آپ کے سامنے ہین)

حافظ ابن حجر نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی اور رفقائے خاص کے پاس رہنے کی تطبیق ان الفاظ مین کی ہے،

[۱] بخاری باب الجہاد (باب من صف اصحابہ عند الھزیمۃ ونزول عن دابتہ) "س"

تھے۔[۱] ہوازن قدر اندازی میں تمام عرب میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے، میدان جنگ میں اُن کا ایک تیر بھی خالی نہیں جاتا تھا۔[۲] کفار نے معرکہ گاہ میں پہلے پہنچ کر مناسب مقامات پر قبضہ کر لیا تھا، اور تیر اندازوں کے دستے پہاڑ کی گھاٹیوں، کھوؤں، اور دروں میں جابجا

(بقیہ حاشیہ ص ۵۳۶)

ویجمع بین قولہ حتی بقی وحدہ وبین الاخبار الدالۃ علی انہ بقی معہ جماعۃ بان المراد بقی وحدہ متقدما علی العدو والذین ثبتوا معہ کانوا وراءہ (ج ۸ ص ۲۲ مصر)

اور اس قول میں کہ حضورؐ تنہا رہ گئے، اور ان واقعات میں جو اس پر دال ہیں کہ حضورؐ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت تھی تطبیق یہ ہے کہ حضورؐ دشمن کے سامنے سب سے آگے مقام میں تھے، اور جو آپ کے ساتھ ثابت قدم تھے، وہ آپ کے پیچھے تھے،

دوسری یہ کہ بخاری ہی میں حضرت براءؓ کی جو روایت ہے اس میں حضرت براءؓ تصریح کرتے ہیں کہ ابوسفیان بن حارث اس وقت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود تھے، اور آپ کی سواری کی لگام تھامے تھے' (غزوۂ حنین بخاری)

مسلم میں حضرت عباسؓ کے یہ الفاظ ہیں کہ میں نے اور ابوسفیان بن حارث نے حضورؐ سے علیحدگی اختیار نہیں کی،

فلزمت انا وابوسفیان بن الحارث بن عبد المطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلم نفارقہ (مسلم غزوۂ حنین) صحیحین کی ان روایات کے سوا روایاتِ ذیل بھی پیش نظر رہنا ضروری ہے،

(۱) ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت میں جو حکم بن عتیبہ سے مروی ہے کہ چار آدمیوں کا حضورؐ کی خدمت میں باقی رہنا بتایا گیا ہے۔ (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۳)

(۲) ترمذی نے حضرت ابن عمرؓ سے روایت کیا ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ سو آدمی نہیں باقی رہ گئے تھے۔ (ترمذی ابواب الجہاد باب ماجاء فی الثبات عند القتال)

[۱] مصنف کا یہ فقرہ واضح نہیں ہے، مقصود یہ ہے کہ گو وہ کلمۂ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو چکے تھے، جیسا کہ عمدۃ القاری جلد ہشتم ص ۳۵۹ مصر، اور شرح مسلم نووی غزوۃ النساء مع الرجال میں ہے، لیکن ہنوز وہ تازہ مسلمان تھے، راسخ الاسلام نہیں ہوئے تھے اسلئے مہاجرین وانصار جیسا استقلال وثبات ان میں اسوقت تک پیدا نہیں ہوا تھا۔ [۲] بخاری باب الجہاد باب من قاد دابۃ غیرہ

جما دیئے تھے، فوجِ اسلام نے صبح کے وقت جب خوب اجالا بھی نہیں ہوا تھا، حملہ کیا، میدان جنگ اس قدر نشیب مین تھا کہ پانون جم نہین سکتے تھے، حملہ آورون کا بڑھنا تھا کہ سامنے سے ہزارون فوجین ٹوٹ پڑین، ادھر کمینگا ہون سے قدر اندازون کے دستے نکل آئے اور تیرون کا مینھ برسا دیا، مقدمۃ الجیش ابتری کے ساتھ بے قابو ہو کر پیچھے ہٹا، اور پھر تمام فوج کے پانون اکھڑ گئے، صحیح بخاری مین ہے، فادبروا عنہ حتی بقی وحدہ یعنی سب لوگ ٹل گئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے رہ گئے،

(بقیہ حاشیہ ص، ۵۳۷) (۳) مسند احمد (جلد اول ص ۴۵۳) و حاکم مین حضرت عبد اللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اسی آدمی باقی رہ گئے تھے، (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۳)

(۴) بیہقی نے حارثہ بن نعمان سے روایت کیا ہے کہ سو آدمی باقی رہ گئے تھے، (زرقانی ج ۳ ص ۲۲)

ابو نعیم نے دلائل مین ان لوگون کی تفصیل بتلائی ہے کہ تیس سے کچھ زائد مہاجرین تھے، بقیہ انصار تھے (فتح الباری جلد ۸ ص ۲۳)،

(۵) ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت مہاجرین انصار اور اہل بیت مین سے حسب ذیل اصحاب موجود تھے، حضرت ابو بکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت عباس بن عبد المطلب، حضرت ابو سفیان بن حارث، حضرت جعفرؓ ابن ابی سفیان بن حارث، حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت ربیعہؓ بن حارث، حضرت اسامہؓ بن زید، حضرت ایمنؓ بن ام ایمن،

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ حضرت انسؓ کے الفاظ "بقی وحدہ" اپنے ظاہری معنی پر باقی نہین رہ سکتے، حافظ ابن حجر نے اسکی توجیہ یہ کی ہے کہ ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ حضورؐ آگے تھے اور بقیہ لوگ پیچھے تھے، لیکن اس کی صاف توجیہ یہ ہے کہ ان الفاظ سے ثابت قدم رہنے والون کی کمی کا ظاہر کرنا مقصود ہے، ورنہ حقیقت یہ نہ تھی،

دوسری روایات مین ثابت قدم رہنے والون مین جو اختلاف پایا جاتا ہے، اس کی مختلف توجیہین کی گئی ہین، (ملاحظہ ہو زرقانی ج ۳ ص ۲۴) لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لوگ حضرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم کے آس پاس تھے، اور تھوڑی تھوڑی تعداد مین حضورؐ کے پاس پہنچنے لگے، یہان تک کہ خاصی جماعت حضورؐ کے گرد جمع ہو گئی، اسی وجہ سے مختلف لوگون نے مختلف تعداد بتلائی ہے، (سنن ۱ د ۵ بخاری غزوہ طائف)

تیرون کا مینھ برس رہا تھا، بارہ ہزار فوجین ہوا ہو گئی تھین لیکن ایک پیکر مقدسؐ پا بر جا تھا، جو تنہا ایک فوج ایک ملک ایک اقلیم، ایک عالم، بلکہ مجموعۂ کائنات تھا (صلی اللہ علیہ وسلم)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داہنی جانب دیکھا اور پکارا یا معشر الانصار! آواز کے ساتھ صدا آئی، "ہم حاضر ہین" پھر آپؐ نے بائین جانب مڑکر پکارا اب بھی وہی آواز آئی، آپؐ سواری سے اتر پڑے، اور جلال نبوت کے لہجہ مین فرمایا "مین خدا کا بندہ اور اس کا پیغمبر ہون[1]"

بخاری کی دوسری روایت مین ہے،

انا النبی لا کذب	مین پیغمبر ہون، یہ جھوٹ نہین ہے،
انا ابن عبد المطلب	مین عبد المطلب کا بیٹا ہون،

حضرت عباسؓ نہایت بلند آواز تھے، آپؐ نے اُن کو حکم دیا کہ مہاجرین اور انصار کو آواز دو، انھون نے نعرہ مارا،

یا معشر الانصار،	او گروہ انصار،
یا اصحاب الشجرۃ،	او اصحاب الشجرۃ (بیعت رضوان والے)

اس پُر اثر آواز کا کانون مین پڑنا تھا کہ تمام فوج دفعۃً پلٹ پڑی، جن لوگون کے گھوڑے کشمکش اور گھمسان کی وجہ سے مڑ نہ سکے، انھون نے زرہین پھینک دین اور گھوڑون سے کود پڑے، دفعۃً لڑائی کا رنگ بدل گیا، کفار بھاگ نکلے، اور جو رہ گئے، اُن کے ہاتھون مین ہتھکڑیان تھین، بنو مالک (ثقیف کی ایک شاخ تھی،) جم کر لڑے، لیکن اُن کے ستر

[1] صحیح بخاری جلد دوم ص ۶۲۱ غزوۂ طائف،

آدمی مارے گئے، اورجب اُن کا علم بردار عثمان بن عبداللہ مارا گیا تو وہ بھی ثابت قدم نہ رہ سکے،

شکست خوردہ فوج ٹوٹ پھوٹ کر (کچھ اوطاس مین جمع ہوئی اور کچھ) طائف مین جا کر پناہ گزین ہوئی جس کے ساتھ سپہ سالار لشکر (مالک بن عوف) بھی تھا،

اوطاس

درید بن الصمۃ کئی ہزار کی جمعیت لے کر اوطاس مین آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو عامر اشعری کے ماتحت) تھوڑی سی فوج اس کے استیصال کے لئے بھیج دی، (حضرت ابو عامر درید کے بیٹے کے ہاتھ سے مارے گئے اور علم اسلام اس کے ہاتھ مین تھا یہ حالت دیکھ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری نے آگے بڑھ کر حملہ کیا، دشمن کو قتل کر کے علم اس کے ہاتھ سے چھین لیا، درید ایک شتر پر ہودج مین سوار تھا، ربیعہ بن رفیع نے اُس پر تلوار کا وار کیا، لیکن اچٹ کر رہ گئی، اُس نے کہا "تیری ماں نے تجھ کو اچھے ہتھیار نہیں دیئے" پھر کہا کہ "میرے محمل مین تلوار ہے نکال لو، اور جب اپنی ماں کے پاس واپس جانا تو کہنا کہ مین نے درید کو قتل کر دیا" ربیعہ نے جا کر ماں کو اس کے قتل کی خبر دی تو اس نے کہا "خدا کی قسم درید نے تیری تین ماؤن کو آزاد کرایا تھا"[1]

اسیران جنگ کی تعداد ہزاروں سے زیادہ تھی، ان مین حضرت شیمار بھی تھین، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن تھین، لوگون نے جب اُن کو گرفتار کیا تو انھون نے کہا "مین تمھارے پیغمبر کی بہن ہون" لوگ تصدیق کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے، انھون نے پیٹھ کھول کر دکھائی کہ ایک دفعہ بچپن مین آپ نے دانت سے کاٹا تھا،

(1) مسند ابن حنبل جلد ۴ ص ۳۹۹ طبری ج ۳ ص ۱۶۶۷ مطبوعہ یورپ،

یہ اس کا نشان ہو، فرطِ محبت سے آپؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے، اُن کے بیٹھنے کے لئے خود ردائے مبارک بچھائی، محبت کی باتیں کیں، چند شتر اور بکریاں عنایت فرمائیں، اور ارشاد کیا کہ جی چاہے تو میرے گھر چل کر رہو، اور گھر جانا چاہو تو وہاں پہنچا دیا جائے[۵۱] انھوں نے خاندان کی محبت سے وطن جانا چاہا، چنانچہ عزت و احترام کے ساتھ پہنچا دی گئیں،

محاصرۂ طائف

حُنین کی بقیۂ شکست خوردہ فوج طائف میں جاکر پناہ گزین ہوئی، اور جنگ کی تیاریاں شروع کیں، طائف نہایت محفوظ مقام تھا، طائف اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ اس کے گرد شہر پناہ کے طور پر چار دیواری تھی، یہاں ثقیف کا جو قبیلہ آباد تھا، نہایت شجاع، تمام عرب میں ممتاز اور قریش کا گویا ہمسر تھا، عروہ بن مسعود جو یہاں کا رئیس تھا، ابو سفیان (حضرت امیر معاویہؓ کے باپ) کی لڑکی اس کو بیاہی تھی، کفارِ مکہ کہتے تھے کہ قرآن اگر اترتا تو مکہ یا طائف کے رؤسا پر اُترتا، یہاں کے لوگ فنِ جنگ سے بھی واقف تھے، طبری اور ابن اسحاق نے لکھا ہے کہ عروہ بن مسعود اور غیلان بن سلمۃ نے جُرش (یمن کا ایک ضلع) میں جاکر قلعہ شکن آلات یعنی دبّابہ ضبّور اور منجنیق کے بنانے اور استعمال کرنے کا فن سیکھا تھا،[۵۲]

یہاں ایک محفوظ قلعہ تھا، اہلِ شہر اور حنین کی شکست خوردہ فوج نے اس کی مرمت کی، سال بھر کی رسد کا سامان جمع کیا، چاروں طرف منجنیقیں اور جابجا قدر انداز متعین کئے۔[۵۳]

---

۵۱ طبقات ابن سعد و اصابہ و طبری (جلد ۳ ص ۱۶۶۸) ۵۲ طبری (ج ۳) ص ۱۶۶۹ مطبوعہ یورپ ۵۳ تاریخ خمیس جلد دوم ص ۱۲۲ و ابن سعد،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حنین کے مال غنیمت اور اسیران جنگ کے متعلق حکم دیا کہ جعرانہ مین محفوظ رکھے جائین، اور خود طائف کا عزم کیا، حضرت خالدؓ مقدمۃ الجیش کے طور پر پہلے روانہ کر دیے گئے تھے، غرض محاصرہ ہوا، اور اسلام مین یہ پہلا موقع تھا کہ قلعہ شکن آلات یعنی دبابہ اور منجنیق استعمال کئے گئے، دبابہ پر اہل قلعہ نے لوہے کی گرم سلاخین برسائین، اور اس شدت کی تیر باری کی کہ حملہ آوردن کو ہٹنا پڑا، بہت سے لوگ زخمی ہوئے، بیس دن تک محاصرہ رہا، لیکن شہر فتح نہ ہو سکا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نوفلؓ بن معاویہؓ کو بلا کر پوچھا کہ تمھاری کیا راے ہے، انھون نے کہا کہ لومڑی بھٹ مین گھس گئی ہے اگر کوشش جاری رہی تو پکڑ لی جائے گی، لیکن چھوڑ دی جائے تب بھی کچھ اندیشہ نہین،

چونکہ صرف مدافعت مقصود تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ محاصرہ اٹھا لیا جائے، صحابہ نے عرض کی آپ اُن کو بددعا دین، آپ نے یہ دعا دی،[1]

اللّٰھم اھد ثقیفاً وائت بھم،	اے خدا ثقیف کو ہدایت کر اور توفیق دے کہ میرے پاس حاضر ہو جائین،

تقسیم غنائم

محاصرہ چھوڑ کر آپ جعرانہ تشریف لائے، غنیمت کا بے شمار ذخیرہ تھا، چھ ہزار اسیران جنگ، چوبیس ہزار اونٹ، چالیس ہزار سے زیادہ بکریان اور چار ہزار اوقیہ چاندی تھی،[2] اسیران جنگ کے متعلق آپ نے انتظار کیا، اُن کے عزیز و اقارب آئین تو اُن سے گفتگو کی جائے، لیکن کئی دن گذرنے پر کوئی نہ آیا، مال غنیمت کے پانچ حصے کئے گئے، چار حصے

---

[1] ابن سعد جزء مغازی ص ۱۵، [2] طبقات ابن سعد (جزء مغازی ص ۱۱۰) "س"،

حسب قاعدہ اہلِ فوج کو تقسیم کیے گئے، خمس بیت المال اور غربا و مساکین کے لئے رکھا گیا،
مکّہ کے اکثر رؤسا، جنہون نے حال مین اسلام قبول کیا تھا، ابھی تک مذبذب الاعتقاد
تھے، انہی کو قرآن مجید مین مولفۃ القلوب کہا ہے، قرآن مجید مین جہان زکوٰۃ کے مصارف بیان
کیے ہین، ان لوگون کا نام بھی ہے آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ان لوگون کو نہایت فیاضانہ انعامات
دیے جن کی تفصیل یہ ہے۔

ابوسفیان، مع اولاد	۳۰۰ اونٹ اور ۱۲۰ - اوقیہ چاندی،
حکیم بن حزام	۲۰۰ اونٹ
نُضیر بن حارث بن کلدہ ثقفی	۱۰۰ اونٹ
صفوان بن امیہ	۱۰۰ اونٹ
قیس بن عدی	۱۰۰ اونٹ
سہیل بن عمرو	۱۰۰ اونٹ
حویطب بن عبدالعزی	۱۰۰ اونٹ

(ان کے علاوہ تین غیر ملکی نومسلم ہ بھی ان انعامات کے مستحق ٹھہرے)

اقرع بن حابس (تمیمی)	۱۰۰ اونٹ
عیینہ بن حصن فزاری	۱۰۰ اونٹ
مالک بن عوف (نصری)	۱۰۰ اونٹ

ان کے سوا بہت سے لوگون نے س پچاس اونٹ عطا فرمائے، عام تقسیم کی رو سے

نوج کے حصہ مین جو آیا وہ فی کس چار اونٹ اور چالیس بکریان تھین، لیکن چونکہ سوارون کو تگنا حصہ ملتا تھا، اس لئے ہر سوار کے حصہ مین بارہ[۱۲] اونٹ اور ایک سو بیس[۱۲۰] بکریان آئین[۱]،

جن لوگون پر انعام کی بارش ہوئی، عموماً اہلِ مکہ اور اکثر جدید الاسلام تھے، اس پر انصار کو رنج ہوا بعضون نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو انعام دیا اور ہم کو محروم رکھا حالانکہ ہماری تلوارون سے اب تک قریش کے خون کے قطرے ٹپکتے ہین[۲]، بعض بولے کہ مشکلات مین ہماری یاد ہوتی ہے اور غنیمت اورون کو ملتی ہے[۳]،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ چرچے سُنے تو انصار کو طلب فرمایا، ایک چرمی خیمہ نصب کیا گیا جس مین لوگ جمع ہوئے، آپؐ نے انصار کی طرف خطاب کیا کہ تم نے ایسا کہا؟ لوگون نے عرض کی کہ "حضور ہمارے سر برآوردہ لوگون مین سے کسی نے یہ نہیں کہا، نوخیز نوجوانون نے یہ فقرے کہے تھے"[۴] صحیح بخاری باب مناقب الانصار مین حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو بلا کر پوچھا کہ یہ کیا واقعہ ہے تو چونکہ انصار جھوٹ نہین بولتے تھے، انھون نے کہا "آپؐ نے جو سُنا صحیح ہے"[۵]

آپؐ نے ایک خطبہ دیا جس کی نظیر فنِ بلاغت مین نہین مل سکتی، انصار کی طرف خطاب فرما کر کہا:-

"کیا یہ سچ نہین ہے کہ تم پہلے گمراہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو ہدایت کی تم

(۱) طبقات ابن سعد جزء مغازی ص ۱۰۱۰ و زرقانی علی المواہب ج ۳ ص ۴۲ (۲) صحیح بخاری غزوۂ طائف،
(۳) صحیح بخاری مطبوعہ مطبع نظامی ص ۶۲۱ (۴) صحیح بخاری ص ۶۲۰ (باب غزوۂ طائف) (۵)

منتشر اور پراگندہ تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم مین اتفاق پیدا کیا، تم مفلس تھے، خدا نے میرے ذریعہ سے تم کو دولت مند کیا۔

آپ یہ فرماتے جاتے تھے، اور ہر فقرہ پر انصار کہتے جاتے تھے کہ خدا اور رسول کا احسان سب سے بڑھ کر ہے۔[۱]

آپنے فرمایا نہین تم یہ جواب دو کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تجھ کو جب لوگون نے جھٹلایا تو ہم نے تیری تصدیق کی، تجھ کو جب لوگون نے چھوڑ دیا تو ہم نے پناہ دی، تو مفلس آیا تھا ہم نے ہر طرح کی مدد کی،

یہ کہکر آپنے فرمایا کہ تم یہ جواب دیتے جاؤ اور مین یہ کہتا جاؤن گا کہ تم سچ کہتے ہو، لیکن اے انصار! کیا تم کو یہ پسند نہین کہ لوگ اونٹ اور بکریان لے کر جائین اور تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو لیکر اپنے گھر آؤ۔

انصار بے اختیار چیخ اٹھے، کہ "ہم کو صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم درکار ہین" اکثرون کا یہ حال ہوا کہ روتے روتے داڑھیان تر ہوگئین، آپنے انصار کو سمجھایا کہ مکہ کے لوگ جدید الاسلام ہین، مین نے اُن کو جو کچھ دیا حق کی بنا پر نہین بلکہ "تالیفِ قلب"[۲] کے لیے دیا،

حنین کے اسیرانِ جنگ اب تک جعرانہ مین محفوظ تھے، ایک معزز سفارت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئی، کہ اسیرانِ جنگ رہا کر دیئے جائین، یہ وہ قبیلہ تھا کہ آپ کی رضاعی والدہ حضرت حلیمہ اسی قبیلہ کی تھین، رئیس قبیلہ (زہیر بن صرد) نے

[۱] صحیح بخاری صفحہ ۶۲۰ (باب غزوۂ طائف و فتح الباری جلد ۸ صفحہ ۴۱) [۲] صحیح بخاری و فتح الباری اور یہی تفصیل فتح الباری

کھڑے ہو کر تقریر کی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مخاطب ہو کر کہا "جو عورتین چھپرون مین محبوس ہین، انہی مین تیری پھوپھیان اور تیری خالائین ہین خدا کی قسم اگر سلاطینِ عرب مین سے کسی نے ہمارے خاندان کا دودھ پیا ہوتا تو اُن سے بہت کچھ امیدین ہوتین اور تجھ سے تو اور بھی زیادہ توقعات ہین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ خاندانِ عبد المطلب کا جس قدر حصہ ہے وہ تمہارا ہے لیکن عام رہائی کی تدبیر یہ ہو کہ نماز کے بعد جب مجمع ہو تو سب کے سامنے یہ درخواست پیش کرو"، نماز ظہر کے بعد اُن لوگون نے یہ درخواست مجمع کے سامنے پیش کی، آپنے فرمایا مجھ کو صرف اپنے خاندان پر اختیار ہے لیکن مین تمام مسلمانون سے اُن کے لئے سفارش کرتا ہون" مہاجرین اور انصار بول اٹھے ہمارا حصہ بھی حاضر ہے، اس طرح چھ ہزار دفعۃً آزاد تھے"[1]

واقعات متفرقہ

(حضرت ماریہؓ کے بطن سے اسی سال ایک لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابراہیم رکھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس بچہ سے نہایت محبت تھی، ڈیڑھ سال (سترہ یا اٹھارہ مہینے) زندہ رہا جس دن ابراہیم نے وفات پائی، سورج گرہن ہوا عرب کا عقیدہ تھا، کہ سورج گرہن کسی عظیم الشان انسان کی موت کی علامت ہے، لوگون نے سمجھا کہ یہ ابراہیم کی موت کا نتیجہ ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگون کو جمع کر کے خطبہ دیا کہ "سورج اور چاند خدا کی قدرت ہین، کسی کے مرنے اور جینے سے اُن مین گرہن نہین لگتا" اس کے بعد آپنے کسوف کی نماز باجماعت ادا فرمائی،[2]

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینبؓ کا بھی اسی سال انتقال ہوا)

---

[1] طبری ج ۳ ص ۱۶۷۰، [2] ص ۱۵ بخاری باب کسوف)

سنہ ۹ھ

واقعۂ ایلاء و تخییر و غزوۂ تبوک

ایلاء اور تخییر ۹ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زاہدانہ اور تمام زخارفِ دنیوی سے بیگانہ زندگی بسر کرتے تھے، دو دو مہینے گھر میں آگ نہیں جلتی تھی، آئے دن فاقے ہوتے رہتے تھے، مدۃ العمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا،

ازواجِ مطہرات رض اس جنسِ لطیف میں شامل تھیں جن کی مرغوب ترین چیز عموماً زیب و زینت اور ناز و نعمت ہے، اور گو شرفِ صحبت نے اُن کو تمام ابنائے جنس سے ممتاز کر دیا تھا، تاہم بشریت بالکل معدوم نہیں ہو سکتی تھی خصوصاً وہ دیکھتی تھیں کہ فتوحاتِ اسلام کا دائرہ بڑھتا جاتا ہے، اور غنیمت کا سرمایہ اس قدر پہنچ گیا ہے، کہ اس کا ادنی حصہ بھی اُن کی راحت و آرام کے لئے کافی ہو سکتا ہے ان واقعات کا اقتضا تھا کہ اُن کے صبر و قناعت کا جام لبریز ہو جاتا تھا

(س[۱] بعض محدثین کی رائے ہے کہ یہ ذی الحجہ سنہ ۵ھ کا واقعہ ہے، اس اشتباہ کا سبب یہ ہے کہ بعض روایتوں میں یہ مذکور ہوا ہے کہ یہ نزولِ حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے لیکن آگے چل کر حضرت عمر رض کی روایت میں مذکور ہے کہ جب اس حادثہ کی مبہم خبر سے مسلمانوں میں اضطراب دیکھا تو سمجھے کہ غسان کا بادشاہ حملہ آور ہوا جس کی اطلاع پہلے ہو چکی تھی، غسان کا حملہ سنہ ۹ھ میں ہونے والا تھا، حافظ ابن حجر اور محدث دمیاطی نے بہ دلائل ثابت کیا ہے کہ یہ اوائل سنہ ۹ھ کا واقعہ ہے (دیکھو فتح الباری جلد ۹ ص ۲۵۰) "س"

ازواجِ مطہرات مین بڑے بڑے گھرانون کی خاتونین تھین حضرت اُمِّ حبیبہؓ تھین جو رئیس قریش کی صاحبزادی تھین، حضرت جویریہؓ تھین جو قبیلۂ بنی المصطلق کے رئیس کی بیٹی تھین حضرت صفیہؓ تھین جن کا باپ خیبر کا رئیسِ اعظم تھا حضرت عائشہؓ تھین جو حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی تھین، حضرت حفصہ تھین جن کے والد فاروق اعظمؓ تھے، بشریت کے اقتضا سے ان مین منافست بھی تھی، اور حریف کے مقابلہ مین اپنے رتبہ اور شان کا خیال رہتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہرایک کو جو شدید محبت تھی وہ ع باسایہ ترانمی پسندم کی حد تک تھی،

ایک دفعہ کئی دن تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زینبؓ کے پاس معمول سے زیادہ بیٹھے جس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت زینبؓ کے پاس کہین سے شہد آگیا تھا، انھون نے آپؐ کے سامنے پیش کیا آپؐ کو شہد بہت مرغوب تھا، آپؐ نے نوش فرمایا، اس مین وقتِ مقررہ سے دیر ہوگئی حضرت عائشہؓ کو رشک ہوا حضرت حفصہؓ سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہمارے یا تمھارے گھر مین آئین تو کہنا چاہئے کہ آپؐ کے منہ سے مغافیر کی بو آتی ہے، (مغافیر کے پھولون سے شہد کی مکھیان رس چوستی ہین) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی کہ مین شہد نہ کھاؤن گا، اس پر قرآن مجید[1] کی یہ آیت اُتری،

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ (تحریم-۱)	اے پیغمبر! اپنی بیویون کی خوشی کے لئے تم خدا کی حلال کی ہوئی چیز کو حرام کیون کرتے ہو،

[1] صحیح بخاری تفسیر سورۂ تحریم، اس واقعہ کو بخاری کتاب الطلاق مین زیادہ تفصیل سے لکھا ہے جس مین یہ بھی ہے کہ اس تدبیر مین، دیگر ازواجِ مطہرات بھی شریک کر لی گئین اور جس نے اول اس کا اظہار کیا وہ حضرت سودہؓ تھین، ۱۲

علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں لکھا ہے،

فان قلت کیف جاز لعائشۃ	اگر کوئی یہ کہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت
وحفصۃ الکذب والمواطاۃ	حفصہؓ کو جھوٹ بولنا اور آنحضرت صلی اللہ
التی فیہا ایذاء رسول اللہ	علیہ وسلم کے خلاف سازش کرنا کیونکر جائز
صلی اللہ علیہ وسلم قلت، کانت عائشۃ	تھا تو جواب یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ کمسن تھین
صغیرۃ مع انہا وقعت منہا	اس کے علاوہ اُن کا مقصود آنحضرت صلی اللہ
من غیر قصد الایذاء بل علی	علیہ وسلم کو ایذا دینا نہین تھا، بلکہ جیسا کہ
ما ھو من جبلۃ النساء فی الغیرۃ	عورتین اپنی سوکنون کے مقابلہ مین رشک
علی الضرائر،	سے تدبیرین اختیار کرتی ہین، اسی طرح
(تفسیر سورہ تحریم)	کی ایک تدبیر تھی،

لیکن علامہ موصوف کا جواب تسلیم کرنا مشکل ہے اول تو یہ واقعہ ایلاء کے واقعہ کے سلسلہ مین ہے جو ۹ھ مین واقع ہوا تھا، اس وقت حضرت عائشہؓ سترہ برس کی ہو چکی تھین، دوسرے حضرت عائشہؓ کمسن تھین، لیکن اور ازواج مطہرات جو اس مین شریک ہوئین وہ تو پوری عمر کی تھین، خود حضرت حفصہؓ کی عمر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شادی کے وقت ۳۵ برس کی تھی،

ہمارے نزدیک مغافیر کی بو کا اظہار کرنا، کوئی جھوٹ بات نہ تھی، تمام روایتون سے ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لطیف المزاج تھے، اور رائحہ کی ذراسی ناگواری کو

برداشت نہین فرما سکتے تھے[1] مغافیر کے پھولون مین اگر کسی قسم کی کرختگی ہو تو تعجب[2] کی بات نہین، البتہ ازواج مطہرات رض کا ایکا کرنا بظاہر محل اعتراض ہو سکتا ہے لیکن یہ کسی کا اعتقاد نہین کہ ازواج مطہرات رض معصوم تھین، یا اپنے انجاح مقصد کے لئے جائز وسائل نہین اختیار کرتی تھین، اسی زمانہ مین یہ واقعہ پیش آیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی راز کی بات حضرت حفصہ رض سے فرمائی اور تاکید کر دی کہ کسی سے نہ کہنا لیکن انھون نے حضرت عائشہ رض سے کہدیا اس پر یہ آیت اُتری،

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ	اور جب کہ پیغمبر نے اپنی بعض بیویون سے
حَدِيْثًا فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ	راز کی بات کہی اور انھون نے فاش کر دی،
اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ	اور خدا نے پیغمبر کو اس کی خبر کر دی، تو پیغمبر
عَنْۢ بَعْضٍ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ	نے اس کا کچھ حصہ اُن سے کہا اور کچھ چھوڑ
مَنْ اَنْۢبَاَكَ هٰذَا قَالَ نَبَّاَنِيَ	دیا، پھر جب اُن سے کہا تو انھون نے کہا
الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۔	کہ آپ کو کس نے خبر دی، پیغمبر نے کہا
(تحریم - ۱)	مجھکو خدائے عالم خبیر نے خبر دی ہے!

شکر رنجیان بڑھتی گئین، اور حضرت عائشہ رض وحضرت حفصہ رض نے باہم مظاہرہ کیا یعنی دونون نے اس پر اتفاق کیا کہ دونون ملکر زور ڈالین، اس پر حضرت عائشہ رض وحضرت حفصہ رض کی شان مین یہ آیتین اترین،

(1) مسند احمد ج ۶ ص ۲۲۹،) س (2) عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۲۶) س،

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ	اگر تم دونوں خدا کی طرف رجوع کرو تو
قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَإِنَّ	تمھارے دل مائل ہو چکے ہیں، اور اگر ان کے
اللّٰهَ هُوَ مَوْلَاهُ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ	(یعنی رسول اللہ) کے مقابلہ میں ایکا کرو
الْمُؤْمِنِينَ وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ	تو خدا اور جبرئیل اور نیک مسلمان اور سب کے
ظَهِيرٌ (سورۂ تحریم-۱)	بعد فرشتے رسول اللہ کے مددگار ہیں،

حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے جن معاملات کی وجہ سے ایکا کیا تھا، وہ خاص تھے لیکن توسیعِ نفقہ کے تقاضے میں تمام ازواجِ مطہراتؓ شریک تھیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سکونِ خاطر میں یہ تنگ طلبی اس قدر خلل انداز ہوئی کہ آپ نے عہد فرمایا کہ ایک مہینہ تک ازواجِ مطہراتؓ سے نہ ملیں گے۔ اتفاق یہ کہ اسی زمانہ میں آپ گھوڑے سے گر پڑے، اور ساقِ مبارک پر زخم آیا، آپ نے بالاخانہ[1] پر تنہا نشینی اختیار کی، واقعات کے قرینہ سے لوگوں نے خیال کیا کہ آپ نے تمام ازواج کو طلاق دی، اس کے بعد جو واقعات پیش آئے ان کو ہم حضرت عمرؓ کی زبان سے نقل کرتے ہیں کہ انھوں نے دلچسپ اور پر اثر تفصیل کیساتھ

[1] بالاخانہ کیلئے احادیث میں مشربہ کا لفظ آیا ہے، مشربہ کے نام سے زیادہ تر مشربہ ام ابراہیم (ماریہ) مشہور ہے، اسی لئے بعض لوگوں کو یہ شبہہ ہوا ہے کہ یہ وہی بالاخانہ تھا، لیکن یہ قطعاً غلط ہے، مشربۂ ام ابراہیم مدینہ سے باہر واقع تھا، حضرت عمرؓ کی جو روایت تمام صحاح میں موجود ہے اور جس کو مصنف نے آگے نقل کیا ہے، اس سے بھی متبادر ہوتا ہے کہ یہ وہ مقام تھا جو حضرت حفصہؓ کے گھر اور مسجد نبوی سے بالکل متصل تھا، کہ حضرت عمرؓ دوڑ دوڑ کر جلدی جلدی کبھی ادھر کبھی ادھر جاتے تھے، ابوداؤد میں تصریح ہے کہ یہ مشربہ حضرت عائشہؓ کے حجرہ کا بالاخانہ تھا جو مسجد نبوی ہی سے متصل دیگر ازواجِ مطہرات کے حجروں کے برابر تھا، (ابوداؤد باب الامام یصلی من قعود) "س"

اس واقعہ کو بیان کیا ہے، اس بیان مین کچھ ابتدائی واقعات بھی آ گئے ہین جن سے اصل معاملہ پر زیادہ روشنی پڑتی ہے[1]،

حضرت عمرؓ فرماتے ہین، کہ مین اور ایک انصاری (اوس بن خولی یا عتبان بن مالک) ہمسایہ تھے، اور معمول تھا کہ باری باری سے ایک دن بیچ دے کر ہم دونون خدمتِ اقدس مین حاضر ہوا کرتے تھے،

قریش کے لوگ عورتون پر قابو رکھتے تھے، اور ان پر غالب رہتے تھے، لیکن جب مدینہ مین آئے تو یہان انصار کی عورتین مردون پر غالب تھین، ان کا اندازہ دیکھ کر ہماری عورتون نے بھی اُن کی تقلید شروع کی، ایک دن مین نے کسی بات پر اپنی بیوی کو ڈانٹا، انھون نے الٹ کر جواب دیا، مین نے کہا تم میری بات کا جواب دیتی ہو، بولین، تم کیا ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویان اُن کو برابر کا جواب دیتی ہین، یہان تک کہ دن بھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روٹھی رہتی ہین، مین نے دل مین کہا غضب ہو گیا، اٹھ کر حفصہؓ (حضرت عمرؓ کی صاحبزادی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ) کے پاس آیا، اور پوچھا کہ کیا واقعی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے رات بھر روٹھی رہتی ہے، حفصہؓ نے اقرار کیا مین نے کہا تجھ کو یہ خیال نہین کہ رسولؐ کی ناراضی خدا کی ناراضی ہے، بخدا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرا خیال فرماتے ہین، ورنہ تجھکو طلاق دے چکے ہوتے، پھر حضرت ام سلمہؓ

[1] یہ واقعہ صحیح بخاری کے متعدد ابواب یعنی کتاب النکاح، طلاق، کتاب العلم مین باختلاف عبارت منقول ہے، صحیح مسلم باب النکاح مین بھی کئی طریق سے مذکور ہے، ان روایتون مین باہم جزئیات مین اختلاف ہے، ہم نے تا امکان سب روایتون کو جمع کیا ہے،

کے پاس گیا اور اُن سے بھی یہی شکایت کی، بولیں کہ عمرؓ! تم ہر معاملہ میں دخل دینے لگے یہانتک کہ اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی ازواج کے معاملات مین بھی دخل دیتے ہو، مین چپ ہو گیا اور اٹھ کر چلا آیا۔"

کچھ رات گئی، میرے ہمسایہ انصاری باہر سے آئے اور بڑے زور سے دروازہ کھٹ کھٹایا، مین گھبرا کر اٹھا، اور دروازہ کھول کر پوچھا خیر ہے؟ انھون نے کہا غضب ہو گیا، مین نے کہا کیا غسانی[۵] مدینہ پر چڑھ آئے، بولے کہ نہین، اس سے بھی بڑھ کر یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج کو طلاق دے دی، مین صبح کو مدینہ آیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز فجر ادا کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر بالاخانہ مین تنہا جا کر بیٹھ گئے، مین، حفصہؓ کے پاس آیا تو دیکھا وہ بیٹھی رو رہی ہے، مین نے کہا، مین نے تجھ سے پہلے ہی کہا تھا، حفصہؓ کے پاس سے اٹھ کر مسجد نبویؐ مین آیا، دیکھا تو صحابہ منبر کے پاس بیٹھے رو رہے ہین، مین اُن کے پاس بیٹھ گیا، لیکن طبیعت کو سکون نہین ہوتا تھا، اٹھ کر بالاخانہ کے پاس آیا، اور رباح (خادم خاص) سے کہا اطلاع کرو، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ جواب نہین دیا، مین اٹھ کر پھر مسجد مین چلا آیا،"

پھر تھوڑی دیر کے بعد بیتاب ہو کر بالاخانہ کے نیچے آیا، اور دربان سے دوبارہ اذن طلبی کی درخواست کی جب کچھ جواب نہین ملا تو مین نے پکار کر کہا رباح! میرے لئے اذن مانگ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خیال ہے کہ مین حفصہؓ کی سفارش کرنے آیا ہون، خدا کی

---

۵ غسانی عرب کا ایک خاندان تھا جو شام مین رومیون کے ماتحت بادشاہی کرتا تھا، وہ رومیون کی تحریک سے مدینہ پر حملہ کرنے کی تیاریان کر رہا تھا،

قسم رسول اللہ فرمائین، تو حفصہ کی گردن اُڑا دون، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اجازت دی، اندر گیا تو دیکھا کہ آپ کھرّی چارپائی[1] پر لیٹے ہین، اور جسم مبارک پر بانون کے نشان پڑ گئے ہین، ادھر اودھر نظر اٹھا کر دیکھا تو ایک طرف مٹھی بھر جو رکھے ہوئے تھے، ایک کونے مین کسی جانور کی کھال کھونٹی پر لٹک رہی تھی، میری آنکھون سے آنسو جاری ہو گئے، آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے سبب پوچھا مین نے عرض کی، اس سے بڑھ کر رونے کا اور کیا موقع ہوگا، قیصر و کسری باغ و بہار کے مزے لوٹ رہے ہین، اور آپ پیغمبر ہو کر آپ کی یہ حالت ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی نہین کہ قیصر و کسری دنیا لین، اور ہم آخرت"

مین نے عرض کی کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دے دی؟ آپ نے فرمایا "نہین" مین اللہ اکبر پکار اُٹھا، پھر عرض کی کہ مسجد مین تمام صحابہ مغموم بیٹھے ہین، اجازت ہو تو جا کر خبر کر دون کہ واقعہ غلط ہے، چونکہ ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا تھا، آپ بالاخانہ سے اُتر آئے[2]، اور عام باریابی کی اجازت ہو گئی، اس کے بعد آیت تخییر نازل ہوئی،

(1) بعض روایتون مین حصیر (چٹائی) کا لفظ آیا ہے اور بعض مین سریۃ (چارپائی) ابن حجر نے یہ تطبیق دی ہے کہ وہ تھی چارپائی لیکن چٹائی جس سے بنی جاتی ہے اُس سے بُنی ہوئی تھی (فتح الباری جلد ۹ ص ۲۵۱)

(2) آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم بالاتفاق ۲۹ روز بالاخانہ پر تشریف فرما رہے، حضرت عمرؓ کا یہ مکالمہ پہلے روز کا واقعہ ہے، یا آخر روز کا اس روایت کے جتنے طرق ہین، ان کا ابتدائی ٹکڑا ظاہر کرتا ہے کہ یہ پہلے ہی دن کا واقعہ ہے اور آخر کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ انتیسوین روز کا واقعہ ہے، مصنف مرحوم نے آخری فقرون کا لحاظ کیا ہے، اور بظاہر اس کو انتیسوین روز کا واقعہ سمجھا ہے، لیکن اس بنا پر لازم آتا ہے کہ

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِأَزْوَاجِكَ إِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِينَتَهَا فَتَعَالَيْنَ أُمَتِّعْكُنَّ وَأُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا ۝ وَإِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا ۝ (احزاب ۴)

(اے پیغمبر اپنی بیویون سے کہدے کہ اگر تم کو دنیا کی زندگی، اور دنیا کا زیب آرایش مطلوب ہے، تو آؤ مین تم کو رخصتی جوڑے دیکر بہ طریق احسن رخصت کردون اور اگر خدا، خدا کا رسول اور آخرت مطلوب ہے، تو خدا نے تم مین سے نیکوکارون کیلیے بڑا ثواب مہیا کر رکھا ہے)

اس آیت کی رو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا کہ ازواجِ مطہراتؓ کو مطلع فرمادین کہ دو چیزین تمھارے سامنے ہین دنیا اور آخرت، اگر تم چاہتی ہو تو آؤ مین تم کو رخصتی جوڑے دیکر عزت واحترام کے ساتھ رخصت کردون، اور اگر تم خدا اور رسول اور زندگانی ابدی کی طلبگار ہو تو خدا نے نکوکارون کے لئے بڑا اجر مہیا کر رکھا ہے،

مہینہ ختم ہوچکا تھا آپ بالاخانہ سے اترے، اور چونکہ ان تمام معاملات مین حضرت عائشہؓ پیش پیش تھین اُن کے پاس تشریف لے گئے، اور مطلع فرمایا، انھون نے کہا مین

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۵۵۴) ۲۰ دن تک گویا حضرت عمرؓ اور صحابہ کو واقعۂ ایلا کی اطلاع ہی نہ تھی، حالانکہ اس کو کوئی تسلیم نہین کرسکتا، اس بناپر محدثین نے یہ تاویل کی ہے کہ اس مکالمہ کا اکثر حصہ پہلے روز کا واقعہ ہے لیکن صرف اُترنے کا بیان آخر روز کا واقعہ ہے، راوی نے بیچ کا سلسلہ چھوڑ دیا، بخاری کی اس روایت سے جو کتاب النکاح باب موعظۃ الرجل ابنتہ لحال زوجہا، اور کتاب اللباس باب ما کان یتجوز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اللباس مین مذکور ہے صاف تصریح موجود ہے اس بناپر اس فقرہ کو یون پڑھنا چاہیے جب ایلاء کی مدت یعنی ایک مہینہ گذر چکا، "س"

سب کچھ چھوڑ کر خدا اور رسول کو لیتی ہون تمام اور ازواج مطہرات نے بھی یہی جواب دیا،

ایلا، تخییر، مظاہرہ حفصہ و عائشہ، یہ واقعات عام طور پر اس طرح بیان کئے گئے ہین کہ گویا مختلف زمانون کے واقعات ہین، اور اُن سے ایک ظاہر بین یہ دھوکا کھا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ازواج مطہرات کے ساتھ ہمیشہ ناگواری کے ساتھ بسر کرتے تھے لیکن واقعہ یہ ہو کہ یہ تینون واقعے ہم زمان اور ایک ہی سلسلہ کی کڑیان ہین، صحیح بخاری باب النکاح (باب موعظۃ الرجل ابنتہ) مین حضرت ابن عباسؓ کی زبانی جو نہایت تفصیلی روایت ہے، اس مین تصریح ہے کہ مظاہرۂ ازواج مطہراتؓ سے انعزال، افشائے راز، آیت تخییر کا نزول سب ایک ہی سلسلہ کے واقعات ہین،

حافظ ابن حجر انعزال کے متعدد اسباب لکھ کر لکھتے ہین :-

وَهٰذا هُو اللائق بمکارم	(آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مکارم اخلاق
اخلاقه صلی اللہ علیہ وسلم وسعة	کشادہ دلی اور کثرت عفو کے یہی مناسب
صدره وکثرة صفحه وانّ	ہے اور آپ نے اس وقت تک ایسا
ذٰلك لم يقع منه حتى تكرّر موجبه	نہین کیا ہوگا جب تک اُن سے اس قسم
منهن (فتح الباری جلد ۹ ص ۲۵۴)	کی حرکتین متعدد بار ظہور پذیر نہ ہوئین)،

مظاہرہ کے متعلق جو آیت نازل ہوئی اس سے بظاہر مفہوم ہوتا ہے کہ کوئی بہت بڑی ضر رسان سازش تھی جس کا اثر بہت پُر خطر تھا، آیت مذکور یہ ہے،

وَاِنْ تَظَاهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ	اور اگر تم دونون (حضرت عائشہؓ و

هُوَ مَوْلٰهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ؕ (تحریم ۔ ۱)

وحضرت حفصہؓ) رسولؐ کے برخلاف ایکا کرو تو خدا اس کا مولا ہے اور جبریل اور نیک مسلمان اور ان سب کے ساتھ فرشتے بھی مددگار ہیں،

اس آیت میں تصریح ہے کہ اگر ان دونوں کا ایکا قائم رہا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کو خدا اور جبرئیل اور نیک مسلمان موجود ہیں، اور اسی پر بس نہیں بلکہ فرشتے بھی اعانت کیلئے تیار ہیں روایتوں سے مظاہرہ کا جو سبب معلوم ہوتا ہے وہ صرف یہی کہ اس کے ذریعہ سے وہ نفقہ کی توسیع چاہتی تھیں، اور اگر ماریہ قبطیہ کی روایت تسلیم کر لی جائے تو صرف یہ کہ وہ الگ کر دی جائیں، لیکن یہ ایسی کیا اہم باتیں ہیں، اور حضرت عائشہؓ وحضرت حفصہؓ کی کسی قسم کی سازش ایسی کیا پرخطر ہو سکتی ہے، جس کی مدافعت کے لئے ملاء اعلیٰ کی اعانت کی ضرورت ہو،

اس بنا پر بعضوں نے قیاس کیا ہے کہ یہ مظاہرہ کوئی معمولی معاملہ نہ تھا، مدینہ منورہ میں منافقین کا ایک گروہ کثیر موجود تھا جن کی تعداد (۴۰۰) تک بیان کی گئی ہے، یہ شریر النفس ہمیشہ اس تاک میں رہتے تھے، کہ کسی تدبیر سے خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان اور رفقائے خاص میں پھوٹ ڈلوا دیں، (ابن حجر نے اصابہ میں ام جلدح کے حال میں لکھا ہے، وکانت تحرش بین ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم وہ ازواج مطہرات کو باہم بھڑکایا کرتی تھیں،) افک کے واقعہ میں اُن کو کامیابی کی جھلک نظر آ چکی تھی،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پندرہ دن تک حضرت عائشہ رض سے کبیدہ خاطر رہے، حضرت حسان رض افک مین شریک ہو گئے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سالی حمنہ جو حضرت زینب رض کی بہن تھین، سازش مین آگئی تھین، چنانچہ اس روایت کو علانیہ شہرت دیتی تھین، حضرت ابوبکر رض نے اپنے ایک قریبی عزیز (مسطح) کو جو شریک تہمت تھے، مالی اعانت سے محروم کر دیا تھا، غرض اگر حضرت عائشہ رض کی برأت پر وحی نہ آجاتی تو ایک فتنۂ عظیم برپا ہو چکا تھا،

معلوم ہوتا ہے کہ جب ازواجِ مطہرات رض کی کششِ خاطر اور کبیدگی اور تنگ طلبی کا حال منافقون کو معلوم ہوا تو ان بدنفسون نے اشتعال دیکر بھڑکانا چاہا ہوگا، چونکہ مظاہرہ کے ارکانِ اعظم حضرت عائشہ رض وحضرت حفصہ رض تھین، اُن کو خیال ہوا ہوگا کہ ان کے ذریعہ سے اُن کے والدین (حضرت ابوبکر رض وحضرت عمر رض) کو اس سازش مین شریک کر لینا ممکن ہے لیکن اُن کو یہ معلوم نہ تھا کہ حضرت ابوبکر رض وحضرت عمر رض حضرت عائشہ رض اور حضرت حفصہ رض کو رسول کی خاک پر قربان کر سکتے تھے، چنانچہ جب حضرت عمر رض کو اذن نہ ملا، تو انھون نے پکار کر کہا کہ ارشاد ہو تو حفصہ رض کا سر لے کر آؤن،

آیت مین روے سخن منافقین کی طرف ہے یعنی اگر عائشہ رض وحفصہ رض سازش بھی کرین گی اور منافقین اس سے کام لین گے تو خدا پیغمبر کی اعانت کے لئے موجود ہے، اور خدا کے ساتھ جبریل وملائکہ بلکہ تمام عالم ہے،

روایاتِ کاذبہ — ان واقعات مین کذابین رواۃ نے اس قدر تلبیسات، اور خدا عیان

کی ہین کہ بڑے بڑے مورخین وارباب سیر نے یہ روایتین اپنی تصانیف مین اسنادؔ درج کردین،
اس لئے ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہتے ہین،

اس قدر عموماً مسلّم ہے کہ اور خود قرآن مجید مین مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کی خاطر سے کوئی چیز اپنے اوپر حرام کرلی تھی، اختلاف اس مین ہے کہ وہ کیا چیز تھی؟
بہت سی روایتون مین ہے کہ وہ ماریہ قبطیہ ایک کنیز تھین جن کو عزیز مصر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین تحفۃً بھیجا تھا، ماریہ قبطیہ کی روایت تفصیل کے ساتھ مختلف طریقون سے بیان کی گئی ہے، جن مین یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا راز جو حضرت حفصہؓ نے فاش کردیا تھا، ان ہی ماریہ قبطیہ کا راز تھا،
اگرچہ یہ روایتین بالکل موضوع اور ناقابل ذکر ہین لیکن چونکہ یورپ کے اکثر مورخون نے آنحضرت صلعم کے معیار اخلاق پر جو حرف گیریان کی ہین، اُن کا گلِ سرسبد یہی ہین، اس لئے اُن سے تعرض کرنا ضروری ہے،

ان روایتون مین واقعہ کی تفصیل کے متعلق اگرچہ نہایت اختلاف ہے، لیکن اس قدر سب کا قدر مشترک ہے کہ ماریہ قبطیہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موطوءۃ کنیز دن مین تھین، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کی ناراضی کی وجہ سے اُن کو اپنے اوپر حرام کرلیا تھا،

حافظ ابن حجر شرح صحیح بخاری تفسیر سورہ تحریم مین لکھتے ہین،

وَوَقع عِنْد سعید بن منصور   اور سعید بن منصور نے سند صحیح کے ساتھ

باسناد صحیح الی مسروق قال حلف
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لحفصة
لا یقرب امتہ الخ (صفحہ ۵۳ ج ۸)

جو مسروق تک منتہی ہوتی ہے یہ روایت کی ہے
کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے
سامنے قسم کھائی کہ اپنی کنیز سے مقاربت نہ کرینگے،

اس کے بعد حافظ موصوف نے مسند (ہیثم بن کلیب) اور طبرانی سے متعدد روایتین نقل کی ہین جن مین سے ایک یہ ہے،

وللطبرانی من طریق الضحاک
عن ابن عباس قال دخلت
حفصة بیتہا فوجدتہ یطاء
ماریة فعاتبتہ (فتح الباری مطبوعہ
مصر جلد ۸ ص ۵۰۳)

اور طبرانی نے ضحاک کے سلسلہ مین حضرت
ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت حفصہؓ
اپنے گھر مین گئین، تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو
حضرت ماریہؓ کے ساتھ ہم بستر دیکھا، اس پر
انھون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معاتب کیا

ابن سعد اور واقدی نے اس روایت کو زیادہ بدنما پیرایون مین نقل کیا ہے ہم اُن کو قلم انداز کرتے ہین لیکن واقعہ ہے کہ تمام روایتین محض افترا اور بہتان ہین،

علامہ عینی شرح بخاری باب النکاح جلد ۹ ص ۵۲۸ مین لکھتے ہین،

والصحیح فی سبب نزول الآیة
انہ فی قصة العسل لا فی قصة
ماریة المروی فی غیر الصحیحین
وقال النووی ولم تات قصة

اور آیت کی شان نزول کے باب مین
صحیح روایت یہ ہے کہ وہ شہد کے واقعہ
مین ہے ماریہؓ کے قصہ کے باب مین نہین
ہے، جو صحیحین کے سوا اور کتابون مین

مارية من طريق صحيح | مذکور ہے نووی نے کہا ہو کہ ماریہ کا واقعہ صحیح طریقہ سے مروی نہین ہے،

یہ حدیث تفسیر ابن جریر، طبرانی، مسند ہیثم مین مختلف طریقون سے مروی ہے، ان کتابون مین عمومًا جس قسم کی رطب یابس روایتین مذکور ہین، اس کے لحاظ سے جب تک اُن کی صحت کے متعلق کوئی خاص تصریح نہ ہو لائق التفات نہین، حافظ ابن حجر نے اُن مین ایک طریقہ کی توثیق کی ہی یعنی وہ روایت جس کے راوی اخیر مسروق ہین،[1]

لیکن اوّلاً تو اس روایت مین ماریہ قبطیہ کا نام مطلق نہین، صرف اس قدر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حفصہؓ کے سامنے قسم کھائی تھی کہ مین اپنی کنیز کے پاس نہ جاؤن گا، اور وہ مجھ پر حرام ہے، اس کے علاوہ مسروق تابعی ہین، یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہین دیکھا تھا، اس لئے یہ روایت اصولِ حدیث کی رو سے منقطع ہے، یعنی اس کا سلسلۂ سند صحابی تک نہین پہنچتا،

اس حدیث کے ایک اور طریقہ کو حافظ ابن کثیر نے اپنی تفسیر مین صحیح کہا ہے لیکن اس طریقہ کے ایک اور راوی عبد الملک رقاشی ہین جن کی نسبت دارقطنی نے لکھا ہے،

كثير الخطاء في الاسانيد و المتون يحدث عن حفظه، | سندون مین اور اصل الفاظِ حدیث مین بہت خطا کرتے ہین،

یہ امر مسلّم ہے کہ ماریہ کی روایت صحاح ستہ کی کتاب مین مذکور نہین ہے،[2] یہ بھی تسلیم ہو کہ

[1] فتح الباری تفسیر سورۂ تحریم [2] یعنی ماریہ کے نام سے اور مشہور لغو واقعات کے شمول کے ساتھ نہین، ورنہ

سورۂ تحریم کا شانِ نزول جو صحیح بخاری اور مسلم مین مذکور ہی (یعنی شہد کا واقعہ) قطعی طریقہ سے ثابت ہی، امام نووی نے جو ائمۂ محدثین مین سے ہین صاف تصریح کی ہے کہ ماریہ کے باب مین کوئی صحیح روایت موجود نہین، حافظ ابنِ حجر اور ابنِ کثیر نے جن طریقون کو صحیح کہا اُن مین سے ایک منقطع اور دوسری کا راوی کثیر الخطا ہی، ان واقعات کے بعد کون کہہ سکتا ہی کہ یہ روایت استناد کے قابل ہی،

یہ بحث اصولِ روایت کی بنا پر تھی، درایت کا لحاظ کیا جائے تو مطلق کد و کاوش کی حاجت نہین، جو رکیک واقعہ ان روایتون مین بیان کیا گیا ہی اور خصوصًا طبری وغیرہ مین جو جزئیات مذکور ہین وہ ایک معمولی آدمی کی طرف منسوب نہین کئے جا سکتے، نہ کہ اُس ذاتِ پاک کی طرف جو تقدس و نزاہت کا پیکر تھا، (صلی اللہ علیہ وسلم)

(بقیہ حاشیہ ص ۵۶۱) نسائی باب الغیرۃ مین اس قدر مذکور ہی کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ کے اصرار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لونڈی کو اپنے اوپر حرام کر لیا تھا، لیکن اس کا ایک راوی مجروح ہی)" س"

غزوۂ تبوک

رجب ۹ھ مطابق نومبر ۶۳۵ء

تبوک ایک مشہور مقام ہے جو مدینہ اور دمشق کے وسط مین نصف راہ پر مدینہ سے چودہ[۱۴] منزل ہے،

جنگِ موتہ کے بعد سے رومی سلطنت نے عرب پر حملہ کرنے کا ارادہ کر لیا تھا، غسانی خاندان جو شام مین رومیون کے زیرِ اثر حکومت کر رہا تھا، مذہبًا عیسائی تھا، اس لئے قیصرِ روم نے اسی کو اس مہم پر متعین کیا، مدینہ مین یہ خبرین اکثر مشہور ہوتی رہتی تھین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایلاء کے واقعہ مین حضرت عمرؓ سے جب عتبان بن مالک نے دفعۃً آکر یہ کہا کہ "غضب ہو گیا" تو انھون نے کہا کیون خیر ہے ؟ کیا غسانی آ گئے،[۱]

شام کے نبطی سوداگر مدینہ مین روغنِ زیتون بیچنے آیا کرتے تھے، انھون نے خبر دی[۲] کہ رومیون نے شام مین لشکرِ گران جمع کیا ہے، اور فوج کو سال بھر کی تنخواہین تقسیم کر دی ہین، اس فوج مین لخم، جذام اور غسان کے تمام عرب شامل ہین، اور مقدمۃ الجیش بلقا، تک آ گیا ہے، مواہب لدنیہ مین طبرانی سے روایت نقل کی ہے کہ عرب کے عیسائیون نے ہرقل کو لکھ بھیجا تھا کہ محمد

[۱] بخاری ذکر واقعہ ایلا،
[۲] مواہب لدنیہ،
[۳] زرقانی ج ۳ ص ۶۳،

صلی اللہ علیہ وسلم نے انتقال کیا، اور عرب سخت قحط کی وجہ سے بھوکوں مر رہے ہیں، اس بنا پر ہرقل نے چالیس ہزار فوجیں روانہ کین،

بہرحال یہ خبریں تمام عرب میں پھیل گئین، اور قرائن اس قدر قوی تھے، کہ غلط ہونے کی کوئی وجہ نہ تھی، اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کی تیاری کا حکم دیا، سو، اتفاق یہ کہ سخت قحط اور شدت کی گرمیاں تھین، ان اسباب سے لوگون کو گھر سے نکلنا نہایت شاق تھا، منافقین جو بظاہر اپنے آپ کو مسلمان کہتے تھے، اُن کا پردہ فاش ہو چلا، وہ خود بھی جی چُراتے تھے، اور دوسرون کو بھی منع کرتے تھے کہ

لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ، گرمی مین نہ نکلو،

سویلم ایک یہودی تھا اُس کے گھر پر منافقین جمع ہوتے، اور لوگون کو لڑائی پر جانے سے روکتے، چونکہ ملک پر رومیون کے حملہ کا اندیشہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام قبائلِ عرب سے فوجین اور مالی اعانت طلب کی، صحابہ مین سے حضرت عثمانؓ نے دو سو اوقیہ چاندی اور دو سو اونٹ پیش کئے، اکثر صحابہ نے بڑی بڑی رقمین لا کر حاضر کین، تاہم بہت سے مسلمان اس بنا پر جانے سے رہ گئے کہ سفر کا سامان نہین رکھتے تھے، یہ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آئے، اور اس درد سے روئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن پر رحم آیا،

---

۱ مارگولوس صاحب فرماتے ہین کہ "چونکہ حنین مین انصار مالِ غنیمت سے محروم رہے تھے، اس لئے وہ بے دل ہو گئے تھے کہ ہم کیا لڑین، جب فوائدِ جنگ دوسرون کو حاصل ہون گے" لیکن یہ مارگولیوس صاحب کا حسنِ ظن ہے (قرآن نے خود بتا دیا ہے تو قیاس کی کیا حاجت ہے)" س" ۲ ابن ہشام (۳ ابن سعد جزء المغازی ص ۱۱۹)" س" (۴ زرقانی ج ۳ ص ۷۲)" س"

تاہم اُن کے چلنے کا کچھ سامان نہ ہو سکا، انہی کی شان مین سورۂ توبہ کی یہ آیتین اُتری ہین،

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ	اور نہ اُن لوگون پر کچھ اعتراض ہے کہ جب
لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ	تمھارے پاس آئے کہ ہم کو سواری دیجیے
اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ	اور تم نے کہا کہ میرے پاس سواری کہان
تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا	ہے جس پر تم کو سوار کر سکون تو وہ واپس
مَا يُنْفِقُوْنَ ۝	گئے، اور اُن کی آنکھون سے آنسو جاری تھے
(توبہ ۱۲)	کہ افسوس ہمارے پاس خرچ نہین ہے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا جب آپ مدینہ سے تشریف لیجاتے، تو کسی کو شہر کا حاکم مقرر فرما کر جاتے، چونکہ اس غزوہ مین بخلاف اور معرکون کے ازواجِ مطہرات ساتھ نہین گئی تھین، اہلِ حرم کی حفاظت کے لئے کسی عزیزِ خاص کا رہنا ضرور تھا، اس لئے اب کی یہ منصب جناب امیرؓ کو ملا، لیکن انھون نے شکایت کی کہ "آپ مجھ کو بچون اور عورتون مین چھوڑے جاتے ہین" آپنے ارشاد فرمایا کہ "تم اس پر راضی نہین ہو کہ تم کو مجھ سے وہ نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ کے ساتھ تھی"[۱]

غرض آپ "تیس" ہزار فوج کے ساتھ مدینہ سے نکلے جس مین دس ہزار گھوڑے تھے،[۲] راہ مین وہ عبرتناک مقامات تھے جن کا ذکر قرآن مجید مین آیا ہے یعنی قوم ثمود کے مکانات جو پہاڑون مین تراش کر بنائے گئے تھے، چونکہ اس مقام پر عذابِ الٰہی نازل

[۱] صحیح بخاری غزوہ تبوک
[۲] طبقات ابن سعد (جزء مغازی ص ۱۱۹)

ہو چکا تھا، آپ نے حکم دیا کہ کوئی شخص یہاں قیام نہ کرے، نہ پانی پیے، اور نہ کسی کام میں لائے،

تبوک پہنچ کر[1] معلوم ہوا کہ وہ خبر صحیح نہ تھی، لیکن اصلیت سے خالی بھی نہ تھی، غسانی رئیس عرب میں ریشہ دوانیاں کر رہا تھا، صحیح بخاری (غزوۂ تبوک) میں جہاں حضرت کعبؓ بن مالک کا واقعہ مذکور ہے، لکھا ہے کہ شام سے ایک قاصد آیا اور حضرت کعبؓ بن مالک کو رئیس غسان کا ایک خط دیا، جس میں لکھا تھا کہ "میں نے سنا ہے کہ محمدؐ نے تمہاری قدر نہ کی، اس لئے تم میرے پاس چلے آؤ، میں تمہاری شان کے موافق تم سے برتاؤ کروں گا، حضرت کعبؓ گو معتوب نبوی تھے، لیکن انہوں نے اس خط کو تنور میں ڈال دیا،

تبوک پہنچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیس دن تک قیام کیا، ایلہ کا سردار جس کا نام یوحنا تھا، حاضر خدمت ہو کر جزیہ دینا منظور کیا، ایک سفید خچر بھی نذر میں پیش کیا، جس کے صلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو ردائے مبارک عنایت فرمائی،[2] جربا اور اذرح کے عیسائی بھی حاضر ہوئے، اور جزیہ پر رضامندی ظاہر کی، دومۃ الجندل جو دمشق سے پانچ منزل ہے، وہاں ایک عربی سردار جس کا نام اکیدر تھا، قیصر کے زیر اثر تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو چار سو (بیس) کی جمعیت کے ساتھ اس کے مقابلہ کے لئے بھیجا، حضرت خالدؓ نے اس کو گرفتار کیا، اور اس شرط پر رہائی دی کہ خود دربارِ رسالت میں حاضر ہو کر شرائط صلح پیش کرے، چنانچہ وہ اپنے بھائی کے ساتھ مدینہ میں آیا، آپ نے اس کو امان دی،

تبوک سے جب آپ واپس پھرے، اور مدینہ کے قریب پہنچے، تو لوگ عالم شوق میں

---

[1] یہ مقام خلیج عقبہ کے پاس ہے (مارگولوس) [2] زرقانی بحوالہ ابن ابی شیبہ (ج ۳ ص ۸۶) "س"

استقبال کو نکلے، یہان تک کہ پردہ نشینانِ حرم بھی جوش مین گھرون سے نکل پڑین، اور لڑکیان یہ اشعار گاتی نکلین[1]،

طلع البدر علینا من ثنیاتِ الوداع

وداع کی گھاٹون سے ہم پر چاند طلوع ہوا

وجب الشکر علینا ما دعا للّٰہ داع

جب تک خدا کا پکارنے والا دنیا مین کوئی باقی ہے، ہم پر خدا کا شکر فرض ہے

مسجد ضرار منافقین ہمیشہ اس فکر مین رہتے تھے کہ مسلمانون مین کسی طرح پھوٹ ڈال دین، ایک مدت سے وہ اس خیال مین تھے کہ مسجدِ قبا کے توڑ پر وہ ایک اور مسجد اس حیلہ سے بنائین کہ جو لوگ ضعف یا کسی اور وجہ سے مسجدِ نبوی مین نہ پہنچ سکین، یہان آکر نماز ادا کر لیا کرین، ابو عامر جو انصار مین سے عیسائی ہوگیا تھا، اُس نے منافقین سے کہا کہ تم سامان کرو مین قیصر کے پاس جا کر وہان سے فوجین لاتا ہون کہ اس ملک کو اسلام سے پاک کردون[2]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک تشریف لیجانے لگے، تو منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین آکر عرض کی کہ ہم نے بیمارون اور معذورون کے لئے ایک مسجد تیار کی ہے آپ چل کر اس مین ایک دفعہ نماز پڑھا دین، تو مقبول ہوجائے، آپ نے فرمایا اس وقت مین سفر پر جارہا ہون جب تبوک سے واپس پھرے تو مالک ابن الدخشم اور معن بن عدی کو حکم دیا کہ جاکر مسجد مین آگ لگا دین، اسی مسجد کی شان مین یہ آیتین اُتری ہین،

[1] زرقانی ج ۳ ص ۹۲، [2] زرقانی بحوالہ ابن جریر (ج ۳ ص ۹۱)

وَالَّذِينَ اتَّخَذُوا مَسْجِدًا ضِرَارًا
وَكُفْرًا وَتَفْرِيقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِينَ
وَإِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللَّهَ وَ
رَسُولَهُ مِن قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ
أَرَدْنَا إِلَّا الْحُسْنَىٰ وَاللَّهُ يَشْهَدُ
إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ۝ لَا تَقُمْ فِيهِ
أَبَدًا لَّمَسْجِدٌ أُسِّسَ عَلَى التَّقْوَىٰ
مِنْ أَوَّلِ يَوْمٍ أَحَقُّ أَن تَقُومَ
فِيهِ فِيهِ رِجَالٌ يُحِبُّونَ
أَن يَتَطَهَّرُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ
الْمُطَّهِّرِينَ ۝
(توبہ - ۱۳)

اور وہ لوگ جنھون نے ایک مسجد ضرار (نقصان)
پھوٹ ڈالنے، اور کفر کی غرض سے تیار
کی، اور اس غرض سے کہ جو لوگ پہلے سے
خدا اور رسول سے لڑتے ہین، اُن کو ایک کمین
گاہ ہاتھ آئے اور وہ قسم کھاتے ہین کہ ہم نے
صرف بھلائی کے لحاظ سے ایسا کیا، اور خدا
گواہی دیتا ہے، کہ یہ جھوٹ کہتے ہین محمد!
تو کبھی اس مسجد مین جا کر نہ کھڑا ہو، وہ
مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے پرہیزگاری
پر رکھی گئی ہے وہ اس بات کی زیادہ مستحق
ہے، کہ تو اس مین نماز پڑھے، وہان ایسے
لوگ ہین جن کو صفائی محبوب ہے اور خدا صفائی
رکھنے والون کو پسند کرتا ہے۔

حج اسلام اور اعلانِ برات

(مکہ ۸ھ مین فتح ہوا، لیکن چونکہ ابھی تک ملک مین اچھی طرح امن و امان نہین قائم ہوا تھا، اس لئے اس سال مشرکین ہی کے اہتمام سے ارکانِ حج انجام پائے، مسلمانون نے حضرت عتابؓ بن اسید کے ساتھ جو مکہ کے امیر مقرر ہوئے تھے، فریضۂ حج ادا کیا، اب ۹ھ پہلا موقع ہے کہ کعبہ کفر و شرک کی ظلمت سے پاک ہو کر عبادتِ ابراہیمی کا مرکز قرار پاتا ہے، غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد ذی قعدہ یا ذوالحجہ ۹ھ

مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مسلمانون کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے حج کے لئے روانہ فرمایا، ان مین حضرت ابو بکرؓ قافلہ سالار، حضرت علیؓ نقیبِ اسلام، اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ، حضرت جابرؓ، حضرت ابوہریرۃؓ وغیرہ معلم تھے، قربانی کے لئے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے) بیس اونٹ ساتھ تھے،

قرآن نے اس حج کو حجِ اکبر کہا ہے کہ یہ پہلا موقع تھا کہ رسمِ حج اصل ابراہیمی سُنت مین جلوہ گر ہوئی، اس حج کا مقصد یہ تھا کہ خانۂ خلیل مین عہدِ جاہلیت کے اختتام اور حکومتِ اسلام کی ابتدا کا اعلان کیا جائے، مناسک ورسومِ حج کی عام طور سے تعلیم دیجائے، زمانۂ جاہلیت کے رسوم وعادات کا ابطال کیا جائے،

حضرت ابوبکرؓ نے مناسکِ حج کی لوگون کو تعلیم دی، یوم النحر مین خطبہ دیا جس مین حج کے مسائل بیان کئے، اس کے بعد حضرت علیؓ کھڑے ہوئے، سورۂ برأت کی چالیس آیتین پڑھکر سنائین، اور اعلان کر دیا کہ اب کوئی مشرک خانۂ کعبہ مین نہ داخل ہوسکے گا، نہ کوئی برہنہ اب حج کرنے پائے گا اور وہ تمام معاہدے جو مشرکین سے تھے، اُن کے نقضِ عہد کے سبب سے آج سے چار مہینے کے بعد ٹوٹ جائین گے، حضرت ابوہریرۃؓ وغیرہ نے اس اعلان کی اس زور زور سے منادی کی کہ گلا پڑ پڑ گیا،[۳]

(۱) بخاری کتاب المناسک باب لایطوف عریان وباب حج ابی بکرؓ بالناس وتفسیر سورۂ البرأۃ (۲) سورۂ توبہ مین ہے یوم الحج الاکبر، مصنف نے اس حج کو حج اکبر کہنے کی جو توجیہ لکھی ہے، اس کو بھی گو بعض علماء نے اختیار کیا ہے، لیکن عام خیال یہ ہے کہ خاص اسی سال کے حج کو حج اکبر نہین کہا گیا ہے، بلکہ ہر حج عمرہ کے مقابلہ مین حجِ اکبر ہے اور عمرہ حجِ اصغر ہے، ملاحظہ ہو روح المعانی ج ۱۰ ص ۴۲ تا ۴۳ (۳) ابن حنبل ص ۲۹۹ جلد ۲ عام تفصیل زرقانی جلد ۳

سورۂ برا‌ءت کی ابتدائی آیتین جس مین خدا نے اس اعلان کا حکم فرمایا یہ ہین :-

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا

اے مسلمانو! جن مشرکین سے تم نے معاہدہ کیا تھا، (اور انھون نے اپنا معاہدہ توڑ دیا) اُن کی خدا اور خدا کے رسول کی طرف سے کوئی ذمہ داری نہین ہے، اب (اے معاہدہ شکن مشرکو!) چار مہینے کی تم کو مہلت ہے، اس میں تم ملک مین چلو، پھرو، اور جان لو کہ تم خدا کو عاجز نہ کرسکوگے، حجِ اکبر کے دن لوگون کو اعلانِ عام ہے کہ خدا اور اس کا رسول اِن مشرکین کا اب ذمہ دار نہین اگر (تم نے اے مشرکین) توبہ کرلی تو یہ

(بقیہ حاشیہ ص ۵۶۹) ص ۱۰۲ وغیرہ مین موجود ہی) س ر ۱۵ ان آیات مین یہ بیان ہو کہ مسجد حرام کے پاس (صلحِ حدیبیہ میں) جو معاہدے ہوئے تھے، وہ ٹوٹ گئے لیکن وہ معاہدے تو فتح مکہ سے پہلے ہی ٹوٹ گئے تھے، اور اس کے بعد کفار سے کوئی معاہدہ نہین ہوا، مصنف نے اس بنا پر اپنے ایک مکتوب ۲۰۴، ۲، مین یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ یہ آیتین ۸ھ مین فتح مکہ کے وقت نازل ہوئی ہونگی اور شاید اسی لئے مصنف نے یہ واقعات قلم انداز کردیئے ہین لیکن خاکسار جامع کا خیال یہ ہو کہ ممکن ہو کہ معاہدہ کے متعلق یہ آیتین گو ۸ھ مین نازل ہوئی ہون لیکن ان کا عام اعلان مع دیگر ضروری احکام کے جیسا کہ صحاحِ ستہ کے مستند روایات مین مذکور ہے ۹ھ کے موسم حج مین ہوا ہو) "س"

بعَذَابٍ اَلِیۡمٍ اِلَّا الَّذِیۡنَ عَاهَدۡتُّمۡ
مِّنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ثُمَّ لَمۡ یَنۡقُصُوۡكُمۡ
شَیۡـًٔا وَّلَمۡ یُظَاهِرُوۡا عَلَیۡكُمۡ
اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَیۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ
اِلٰی مُدَّتِهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُتَّقِیۡنَ
(ع-۱)

تمھارے لئے بہتر ہے اور اگر اب بھی
پھرے رہو تو یقین کرو کہ تم خدا کو ہرا نہ
سکو گے، اے پیغمبر تو کافروں کو دردناک
عذاب کی خوشخبری سنا دے، لیکن وہ
مشرکین جن سے تم نے معاہدہ کیا، اور
انھوں نے اس کے ایفا میں تمھارے ساتھ
کچھ کمی نہ کی، اور نہ تمھارے مقابلہ میں
انھوں نے تمھارے دشمنوں کی مدد کی،
تو زمانۂ معاہدہ کو تم پورا کرو، خدا پرہیزگاروں
کو دوست رکھتا ہے،

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنَّمَا الۡمُشۡرِكُوۡنَ
نَجَسٌ فَلَا یَقۡرَبُوا الۡمَسۡجِدَ الۡحَرَامَ
بَعۡدَ عَامِهِمۡ هٰذَا ج (رکوع ۴)

اے مسلمانو! مشرکین تو ناپاک
ہیں، اب وہ اس سال کے بعد کعبہ
کے قریب نہ آئیں،

طبری نے بواسطۂ سدّی روایت کی ہے کہ اس اعلان کے بعد کفّار عام طور سے مسلمان ہو گئے،[۱]

واقعاتِ متفرقہ نو سال کے بعد اب ملک میں امن و امان کا دور شروع ہوا، اب حصولِ دولت کے مواقع حاصل تھے، اس بنا پر زکوٰۃ کا حکم اس سال نازل ہوا، اور تحصیلِ زکوٰۃ کے لئے عمّال قبائل میں مقرر ہوئے،[۲]

۱؎ رد حلد جلد ص ۱۷۲۱) س ۲؎ طبری جلد ۴ ص ۱۷۲۲) س

اسلام کے سایہ مین بعض غیر مسلم قومین بھی داخل ہوچکی تھین اُن کیلئے جزیہ کی یہ آیت اُتری،

حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَّدٍ وَّهُمْ صَاغِرُوْنَ، (توبہ ۴) تاآنکہ چھوٹے بن کروہ جزیہ نہ اداکرین،

سود کی تحریم بھی اسی سال نازل ہوئی اور اُس کے ایک سال بعد ۱۰ھ مین حجۃ الوداع مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اعلانِ عام فرمایا،

نجاشی جس کے ظلِّ حمایت مین مسلمانون نے چند سال حبشہ مین بسر کئے، اُس نے امسال انتقال کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی وفات کا خود اعلان فرمایا کہ مسلمانو! آج تمھارے برادرِ صالح اصحمہؓ نے وفات پائی، اُس کے لئے دعاے مغفرت مانگو" اس کے بعد نجاشی کے لئے غائبانہ نمازِ جنازہ پڑھی،

غزوات پر دوبارہ نظر

کتاب کا یہ حصہ سادہ سوانح زندگی پر محدود ہے بحث و تدقیقات اور دفعِ شکوک کیلئے دوسرے حصے ہین، اس بنا پر مناسب یہ تھا کہ غزوات کے متعلق جو مباحث ہین، انھی حصون مین لکھے جاتے لیکن کتبِ سیر مین کثرت اور اہمیت دونون حیثیتون سے جو واقعات زیادہ تر نمایان ہین، صرف غزوات ہین، اگر صرف تصانیفِ سیرت کو پیش نظر رکھا جائے تو نظر آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمامتر سوانح عمری غزوات ہی کا نام ہے چنانچہ پہلے سیرت پر جو کتابین لکھی گئین وہ سیرت نہین بلکہ مغازی ہی کے نام سے مشہور ہین مثلاً مغازی، ابن عقبہ مغازی ابن اسحاق مغازی واقدی، یہ اندازِ تحریر آج تک چلا آیا، اس لئے اگر یہ طرز بالکل بدل دیا جائے تو جو شخص کوئی قدیم تصنیف پہلے پڑھ چکا ہوگا، وہ اس جدید تصنیف کو پڑھ کر سمجھے گا کہ سیرت کے بجای کوئی اور چیز پڑھ رہا ہے،

ان اسباب سے ہم کو بھی غزوات کو تفصیل سے لکھنا پڑا، لیکن غزوات کو پڑھ کر جو سوالات دلون مین پیدا ہوجاتے ہین، اُن کو دوسرے موقع کے لئے اٹھا رکھنا ناظرین کے اضطراب کا باعث ہوگا،

غیر مذہب والون نے غزوات کے مقاصد اور اسباب کے سمجھنے مین سخت غلطیان کی ہین، نہ صرف بدنیتون نے، بلکہ نیک دلون نے بھی، لیکن یہ تعجب کی بات نہین، اسباب ایسے جمع ہین کہ اس قسم کی غلطیون پر نہ صرف دوستون کو بلکہ دشمنون کو بھی معذور رکھ سکتے ہین،

عرب اور جنگ وغارتگری

اس باب مین سب سے مقدم اور سب سے اہم اس حقیقت کا معلوم کرنا ہے کہ عرب کی قومیت کو جنگ وغارتگری سے کیا تعلق ہے؟ ہر قوم کے اخلاق وعادات، رسوم ومعاملات، محاسن واوصاف، معائب ومثالب، غرض اس کی کل قومی زندگی کا ایک خاص اساس الامر ہوتا ہے کہ سب چیزین اُسی سے بنتی اور اسی سے نشو ونما پاتی ہین، عرب مین یہ چیز جنگ وغارت گری تھی، اس کی ابتدا یون ہوئی کہ عرب ایک ویران ملک تھا، کسی قسم کی پیداوار وہان نہین ہوتی تھی، لوگ ان پڑھ اور جاہل تھے، خورش اور پوشش کا قدرتی سامان صرف بھیڑ بکریان اور اونٹ تھے کہ ان کا دودھ اور گوشت کھاتے، اور بالون کو بُن کر کمل بناتے تھے، لیکن یہ جائداد بھی ہر شخص کو نصیب نہ تھی، یا تھی تو بقدر ضرورت نہ تھی، اس لئے حملہ اور غارتگری شروع ہوئی، اور معاش کا سب سے بڑا بلکہ تنہا ذریعہ غارتگری قرار پایا، ابوعلی قالی نے کتاب الامالی مین لکھا ہے،

(وذالک انھم کانوا یکرھون	(یہ اس لئے کہ وہ ناپسند کرتے تھے کہ
ان تتوالی علیھم ثلاثة اشھر	اُن پر تین ماہ متواتر اس طرح گذر
لا تمکنھم الاغارة فیھا لان	جائین کہ ان پر وہ غارتگری نہ کرسکین،
معاشھم کان من الاغارة[1])	کیونکہ اُن کی معاش کا ذریعہ یہی تھا)

(لہ کتاب الامالی جلد اول ص ۴ مطبوعۂ مصر)

چونکہ لوٹ مین زیادہ تر بکریان ہاتھ آتی تھین، اور بکری کو عربی مین "غنم" کہتے ہین، اس لئے لوٹ کے مال کو عربی مین غنیمت کہنے لگے[۱] اس لفظ نے پھر یہ وسعت حاصل کی کہ قیصر و کسریٰ کا تاج و تخت لُٹ کر آیا، تو اُسی نام سے پکارا گیا،

رفتہ رفتہ یہی لفظ عربی قوم، عربی زبان، عربی تاریخ کا سب سے زیادہ محبوب، سب سے زیادہ نمایان، سب سے زیادہ وسیع الاثر لفظ بن گیا، آج بھی ایک سلطان، ایک رئیس، ایک شیخ القبائل اپنے عزیز و اقارب کو سفر کرتے وقت رخصت کرتا ہے، تو کہتا ہے "سَالِماً غانِماً" یعنی "سلامت آنا، اور لوٹ کر لانا" ہماری زبان مین سب سے عزیز چیز کو جو "غنیمت" کہتے ہین، (مثلاً آپ کا تشریف لانا نہایت ہی غنیمت ہے) یہ وہی لفظ ہے، اور عربی زبان سے آیا ہے،

ضرورتِ معاش کی وجہ سے تمام عرب مین غارتگری اور جنگ عام ہو گئی تھی، تمام قبائل ایک دوسرے پر ڈاکہ ڈالتے، اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، صرف حج کے زمانہ مین مذہبی خیال سے چار مہینے مخصوص کر دیئے تھے جن کو "اشہر حرم" کہتے تھے، ان مہینون مین لڑائیان بند ہو جاتی تھین، لیکن متصل تین تین مہینہ تک معاش کا معطل رہنا سخت گران تھا، اس لئے "نسئی" ایک رسم ایجاد کر لی تھی یعنی ان مہینون کو حسبِ ضرورت دوسرے مہینون سے بدل لیتے تھے،

حافظ ابن حجر صحیح بخاری کی شرح (تفسیر سورۂ توبہ) مین لکھتے ہین:-

(۱) یہ مصنف کی ذاتی تحقیق ہے جس کی تائید کتب لغت سے ہاتھ نہین آئی، "س"

کانوا یحلون المحرم صفرًا ویحلون صفرًا المحرم لئلا یتوالی علیہم ثلاثۃ اشہر لا یتعاطون فیہا القتال الخ، (جلد ۱، صفحہ ۲۲۴)

وہ محرم کو صفر اور صفر کو محرم کر دیا کرتے تھے، تاکہ پے در پے تین مہینے تک لڑائی سے محروم نہ ہو جائین،

ثار کا عقیدہ

لڑائی کا اصلی ابتدائی سبب یہ تھا، لیکن جب یہ سلسلہ چھڑا تو اور اور اسباب بھی پیدا ہو گئے، اور یہ اسباب اہمیت اور وسعت کے لحاظ سے اصلی سبب سے کم نہ تھے، ان مین سب سے مقدم اور شدید الاثر ثار کا قانون تھا، یعنی جب کسی قبیلہ کا کوئی شخص کسی موقع پر قتل ہو جاتا تھا تو مقتول کے قبیلہ کو اُس کا انتقام لینا فرض ہو جاتا تھا، گو سینکڑون برس گذر جاتے تھے، اور قاتل بلکہ اس کے خاندان کا نام و نشان مٹ جاتا تھا، تاہم جب تک قاتل کے قبیلے کے ایک آدمی کو قتل نہین کر لیتا تھا، قومی فرض سے ادا نہین ہو سکتا تھا، اسی کو ثار کہتے ہین، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ایک معمولی قتل پر سیکڑون بلکہ ہزارون برس تک مسلسل لڑائیان قائم ہو جاتی تھین، اسی طریقہ کے ابطال کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع مین اعلان کیا تھا، اور اپنے قبیلہ کے قاتلون کا خون معاف کر دیا تھا، لیکن صحرانشین عربون مین آج تک یہ طریقہ قائم اور اُن کے قومی خصائص کا جزو اعظم ہے،

ثار کے متعلق عجیب عجیب قسم کے معتقدات پیدا ہو گئے تھے، مثلاً یہ کہ مقتول جب مر جاتا ہے تو اُس کی روح پرند بن جاتی ہے، اور جب تک اس کا انتقام نہین لیا جاتا، مقام قتل پر شور کرتی رہتی ہے کہ "مجھکو پلاؤ مین پیاسی ہون"، اس پرند کو صدیٰ

یا ہامہ کہتے تھے،

ابو دؤاد ایادی کہتا ہے،

سلط الموت والمنون علیہم فلھم فی صدی المقابر ھام

ان پر موت مسلط ہو گئی، اور مقبرے ان کے "صدی" بین اُن کے لئے "ہام" ہے،

ذوالاصبع العدوانی کا شعر ہے،

یا عمرو ان لاتدع شتمی ومنقصتی اضربک حیث تقول الہامۃ اسقونی

اے عمر! اگر تو مجھ کو گالی دینا اور میری تحقیر کرنا نہ چھوڑیگا تو میں تجھکو اس طرح ماروں گا کہ ہامہ کہیگی کہ مجھکو سیراب کرو،

لیکن یہ خیال تھا کہ جس مقتول کا انتقام نہیں لیا جاتا اس کی قبر میں ہمیشہ اندھیرا رہتا ہے،

عمرو بن معدی کرب کی بہن مقتول کی زبان سے کہتی ہے

واترک فی قبر بصعدۃ مظلم خونبہا لوگے تو میں اندھیری قبر میں پڑا رہونگا،

اسی بنا پر خون بہا لینے کو عیب سمجھتے تھے، اسی شاعرہ کا مصرع ہے،

ومشوا باذان النعام المصلم اور خونبہا لیا ہو تو بچے شتر مرغ کا کان پکڑ کر لیجاؤ،

غیرت اور حمیت کی بنا پر اس بات کو عیب سمجھتے تھے کہ مقتول پر نوحہ کیا جائے،

ولا تراھم وان جلت مصیبتھم مع البکاۃ علی من مات یبکونا

گو کتنی ہی مصیبت ہو، لیکن اُن کو مرنے والے پر روتا ہوا نہ دیکھو گے،

عمرو بن کلثوم

معاذ الالہ ان ینوح نساءنا علی ھالک اوان نضج من القتل

خدا نہ کرے کہ ہماری عورتین مقتول پر نوحہ کرین، یا ہم قتل سے گھبرا جائین،
مقتول پر نوحہ کرتے تھے، تو اس وقت کرتے تھے جب خون کا انتقام لے لیتے تھے،

مَنْ کَانَ مسرورا بمقتل مالکٍ — فلیات نسوتنا بوجہ نہار
جو شخص مالک کے قتل سے خوش تھا — وہ دن کو ہماری عورتون کے پاس آئے

یجد النساء حواسرا یندبنہ — یلطمن اوجھن بالاسحار
وہ دیکھے گا کہ عورتین ننگے سر نوحہ کررہی ہین — اور صبح کو اپنے چہرون پر دوہتڑ مار رہی ہین،

ایک خیال یہ تھا کہ جو شخص زخم کھا کر مرتا ہے اس کی روح زخم کی راہ سے نکلتی ہے، ورنہ ناک کی راہ سے نکلتی ہے، اور یہ نہایت عیب سمجھا جاتا تھا، اسی بنا پر بیماری سے مرنے کو "حتف انف" کہتے ہین، یعنی "ناک کی موت"، اور ایسے مرنے کو نہایت عار سمجھتے تھے،

وما مات منا سیدٌ حتف انفہ — ولا طُلّ منا حیث کان قتیل
ہمارا کوئی سردار ناک کی راہ سے نہین مرا — اور نہ ہمارے کسی مقتول کا خون ہدر ہوا

رفتہ رفتہ عرب کے تمام قومی مفاخر اور اخلاق و عادات کا اصل محور جنگ بن گیا تھا، یعنی اُن کے اوصاف و اخلاق مین جس چیز کا اصلی سبب تلاش کیا جائے، یہی چیز نکلتی تھی، یہی چیز تھی، جس نے ایک مدت تک قبائل عرب کو اسلام لانے سے باز رکھا، حضرت عمروؓ بن مالک جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین اسلام لا کر اپنے قبیلہ مین واپس گئے، اور اسلام کی دعوت دی تو انھون نے کہا بنو عقیل پر ہمارا اثار باقی ہے، وہ لے لین تو اسلام لائین، چنانچہ اسی وقت بنو عقیل پر جو اسلام لا چکے تھے، حملہ آور ہوئے،

خود حضرت عمرؓو بن مالک نے اس مین شرکت کی، گو پھر اُن کو بہت ندامت ہوئی کہ اُن کے ہاتھ سے ایک مسلمان[1] مارا گیا،

نوٹ کا مال | چونکہ جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہین، لڑائیون کی اصل بنیاد ضرورتِ معاش سے شروع ہوئی تھی، اس لئے عرب کے نزدیک مالِ غنیمت سے زیادہ کوئی شے محبوب نہ تھی، اور ذرائع معاش مین سب سے زیادہ حلال وطیب اسی کو سمجھتے تھے، یہ خیال اس قدر دلون مین راسخ اور رگ وپے مین سرایت کر گیا تھا کہ اسلام کے بعد بھی ایک مدت تک قائم رہا، اور جس طرح شارع نے ممنوعاتِ شرعیہ کو بتدریج حرام اور ممنوع کیا تھا غنیمت کے متعلق نہایت تدریج اور آہستگی سے کام لینا پڑا،

شراب کو جب شارع نے حرام کرنا چاہا تو پہلے یہ آیت اُتری،

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ	لوگ تجھ سے شراب ور قمار کی بابت پوچھتے
فِيهِمَآ إِثْمٌ كَبِيرٌ (بقرہ ۲۷)	ہین کہدو کہ دونون مین بڑا گناہ ہے،

اس پر حضرت عمرؓ نے کہا

اللّٰهُمَّ بَيِّن لَنَا فِي الخمر بيانا	اے خدا شراب کے متعلق ہم کو صاف
شافيا،	احکام بتا،

پھر یہ آیت اتری :-

لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (نساء ۷) نشہ کی حالت مین نماز نہ پڑھو،

---

[1] اصابہ فی احوال الصحابہ ذکر عمروؓ بن مالک (ج ۳ ص ۱۳) "س"

چنانچہ نماز کا وقت آتا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ایک شخص منادی پکارتا کہ کوئی شخص نشہ مین نماز کو نہ آئے، پھر یہ آیت اُتری،

یَا أَیُّہَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَ	مسلمانو! شراب، جوا، انصاب، فال
الْمَیْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ	کے تیر، یہ سب ناپاک، اور شیطان کے
مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ	کام ہین، تو اُن سے بچو کہ غالباً تم فلاح
تُفْلِحُوْنَ ۝ إِنَّمَا یُرِیْدُ الشَّیْطَانُ أَنْ	پاؤگے، شیطان تو صرف یہ چاہتا ہو
یُّوْقِعَ بَیْنَکُمُ الْعَدَاوَۃَ وَالْبَغْضَآءَ	کہ شراب اور قمار کے ذریعہ سے تم
فِی الْخَمْرِ وَالْمَیْسِرِ وَیَصُدَّکُمْ عَنْ	لوگون مین عداوت اور بغض ڈالے
ذِکْرِ اللّٰہِ وَعَنِ الصَّلٰوۃِ فَہَلْ أَنْتُمْ	اور تم کو خدا کی یاد سے اور نماز سے روکے
مُّنْتَہُوْنَ ۝ (مائدہ - ۱۲)	تو تم باز آؤگے؟

باوجود اس کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کی حرمت کے متعلق اس قدر تاکید و تصریح کی ضرورت خیال کی کہ جس قسم کے برتنون مین شراب پیتے تھے، تڑوا دیے، لوگون نے عرض کی کہ شراب کا سرکہ بنا لین، اس سے بھی منع فرمایا، ان سب باتون پر بھی حضرت عمرؓ کے زمانہ مین بعض لوگون نے شرابین پین، اور جب اُن سے باز پرس کی گئی تو انھون نے نیک نیتی سے کہا کہ نیک اور اچھے آدمیون کے لئے شراب کہان حرام ہے؟ قرآن مجید مین خود شراب کی حرمت کے بعد یہ تصریح موجود ہے،

---

[1] مسند امام احمد ابن حنبل مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۵۳ و ابو داؤد کتاب الاشربہ باب تحریم الخمر، ص،

لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْٓا ۝ (مائدہ - ۱۲)

جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے، انھون نے جو کچھ کھایا (یعنی شراب پی) اُن پر کچھ الزام نہین،

اس موقع پر بہت سے صحابہ موجود تھے، حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی طرف دیکھا کہ اس آیت سے کیا مراد ہی؟ انھون نے کہا کہ یہ اُن صحابہ کی نسبت ہے، جو شراب کی حرمت نازل ہونے سے پہلے مرگئے، حضرت عمرؓ نے تصدیق کی، اور اُن لوگون کو سزا دی، چنانچہ یہ واقعہ تفصیل کے ساتھ تاریخ طبری مین مذکور ہے،

اس تفصیل سے مقصد یہ ہو کہ جب کوئی چیز زمانہ دراز سے رسم و عادت مین داخل ہوجاتی ہی تو اُس کے آثار اور مخفی نتائج مدتون تک قائم رہتے ہین، اور غنیمت کا بھی یہی حال ہی، سب سے پہلے جنگِ بدر مین قبل اس کے کہ مالِ غنیمت یکجا جمع کیا جاتا، لوگ غنیمت مین مصروف ہوگئے، اس پر یہ آیت اُتری،

لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (انفال - ۹)

اگر خدا کی طرف سے پہلے سے حکم نہ ہوچکا ہوتا تو جو کچھ لیا اس پر تم کو عذاب ہوتا،

ابوداؤد باب النفل

چنانچہ صحیح ترمذی تفسیر انفال مین یہ واقعہ بہ تصریح مذکور ہی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا تھا کہ جو شخص کسی کافر کو قتل کرے گا، اس کا مال واسباب قاتل کو ملے گا، اس بنا پر لوگون نے مسلوبہ مال کا دعویٰ کیا، جو صحابہ خود لڑے نہ تھے، بلکہ علَم اور رایت کے محافظ تھے، اُن کا دعویٰ تھا کہ اس مین ہمارا بھی حق ہی، اس پر یہ آیت اُتری،

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ قُلِ	لوگ تجھ سے مالِ غنیمت کے متعلق پوچھتے ہین
الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ (انفال ۱)	کہدے غنیمت خدا اور رسول کے لئے ہے،

اس آیت سے مقصود یہ ہے کہ مجاہدین مالِ غنیمت کا خود دعویٰ نہین کر سکتے، اُس کی تقسیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اختیار مین ہے جس طرح آپؐ چاہین تقسیم فرمائین، اس سے اتنا ہوا کہ لڑائیون مین ہر شخص خود لوٹ کر جو چیز چاہتا تھا، لیتا تھا، بند ہو گیا، لیکن میدانِ جنگ کے علاوہ اور موقعون پر لوٹنا مدتون موقوف نہین ہوا، سنن ابی داؤد[1] مین ایک انصاری سے روایت ہے کہ ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر مین شریک تھے، بھوک کی سخت تکلیف ہوئی، اتفاقاً سامنے بکریان نظر پڑین، اُن کو لوٹ لائے اور ذبح کر کے ہانڈیان چڑھا دین، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو آپ تشریف لائے، اور کمان جو ہاتھ مین تھی اُس سے دیگچیان اُلٹ دین، اور فرمایا کہ "لوٹ کی چیز مردہ سے بڑھ کر حلال نہین"

خیبر کی لڑائی ۷ھ مین ہوئی، اس وقت تک یہ حال تھا کہ امن کے بعد لوگون نے یہودیون کے جانور اور پھل لوٹ لئے، اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہایت غصہ آیا آپؐ نے تمام صحابہ کو جمع کیا، اور فرمایا،

اِنّ اللّٰه تعالیٰ لم یحل لکم ان تدخلوا	خدا نے تم لوگون کے لئے یہ نہین جائز کیا ہے کہ
بیوت اهل الکتاب الّا باذن ولا ضرب	اہلِ کتاب کے گھرون مین گھس جاؤ (مگر بہ
نسائهم ولا اکل ثمارهم اذا اعطوکم	اجازت) اور نہ یہ کہ ان کی عورتون کو مارو

[1] کتاب الجہاد باب فی النہی عن النہبیٰ،

اللہ ہی علیہم۔ (سنن ابی داؤد باب
نہ یہ کہ ان کے پھل کھا جاؤ، جب کہ وہ تم کو

تعشیر اہل الذمة اذا اختلفوا فی التجارۃ)
وہ ادا کرین جو ان پر فرض ہو،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے کہ غنیمت کے ساتھ لوگون کا جو شغف ہو کم ہو جائے لیکن مدت تک غنیمت کی محبت اور وارفتگی نہ گئی، غزوۂ احد مین صرف اس وجہ سے شکست ہوئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ تیراندازون کو سخت تاکید فرما دی تھی کہ گو لڑائی کی کچھ حالت ہو تم اپنی جگہ سے نہ ہٹنا تاہم جب فتح ہوئی تو لوگ بے اختیار لوٹ مین مصروف ہو گئے، ان کا ہٹنا تھا کہ دشمن نے موقع پا کر پشت کی طرف سے حملہ کر دیا، حنین مین بھی شکست کی اصلی وجہ یہی تھی کہ قبل از وقت لوگون نے غنیمت لوٹنی شروع کر دی تھی،

"غنیمت" اس قدر محبوب تھی کہ بعض صاحبون کو کسی کافر کے مسلمان ہونے پر اس بنا پر رنج ہوا کہ اسلام لانے کی وجہ سے اس کا مال نہ مل سکا، سنن ابی داؤد مین ہے کہ ایک صحابی نے ایک سریّہ مین حملہ کرنا چاہا، قبیلہ والے روتے ہوئے آئے، انھون نے کہا لا الٰہ الا اللہ کہو تو تمھاری جان اور مال بچ جائیگا، انھون نے لا الٰہ الا اللہ کہا اور ان کو امن دیدیا گیا، جب یہ اپنے ساتھیون مین آئے تو لوگون نے اُن کو ملامت کی کہ

احرمتنا الغنیمة[1]
تم نے ہم کو غنیمت سے محروم کر دیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب یہ لوگ گئے، تو آپ نے اُن صحابی کی تحسین کی، اور فرمایا کہ تم کو ایک ایک آدمی کے بدلے (جسکو تم نے چھوڑ دیا) اس اس قدر ثواب ملیگا،

[1] ابو داؤد باب یقول اذا اصبح، کتاب الادب،

سب سے بڑھ کر عجیب بات یہ تھی کہ مدت تک لوگ یہ سمجھا کئے کہ غنیمت حاصل کرنا ثواب کا کام ہے، سنن ابی داؤد میں ہے کہ ایک صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "یا رسول اللہ! ایک شخص جہاد پر جانا چاہتا ہے اور چاہتا ہے کہ کچھ مال ہاتھ آئے" آپ نے فرمایا کہ اس کو کچھ ثواب نہیں ملے گا، یہ جواب انھوں نے اگر لوگوں سے بیان کیا تو لوگوں کو بہت تعجب ہوا اور ان سے کہا کہ تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب نہیں سمجھا، پھر جا کر پوچھو، انھوں نے دوبارہ پوچھا اور وہی جواب ملا، لوگوں نے پھر اُن کو بھیجا، اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ اس کو کچھ ثواب نہیں ملیگا[۱]

اس قسم کے اور بہت سے واقعات ہیں۔

وحشیانہ افعال عرب میں لڑائیوں کی شدت اور وحشت نے نہایت وحشیانہ رسمیں قائم کردی تھیں جن میں سے چند کی تفصیل یہ ہے۔

(۱) اسیران جنگ کو جب قتل کرتے تھے، تو چھوٹے چھوٹے بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کرتے تھے، بلکہ آگ میں جلا دیتے تھے۔

(۲) غفلت یا نیند کی حالت میں دفعۃً دشمن پر جا پڑتے تھے، اور قتل و غارتگری شروع کردیتے تھے، یہ طریقہ عام اور کثرت سے رائج تھا، بہت سے بہادر اس خاص طریقہ میں زیادہ ممتاز تھے، اور اُن کو فاتک یا فتاک کہتے تھے[۲]، تابط شرا و سلیک بن السلکہ اسی قسم کے لوگ تھے۔

---

[۱] سنن ابی داؤد کتاب الجہاد باب فی من یغزو ویلتمس الدنیا [۲] مجمع الامثال کرمانی مطبوعہ ایران ص ۴۲۳،

۳- زندون کو آگ مین جلا دیتے تھے، عمرو بن ہند عرب کا ایک بادشاہ تھا، اُکے بھائی کو جب بنو تمیم نے قتل کر دیا، تو اُس نے منّت مانی کہ ایک کے بدلے سو آدمیون کو قتل کر دون گا، چنانچہ بنو تمیم پر حملہ کیا، وہ لوگ بھاگ گئے، صرف ایک بڑھیا رہ گئی تھی جس کا نام حمرار تھا، اس کو گرفتار کر کے زندہ آگ مین اڈال دیا، اتفاق یہ کہ ایک سوار جس کا نام عمار تھا، آنکلا، عمرو نے پوچھا تو کیون آیا، اُس نے کہا مین کئی دن کا بھوکا تھا، دھوان اٹھتے دیکھا تو سمجھا کھانا ہوگا، عمرو نے حکم دیا کہ وہ بھی آگ مین ڈال دیا جائے، چنانچہ اس حکم کی تعمیل کی گئی، جریر نے اپنے شعر مین اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے،

وَاَخزاکم عمرو کما قد خزیتھم وادرک عماراً شقیّ البراجم

(۴) بچّون کو نشانہ بنا کر تیرون سے مارتے تھے، داحس اور غبرار کی لڑائیون مین قیس نے بنو ذبیان کے پاس اپنے بچّے ضمانت کے طور پر رکھے تھے، حذیفہ نے جو بنو ذبیان کا رئیس تھا، ان بچّون کو لیجا کر ایک وادی مین کھڑا کیا، اور اُن کو نشانہ بنا کر تیر اندازی کرتا تھا اتفاق سے کوئی لڑکا نہ مرا، تو دوسرے دن پر اٹھا رکھا جاتا تھا، چنانچہ دوسرے دن یہ تفریح انگیز چاند ماری پھر شروع ہوتی تھی، اور لوگ یہ تماشا دیکھتے تھے،

(۵) قتل کا ایک طریقہ تھا کہ ہاتھ پاؤن اور دیگر اعضا رکاٹ کر چھوڑ دیتے تھے، کہ وہ تڑپ تڑپ کر مرجاتا، غطفان اور عامر کی لڑائی مین اسی خوف سے حکم بن الطفیل نے اپنے آپ کو خود گلا گھونٹ کر مار ڈالا تھا، جیسا کہ عقد الفرید مین یہ تفصیل مذکور ہے،

سلہ مجمع الامثال ص ۷۷۴.

عرنیہ کے لوگ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بظاہر اسلام لاکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام کو پکڑلے گئے، تو اُن کے ہاتھ پانون کاٹ ڈالے، پھر اُن کی آنکھون اور زبان مین کانٹے چبھوئے یہان تک کہ وہ تڑپ تڑپ کر مر گئے،[1]

(۶) مرنے کے بعد بھی انتقام کا جوش طرح طرح کی نفرت انگیز صورتون میں ظاہر ہوتا تھا، مُردون کے ہاتھ، پانون، کان، ناک وغیرہ کاٹ لیتے تھے، ہندنے جنگِ اُحد مین اُسی رسم کے موافق حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء کے اعضاء کاٹ کر ہار بنایا، اور گلے مین پہنا تھا،

(۷) منت مانتے تھے کہ دشمن پر قابو ہاتھ آئے گا تو اُس کی کھوپڑی مین شراب پئین گے، سلافہ کے دو بیٹے جنگِ اُحد مین عاصم کے ہاتھ سے مارے گئے تھے، اس بنا پر سلافہ نے منت مانی کہ عاصم کی کھوپڑی مین شراب ڈال کر پیے گی،[2] یہ بھی معمول تھا کہ مقتول کا کلیجہ نکال کر کھا جاتے تھے، ہندنے حضرت حمزہؓ کا کلیجہ جو نکال کر چبا لیا تھا، اس کا حال اوپر گذر چکا ہے،

(۸) حاملہ عورتون کا پیٹ چاک کر ڈالتے، اور اس پر فخر کرتے تھے، عامر بن طفیل عرب کا مشہور بہادر اور رئیس ہوازن کہتا ہے،

بقرنا الحبالیٰ من شنوءۃ بعد ما　　　　خبطن بفیف الرمح نهدا وخثعما

---

[1] یہ واقعہ تمام کتب حدیث مین مذکور ہے لیکن یہ تفصیل ابن سعد (ج ۲ قسم اول) ص ۶۰ سے ماخوذ ہے، مسلم مین صرف آنکھون کا اندھا کرنا مذکور ہے [2] طبقات ابن سعد جلد ۲ ص ۳۹ (سریہ مرثد بن ابی مرثد) "س"

غزواتِ نبوی کے اسباب[1] اور انواع

تفصیل مذکورہ بالا کے بعد اب ہم اس واقعہ کی تحقیق کی طرف متوجہ ہوتے ہین کہ غزواتِ نبوی کن اسباب سے وجود مین آئے، اور شارع علیہ السلام نے طریقۂ قدیم مین کیا اصلاحین فرمائین،

مؤرخین نے غزوہ کے لفظ کو اس قدر وسعت دی ہے کہ امن و امان قائم رکھنے کے لئے دو چار آدمی بھی کہین بھیج دیے گئے، تو اس کو بھی انھون نے غزوہ مین شمار کر لیا، غزوہ کے علاوہ ایک اور لفظ ہے یعنی "سریہ"، غزوہ اور سریہ مین لوگون کے نزدیک یہ فرق ہے کہ غزوہ مین کم سے کم آدمیون کی ایک خاص تعداد ضروری ہے، سریہ مین کوئی قید نہین، ایک آدمی بھی کہین لڑائی کی دیکھ بھال کو بھیج دیا گیا، تو یہ بھی سریہ ہے، بعضون کے نزدیک غزوہ کے لئے یہ شرط ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بہ نفس نفیس اس مین شرکت کی ہو،

حقیقت یہ ہو کہ جن واقعات کو مؤرخین سریہ کہتے ہین وہ چند قسمون پر منقسم ہیں،

(۱) محکمۂ تفتیش یعنی دشمنون کی نقل و حرکت کی خبر رسانی،

(۲) دشمنون کے حملہ کی خبر سن کر مدافعت کے لئے پیشقدمی کرنا،

(۳) قریش کی تجارت کی روک ٹوک، تاکہ وہ مجبور ہو کر مسلمانون کو حج و عمرہ کی اجازت دین،

[1] یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ یہ بحث تمامتر تاریخی حیثیت سے ہے، جہاد کی اصل حقیقت پر بحث کتاب کی دوسری جلدون مین آئے گی،

(۴) امن وامان قائم کرنے کے لئے تعزیری فوجین بھیجنا،

(۵) اشاعتِ اسلام کے لئے لوگ بھیجے گئے، اور حفاظت کے خیال سے کچھ فوج ساتھ کر دی گئی، اس صورت مین تاکید کر دی جاتی تھی کہ تلوار سے کام نہ لیا جائے،

غزوہ کی صرف دو صورتین تھین،

(۱) دشمنون نے دار الاسلام پر حملہ کیا، اور ان کا مقابلہ کیا گیا،

(۲) یہ معلوم ہوا کہ دشمن مدینہ پر حملہ کی تیاری کر رہے ہین، اور پیشقدمی کی گئی،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مین جو لڑائیان واقع ہوئین، یا اس قسم کے جو واقعات پیش آئے انہی مختلف اغراض سے تھے،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے چلے آئے تو قریش نے فیصلہ کر لیا کہ اسلام کو مٹا دیا جائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر اسلامی تحریک قائم رہی تو ایک طرف اُن کے مذہب کو صدمہ پہنچے گا، دوسری طرف تمام عرب مین اُن کا جو تفوق اور اثر اور مرجعیتِ عام ہے، سب جاتا رہے گا، اس بنا پر ایک طرف تو قریش نے خود مدینہ پر حملہ کی تیاریان شروع کین دوسری طرف تمام قبائلِ عرب کو بھڑکایا کہ یہ نیا گروہ اگر کامیاب ہو گیا تو تمھاری آزادی بلکہ ہستی بھی فنا ہو جائے گی،

بیعتِ عقبہ مین جب انصار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے تو ایک انصاری نے کہا "برادرانِ من! جانتے ہو کس چیز پر بیعت کر رہے ہو؟ یہ عرب و عجم سے اعلانِ جنگ ہے" اوپر ہم مسند دارمی وغیرہ کے حوالہ سے نقل کر آئے ہین،

کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ مین تشریف لائے، تو تمام عرب مدینہ پر حملہ کے لئے تیار ہو گیا، نوبت یہان تک پہنچی کہ مدینہ مین مہاجرین و انصار رات کو سوتے تو ہتھیار باندھکر سوتے تھے اوپر گذر چکا کہ (بحوالہ ابوداؤد) قریش نے عبد اللہ بن ابی کو پیغام بھیجا تھا کہ محمدؐ کو وہان سے نکال دو ورنہ ہم خود مدینہ آکر تمھارا اور محمد دونون کا فیصلہ کر دینگے۔

محکمۂ تفتیش

ان واقعات کی بنا پر ضرور تھا کہ اسلام اور دار الاسلام کی حفاظت کے لئے ضروری تدبیرین اختیار کی جائین، اس سلسلہ کا سب سے پہلا کام یہ تھا کہ خبررسانی اور جاسوسی کا انتظام وسیع پیمانہ پر کیا جائے، چنانچہ ابتدا ہی سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انتظام پر توجہ کی، وقتاً فوقتاً کثرت سے چھوٹی چھوٹی ٹکریان بنا کر مختلف مقامات پر بھیجتے رہتے تھے، یہ ٹکڑیان گو خبررسانی کے لئے جاتی تھین لیکن حفاظت کی غرض سے مسلح اور جمعیت کی صورت مین جاتی تھین، یہی واقعات ہین جن کو مورخین "سرایا" سے تعبیر کرتے ہین، اور اُن کے نزدیک اس کا مقصد کسی قافلہ کا لوٹنا یا کسی جماعت پر بے خبری کی حالت مین جا پڑنا ہوتا تھا،

ایک بڑا قرینہ اس بات کا کہ ان دستون کے بھیجنے سے حملہ کرنا مقصود نہین ہوتا تھا یہ ہے کہ دستے اکثر دس دس بارہ بارہ آدمیون سے زیادہ نہین ہوتے تھے، اور یہ ظاہر ہے کہ اتنے تھوڑے سے آدمی لڑنے کے لئے نہین بھیجے جا سکتے تھے، مثلاً ۲ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبد اللہ بن جحش کو بارہ آدمیون کے ساتھ مکہ کی طرف بھیجا، اور ایک سر بمہر تحریر دی کہ دو دن کے بعد اس خط کو کھولنا، دو دن کے بعد انھون نے کھولا، تو اس مین

سریۂ ابن جحش

۱؎ باب فی خبر النضیر۔

یہ الفاظ تھے،

فسر حتی تنزل نخلة بین مکة و	برابر چلے جاؤ یہان تک کہ نخلہ مین
الطائف فترصد بها قریشا و	جاکر ٹھہرو جو مکہ اور طائف کے بیچ مین
تعلم لنا من اخبارهم،	ہے، اور قریش کی دیکھ بھال کرتے رہو،
(طبری ص ۱۲۷۴)	اور اُن کی خبرین دریافت کرو،

مدافعت

اس انتظام کا یہ نتیجہ تھا کہ جب کوئی مدینہ پر حملہ کرنے کا ارادہ کرتا، تو فوراً خبر ہوجاتی، اور پیش دستی کرکے فوجین بھیج دی جاتین، اکثر سرایا اسی قسم کے تھے، اور چونکہ ہم سرایا کا ذکر زیادہ تر قلم انداز کرآئے ہین، اس لئے مثال کے طور پر چند سرایا کا ذکر کرتے ہین، اور قدماے اہلِ سیر کی تصریحات سے ثابت کرتے ہین کہ یہ مہمیں مدافعت کی غرض سے تھین،

سریۂ غطفان

سریۂ غطفان ۳ھ

وذلک انه بلغ رسول الله	اس غزوہ کا سبب یہ تھا کہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم ان جمعاً من بنی	صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قبیلۂ بنو
ثعلبة و محارب بذی امر قد	ثعلبہ اور محارب کی ایک فوج ذوامر
تجمعوا یریدون ان یصیبوا	مین اس غرض سے جمع ہوئی ہے کہ
من اطراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف
جمعهم رجل منهم یقال له دعثور	حملہ کرے، اس فوج کو ایک شخص نے

بن الحارث الخ (طبقات ص ۲۳)

فراہم کیا جس کا نام دعثور ہے،

سریۂ ابوسلمہ

سریۂ ابوسلمہ ۲ سنہ

وذلک انہ بلغ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان طلیحۃ وسلمۃ ابنی خویلد قد سارا فی قومہما ومن اطاعہما یدعونہم الی حرب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم الخ (ابن سعد صفحہ ۳۵)

اس سریہ کی وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو خبر لگی کہ طلیحہ اور سلمۃ (پسران خویلد) دونوں اپنی قوم اور اپنے پیروؤن کو لے کر آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے لڑانے کے لئے روانہ ہوئے ہین،

سریۂ عبداللہ ابن انیس

سریۂ عبداللہ بن انیس بغرض قتل سفیان بن خالد ۳ سنہ

وذالک انہ بلغ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان سفیان بن خالد الہذلی ثم اللحیانی وکان ینزل عرنۃ وماوالاہا فی ناس من قومہ وغیرہم قد جمع الجموع لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم،

ابن انیس اس لئے بھیجے گئے تھے کہ آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو خبر لگی کہ ابوسفیان بن خالد اپنے قبیلہ کو اور باہر کے لوگون کو آنحضرت صلی اللّٰہ علیہ وسلم سے لڑنے کے لئے جمع کر رہا ہے،

غزوۂ ذات الرقاع

غزوۂ ذات الرقاع ۵ سنہ

فاخبرا اصحاب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم ان انمار او ثعلبۃ قد جمعوا

ایک جاسوس نے آکر صحابہ کو اطلاع کی کہ انمار اور ثعلبہ وغیرہ مسلمانون سے لڑنے

لهم المجموع .... فمصنی)	کے لئے فوجین جمع کر رہی ہین آپ چل کھڑے ہوئے،

غزوۂ دومۃ الجندل

غزوۂ دومۃ الجندل ۵ھ

قالو بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	رواۃ بیان کرتے ہین کہ آنحضرت صلی اللہ
ان بدومۃ الجندل جمعاً کثیرا	علیہ وسلم کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل مین
وانهم یریدون ان ید نوا من	ایک گروہ کثیر جمع ہے، اور مدینہ پر بڑھنا
المدینۃ (ابن سعد ص۴۴،)	چاہتا ہے،

غزوۂ مریسیع،

غزوۂ مریسیع ۵ھ،

ان بلمصطلق من خزاعۃ وهم	قبیلۂ بنو مصطلق خزاعہ کی شاخ ہے، وہ
من حلفاء بنی مدلج وکان	یہ لوگ بنو مدلج کے حلیف ہین، اور ان
راسهم وسیدهم الحارث	کا سردار حارث بن ابی ضرار تھا، وہ
بن ابی ضرار فسار فی قومہ و	اپنی قوم کو اور نیز اور لوگون کو جو اس
من قدر علیہ من العرب	کے قابو مین تھے، لے کر چلا، اور لوگون
فدعاهم الی حرب رسول اللہ	کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے
صلی اللہ علیہ وسلم فاجابوہ	لڑنے کی دعوت دی، اور لوگون نے
(ابن سعد ص۴۵)	منظور کی،

سریۂ فدک

سریۂ علی بن ابی طالب، بہ طرفِ فدک ۶ھ،

بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لهم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ

جمعًا یریدون ان یمدّوا یهود خیبر،	بنو سعد فدک میں یہود خیبر کی کمک کیلئے فوج جمع کر رہے ہیں،

سریہ بشیر بن سعد

سریہ بشیر بن سعد، شوال ۷ھ،

بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جمعًا من غطفان بالجناب قد واعدھم عیینۃ بن حصن لیکون معھم لیزحفوا الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم،	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ غطفان کا ایک گروہ مقام جناب میں جمع ہے، اور اُن سے عیینہ بن حصن نے وعدہ کیا ہے کہ اُن کے ساتھ مل کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ آور ہوگا،

سریہ عمرو بن العاص

سریہ عمرو بن العاص، ذات سلاسل ۸ھ، یہ مقام مدینہ سے ۱۰ منزل ہے،

بلغ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان جمعًا من قضاعۃ قد تجمعوا یریدون ان یدنوا الی اطراف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قضاعہ کا ایک گروہ جمع ہوا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھے،

قریش کی تجارت کی روک ٹوک

بخاری کے حوالہ سے ہم اوپر نقل کر آئے ہیں کہ (قریش اور مسلمانوں میں جنگ چھڑنے سے پہلے) ابوجہل نے حضرت معاذ انصاریؓ سے کعبہ میں یہ کہا تھا کہ اگر تم لوگ محمدؐ کو نکال نہ دوگے، تو تم کعبہ کا طواف نہیں کر سکتے، انھوں نے جواب دیا تھا کہ "تم نے اگر ہم کو کعبہ میں آنے سے روکا تو ہم تمھاری شام کی تجارت روک دیں گے" (مکہ سے شام کو جو قافلہ جاتا تھا، مدینہ اس کی راہ میں پڑتا تھا) کعبہ مسلمانوں

کی خاص چیز تھی، کیونکہ کعبہ جس نے تعمیر کیا تھا مسلمانون اُسی کے دین (ابراہیمی) کے پیرو تھے، باوجود اس کے قریش نے مسلمانون کو عموماً حج اور عمرہ سے روک دیا، اور اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ اُن کا کاروانِ تجارت رُوک دیا جائے کہ وہ مجبور ہوکر مسلمانون کو کعبہ کے اندر جانے کی اجازت دیدین،

بعض سرایا قبل حدیبیہ

سرایا کے ذکر مین اکثر جگہ اہلِ سیر لکھتے ہین کہ "یتعرض لعیر قریش" یعنی اس لئے فوجین بھیجی گیئن، یا خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے کہ کاروانِ قریش کی روک ٹوک کی جائے"، یہ تمام مہمات اسی غرض کے لئے تھین، لیکن چونکہ قریش تجارت کے لئے بھی ہتھیار بند ہوکر نکلتے تھے، اور کم از کم سو دو سو کی جمعیت ساتھ لے کر جاتے تھے، اس لئے روک ٹوک میں کبھی کبھی مقابلہ پیش آجاتا تھا، اور جب قریش شکست کھا کر بھاگ جاتے تھے، تو مالِ تجارت غنیمت مین ہاتھ آتا تھا، اہلِ سیر غلطی سے ان واقعات کو اس پیرایہ مین لکھتے ہین کہ قافلہ کا لوٹنا ہی اصل مقصد تھا،

یہی روک ٹوک تھی جس کی بناپر قریش نے بالآخر حدیبیہ کی صلح کر لی، جس کے رو سے مسلمانون کو چند خاص پابندیون کے ساتھ حج کی اجازت مل گئی، قریش پر کاروانِ تجارت کی روک ٹوک کا اس قدر اثر پڑتا تھا کہ (حضرت ابوذر غفاری نے مکہ مین جب اپنے اسلام کا اعلان کیا، اور قریش نے اس جرم مین اُن کو مارنا پیٹنا شروع کیا، اور حضرت عباسؓ نے کہا کہ غفار کا قبیلہ تمھارے کاروانِ تجارت کے سرِراہ واقع ہے، تمھاری اس حرکت سے برہم ہوکر وہ راستہ نہ روک دے، تو یہ تدبیر بوری کارگر ہوئی، اور انھون نے

ڈر کر حضرت ابوذرؓ کو چھوڑ دیا) صلح حدیبیہ کے بعد قریش کی خواہش کے مطابق جب یہ طے ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے نومسلمون کو واپس دیدین گے، اور ان نومسلمون نے مکہ سے بھاگ کر شام کی راہ مین اپنا ایک مستقر قائم کرلیا، (اور قریش کی تجارت کی راہ کو غیر مامون کردیا) تو قریش نے بالآخر اجازت دے دی کہ جو مسلمان چاہے مکہ سے مدینہ چلا جائے ان کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہ ہوگی، (پھر آیندہ سال انھون نے مسلمانون کو حج وعمرہ کی بھی اجازت دیدی، اس کے بعد پھر کبھی مسلمانون نے قریش کے کاروانِ تجارت سے تعرض نہین کیا بلکہ خود اس کی حفاظت کے لئے فوج بھیجے تھے[1])

امن وامان قائم کرنا اوپر گذر چکا ہے کہ عرب مین اس سرے سے اس سرے تک مطلق امن وامان نہ تھا، تمام قبائل باہم لڑتے رہتے تھے، یہان تک کہ محترم مہینون مین بھی بہانے نکال کر مہینون کے نام بدل دیتے تھے، اور لڑتے تھے، تجارت بالکل غیر محفوظ تھی، قافلون کا لوٹ لینا عام بات تھی، جیسا کہ بدقسمتی سے آج بھی بدوقافلون کو لوٹتے رہتے ہین

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا نے اس لئے بھیجا تھا کہ نہ صرف وعظ وپند بلکہ دستِ و بازو سے بھی تمام عرب بلکہ تمام دنیا مین امن وامان قائم کرین، کیونکہ خونریزی اور قتل سے زیادہ کوئی چیز خدا کو ناپسند نہین،

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا — اس لئے ہم نے بنی اسرائیل کو لکھ دیا تھا کہ جس شخص نے ایک جان کو بغیر معاوضہ

[1] فتح الباری جلد ۵ ص ۱۶۱،

بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ	(یا زمین مین فساد) کے قتل کر دیا، اُسنے
فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا (مائدہ ۵)	تمام عالم کو قتل کر دیا،
وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ	اور جب وہ پھر کر جاتا ہے تو کوشش
فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَ	کرتا ہے کہ زمین مین فساد برپا کرے،
اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝	اور کھیتی اور نسل کو برباد کرے، اور اللہ
(بقرہ ۲۵)	فساد کو پسند نہین کرتا،
اِنَّمَا جَزٰٓؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ	جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہین
وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ	اور زمین مین فساد مچاتے ہین، اُن کی
فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ	سزا یہ ہے کہ وہ قتل کر دیے جائین، یا پھانسی
تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِّنْ خِلَافٍ	دیے جائین، یا ان کا ایک ہاتھ اور دوسرے طرف
اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (مائدہ ۵)	کا پاؤن کاٹ ڈالا جائے، یا جلا وطن کر دیے جائین،

احادیث مین ہے کہ جب حضرت عدیؓ (حاتم طائی کے بیٹے) اسلام لائے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے ارشاد فرمایا کہ "خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک شتر سوار صنعاء سے لے کر حضر موت تک سفر کرے گا، اور اس کو خدا کے سوا یا بھیڑیئے کے سوا (کہ اس کی بکریان نہ اٹھا لیجائے) اور کسی کا ڈر نہ ہوگا، یہ ابو داؤد کے الفاظ ہین صحیح بخاری مین[۱] ہے کہ خدا اس کام کو اس طرح پورا کرے گا کہ ایک عورت حیرہ

(۱) صحیح بخاری باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واصحابہ من المشرکین بمکۃ، ص ۵۲ باب علامات النبوۃ،

سے چلے گی اور آکر کعبہ کی زیارت کرے گی، اور اُس کو خدا کے سوا کسی کا ڈر نہ ہوگا، حضرت عدیؓ کہتے ہین کہ مین نے اپنی آنکھون سے دیکھ لیا کہ ایک عورت حیرہ سے سفر کرکے حرم تک آتی ہی، اور اس کو کسی کا ڈر نہین ہوتا،

بہت سے واقعات ہین جن کو اہل سیر سرایا مین شمار کرتے ہین، وہ محض تجارت کی آزادی اور عام امن قائم کرنے کی غرض سے تھے، دو تین مثالین ہم درج کرتے ہین،

سرئیہ زید بن حارثہ

سنہ ۶ھ مین حضرت زیدؓ مال تجارت لے کر شام گئے، واپس آتے ہوے جب وادی قری کے قریب پہنچے تو بنو فزارہ کے لوگون نے آکر اُن کو مارا پیٹا، اور تمام مال واسباب چھین لے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تدارک کے لئے تھوڑی سی فوج بھیجی جس نے ان لوگون کو سزا دی،[1]

اسی سنہ مین اس سے پہلے حضرت دحیہ کلبیؓ جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خط دے کر قیصر کے پاس بھیجا تھا، شام سے واپس آرہے تھے، جب حسمی پہنچے تو ہُنید نے چند آدمیون کے ساتھ اُن پر ڈاکہ ڈالا، اور جو کچھ اُن کے پاس تھا سب چھین لیا، صرف بدن کے کپڑے (وہ بھی جو پرانے اور پھٹے تھے) چھوڑ دیئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کے تدارک کے لئے حضرت زیدؓ کو بھیجا،

سرئیہ دومۃ الجندل

سنہ ۴ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر لگی کہ دومۃ الجندل مین جو مدینہ منورہ سے شام کی جانب پندرہ منزل پر ہے، ایک بڑا گروہ جمع ہوگیا ہے، جو تاجرون کو ستاتا ہے، اس کے

[1] طبقات ابن سعد ص ۶۵ جلد غزوات، [2] ابن سعد ص ۶۳،

تدارک کے لئے آپؐ خود تشریف لے گئے مجمع منتشر ہوچکا تھا لیکن آپ نے چند روز تک وہان قیام کیا، اور انتظام کے لئے تمام اطراف مین فوج کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیان بھیج دین،

سریۂ خبط یا سیف البحر

(یہ حالت کچھ مسلمان تاجرون کے ساتھ مخصوص نہ تھی، بلکہ صلح حدیبیہ کے بعد کفار قریش کے کاروانِ تجارت کی بھی اسی طرح حفاظت کی جاتی تھی، ۸ھ مین قریش کا کاروان تجارت شام سے واپس آرہا تھا، قبیلۂ جہینہ کی طرف سے اطمینان نہ تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کی سرداری مین تین سو مسلمانون کی جمعیت جس مین حضرت عمرؓ بھی داخل تھے مدینہ سے ۵ دن کی مسافت پر روانہ فرمایا، مسلمانون نے اس فرض کو اس طرح انجام دیا کہ کھانے کو کچھ نہ رہا، تو ایک ایک چھوہارے پر دن دن بھر گذار دیا،[۲]

صحیح مسلم[۳] مین یہ واقعہ مفصل مذکور ہے لیکن اس سریہ کی غرض مختلف راویون نے مختلف بیان کی ہے، اصل راوی حضرت جابرؓ ہین، جو اس واقعہ مین شریک تھے، ایک روایت مین ہے کہ جہینہ سے لڑنے کو یہ مہم بھیجی گئی تھی، کتب مغازی مین بھی یہی مذکور ہے، دوسری روایتون کے الفاظ یہ ہین،

(۱) تتلقی عیر قریش، قافلۂ قریش سے ملنے کیلئے (۲) نرصد عیر قریش، قافلۂ قریش کی دیکھ بھال کیلئے،

اس سے مقصود عام طور سے یہ سمجھا جا سکتا ہے کہ قافلۂ قریش کے لوٹنے کے لئے، لیکن یہ صریح غلطی ہے کیونکہ یہ زمانہ تو صلح حدیبیہ کا تھا، اس بنا پر ان الفاظ کے صاف معنی یہ ہین کہ یہ مہم قافلۂ قریش

---

۵۱ ابن سعد ص ۸۴ جلد غزوات ۵۲ ابن سعد جزء مغازی سریۂ خبط ۵۳ صحیح مسلم باب اصابۃ میتۃ البحر، صحیح بخاری باب غزوۂ سیف البحر مین بھی یہ روایتین ہین)

کی حفاظت اور جہینہ کو روکنے کے لئے بھیجی گئی تھی، حافظ ابن حجر کی بھی یہی تحقیق ہے[1]

غزوۂ غابہ

عرب کی جسارت اور رہزنی کی عادت کا یہ حال تھا کہ اگرچہ ہر دفعہ اُن کو سخت سے سخت سزائیں ملتی تھیں، تاہم وہ کسی طرح جرائم سے باز نہیں آتے تھے، یہان تک کہ غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا، ڈاکے ڈالتے تھے، ۵ھ میں قبیلۂ فزارہ کی آبادی میں قحط پڑا، عیینہ بن حصن جو یہان کا رئیس تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرط کرم سے اس کو اجازت دی کہ اسلامی حدود میں جو سیراب تھے، مویشی چرائے لیکن ۶ھ میں اسی عیینہ نے غابہ پر جو مدینہ کا چراگاہ تھا حملہ کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیس اونٹنیاں لوٹ لیں، حضرت ابو ذرؓ کے بیٹے جو چراگاہ کے محافظ تھے، اُن کو قتل کر دیا، چنانچہ ارباب سیر اس واقعہ کو غزوۂ غابہ سے تعبیر کرتے ہیں،

عرب کا تمام ملک جو اسلام کا دشمن ہو گیا، اور اخیر فتح مکہ تک کفار سے جو لڑائیاں جاری رہیں، اس کی ایک بڑی وجہ یہی تھی کہ عرب کی معاش کا بڑا ذریعہ رہزنی، قطاع الطریقی اور قتل و تاراج تھا، اسلام ان چیزون کو مٹاتا تھا، اس لئے عرب اسلام سے بڑھ کر کسی کو اپنا دشمن نہیں سمجھ سکتے تھے،

بے خبری میں حملہ کرنے کا سبب

عرب کے قبائل دو قسم کے تھے، ایک وہ جو کسی خاص مقام پر مستقل سکونت رکھتے تھے، دوسرے وہ جو خیمہ نشین اور بادیہ گرد تھے، اُن کا کوئی خاص مستقر نہ تھا، جہان چشمہ یا سبزہ زار دیکھا، خیمے ڈال دیئے، جب وہان بھی پانی نہ رہا، تو خبر رسان

---

[1] فتح الباری جلد ۷ ص ۶۲۷،

کسی اور مقام کی خبر لائے، اور وہان چلے گئے، ان قبائل کو عربی مین اصحاب لوبر کہتے ہین، زیادہ تر جو قبائل ڈاکے ڈالا کرتے، اور لوٹ مار کرتے رہتے تھے، اسی قسم کے قبائل تھے، ان کا انتظام، اُن کی روک ٹوک سخت مشکل تھی، اُن کی تعزیہ کے لئے فوجین جاتی تھین تو یہ پہاڑون پر بھاگ جاتے تھے، اور قابو مین نہین آتے تھے، اس لئے مجبوراً جو فوجین اُن پر بھیجی جاتی تھین، غفلت مین بھیجی جاتی تھین کہ وہ بھاگ نہ جانے پائین،

اکثر سرایا کے بیان مین اہل سیر نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ فوجین بھیجین جو راتون کو چلتی تھین، اور بے خبری کی حالت مین موقع پر پہنچ کر حملہ کرتی تھین، اور قبائل کو لوٹ لیتی تھین، اس قسم کے واقعات تمام کتابون مین کثرت سے منقول ہین، اور ان ہی واقعات سے یورپ کے لوگون نے یہ خیال قائم کیا ہے کہ اسلام نے دشمن پر ڈاکہ ڈالنا اور لوٹ مار کرنا جائز رکھا ہے، اسی بنا پر مارگولیوس نے یہ استدلال کیا ہے "کہ چونکہ بہت دنون تک مسلمانون کے پاس معاش کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ قبائل پر بے خبری مین حملہ کرکے مال واسباب لوٹ لایا کرتے تھے"

لیکن جب زیادہ تفحص اور استقرا اور کد وکاوش سے تمام واقعات بہم پہونچائے جائین تو ثابت ہوگا کہ اچانک حملہ انہی قومون پر کیا جاتا تھا جن کی نسبت یہ احتمال ہوتا تھا کہ اُن کو خبر ہوگی تو پہاڑون کی چوٹیون پر یا کسی اور مقام پر بھاگ جائین گے چنانچہ اکثر ایسا ہوا کہ اُن لوگون کو خبر ہوئی اور وہ کسی طرف چل دیئے، اس قسم کے چند واقعات ہم اس موقع پر نقل کرتے ہین اُن مین سے بعض مین آپ خود تشریف لے گئے اور بعض مین کچھ دستے بھیجدیئے،

غزوۂ بنو سلیم

غزوۂ بنو سُلیم ۳ھ (ابن سعد صفحہ ۲۴)

وَاَغَذَّ السَّیر...... فوجدهم	اور بہت تیزی سے بگ ٹٹ گئے لیکن وہ
قد تفرّقوا فی میاهم فرجع،	لوگ اپنے چشمون کی طرف چل دیے تھے (آنحضرت لوٹ آئے)

غزوۂ ذات الرقاع

غزوۂ ذات الرّقاع ۴ھ،

وهربت الاعراب الی رؤس	اور اعراب پہاڑون کی چوٹیون پر
الجبال	بھاگ گئے،

سریۂ عکاشہ

سریۂ عکاشہ ۶ھ

وجّه رسول اللّٰه صلّی اللّٰه علیه وسلّم عکاشة	آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے عکاشہ بن
بن محصن الی الغمر فی اربعین	محصن کو ۴۰ آدمیون کے ساتھ بھیجا، وہ
رجلا فخرج سریعا یُغذّ السیر...	بگ ٹٹ گئے، .... لیکن وہ
فهربوا. (ص ۶۱)	لوگ بھاگ گئے،

سریۂ علی بن ابی طالب

سریۂ علیؓ بن ابی طالب الی بنی سعد ۶ھ،

فبعث الیهم علی ابن ابی طالب	آنحضرت صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم نے حضرت علیؓ کو
فی مائة رجل فسار اللیل و	سو آدمیون کے ساتھ بھیجا، وہ راتون کو
کمن النهار حتی انتهی الی	چلتے تھے، اور دن کو چھپ رہتے تھے،
الهمج فاغاروا علیهم فاخذوا	یہان تک کہ مقام ہمج پہنچ گئے، پھر ان
خمس مائة بعیر والفی شاة	لوگون پر حملہ کیا اور پانچسو اونٹ اور

وھربت بنو سعد بالظعن (ص ۔ ۶۵) | دو ہزار بکریاں لوٹیں اور بنو سعد مستورات کو لے کر بھاگ گئے،

غزوۂ بنو لحیان

(غزوۂ بنو لحیان ۶ھ)

فسمعت بھم بنو لحیان فھربوا فی رؤس الجبال | بنو لحیان نے اُن کی آہٹ سنی تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر بھاگ گئے،

سریۂ عمر بن خطاب

سریۂ عمرؓ بن خطاب بہ طرف تُرَبہ ۷ھ،

فکان یسیر اللیل ویکمن النھار فاتی الخبر ھوازن فھربوا وجاء عمر بن الخطاب محلھم فلم یلق منھم احدا) | راتوں کو چلتے تھے، اور دن کو چھپ جاتے تھے، ہوازن کو خبر لگ گئی تو وہ فرار ہو گئے، حضرت عمرؓ اُن کے پڑاؤ پر پہنچے تو کسی کو نہ پایا)

سریۂ کعب بن عمیر

سریۂ کعب بن عُمیر ربیع الاول ۸ھ،

اس سریہ کا یہ واقعہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پندرہ شخصوں کو شام کی طرف بھیجا، ذاتِ اَطلاح پہنچ کر اُن لوگوں کو ایک بڑی جماعت نظر آئی، ان لوگوں نے اُن کو اسلام کی دعوت دی، انھوں نے انکار کیا، اور ان پر تیراندازی شروع کی، مجبور ہو کر یہ لوگ بھی لڑے، اور بالآخر سب شہید ہوئے، صرف ایک صاحب بچے، انھوں نے آکر خبر کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن سے انتقام لینا چاہا، لیکن وہ لوگ یہ مقام چھوڑ کر کہیں اور چلے گئے، ابن سعد میں یہ الفاظ ہیں،

وھم بالبعث الیھم فبلغہ | ان پر فوج بھیجنے کا ارادہ کیا، پھر معلوم ہوا
انھم قد ساروا الی موضع اٰخر | کہ وہ اور کہین چلے گئے،

اشاعتِ اسلام

ان اغراض کے علاوہ اور جو سرایا بھیجے گئے، اُن کی غرض اشاعتِ اسلام ہوتی تھی، لیکن چونکہ ملک مین امن و امان نہ تھا، اور نیز دشمنون نے اس سرے سے اُس سرے تک آگ لگا رکھی تھی، لیکن دعوتِ اسلام کے لئے جو سرایا جاتے تھے، اُن کی زندگی ہمیشہ معرضِ خطر مین رہتی تھی،

سریۂ بیرمعونہ

صفر ۴ھ مین ستر داعیانِ اسلام کی جماعت قبیلۂ کلاب مین رئیسِ قبیلہ کی دعوت پر اشاعتِ اسلام کی غرض سے بھیجی گئی، لیکن بیر معونہ کے قریب قبائل رعل و ذکوان کے ہاتھ سے کل کی کل شہید ہوئی، صرف ایک صاحب بچ گئے تھے، جنھون نے مدینہ آکر خبر کی،

سریۂ مرثد

اسی زمانہ مین یعنی صفر ۴ھ مین قبیلۂ عضل و قارہ نے تعلیم و ارشاد کے لئے دعاۃ اسلام کے بھیجنے کی درخواست کی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصمؓ، حضرت خبیبؓ، حضرت مرثد بن ابی مرثدؓ وغیرہ دس صاحبون کو اس غرض کے لئے روانہ فرمایا، مقام رجیع مین پہنچ کر بنو لحیان نے اُن پر حملہ کیا، اور ایک کے سوا کل صاحب شہید کر دیئے گئے، (۶ھ مین

غزوۂ بنو لحیان

بنو لحیان کی تعزیر کے لئے مہم گئی لیکن کامیابی نہ ہوئی، وہ سُن گن پا کر بھاگ گئے تھے،)

سریۂ ابن ابی العوجا

۷ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے داعیون کی ایک جماعت جس مین پچاس آدمی شامل تھے، قبیلۂ بنی سلیم کے پاس بھیجی، اس گروہ کے سردار ابن ابی العوجا تھے، انھون نے بنو سلیم کو دعوت دی لیکن ان لوگون نے انکار کیا، اور تیر اندازی شروع کی یہ لوگ بھی لڑے لیکن پچاس آدمی

قبیلہ کے قبیلہ کا کیا مقابلہ کر سکتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ رئیسِ فوج یعنی ابنِ ابی العوجار کے سوا سب شہید ہوئے،

سریہ کعب ابن عمیر

ربیع الاول ۸ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت کعبؓ بن عمیر غفاری کو پندرہ آدمیون کی جمعیت کے ساتھ دعوتِ اسلام کے لئے ذات اطلاح کی طرف روانہ کیا، یہ مقام شام کے حدود مین وادی القریٰ سے اس طرف ہے، ان لوگون نے اسلام کی تبلیغ کی لیکن جواب وہی تیغ وسنان تھا، یہان تک کہ یہ جماعت بھی کل کی کل شہید ہو گئی، صرف ایک صاحب بچ گئے، جنھون نے آکر مدینہ مین خبر کی،

(اس بنا پر اکثر دعوتِ اسلام کے لئے جو سرایا بھیجے جاتے تھے، اُن کے ساتھ حفاظت کی غرض سے کچھ فوج بھی ساتھ کر دی جاتی تھی لیکن اس صورت مین بہ تصریح افسرون کو کہدیا جاتا تھا کہ صرف اشاعتِ اسلام مقصود ہے، لڑائی بھڑائی کی اجازت نہین، مثلاً فتحِ مکہ کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا، اور ۳۰۰ آدمیون کی جمعیت ساتھ کر دی تو صاف فرما دیا کہ صرف دعوتِ اسلام مقصود ہے لڑائی مقصود نہین، چنانچہ ابن سعد لکھتے ہین:-

بعثہ الی بنی جذیمۃ داعیا الی الاسلام ولم یبعثہ مقاتلا (ص۱۰۶)	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد کو بنو جذیمہ کی طرف بھیجا دعوتِ اسلام کیلئے، نہ کہ لڑنے کیلئے

علامۂ طبری اس موقع پر لکھتے ہین:-

قد کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کے اطراف مین

بعث فیما حول مکۃ السرایا تدعوا	سرایا بھیجے، دعوتِ اسلام کے لئے، اور انکو
الی اللّٰہ عز وجل ولم یامرھم بقتال	لڑائی کا حکم نہین دیا۔

باوجود اس کے بھی حضرت خالدؓ نے تلوار سے کام لیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو آپ کھڑے ہو گئے، اور قبلہ رُخ ہو کر کہا "اے خدا خالد نے جو کچھ کیا مین اس سے بری ہون" تین دفعہ اسی طرح یہ الفاظ فرمائے، پھر حضرت علیؓ کو بھیجا انھون نے ایک ایک بچہ کا یہانتک کہ کتون کا خون بہا ادا کیا، اور اس پر مزید رقم دی[۱]، یہ واقعہ باختلافِ الفاظ حدیث کی کتابون مین بھی مذکور ہے،

(اسی طرح سنہ ۱۰ھ مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو جب ۳۰۰ سوارون کے ساتھ یمن بھیجا، تو آپ نے فرمایا:-

فاذا نزلت بساحتھم فلا تقاتلھم	جب تم وہان پہنچ جاؤ، تو جب تک تم پر
حتی یقاتلوک (ابن سعد مغازی ص۱۲۲)	کوئی حملہ نہ کرے تم نہ لڑنا

(اسی سلسلہ مین وہ سرایا بھی داخل ہین، جو فتح مکہ کے بعد بت شکنی کے لیے اطرافِ ملک مین روانہ کئے گئے، اس کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عرب مین مختلف قبیلون کے الگ الگ بتخانے تھے، فتحِ مکہ کے بعد جب عام طور سے قبائل نے اسلام قبول کر لیا تو بتون کی عظمت اور جباری کا جاہلانہ وروہم پرستانہ تخیل بعض قبائل سے دفعۃً نہ مٹ سکا اب گو وہ اُن کو لائقِ پرستش نہیں سمجھتے تھے تاہم اُن کے دل پر ان اصنام کی دراثۂ مدت سے

[۱] تاریخ طبری ص ۱۶۵۱ ج ۳۔

جو ہیبت بیٹھی ہوئی تھی، اُس سے یہ ہمت نہین پڑتی تھی کہ ان باطل پرستیون کے مرکز کو خود اپنے ہاتھ سے مٹا دین، جاہلون کو یقین تھا کہ ان مقدس پتھرون کا ایک ریزہ بھی اپنی جگہ سے ہٹا تو آسمان ٹوٹ پڑے گا، زمین پھٹ جائے گی، مصائب کا اور بلاؤن کا ایک طوفان برپا ہو جائے گا'

اہلِ طائف نے بیعت کرتے ہوئے شرط پیش کی تھی کہ اُن کا بتخانہ ایک سال تک ڈھایا نہ جائے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ منظور نہ فرمایا تو دوسری طرف شرط یہ پیش کی کہ ہم اُن کو اپنے ہاتھ سے نہ توڑین گے بعض اور نو مسلم قبائل بھی اس ادائے فرض مین جھجکتے تھے، اس بنا پر ان مقامات مین چند راسخ العقیدہ اور صحیح الفہم مسلمان بھیجے گئے کہ وہ اُن کی طرف سے اس فرض کو انجام دین، چنانچہ سریۂ خالدؓ بن ولید بتخانۂ **عزّیٰ** سریۂ عمرو بن العاصؓ، بتخانۂ سواع ہذیل سعد بن زید اشہلی بتخانۂ **مناۃ** سریۂ ابو سفیان و مغیرہ بن شیبہ بتخانۂ **لات** سریۂ جریر بتخانۂ ذی الخلصہ[1] سریۂ طفیلؓ بن عمرو دوسی بُت خانۂ **ذی الکفین** اور سریۂ علیؓ بن ابی طالب بتخانۂ **فلس** کے توڑنے کو روانہ کئے گئے[2]

جنگی اصلاحات

جنگ افعالِ انسانی کا بدترین منظر ہے، عرب کی جنگ تو ظلم، توحش، قساوت، سفاکی، بے دردی، اور درندہ پن کا تماشا گاہ تھی لیکن اعجازِ نبوت سے یہی چیز تمام نقائص سے پاک ہو کر ایک مقدس فرض انسانی بن گئی،

کسی ملک مین جب ہزارون برس سے ظلم و غارتگری متوارث چلی آتی ہے تو شروع شروع مین مہذب سے مہذب حکومت کو بھی چند روز قدیم اصول اور طرزِ عمل کو اختیار کرنا پڑتا ہے، جسکو

---

[1] صحیح بخاری غزوۂ ذی الخلصۃ [2] اس باب مین تمامتر واقعات ابن سعد جزء مغازی سے ماخوذ ہین

طبی اصطلاح مین علاج بالمثل کہہ سکتے ہین، آغازِ اسلام مین حملہ آور جنگ کے متعلق بعض واقعات اس قسم کے ملتے ہین، جو پہلے سے رائج تھے، مثلاً جاہلیت مین دستور تھا کہ دشمن پر بے خبری کی حالت مین جا پڑتے تھے، اور قتل و قید کرتے تھے، اسلام نے اس طریقہ کو مٹایا، لیکن ابتدا ہی مین اگر اس پر عمل کیا جاتا تو نتیجہ یہ ہوتا کہ دشمن ہمیشہ دفعتہً حملہ آور ہو کر مسلمانون کو قتل کیا کرتے، اور مسلمان اُس کے مقابلہ مین کچھ نہ کر سکتے، یا کرتے تو پہلے اُن کو خبر کرتے جس کے بعد وہ کمین ٹل جاتے، یا اپنی حفاظت کا سامان کر لیتے، لیکن جس قدر اسلام کو زور و قوت حاصل ہوتی گئی، اسی قدر وہ قدیم طریقے مٹتے گئے، یہان تک کہ ایک ایک کر کے سب کا خاتمہ ہو گیا،

اسلام سے پہلے جنگ کا جو طریقہ تھا، اور جس قسم کے وحشیانہ افعال عمل مین آتے تھے، ان کو ہم تفصیل سے اوپر لکھ آئے ہین، اُن صفحات کو دوبارہ سامنے رکھ لو، اور اس کے مقابلہ مین دیکھو اسلام نے کیا کیا اصلاحین کین،

اس بات کو قطعاً روک دیا کہ عورتین، بوڑھے، بچے، صغیر السن، نوکر، خادم لڑائیون مین قتل کیے جائین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دستور تھا کہ جب کسی مہم پر فوج بھیجی جاتی تو سردارِ فوج کو جو احکام دیئے جاتے تو اُن مین ایک یہ لازمی حکم بھی ہوتا[1] ابوداؤد مین یہ حکم ان الفاظ مین مذکور ہے،

لا تقتلوا شیخًا فانیًا ولا طفلًا ولا صغیرًا ولا امرأۃً — کسی کہن سال کو، بچے کو، کمسن کو، عورت کو قتل نہ کرو،

---

[1] صحیح مسلم باب الجہاد، کتاب الجہاد باب فی دعاء المشرکین، ابوداؤد مین یہ باب کتاب الجہاد مین مکرر ہے یہان پہلا باب مراد ہے، "س"

غزوات مین کبھی کسی عورت کی لاش آپؐ کی نظر سے گذرتی تو آپ نہایت سختی سے منع فرماتے

صحیح مسلم مین متعدد حدیثین اس کے متعلق مذکور ہین،

اسلام سے پہلے معمول تھا کہ دشمن کو گرفتار کر لیتے تو کسی چیز سے باندھ کر اس کو تیرون کا نشانہ بناتے

یا تلوار سے قتل کرتے، عرب مین اس طریقہ کو صبر کہتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت سختی سے

اس کو روک دیا،

ایک دفعہ حضرت خالدؓ کے صاحبزادے (عبدالرحمن) نے ایک لڑائی مین چند آدمیون کو گرفتار

کرکے اسی طرح قتل کرایا تھا، حضرت ابوایوبؓ انصاری نے سُنا تو کہا "مین نے رسول اللہ

کو سُنا وہ اس سے منع فرماتے تھے، خدا کی قسم مین مرغ کو بھی اس طرح مارنا جائز نہین رکھتا"

عبدالرحمن نے اسی وقت کفارۂ گناہ کے طور پر چار غلام آزاد کئے[1]

لڑائیون مین عہد کی کچھ پابندی نہ تھی، جنگِ موتہ وغیرہ مین کفار نے مسلمانون کے ساتھ

یہی معاملہ کیا، یعنی قول و قسم دے کر مسلمانون کو ساتھ لوا گئے، اور گھر لے جا کر قتل کر ڈالا، قرآن مجید

مین انہی واقعات کی طرف اشارہ ہے،

لَا یَرْقُبُوْنَ فِیْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً اُولٰٓئِكَ لَاۤ اَیْمَانَ لَهُمْ	کسی مسلمان کے متعلق وہ نہ کسی قسم کا لحاظ رکھتے ہین نہ ذمہ داری کا، ان کی قسم قسم نہین،
(توبہ - ۲)	

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سخت تاکید کی کہ جو عہد کیا جائے، ہر حال مین اس کی پابندی کیجائے

[1] ابو داؤد جلد ۲ ص ۱۰ باب قتل الاسیر بالنبل "س"

قرآن مجید مین اس کے متعلق جابجا تاکیدی اور صاف احکام ہین، عہد نبوت اور خلفاے راشدین رض
کے زمانہ مین پابندیٔ عہد کی حیرت انگیز مثالین ملتی ہین،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کرکے مدینہ چلے آئے تھے تو بہت سے صحابہ مجبوریون
کی وجہ سے مکہ ہی مین رہ گئے تھے، اُن مین حضرت حذیفہ بن یمان اور اُن کے والد بھی تھے،
جنگ بدر کے موقع پر حضرت حذیفہ بن یمان اور اُن کے والد کہین سے آرہے تھے، کفار نے
ان کو پکڑ لیا کہ تم مدینہ جاکر پھر ہمارے مقابلہ کو آؤ گے، انھون نے کہا ہمارا مقصد صرف مدینہ
جانا ہے، کفار نے اُن سے عہد لے کر چھوڑ دیا، یہ لوگ مقام بدر مین آنحضرت صلی اللہ
علیہ وسلم کی خدمت مین پہنچے، اور یہ دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار سے مصروف جنگ
ہین، خود بھی اس سعادت کی آرزو کی، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو باز رکھا کہ تم
معاہدہ کر چکے ہو،

ابو رافع کو قریش نے قاصد بنا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بھیجا تھا، بارگاہِ
نبوت مین آکر اُن پر یہ اثر ہوا کہ مسلمان ہوگئے، اور عرض کی اب مین کافرون مین واپس
نہ جاؤن گا، آپ نے فرمایا تم قاصد ہو اور قاصد کو روک لینا عہد کے خلاف ہے،
اس وقت واپس جاؤ، پھر آجانا[1]،

صلح حدیبیہ مین جب حضرت **ابو جندل** رض پابہ زنجیر آئے، اور بدن کے داغ دکھائے،
کہ قریش مجھ کو قید کرکے اس طرح ستاتے ہین، آپ نے فرمایا ہان، لیکن قریش سے معاہدہ

[1] ابو داؤد جلد ۲ ص ۲۳ (باب فی الامام یستجن بہ فی العہود) س

ہوچکا ہے کہ کوئی مسلمان مکہ سے بھاگ آئے گا تو ہم قریش کے پاس بھیج دین گے، اس پر حضرت ابوجندل رض نے رو کر تمام مسلمانون کو مخاطب کیا، لوگ جوش رقت سے بیقرار ہوگئے، اور قریب تھا کہ قابو سے باہر ہو جائین حضرت عمر رض بیتاب ہوگئے حضرت ابوبکر رض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین بار بار جاتے تھے، یہ سب کچھ تھا لیکن پابندیٔ عہد کی قیمت ان سب خطرات سے زیادہ بھی حضرت ابوجندل رض کو پابہ زنجیر واپس جانا پڑا،

اسلام سے پہلے قاصدون کا قتل کردینا ممنوع نہ تھا، صلح حدیبیہ سے پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کے پاس جو قاصد بھیجا تھا قریش نے اس کی سواری کے اونٹ کو مار ڈالا اور قاصد کو بھی قتل کردینا چاہا لیکن باہر والون نے بچا لیا،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ قاصد کبھی قتل نہ کئے جائین مسیلمہ نے جب قاصد بھیجا اور اُس نے گستاخانہ گفتگو کی تو آپ نے فرمایا کہ قاصد کا قتل کرنا دستور نہین ورنہ تو قتل کردیا جاتا، مورخین اس واقعہ کو لکھ کر لکھتے ہین کہ اس دن سے یہ ایک قاعدہ بن گیا کہ قاصد قتل نہین کئے جاتے تھے،

اسیران جنگ کے ساتھ عرب نہایت بُرا سلوک کرتے تھے، اور تمام قومون مین بھی یہی طریقہ جاری تھا، جنگ صلیبی مین یورپین سلطنتین جب مسلمانون کو لڑائیون مین گرفتار کرتی تھین، تو اُن سے جانورون کی طرح کام لیتی تھین،

علامہ ابن جبیر جب حروب صلیبیہ کے زمانہ مین سسلی مین گذرے ہین تو یہ حالت دیکھ کر تڑپ گئے چنانچہ لکھتے ہین :-

ومن الفجائع التی یعاینھا من
حلّ بلادھم اسریٰ المسلمین
یرسفون فی القیود ویصرفون فی
الخدمة الشاقة والاسیرات
المسلمات کذٰلک فی اسوقھن
خلاخیل الحدید فتنفطر لھم
الافئدة،[1]

اور منجملہ ان دردانگیز حالات کے جوان شہرون
مین نظر آتے ہین، اسیرانِ اسلام ہین جو
بیڑیان پہنے نظر آتے ہین، اورجن سے سخت
محنت شاقہ لی جاتی ہے، اور اسی طرح
مسلمان عورتین پنڈلیون مین لوہے کے
کڑے پہنے سخت محنتِ شاقہ سے کام
کرتی ہین، جن کو دیکھ کر دل پھٹا جاتا ہے؛

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے اسیرانِ جنگ کی نسبت تاکید کی کہ اُن کو کسی طرح کی تکلیف نہ پہنچنے پائے، اسیرانِ بدر کو جب آپؐ نے صحابہ کے حوالہ کیا تو تاکید کی کہ کھانے پینے کی تکلیف نہ ہونے پائے، چنانچہ صحابہ خود کھجور وغیرہ کھا کر بسر کر لیتے تھے، اور قیدیون کو کھانا کھلاتے تھے؛

غزوہ حنین مین چھ ہزار اسیر تھے، سب چھوڑ دیئے گئے، اور آپؐ نے اُن کے پہننے کے لئے چھ ہزار جوڑے (مصر کے کپڑے کے) عنایت فرمائے، چنانچہ ابن سعد نے اس واقعہ کی تصریح کی ہے،

حاتم طائی کی بیٹی جب گرفتار ہو کر آئی، تو آپؐ نے عزّت و حرمت سے مسجد کے ایک گوشہ مین اسکو مقیم کیا، اور فرمایا کہ کوئی تمھارے شہر کا آجائے تو مین اس کے ساتھ تم کو رخصت کر دون، چنانچہ چند روز کے بعد سفر کا سامان کر کے ایک شخص کے ساتھ یمن بھجوا دیا،

قرآن مجید مین جہان خدا نے بندگانِ خاص کے اوصاف بتائے ہین وہان فرمایا ہے،

وَیُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰی حُبِّہٖ

اور یہ لوگ خدا کی محبت مین مسکین کو، یتیم کو

[1] رحلہ ابن جبیر مطبوعہ لیڈن ۱۹۰۷ء ص ۳۰۷،

مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (دھر ۱) اور قیدیون کو کھانا کھلاتے ہین،

معمول تھا کہ جب کسی قوم پر حملہ ہوتا تو اہلِ فوج چار دن طرف دور دور پھیل جاتی جس سے راستے بند ہوجاتے، گھرون مین آنا جانا مشکل ہوجاتا، راہ گیرون کا مال و متاع لُٹ جاتا، یہ طریقہ ایک مدت سے چلا آتا تھا، ایک لڑائی مین قدیم دستور کے مطابق یہی حرکتین لوگون سے سرزد ہوئین، آپنے مُنادی کرادی کہ جو شخص ایسا کریگا اس کا جہاد جہاد نہین،

ابوداؤد مین (حضرت معاذ بن انس رضؓ) سے روایت ہے:

غزوت مع نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	مین فلان غزوہ مین آپکے ساتھ تھا لوگون
غزوۃ کذا وکذا فضیق الناس	نے دوسرون کے پڑاؤ پر جاکر اُن کو تنگ کیا،
المنازل وقطعوا الطریق فبعث	لوٹا مارا، آپنے ایک شخص کو بھیجا جس نے
النبی صلی اللہ علیہ وسلم منادیا ینادی	منادی کی کہ جو دوسرون کو گھرون مین
فی الناس ان من ضیق منزلا	تنگ کرے یا لوٹے، مارے اس کا جہاد
او قطع طریقا فلا جہاد لہ[۱]	قبول نہین،

ابوداؤد مین ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ حکم دیا کہ لوگ ادھر اودھر پھیل نہ جایا کرین تو لوگ اس طرح سمٹ کر پڑاؤ ڈالتے تھے کہ ایک چادر تان دی جاتی تو سب اوس کے نیچے آجاتے،[۲]

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد جلد اول ص ۳۵۴ (باب یوم من انضمام العسکر)[۲] ص ۵۲ ابوداؤد کتاب الجہاد (باب یوم من انضمام العسکر) ص

سب سے بڑی مشکل یہ تھی کہ مالِ غنیمت کے ساتھ لوگون کو اس قدر شغف تھا لڑائیون کا بہت بڑا سبب یہی ہوتا تھا، اس کی اصلاح مین نہایت تدریج سے کام لینا پڑا، جاہلیت مین تو غنیمت محبوب ترین چیز تھی تعجب یہ ہو کہ اسلام مین بھی ایک مدت تک اس کو ثواب کی چیز سمجھتے تھے، ابوداؤد مین ہو کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا،

رجل یرید الجہاد فی سبیل اللہ	ایک شخص خدا کی راہ مین جہاد کرنا چاہتا ہی
وھو یبتغی عرضا من عرض الدنیا	لیکن کچھ دنیاوی فائدہ بھی چاہتا ہی؟
فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لا اجر لہ	آپنے فرمایا اس کو کچھ ثواب نہین ملے گا،
فاعظم ذالک الناس وقالوا للرجل	یہ امر لوگون کو بہت عجیب معلوم ہوا، اور
عد لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فلعلک	لوگون نے اس شخص سے کہا کہ پھر جا کر
لم تفهمه (ابوداؤد جلد ا صفحہ ۳۴۲)	پوچھ، غالباً تم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
باب فیمن یغزو ویلتمس الدنیا) س	کا مطلب نہین سمجھا،

بار بار لوگ دوبارہ دریافت کرنے کیلیے بھیجتے تھے، اور اُن کو یقین نہین آتا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہوگا، بالآخر جب آپنے تیسری دفعہ بھی یہی فرمایا کہ لا اجر لہٗ یعنی اس کو کچھ ثواب نہین ملے گا تب لوگون کو یقین آیا،

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چند صحابہ کو ایک قبیلہ کے مقابلہ کیلیے بھیجا اُن مین سے ایک صاحب صف سے آگے نکل گئے، قبیلہ والے روتے ہوئے آئے، انھون نے کہا کہ لا الہ الا اللہ کہو تو بچ جاؤ گے لوگون نے اسلام قبول کرلیا، اور حملہ سے بچ گئے، اس پر ساتھیون نے اُن کو

ملامت کی کہ تم نے ہم لوگون کو غنیمت سے محروم کردیا، ابوداؤد مین صحابی کا قول ان الفاظ مین مذکور ہے،

فلامنی اصحابی وقالوا حرمتنا الغنیمۃ (ابوداؤد باب مایقول اذا اصبح کتاب الادب)	مجھ کو میرے ساتھیون نے ملامت کی، تم نے ہم لوگون کو غنیمت سے محروم کردیا،

جب لوگون نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اگر اُن کی شکایت کی تو آپ نے اُن کی تحسین کی اور فرمایا کہ تم کو ایک ایک آدمی (جو چھوڑ دیئے گئے) کے بدلے اتنا اتنا ثواب ملیگا (ابوداؤد)

قرآن مجید مین غنیمت کی نسبت "متاعِ دنیوی" کا لفظ آتا تھا، اور اس کی طرف انہماک اور وارفتگی پر ملامت کی جاتی تھی، جنگ اُحد مین جب اس بناپر شکست ہوئی کہ کچھ لوگ کفار کا مقابلہ چھوڑ کر غنیمت مین مصروف ہوگئے، تو یہ آیت اُتری،

مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (آل عمران ۱۶)	تم مین سے کچھ لوگ دنیا کے طلبگار تھے اور کچھ آخرت کے،

جنگ بدر مین لوگون نے جب اجازت سے پہلے غنیمت لوٹنی شروع کردی (یا) بقول بعض مفسرین فدیہ کی خواہش سے لوگون کو گرفتار کیا، تو یہ آیت اُتری،

تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ يُرِيْدُ الْاٰخِرَةَ (انفال ۔ ۹)	تم لوگ دنیا کی پونجی چاہتے ہو اور خدا آخرت چاہتا ہے،

باوجود ان تمام تصریحات اور بار بار کی تاکید کے غزوۂ حنین مین جو ۸ھ مین واقع ہوا تھا

اس وجہ سے شکست ہوئی کہ لوگ غنیمت کے لوٹنے مین مصروف ہو گئے صحیح بخاری غزوۂ حنین کے ذکر مین ہے،

فاقبل المسلمون علی الغنائم	تو مسلمان غنیمت پر ٹوٹ پڑے، اور
واستقبلونا بالسھام،	کافرون نے ہم کو تیرون پر رکھ لیا،

اس بنا پر موقع بہ موقع آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ کو زیادہ تر تصریح سے بیان فرماتے تھے، ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "کوئی شخص غنیمت کے لئے کوئی نام کے لئے کوئی اظہار شجاعت کے لئے جہاد کرتا ہے کس کا جہاد خدا کی راہ مین سمجھا جائے گا"؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:-

مَن قاتل لتکون کلمۃ اللہ	جو شخص اس لئے لڑتا ہے کہ خدا کا بول
ھی العلیاء،[۱]	بالا ہو،

بالآخر آپ نے یہ فرما دیا کہ گو جہاد کسی نیت سے کیا جائے لیکن اگر مجاہد مال غنیمت قبول کرتا ہے تو دو تہائی ثواب کم ہو جاتا ہے پورا ثواب اُسی وقت ملتا ہے جب غنیمت کو مطلق ہات نہ لگائے، صحیح مسلم مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص الفاظ یہ ہین،

ما من غازیۃ تغزو فی سبیل اللہ	جو غازی خدا کی راہ مین لڑتا ہے، اور
فیصیبون الغنیمۃ الا تعجلوا	مال غنیمت لیتا ہے، وہ آخرت کے ثواب
ثلثی اجرھم من الآخرۃ ویبقی	کا دو ثلث یہین لے لیتا ہے اور آخرت مین

[۱] بخاری کتاب الجہاد باب من قاتل لتکون کلمۃ اللہ ھی العلیا وصحیح مسلم کتاب الامارۃ۔ (س)

لهم الثلث وان لم يصيبوا غنيمة تم لهم اجرهم؎
اس کا حصہ صرف ایک تہائی رہ جاتا ہے البتہ اگر غنیمت مطلق نہ لے تو اس کو آخرت مین پورا اجر ملے گا،

ان تعلیمات کا یہ اثر ہوا کہ غنیمت جو سب سے محبوب چیز تھی دلون سے اُتر گئی، اور جہاد سے صرف اعلاے کلمۃ اللہ مقصود رہ گیا، واقعۂ ذیل سے اس کا اندازہ ہو سکے گا،

حضرت واثلہ بن الاسقع ایک صحابی تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب تبوک کی مہم پر روانہ ہوے، تو اُن کے پاس سامان نہ تھا، مدینہ مین آواز دیتے پھرے کہ کوئی ہے، جو ایسے شخص کو سواری دے کہ جو کچھ مال غنیمت ہاتھ آئے گا، اس مین وہ برابر کا شریک ہوگا" ایک انصاری نے سواری اور خوراک سب اپنے ذمہ لی، اس مہم مین کئی اونٹ ہاتھ آئے، حضرت واثلہ نے واپس آکر انصاری کے پاس سب اونٹ لے گئے، اور کہا "یہ وہ اونٹ ہین جن کی نسبت مین نے شرط کی تھی کہ آپ بھی اس مین حصہ دار ہون گے" انھون نے کہا کہ اُن کو تم ہی لو، میرا شرکت سے کچھ اور ارادہ تھا" (یعنی اونٹ مین نہین بلکہ جہاد کے ثواب مین شرکت مقصود تھی)؎

دوران جنگ مین دشمن کے مال اور جائداد کا لوٹنا بھی عام رواج تھا خصوصاً جب کہ رسد تھُڑ جاتی تھی، اور کھانے پینے کا انتظام نہین ہوسکتا تھا، تو ہر حال مین یہ فعل جائز سمجھا جاتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس کی سخت ممانعت کی، اور سرے سے اس طریقہ کو روک دیا، ابوداؤد مین

؎ صحیح مسلم کتاب الامارہ باب بیان ثواب من غزا فغنم وابوداؤد باب فی السریۃ ص ۳۵۲ ؎ ابوداؤد کتاب الجہاد جلد ثانی (باب الرجل یکری دابتہ علی النصف او السہم) ص

ایک انصاری سے روایت ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ ایک مہم پر گئے، اور نہایت تنگ حالی اور مصیبت پیش آئی، اتفاق سے بکریوں کا ریوڑ نظر آیا سب ٹوٹ پڑے، اور بکریاں لوٹ لیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی آپ موقع پر تشریف لائے، تو گوشت پک رہا تھا، اور ہانڈیاں اُبال کھا رہی تھیں، آپ کے ہاتھ میں کمان تھی، آپ نے اُس سے ہانڈیاں الٹ دیں، اور سارا گوشت خاک میں مل گیا، پھر فرمایا "لوٹ کا مال مردار گوشت کے برابر ہے"[1]

لڑائی عبادت بن گئی

اسلام نے جہاد کو جو بظاہر ایک ظالمانہ کام ہے، اس قدر پاک اور منزہ کر دیا، کہ وہ افضل ترین عبادت بن گئی، جہاد کا مقصد یہ قرار دیا کہ مظلوموں کو ظلم سے بچائے، جابر اور ظالم، کمزور آدمیوں پر دست ستم دراز نہ کرنے پائیں،

اُذِنَ لِلَّذِيْنَ يُقَاتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ	جن لوگوں سے لوگ لڑائی کرتے ہیں اُن
ظُلِمُوْا وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ	کو اس بنا پر لڑنے کی اجازت دیگئی کہ اُن
لَقَدِيْرُ ۙ الَّذِيْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ	پر ظلم کیا گیا، اور خدا اُن کی مدد پر قادر ہے،
دِيَارِهِمْ بِغَيْرِ حَقٍّ اِلَّآ اَنْ يَّقُوْلُوْا	وہ لوگ جو اپنے گھروں سے صرف اس
رَبُّنَا اللّٰهُ (حج-٦)	بنا پر نکال دیئے گئے کہ وہ کہتے تھے کہ ہمارا

ملک میں جو ہمیشہ فتنہ و فساد برپا رہتا تھا، اور لوگ امن و امان سے بسر نہیں کرسکتے تھے جہاد اس غرض سے تھا کہ فساد کو مٹا دے اور امن قائم کر دے،

وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ (انفال ۵) — اور اُن سے لڑو تاکہ فتنہ نہ رہے،

[1] ابو داؤد کتاب الجہاد جلد ثانی (باب فی النہی عن النہبی اذا کان فی الطعام قلۃ) ص ۱۱

جو لوگ خدا پر اور جزا، و سزا پر اعتقاد نہین رکھتے اور اس وجہ سے ان کے نزدیک ہر قسم کے ظلم و ستم جائز تھے، اور اُن کو جائز و ناجائز کی کچھ تمیز نہ تھی، جہاد سے اُن کا زیر کرنا اور اُن لوگون کو اُن کے ظلم سے بچانا مقصود قرار دیا گیا،

قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ	ان لوگون سے لڑو جو نہ خدا پر اعتقاد رکھتے
وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوْنَ	ہین، نہ قیامت پر، اور جن کامون کو
مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ،	خدا اور رسول نے حرام قرار دیا ہے اس
(توبہ - ۴)	کو حرام نہین سمجھتے،

جہاد مین فتح پانے اور زمین پر قبضہ حاصل کرنے کا مقصد یہ نہین قرار دیا گیا کہ فاتح دولت و مال، اور حکومت کا لطف اٹھائین، بلکہ یہ غرض قرار دی گئی کہ لوگون کو عبادت و ریاضت اور فقراء کی دستگیری کی تلقین کرین، اور اچھی باتین پھیلائین، اور بری کامون سے لوگون کو روک دین،

اَلَّذِيْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ	وہ لوگ کہ اگر ہم انکو زمین پر قبضہ دین تو
اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ	وہ نماز کے پابند ہون گے، زکوٰۃ ادا
وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَهَوْا	کرین گے، اچھی باتون کا حکم دین گے،
عَنِ الْمُنْكَرِ ۝ (حج - ۶)	اور بُری باتون سے روکین گے،

کسی ملک کی فتح سے جو دولت و مال ہاتھ آتا تھا، وہ فاتح کا خاص حصہ ہوتا تھا، جس کو وہ اپنے مصارفِ عیش مین استعمال کرتا تھا، اور دربار کے امراء درجہ بدرجہ اس سے مستفید ہوتے تھے، لیکن اس کا مصرف یہ قرار دیا،

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ | اور جان لو کہ تم کو جو کچھ مال غنیمت ملے تو
فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَ | اس کا پانچوان حصہ خدا کا ہے اور رسول کا
لِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ | اور رشتہ دارون کا اور یتیمون کا، اور غریبون
وَابْنِ السَّبِيْلِ ۝ (انفال-۵) | کا اور مسافرون کا،

جہاد نہ صرف حقیقت کے لحاظ سے بلکہ صورۃً بھی عبادت بنا دیا گیا، مجاہدین کو تاکید تھی کہ عین جنگ کے وقت بھی خدا کا نام لیتے رہین،

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً | مسلمانو! جب کسی گروہ سے مٹ بھیڑ ہو جائے
فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ | تو ثابت قدم رہو، اور بار بار خدا کا نام لیتے
تُفْلِحُوْنَ ۝ (انفال-۶) | جاؤ تم کامیاب ہوگے،

نماز مین جس طرح اٹھتے بیٹھتے تکبیر و تسبیح یعنی اللہ اکبر اور سبحان ربی الاعلی کہتے ہین، جہاد مین بھی یہی حکم تھا، حضرت جابرؓ بن عبداللہ کہتے ہین کہ ہم جب کسی بلندی پر چڑھتے تھے تو اللہ اکبر کہتے تھے، اور جب نیچے اترتے تو سبحان اللہ کہتے تھے، بخاری مین روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد مین جب کسی ٹیکرے پر چڑھتے تھے، تو تین دفعہ اللہ اکبر کہتے تھے ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاد پر جا رہے تھے، صحابہ زور زور سے تہلیل و تکبیر کرتے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قدر شور سے نہین کہنا چاہئے، کیونکہ خدا جس کو تم پکارتے ہو وہ بہرا نہین ہے،[۲] بعینہٖ اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرؓ کو نماز مین پکار کر قرآن پڑھنے سے منع فرمایا تھا،

نکتہ، ابوداؤد مین حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ جہاد مین دستور تھا کہ چڑھائیان[۳]

[۱] اس پانچوین حصہ کے سوا باقی تمام مال غنیمت مجاہدین کا حق ہے [۲] کتاب الجہاد باب التکبیر عند الحرب [۳] ابوداؤد.

آتی تھیں تو تکبیر کہتے تھے، اور اُتار آتا تھا، تو تسبیح پڑھتے تھے، نماز بھی اسی اصول پر قائم کی گئی یعنی سر اٹھاتے ہین، تو اللہ اکبر اور سجدہ مین جاتے ہین تو سبحان اللہ کہتے ہین، اس روایت مین ادا ے مطلب مین ذرا فرق آگیا ہی، جہاد کے اصول پر نماز نہین قائم کی گئی، بلکہ جہاد مین نماز کا طریقہ ملحوظ رکھا گیا ہی، کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ نماز ابتداے اسلام سے وجود مین آئی، اور جہاد کی تاریخ ہجرت کے بعد سے شروع ہوتی ہے، بہرحال اس روایت سے اس قدر قطعی ثابت ہوتا ہی کہ نماز اور جہاد دونون مین ایسی مشابہت تھی کہ ایک کو اصل اور دوسرے کو اس کی نقل سمجھتے تھے،

غرض وہی جنگ جو ہر طرح کے ظلم و ستم اور جہالت و وحشت کا مجموعہ تھی، اسلام کی تعلیم ربانی نے اس کو اعلاے کلمۃ اللہ، قیام امن، دفع مفاسد، نصرت مظلوم اور تسبیح و تہلیل کی صورت مین بدل دیا،

فاتح اور پیغمبر کا امتیاز جہاد کے معرکون مین آپ کے ہاتھ مین گو تیغ و سپر اور جسم مبارک پر خود و مغفر ہوتا تھا، لیکن اُس وقت بھی پیغمبر اور سپہ سالار کا فرق صاف نظر آتا تھا،

مین اُس وقت جب کہ معرکۂ کارزار گرم ہو، تیروں کا مینھ برس رہا ہے، تمام میدان لالہ زار بن گیا ہے، ہاتھ اور پاؤن اس طرح کٹ کٹ کر گر رہے ہین جس طرح موسم خزان مین پتے جھڑتے ہین، دشمن کی فوجین سیلاب کی طرح بڑھی آرہی ہین عین اسی حالت مین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دست دعا آسمان کی طرف بلند ہے، جنگ آور باہم نبرد آزما ہین، اور سر مبارک سجدۂ نیاز مین ہے،

(بقیہ حاشیہ ص ۶۱۹) کتاب الجہاد (باب القول اذا سافر) جلد اص، ۳۵ مطبوعہ مجتبائی، اصل عبارت یہ ہی (وکان النبی صلی اللہ علیہ وسلم) وجیوشہ اذا علوا الثنایا کبروا واذا ھبطوا سبحوا فوضعت الصلوٰۃ علی ذلک،

معرکۂ بدر مین حضرت علی شدتِ جنگ مین تین بار خبر لینے آئے اور ہر دفعہ دیکھا کہ وہ مقدس پیشانی خاک پر ہے، فوجین، تیرون کا مینھ برسا رہی ہین، اور لڑائی کا فیصلہ نہین ہوتا، فاتحِ بے سلاح زمین سے مٹھی بھر خاک اٹھا لیتا ہے، اور دشمن کی طرف پھینکتا ہے، دفعۃً فوجون کا بادل پھٹ کر مطلع صاف ہو جاتا ہے،

حنین مین دشمن نے دفعۃً اس زور سے حملہ کیا کہ تمام فوج کے پانون اکھڑ گئے ۱۲۰۰۰ ہزار آدمیون مین سے ایک[1] بھی پہلو مین نہین، سامنے سے دس ہزار قدر انداز تیر برسا رہے ہین لیکن مرکزِ حق اپنی جگہ پر قائم ہے، اور ایک پرُجلال آواز آ رہی ہے،

انا النبی لا کذب مین پیغمبر ہون اور جھوٹا پیغمبر نہین ہون

عین اُس وقت جب کہ صفین باہم معرکہ آرا ہین ہر طرف تلوارین برس رہی ہین، ہاتھ پانو کٹ کٹ کر زمین پر بچھے جاتے ہین موت کی تصویرین ہر طرف نظر آ رہی ہین اتفاق سے نماز کا وقت آ جاتا ہے دفعۃً نماز کی صفین قائم ہو جاتی ہین، سپہ سالار امام نماز ہے فوجین صفوفِ نماز ہین، رجز کے بجائے اللّٰہ اکبر کی صدائین بلند ہین، جوش و خروش تہور و جانبازی، غیظ و غضب اب عجز و نیاز، تضرع و انزاری اور خضوع و خشوع بن جاتا ہے صفین دو دو رکعتین ادا کر کے دشمن کے مقابلہ پر چلی جاتی ہین، اُن کے بجائے لڑنے والے نماز مین شامل ہو جاتے ہین، یہ دو رکعتین ادا کر کے پھر اپنی پہلی خدمت پر واپس چلے جاتے ہین، اور مشغولین جنگ آ کر بقیہ نماز پوری کر لیتے ہین لیکن یہ تبدیلیان فوجون مین ہوتی ہین، امام (رسولؐ) اول سے آخر تک عبادتِ الٰہی مین مصروف ہے،

---

[1] چند خاص رفقا کے سوا) "س"

تعلیم وارشاد، ہدایت وتلقین، تہذیب وتزکیہ کا کام ہر وقت جاری ہی، عین فتح کے وقت جب کہ مجاہدین فتح کے نشہ مین چور ہین، مال غنیمت فروخت ہو رہا ہے، ایک ایک کو ہزارون کی رقمین وصول ہو رہی ہین، ایک صحابی خوش خوش آتے ہین، اور جوش مسرت مین کہتے ہین "یا رسول اللہ! آج مین نے مال غنیمت سے جس قدر نفع اٹھایا کہ کبھی نہین اٹھایا تھا، پورے تین سو اوقیہ ہاتھ آئے" (اوقیہ دس روپے کے برابر ہوتا ہے) آپ فرماتے ہین کہ "مین اس سے بھی زیادہ نفع بتادون؟" وہ بڑے شوق سے پوچھتے ہین کیا؟ ارشاد ہوتا ہے "نماز فرض کے بعد دو رکعتین"[1]

[1] ابوداؤد باب التجارہ فی الغزو،

تمّ المجلد الاوّل من السیرۃ النبویّۃ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیّۃ